اس جلد میں سورۃ الانفال (مکمل) اور
سورۃ التوبۃ (۱ تا ۶۰ آیات) کے
مضامینِ جہاد کو بیان کیا گیا ہے۔

مولانا محمد مسعود ازہر صاحب

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب .... فتح الجواد فی معارف آیات الجہاد (جلد دوم)

مؤلف .... مولانا محمد مسعود ازہر صاحب حفظہ اللہ

اشاعت اوّل ۲۲۰۰

اشاعت دوم ...... ربیع الاوّل ۱۴۲۹ھ

تعداد ۴۴۰۰

صفحات ۶۰۸

قیمت .... ۳۳۰ روپے

ہماری مطبوعات ملنے کے پتے

مکتبۃ الایمان دکان نمبر ۱۳۱، ندیم ٹریڈ سینٹر، محلہ جنگی، عقب قصہ خوانی بازار پشاور 0321-9013592

رحمانی کتاب گھر دکان نمبر 2، نزد نور سبحانی مسجد، لسبیلہ چوک کراچی 0300-2249928

مکتبہ ابن مسعودؓ، مدرسہ ابن عبداللہؓ، چشمہ جات نزد کمپنی باغ کوہاٹ 0321-5782621

مکتبہ عثمانؓ و علیؓ، نزد بندھن شادی ہال، کوثر کالونی بہاولپور 0321-6837145

کتب خانہ رشیدیہ، مدرسہ تعلیم القرآن، راجہ بازار راولپنڈی 051-5771798

مکتبۃ السلام، اعظم مارکیٹ کمیٹی چوک راولپنڈی 0333-5178392

ادارہ اشاعت الخیر، حضوری باغ ملتان، فون 061-4514929

کشمیر نیوز ایجنسی، کوٹلی، آزاد کشمیر 05866042256

رجسٹرڈ مکتبہ عرفان ناشر

موبائل: 0321-4066827 فون: 042-7324844

مختصر فہرست

فتح الجواد فی معارف آیات الجہاد

جلد دوم

سورة
الأنفال
مدنية
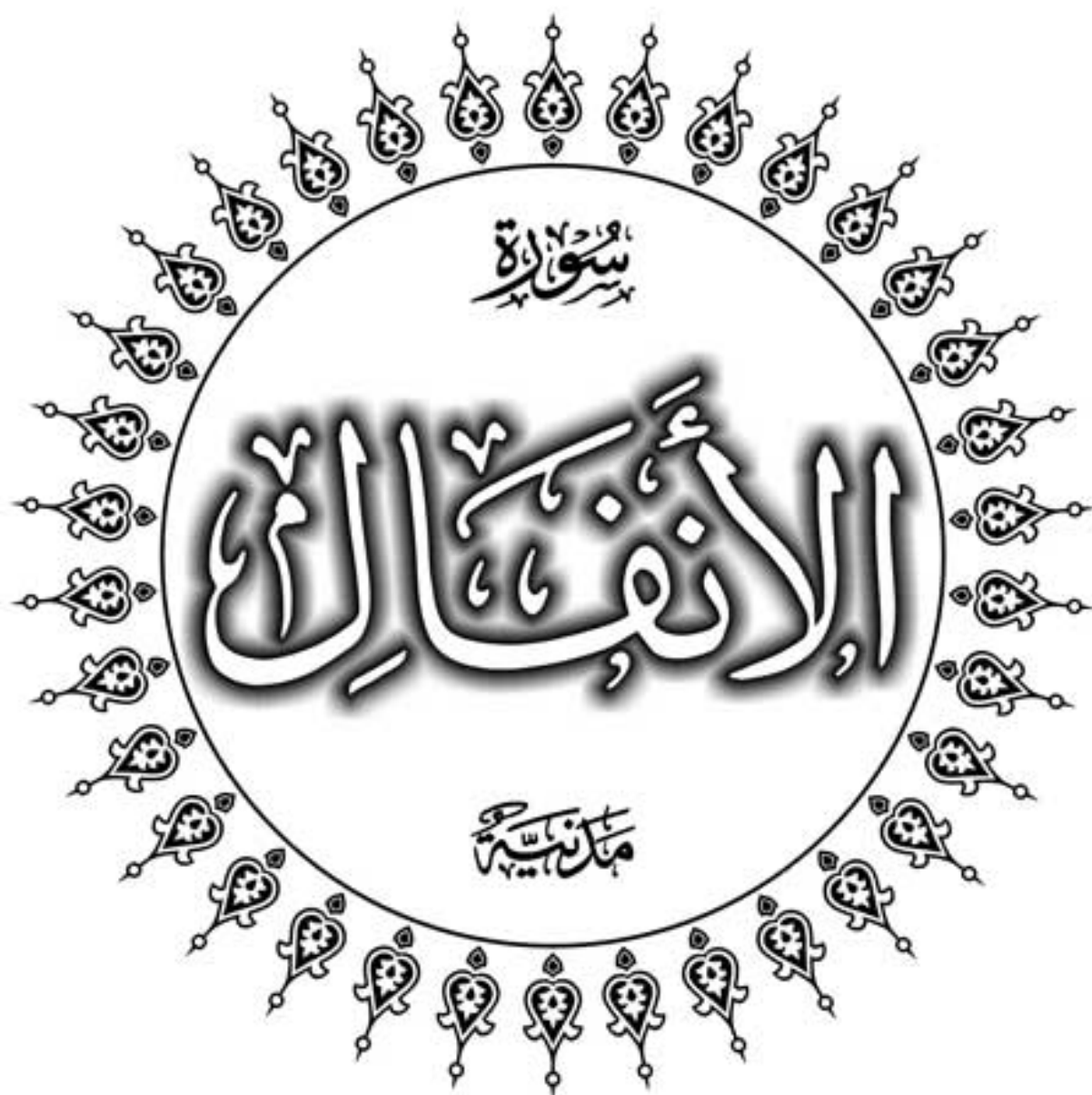
ابتدائیہ
تمام پچھتّر آیات کے مضامینِ جہاد کا خلاصہ
الانفال
وجہِ تسمیہ
قوانینِ جنگ
اہمیت
فوائدِ جہاد
مجاہدین کی صفات

پچھتر آیات میں مضامین جہاد کا خلاصہ

آیت-۱ جہاد میں کامیابی کا پانچ نکاتی نصاب۔

آیت-۲،۳،۴ ایمان والے مجاہدین کی پانچ صفات۔

آیت-۵ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد کے حق کام کے لئے گھر سے نکالا اور میدان بدر پہنچایا۔

آیت-۶ کچھ لوگوں کو یہ حق کام سمجھ نہیں آرہا تھا۔

آیت-۷ اللہ تعالیٰ نے حق کو غالب کرنے اور کافروں کی جڑ کاٹنے کے لئے مسلمانوں کا مقابلہ مشرکین مکہ کے طاقتور لشکر سے کرایا۔

آیت-۸ جہاد کے ذریعہ اسلام کا حق ہونا اور کفر کا باطل ہونا سب کے لئے ظاہر ہوجاتا ہے۔

آیت-۹ مسلمانوں نے بدر کے دن اللہ تعالیٰ سے نصرت کی فریاد کی تو اس نے فریاد قبول فرمائی اور فرشتوں کو نازل کرنے کا وعدہ فرمایا۔

آیت-۱۰ مجاہدین کا اصل مددگار تو صرف اللہ تعالیٰ ہے فرشتوں کا نازل ہونا محض خوشخبری اور دلوں کی مضبوطی کے لئے تھا۔

آیت-۱۱ غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے بارش اور غنودگی کے ذریعہ مجاہدین کی خاص نصرت فرمائی۔

آیت-۱۲ مجاہد فرشتے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی تربیت۔ فرشتوں کا مجاہدین کے دلوں کو مضبوط کرنا۔ اللہ تعالیٰ کا کافروں کے دلوں کو رعب میں جکڑ لینا۔

آیت-۱۳ مسلمانوں کے خلاف لڑنے والے کفار اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن اور مخالف ہیں۔

آیت-۱۴ جہاد کے ذریعہ کافروں کو اللہ تعالیٰ کا عذاب چکھایا جاتا ہے جب کہ جہنم کا اصل اور سخت عذاب ان کے لئے آگے تیار ہے۔

آیت-۱۵ میدانِ جہاد سے مقابلے کے وقت پیٹھ پھیر کر بھاگنا حرام ہے۔

آیت-۱۶ جنگی حکمت عملی کے تحت یا کمک لینے کے لئے وقتی طور پر میدان سے پیچھے ہٹنا جائز ہے۔اس کے علاوہ ہٹنا اللہ تعالیٰ کے غضب کو آواز دینا ہے۔

آیت-۱۷ جہاد کے دوران کافروں کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے جو نقصان پہنچتا ہے وہ حقیقت میں خود اللہ تعالیٰ کافروں کو پہنچاتا ہے۔ تاکہ وہ مسلمانوں کو اپنا عظیم احسان عطاء فرمائے۔

آیت- ⓲ اور اللہ تعالیٰ ہی کافروں کی قوت، سازش اور تدبیر کو کمزور فرما دیتا ہے۔

آیت- ⓳ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے اور کافروں کے لشکر ان کے کچھ کام نہیں آئیں گے۔ غزوہ بدر نے یہ بات سمجھا دی ہے اور فیصلہ کر دیا ہے۔ اے مشرکو! اب تو باز آ جاؤ، ایمان لے آؤ، ورنہ تمہارا مستقبل تاریک ہے۔

آیت- ⓴ اللہ تعالیٰ کے احکامات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کو اچھی طرح سے سنو، انہیں دل سے قبول کرو اور اپنے عمل میں لاؤ خصوصاً حکم جہاد کو۔

آیت- ㉑ ان منافقوں اور یہودیوں کی طرح نہ بنو جو کانوں سے سنتے ہیں مگر دل میں نہیں اتارتے اور عمل میں نہیں لاتے۔

آیت- ㉒ دین اسلام کی بات نہ سننے، نہ سمجھنے اور نہ قبول کرنے والے کافر جانوروں سے بدتر ہیں۔

آیت- ㉓ اب ان میں حق قبول کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو چکی ہے (اگر ایسے لوگ جہاد میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے جاتے ہیں تو کیا افسوس ہے؟)

آیت- ㉔ جہاد میں مسلمانوں کے لئے زندگی ہے۔ جہاد کا حکم جلد پورا کرو ایسا نہ ہو کہ تقدیر یا موت حائل ہو جائے، جہاد میں کچھ بھی قربان کرنے سے نہ گھبراؤ کیونکہ دنیا ہر حال میں چھوڑنی ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے۔

آیت- ㉕ جہاد چھوڑنے اور نہی عن المنکر چھوڑنے کے گناہ سے بچو کہ اس کا وبال سب پر پڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی سخت سزا کو یاد رکھو۔

آیت- ㉖ اپنی کمزوری اور قلت کا خیال کر کے اللہ تعالیٰ کا حکم جہاد ماننے میں سستی نہ دکھاؤ۔ ماضی میں اللہ تعالیٰ نے تمہاری کیسی زبردست نصرت فرمائی اس کو دیکھو۔

آیت- ㉗ ایمان والے مجاہدین کے ذمہ ہے کہ وہ اپنے اندر صفتِ امانت پیدا کریں اور ہر طرح کی انفرادی و اجتماعی خیانت سے بچیں۔

آیت- ㉘ مال اور اولاد کی خاطر اللہ تعالیٰ کے عظیم اجر سے محروم ہونا بڑی غلطی اور امتحان میں ناکامی ہے۔

آیت- ㉙ تقویٰ اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں نصرت، غلبہ، امتیازی شان اور قوتِ فیصلہ عطاء فرمائے گا اور تمہاری غلطیوں اور گناہوں پر اپنی مغفرت کے پردے ڈال دے گا، یعنی اپنے مال و اولاد کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر ترجیح نہ دو۔

آیت- ㉚ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کافروں کی سازشوں اور تدبیروں سے بہت طاقتور ہے۔ مشرکینِ مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش کی اللہ تعالیٰ نے ان کی سازش کو ناکام بنا دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچا لیا۔ (واقعہ شب ہجرت) کفار مسلمانوں کی قیادت کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور وہ ذاتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں۔

آیت- ㉛ مشرکین قرآن پاک کے دشمن اور مخالف ہیں۔ غزوہ بدر نے قرآن پاک کی حقانیت ان پر واضح

کردی ہے، وہ ذاتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی دشمن ہیں اور دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی دشمن ہیں۔

آیت۔ ۳۲ غزوہ بدر سے پہلے مشرکین مغالطے میں تھے اور اس قدر ضد میں تھے کہ اپنے اوپر عذاب کی بددعائیں کرتے تھے۔

آیت۔ ۳۳ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اور استغفار عذاب سے بچنے کے دو ذریعے ہیں۔

آیت۔ ۳۴ مشرکین مکہ مسجد حرام سے روکنے کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہیں، اور مسجد حرام پر اصل حق متقی مسلمانوں کا ہے۔ (فتح کی بشارت)

آیت۔ ۳۵ جو لوگ کعبہ شریف میں عبادت کے نام پر سیٹیاں اور تالیاں بجاتے ہیں ایسے لوگوں پر جہاد کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا عذاب آنے والا ہے۔

آیت۔ ۳۶ کفار اپنا مال اسلام اور مسلمانوں کے خلاف خرچ کرتے ہیں اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے، مگر ان کے ہاتھ حسرت اور مغلوبیت کے علاوہ کچھ نہیں آئے گا۔ کافروں کا مال ان کا جنگی ہتھیار ہے۔ وہ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے خلاف وسیع اقتصادی جنگ چھیڑتے ہیں۔

آیت۔ ۳۷ کافروں کو مسلمانوں کے خلاف مال خرچ کرنے کی طاقت اس لئے دی جاتی ہے تاکہ دنیا و آخرت میں پاک اور ناپاک الگ الگ ہو جائیں اور ناپاک کو جمع کر کے اس کی ڈھیری بنا کر جہنم میں ڈال دیا جائے۔ جہاد میں خرچ ہونے والے اموال پاک اور اسلام کے خلاف خرچ ہونے والے اموال ناپاک ہیں۔ جہاد کرنے والے پاک اور مسلمانوں کے خلاف لڑنے والے اور ان کا ساتھ دینے والے ناپاک ہیں۔

آیت۔ ۳۸ کافروں کے لئے اسلام کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے۔ مسلمان ہوتے ہی پچھلے سارے گناہ معاف۔ اور اگر وہ مسلمانوں سے لڑنا چاہتے ہیں تو پھر غزوہ بدر اور ماضی کے دشمنانِ اسلام کا انجام یاد رکھیں۔

آیت۔ ۳۹ ان کافروں سے برابر لڑتے رہو یہاں تک کہ ان کی قوت و شوکت ختم ہو جائے اور دین اسلام سب ادیان پر غالب آجائے اور اسلام اور قرآن نافذ ہو جائے۔ اگر وہ کفر سے باز آجائیں تو ان سے قتال نہیں۔

آیت۔ ۴۰ کفار اگر شرارت اور جنگ سے باز نہیں آتے تو مسلمانوں کو گھبرانے کی اور بزدلی دکھانے کی ضرورت نہیں ہے وہ اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر جہاد جاری رکھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کا مولیٰ، حمایتی اور بہترین مددگار ہے۔

آیت۔ ۴۱ جہاد کے دوران کافروں سے چھینے ہوئے اموالِ غنیمت کی تقسیم کا شرعی قانون۔

آیت۔ ۴۲ غزوہ بدر میں ناہموار حالات کے باوجود مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح عطاء فرمائی تاکہ حجت تام ہو جائے۔ اور مسلمانوں کی فتح اور دین کے غلبے کا جو فیصلہ ہو چکا تھا اسے پورا کر دیا جائے۔

آیت۔ ۴۳ غزوہ میں ایک خاص نصرت یہ ہوئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دشمن تھوڑے

دکھائے گئے۔اس سے مسلمانوں کو بہت فائدہ ملا۔

آیت-۴۴ غزوہ بدر کے آغاز میں مسلمانوں اور مشرکوں دونوں کے لشکر ایک دوسرے کو کم تعداد والے نظر آئے اس سے مسلمانوں کو بہت سے جنگی فوائد حاصل ہوئے۔

آیت-۴۵ جہاد میں یقینی کامیابی کے ٦ نسخے: [۱] ثابت قدمی سے لڑو۔ [۲] بہت کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔

آیت-۴۶ [۳] جہاد کے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرو [۴] اپنے امیر سے اور آپس میں ایک دوسرے سے نزاع نہ کرو ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ [۵] اپنے اندر صفتِ صبر پیدا کرو کہ اللہ تعالیٰ صابرین کے ساتھ ہے۔

آیت-۴۷ [٦] فخر، غرور، نمائش بازی، ریاکاری اور دین دشمنی سے بچو کیونکہ یہ سب شکست کے اسباب ہیں۔

آیت-۴۸ غزوہ بدر میں شیطان کی آمد اور اس کی ذلت آمیز پسپائی۔

آیت-۴۹ غزوہ بدر کے موقع پر منافقین کا مجاہدین کو طعنہ اور قرآن پاک کا جواب۔

آیت-۵۰ جو کافر مسلمانوں کے مقابلے میں نکلے فرشتوں نے مار مار کر ان کی روح سختی کے ساتھ قبض کی اور جہنم کی وعید سنائی۔

آیت-۵۱ اللہ تعالیٰ کسی کو بے جرم سزا نہیں دیتا کافروں کو یہ سزا ان کے کرتوتوں کی وجہ سے مل رہی ہے۔(دشمنانِ اسلام سزا کے مستحق ہیں)

آیت-۵۲ کافروں کو سزا دینے کا یہ دستور پہلے سے چلا آ رہا ہے فرعون اور اس کے ساتھیوں کو بھی اسی طرح پکڑا گیا۔(دشمنانِ دین سزا کے مستحق ہیں)

آیت-۵۳ جب نیت اور حالت خراب ہو جاتی ہے تو نعمت چھین لی جاتی ہے۔(دشمنانِ اسلام نے مسلمانوں کے مقابلے میں آ کر اپنی حالت کو خراب تر کر لیا ہے)

آیت-۵۴ جیسے فرعونیوں نے اپنی نیت اور حالت کر خراب تر کیا تو غرق کر دیئے گئے۔

آیت- ۵۵،۵٦،۵۷ اہل کتاب کے مقابلے میں جہاد۔ جو لوگ ہمیشہ کیلئے کفر اور بے ایمانی پر ڈٹ گئے ہیں اور بالکل بے خوف ہو کر بار بار اپنا عہد توڑتے ہیں، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین جانور ہیں، اگر یہ میدان جنگ میں آپ کے ہاتھ آ جائیں تو ان کو ایسی سخت سزا دیجئے جسے دیکھ کر ان کے پیچھے رہنے والے یا ان کے بعد آنے والی نسلیں بھی عبرت حاصل کریں اور عہد شکنی کی کبھی جرأت نہ کر سکیں۔

آیت-۵۸ کفار سے معاہدہ ختم کرنے کا طریقہ۔ اور خیانت سے بچنے کی سخت تاکید۔(احکام جہاد)

آیت-۵۹ جنگ میں مسلمانوں سے بچ کر جانے والے کافر یہ گمان نہ کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچ

جائیں گے۔

آیت- ۶۰ کافروں سے لڑنے کے لئے ہر طرح کی جنگی تیاری کرو، اس سے دشمنوں پر دہشت پڑے گی، اور جہاد اور اس کی تیاری میں تم جو کچھ خرچ کروگے اس کا پورا پورا بدلہ تمہیں دنیا و آخرت میں دیا جائے گا۔

آیت- ۶۱ کفار کی طرف سے صلح کی پیشکش آئے تو قبول کی جا سکتی ہے۔

آیت- ۶۲،۶۳ اگر کفار صلح کے نام پر آپ کو دھوکا دینا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے لئے کافی ہے، اس نے پہلے بھی (غزوہ بدر میں) آپ کو اپنی خاص نصرت اور ایمان والوں کے ذریعے قوت عطاء فرمائی تھی اور اسی نے اپنی غالب قدرت اور حکمت کے ساتھ آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں کو جوڑ دیا تھا حالانکہ زمین کے تمام خزانے خرچ کرکے بھی یہ کام نہیں کیا جا سکتا تھا۔

آیت- ۶۴ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ آپ کے لئے اور آپ کی اتباع کرنے والے مسلمانوں کے لئے کافی ہے۔

آیت- ۶۵ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایمان والوں کو قتال فی سبیل اللہ پر خوب ابھاریئے۔ مسلمانوں کو اپنے سے دس گناہ لشکر کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا لازم ہے۔

آیت- ۶۶ اب اس حکم میں نرمی کردی گئی ہے چنانچہ مسلمانوں کے لئے اپنے سے دوگنا لشکر کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا لازمی ہے۔

آیت- ۶۷ غزوہ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لیکر چھوڑنے پر مسلمانوں کو سخت تنبیہ اور اس کی وجوہات (مجاہدین کی توجہ جہاد کے کسی مرحلے میں بھی مال کی طرف نہیں جانی چاہیے) (اسلام کی قوت اور کفر کی ذلت کے لئے ان سب مشرکوں کو قتل کردینا چاہئے تھا)

آیت- ۶۸ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے سے معافی کا فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو فدیہ کے لینے کی وجہ سے تم پر بڑا عذاب نازل ہو جاتا۔

آیت- ۶۹ اب معافی ہوگئی ہے مالِ غنیمت اور فدیہ کا مال تمہارے لئے حلال اور پاکیزہ ہے۔

آیت- ۷۰ قیدیوں میں سے جو مسلمان ہو جائیں گے ان کے لئے دو وعدے اور بشارتیں۔

آیت- ۷۱ اگر یہ قیدی دھوکہ دیں گے تو دوبارہ برے انجام سے دوچار ہوں گے، اللہ تعالیٰ علیم وحکیم سے یہ نہیں چھپ سکتے۔

آیت- ۷۲ مہاجرین اور انصار ایک دوسرے کے رفیق ومعاون ہیں اور ہجرت نہ کرنے والے مسلمان تمہارے وارث نہیں ہیں۔ اسلامی جماعت اور اسلامی برادری کی بنیاد ایمان، ہجرت، نصرت اور جہاد پر ہے۔

آیت۔ ۷۳ کافر ایک دوسرے کے مددگار ہیں اگر مسلمان ان کے مقابلے میں اسلام کی بنیاد پر متحد اور ایک دوسرے کے مددگار نہ ہوئے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہو جائے گا۔

آیت۔ ۷۴ ایمان، ہجرت، نصرت اور جہاد کرنے والے ہی حقیقی مسلمان ہیں ان کے لئے مغفرت ہے اور عزّت کی روزی۔

آیت۔ ۷۵ بعد میں مسلمان ہونے والے اگر ہجرت اور جہاد کرلیں تو وہ بھی حقیقی مسلمان ہیں باقی رہی میراث تو وہ اب رشتے داروں کا حق ہے۔

الأنفال

سورة کا نام

اس سورۃ کا نام ''سورۃ الانفال'' ہے۔ یہ مدنی بدری سورۃ ہے۔

مَدَنِيَّةٌ بَدْرِيَّةٌ فی قول الحسن وعکرمة وجابر وعطاء(القرطبی)

بعض حضرات اسے ''سورۃ بدر'' بھی کہتے ہیں۔

عن سعید بن جبیر رحمه اللّٰہ انه سئل الحبر عنها فقال:تلك سورة بدر۔ (روح المعانی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایک قول یہ ہے کہ اس سورۃ کی سات آیات مکی ہیں۔ وقال ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما: هی مدنیةٌ الاسبع آیات واذیمکربك الذین کفروا۔ الیٰ آخر سبع آیات۔(القرطبی)

کئی مفسرین حضرات کے نزدیک یہ پوری سورۃ مدنی ہے۔

زمانۂ نزول

یہ سورۃ غزوہ بدر کے بعد نازل ہوئی۔ اور اس میں غزوہ بدر سے حاصل ہونے والے مال غنیمت کا حکم بیان فرمایا گیا۔ امام ابوحیان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ولا خلاف انها نزلت فی یوم بدر وامر غنائمه۔(البحر المحیط)

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ سورۃ غزوہ بدر اور اس کی غنیموں کے معاملے میں نازل ہوئی۔

تفسیر کشاف میں ہے:

نزلت بعد البقرة۔(کشاف)

کہ یہ سورۃ، سورۃ البقرہ کے بعد نازل ہوئی۔

سورۃ البقرہ میں فرضیت جہاد کا حکم ہے اور اس سورۃ میں جہاد کرنے کا مکمل طریقہ اور جہاد کے بہت سے احکام وفوائد کا بیان ہے۔ صاحب تفسیر ماجدی لکھتے ہیں۔ ''سورۃ جہاد وقتال کی ہے اوران کے احکام بھی آگے آرہے ہیں۔'' (تفسیر ماجدی)

وجہ تسمیہ

❶ الانفال: جمع ہے نَفَلٌ کی۔ اوراس کے معنیٰ ہے غنائم یعنی غنیمتیں۔ قال البخاری قال ابن عباس الانفال المغانم. (ابن کثیر)

مال غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو جہاد میں دشمن سے چھینا جاتا ہے۔

یحتمل ان یکون المراد من ھذہ الانفال الغنائم،وھی الاموال المأخوذۃ من الکفار قھراً. (تفسیرکبیر)

لغت میں نفل اس چیز کو کہتے ہیں جو اصل سے زیادہ ہو۔

الانفال جمع نفل بالفتح وھو الزیادۃ . (روح المعانی)والنفل زیادۃٌ علی الواجب.(القرطبی)

مال غنیمت کو انفال کیوں کہتے ہیں؟

❶ کیونکہ مال غنیمت پہلی امتوں کے لئے حلال نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے حلال فرمایا ہے تو اس امت کے لئے سابقہ امتوں سے جو چیزیں زیادہ حلال ہوئی ہیں یہ ان میں سے ہے۔

لانھا زیادۃٌ فیما احل اللہ لھذہ الامۃ مماکان محر ماً علیٰ غیرھا. (القرطبی)

❷ کیونکہ مال غنیمت اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی عطاء ہے۔(فضل کے معنیٰ استحقاق سے زیادہ عطاء فرمانا)

النفل الغنیمۃ لانھا من فضل اللہ وعطائہٖ (المدارک)

❸ کیونکہ مال غنیمت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو دوسری امتوں پر زیادہ فضیلت عطاء فرمائی ہے۔

لان المسلمین فضلوا بھا علی سائر الا مم التی لم تحل لھم. (روح المعانی)

❹ کیونکہ مال غنیمت جہاد کے اصل مقصد سے زائد ایک چیز ہے۔ جہاد کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کے کلمے کی بلندی اور اسلام کی حفاظت ہے۔

وسمیت الغنیمۃ بہ لانھا زیادۃ علی القیام بحمایۃ حوزۃ الاسلام. (البحر المحیط)

لانھا زیادۃ علی ماشرع الجھاد لہ وھوا علاء کلمۃ اللہ تعالیٰ وحمایۃ حوزۃ الاسلام.(روح المعانی)

حضرت لاہوری رحمہ اللہ اسی قول کو اختیار کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

انفال جمع نفل کی ہے نفل کے معنیٰ زیادہ ہے اور اس سے مراد مال غنیمت ہے، غنیمت کو مال زائد اس لئے کہا گیا ہے کہ مجاہد کی اصلی غرض میدان جہاد میں جانے کی یہ ہے کہ حق چونکہ کچلا جارہا ہے اس لئے اگر میں نے سر دے دیا تو حق بچ جائے گا۔ اب جو مال اسے دیا جائے گا تو وہ مقصود سے زائد ہے۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

تفسیر حقانی میں ہے:۔ انفال نفل کی جمع ہے۔ نفل اور نافلہ اس کو کہتے ہیں جو اصل پر زائد چیز حاصل ہو غنیمت کے مال کو اس لئے انفال کہتے ہیں کہ وہ برخلاف اور امتوں کے ایک نفع کی بات ہے تو اب جہاد سے زائد (جو اصل ہے) خاص اس امت کو حلال ہے ان (دوسری امتوں) کو حلال نہ تھا جیسا کہ اب تک عہد عتیق کے مختلف مقامات سے ثابت ہے اور نماز نفل کو بھی اس لئے نفل کہتے ہیں کہ وہ فرض سے زائد بات ہے۔ اور جو جنگ میں سردار سپاہِ اسلام کو انعام کے طور پر دیتا ہے اسکو بھی نفل کہتے ہیں اس جگہ مراد مال غنیمت ہے جو کفار سے مقابلہ کے بعد لیا جاتا ہے۔ جس کو لُوٹ کہتے ہیں۔ (تفسیر حقانی)

نفل اور انفال مال غنیمت کو بھی کہتے ہیں اور مال غنیمت کی بعض خاص قسموں کو بھی اور جہاد میں ہاتھ آنے والے قیدیوں کو بھی۔ مگر اس سورۃ کے نام اور آغاز میں جو لفظ "الانفال" استعمال ہوا ہے اس کو اکثر مفسرین نے عام مالِ غنیمت (مطلق) کے معنیٰ میں لیا ہے۔ تو سورۃ کی وجہ تسمیہ بھی سمجھ آگئی کہ اس سورۃ میں مال غنیمت کا بیان ہے اور اس سورۃ میں مالِ غنیمت کے متعلق درج ذیل امور بیان ہوئے ہیں:

- مالِ غنیمت مجاہد کا مقصود نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے لڑنے والے آخرت کے طلبگار مجاہد ہی کامیاب ہوتے ہیں۔ گویا کہ مجاہد کو دنیاوی اغراض سے پاک ہو کر جہاد کرنا چاہیے۔
- مالِ غنیمت کا اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا اختیار حاصل ہے۔
- مالِ غنیمت کی تقسیم کا قیامت تک کے لئے شرعی حکم اور قانون۔
- مالِ غنیمت میں ہاتھ آنے والے قیدیوں کے بعض احکامات۔
- مالِ غنیمت کے حلال طیب ہونے کا بیان۔ وغیرہ۔

الغرض الانفال کے بارے میں کافی کچھ اس سورۃ میں بیان فرمایا گیا ہے، باقی جن حضرات نے اس سورۃ کا نام "سورۃ بدر" بتایا ہے تو اس کی وجہ بھی واضح ہے کہ اس سورۃ میں غزوہ بدر کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور اسے قیامت تک کے جہاد فی سبیل اللہ کے لئے "کامیابی کی مثال" بنایا گیا ہے۔ اور غزوہ بدر کو بنیاد بنا کر جہاد میں کامیابی کے طریقے سکھائے گئے ہیں۔ اور جہاد کے فوائد اور مجاہدین کے اوصاف بیان فرمائے گئے ہیں۔ اور ان جنگی قوانین کو بیان کیا گیا ہے جن میں مسلمانوں کے لئے دنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔ بشرطیکہ وہ ان پر عمل پیرا ہوں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

نکتہ

❶ اس سورۃ کا نام مسلمانوں کو ان کا فریضۂ جہاد یاد دلاتا ہے کہ ان پر وہ عمل فرض ہے جس میں انفال یعنی غنیمتیں ملتی ہیں۔

❷ اس سورۃ کا نام مسلمانوں کو ان کا شاندار ماضی یاد دلاتا ہے کہ ایک زمانے میں وہ دشمنانِ اسلام سے مال غنیمت چھینا کرتے تھے۔ جبکہ آج مسلمان جہاد چھوڑنے کی وجہ سے دشمنانِ اسلام کو ٹیکس دیکر زندگی گذار رہے ہیں۔ اور وہ غنیمت کے لفظ اور معنیٰ سے بھی شرماتے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

بشارت

قرآن پاک ایک زندہ کتاب ہے اور یہ قیامت تک کے لئے آخری کتاب ہے چنانچہ اس سورۃ کے نام سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں جہاد و غنیمت کا سلسلہ جاری رہے گا اور مسلمان غنیمتیں حاصل کرتے اور اسے قرآن پاک کے حکم کے مطابق تقسیم کرتے رہیں گے۔ کچھ عرصہ قبل تک افغانستان میں یہ سلسلہ زور و شور سے جاری تھا۔ اب عراق میں بھی جاری ہو گیا ہے۔ سورۃ کا نام بتاتا ہے کہ انفال اور جہاد نے زندہ اور موجود رہنا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فائدہ

سورۃ کا نام ہے سورۃ الانفال یہ نام سنتے ہی ذہن فوری طور پر انفال یعنی مال غنیمت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے کونسا مال غنیمت؟ وہ مال غنیمت جس کے بارے میں کچھ اختلاف ہوا تھا تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ یہ مال غنیمت کب ملا تھا؟ یہ غزوہ بدر میں ملا تھا۔ وہ غزوہ بدر جس میں مسلمانوں کو شاندار اور مثالی فتح نصیب ہوئی تھی۔ قرآن پاک بار بار غزوہ بدر کی فتح یاد دلاتا ہے تاکہ مسلمان مضبوط ہو جائیں، اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین کریں۔ صرف اسی پر بھروسہ کریں۔ اور اپنے اندر مجاہدینِ بدر والی صفات پیدا کریں۔ ان صفات کو بھی اس سورۃ مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح قرآن پاک غزوہ احد کی ظاہری شکست یاد دلاتا ہے اور ان غلطیوں سے روکتا ہے جن کی وجہ سے شکست ہوئی تھی اور ان گمراہیوں سے روکتا ہے جو شکست کے بعد پیدا ہوتی ہیں۔ پس اس امت کے پاس جہاد فی سبیل اللہ کا مکمل نصاب موجود ہے۔ اور اس امت کا کام دعوت و جہاد ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

کلام برکت

حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

سورۂ انفال اتری بعد جنگ بدر کے۔ جب ہجرت کے بعد حکم ہوا جہاد کا۔ اول جہاد تھا قریش سے جن کے ظلم سے وطن چھوڑا۔ ان پر چڑھ کر نہ جا سکتے (تھے) مکے کے ادب (کی وجہ) سے مگر راہ باٹ پر مسلمان دوڑے (یعنی حملہ کیا) دو تین بار، پھر دوسرے برس قریش کا قافلہ تجارت کو گیا ملک شام۔ جب (واپس) پھرنے لگے حضرت نے آپ

(یعنی خود) ان پر (حملے کا) قصد کیا۔ خبر پا کر مکے والے مدد کو نکلے قافلے کی۔ قافلہ بچ نکلا اور دو فوجیں بھڑ گئیں حق تعالیٰ نے (مسلمانوں کو) فتح دی۔ شریر شریر کافر ستر مارے گئے اور ستر بند میں آئے (یعنی قید ہوئے) (موضح القرآن)

یہ اقدامی جہاد تھا

ملاحظہ فرمائیے تفسیر عثمانی سے یہ دلچسپ، جامع اور علمی عبارت:

جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اس سفر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شروع ہی سے فوجی لشکر کے مقابلہ میں نکلے تھے جو ''مدینہ'' پر از خود اقدام کرتا ہوا چلا آ رہا تھا، تجارتی قافلہ پر حملہ کرنے کی نیت آپ نے اول سے آخر تک کسی وقت نہیں کی۔ وہ فی الحقیقت اپنے ایک خود ساختہ اصول پر تمام ذخیرۂ حدیث وسیر اور اشارات قرآنیہ کو قربان کرنا چاہتے ہیں۔ یہ منطق ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ کفار محاربین جنگی دستبرد سے مسلمانوں کی جان و مال کوئی چیز نہ بچی اور نہ آئندہ بچنے کی توقع تھی، ان کو جانی و بدنی نقصان پہنچانا تو جائز سمجھا جائے لیکن تجارتی اور مالی نقصان پہنچانا خلاف تہذیب وانسانیت ہو۔ یعنی ان کی جانیں تو ظلم وشرارت اور کفر وطغیان کی بدولت محفوظ نہیں رہیں مگر اموال بدستور محفوظ ہیں۔ گویا زندگی کے حق سے محروم ہو جائیں تو ہو جائیں پر سامان زندگی سے محروم نہ ہوں "ان ھذا لشئیٌ عجاب" باقی یہ دعویٰ کہ جو لوگ حملہ آور نہ ہوئے ہوں ان پر مسلمانوں کو از خود حملہ کرنا جائز نہیں کیونکہ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ کے خلاف ہوگا۔ قطع نظر اس سے کہ یہ مسئلہ موجودہ واقعہ سے بے تعلق ہے کیونکہ کفار مکہ پہلے ہر قسم کے مظالم اور حملے مسلمانوں پر کر چکے تھے اور آئندہ کے لئے باقاعدہ دھمکیاں دے رہے تھے بلکہ اس بارہ میں ان کی سازشیں اور مراسلتیں جاری تھیں فی نفسہ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ آیت ابتدائے ہجرت میں اتری تھی جس کے بعد دوسری آیات جن میں مطلق قتال کا حکم ہے نازل ہوئیں۔ پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ صرف اتنا کہنے سے کہ حملہ آوروں کی مدافعت کرو' یہ لازم نہیں آتا کہ کسی حالت میں حملہ کرنے کی اجازت نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سورۃ الأنفال کا مختصر و جامع خلاصہ

''سورۃ الأنفال'' جہاد کی بنیادی سورۃ ہے، اس میں قیامت تک کے لئے قوانینِ جنگ کا بھی بیان ہے اور جہاد کے فوائد کا بھی مفصل تذکرہ ہے اور یہ سورۃ اُن اوصاف اور صفات کو بھی بیان کرتی ہے جو اگر مجاہدین میں پیدا ہو جائیں تو اُن کا جہاد کامیاب رہتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے سورۃ الأنفال کی روشنی میں پندرہ قوانینِ جنگ...... جہاد کے بیس فائدے ......اور مجاہدین کے پچیس اوصاف۔

۱۵ قوانینِ جنگ

❶ ڈٹ کے لڑنا ہے پیٹھ نہیں پھیرنی۔ آیت ۱۵

❷ جنگ کے دوران اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت۔ آیت ۲۰

۳ اطاعتِ امیر۔ آیت ۴۶

۴ جب کوئی جنگی تدبیر دل میں آجائے اس پر فوراً عمل کریں دیر نہ لگائیں۔ آیت ۲۴

۵ اموال میں خیانت نہ کریں کیونکہ یہ موجب جبن ہے۔ آیت ۲۷

۶ تنافس کریں یعنی قربانی میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کریں۔ آیت ۲۹

۷ مسلسل اور کثرت سے ذکر کیا کریں۔ آیت ۴۵

۸ لشکر متحد رکھنا چاہئے۔ آیت ۴۶

۹ کافروں کو ہلکی مار دے کر پیچھے نہ ہٹ آؤ۔ آیت ۵۷

۱۰ جنگ سے پہلے بھرپور تیاری کرو اور دشمن کو مسلسل رعب میں رکھو۔ آیت ۶۰

۱۱ ایک جماعت ایسی رکھو جو مسلسل جہاد پر ابھارتی رہے۔ آیت ۶۵

۱۲ جب دشمن ہاتھ آئیں تو پہلے خوب خون ریزی کرو پھر قیدی بناؤ۔ آیت ۶۷

۱۳ جن کو قیدی بنالو اُن کو اندر ہی اندر اپنے ساتھ ملا کر دشمنوں کے لئے گھر کا بھیدی بنالو۔ آیت ۷۰

۱۴ جب کوئی مظلوم مدد کے لئے پکارے تو دیر مت لگاؤ (یہ اللہ تعالیٰ کی مدد کا وقت ہوتا ہے)۔ آیت ۷۲

۱۵ جب کافروں کا آپس میں اتحاد ہو تو اُن کے خلاف اتحاد کرلو۔ آیت ۷۳

۲۰ فوائدِ جہاد

۱ انسان کو حق کا راستہ عطا ہوتا ہے۔ آیت ۵

۲ اسلام کو ایسا غلبہ عطاء ہوتا ہے جس کو کافر بھی تسلیم کرتے ہیں۔ آیت ۸

۳ انسانوں کی فرشتوں سے ملاقات ہوجاتی ہے۔ آیت ۹،۱۰

۴ اللہ تعالیٰ خرقِ عادت چیزوں سے نصرت فرماتے ہیں۔ آیت ۱۱

۵ اللہ تعالیٰ کی محبت اور قرب نصیب ہوتا ہے۔ آیت ۱۷

۶ انسان کو زندگی نصیب ہوتی ہے۔ آیت ۲۴

۷ جہاد کی برکت سے اللہ تعالیٰ پاکیزہ روزی اور ٹھکانہ دیتے ہیں۔ آیت ۲۶،۷۴

۸ اللہ تعالیٰ گناہ معاف فرماتے ہیں۔ آیت ۲۹

۹ اللہ تعالیٰ مجاہد کو قوتِ فیصلہ اور نورِ فراست عطاء فرماتے ہیں۔ آیت ۲۹

۱۰ کافروں کو شدید مالی نقصان ہوتا ہے (دیوالیہ ہوجاتے ہیں)۔ آیت ۳۶

۱۱ حق اور باطل الگ الگ ہوجاتے ہیں۔ آیت ۳۷

۱۲ کافروں کی طاقت ٹوٹ جاتی ہے۔ آیت ۳۹

۱۳ جہاد کی وجہ سے مال غنیمت ملتا ہے۔ آیت ۴۱
۱۴ کافروں پر حجت تام ہو جاتی ہے۔ آیت ۴۲
۱۵ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص خاص بشارتیں نصیب ہوتی ہیں۔ آیت ۴۳
۱۶ فلاح یعنی ترقی اور کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ آیت ۴۵
۱۷ کافروں پر مسلمانوں کا رعب بیٹھ جاتا ہے۔ آیت ۶۰
۱۸ مسلمانوں میں اتحاد اور جوڑ پیدا ہوتا ہے۔ آیت ۶۳
۱۹ اللہ تعالیٰ قوت کو بڑھا دیتے ہیں۔ آیت ۶۵
۲۰ ایمان کامل ہو جاتا ہے۔ آیت ۷۴

مجاہدین کے ۲۵ اوصاف

۱ تقویٰ۔ آیت ۱
۲ اصلاح ذات البین۔ آیت ۱
۳ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی اطاعت۔ آیت ۱
۴ اللہ کا خوف۔ آیت ۲
۵ قرآن مجید سے تعلق۔ آیت ۲
۶ توکل۔ آیت ۲
۷ اقامۂ صلوٰۃ۔ آیت ۳
۸ انفاق فی سبیل اللہ۔ آیت ۳
۹ استغاثہ من اللہ۔ آیت ۹
۱۰ ثابت قدمی۔ آیت ۱۱
۱۱ دعوتِ جہاد پر فوراً لبیک کہیں۔ آیت ۱۵
۱۲ اطاعتِ امیر۔ آیت ۲۰
۱۳ شکرگزاری۔ آیت ۲۶
۱۴ نہی عن المنکر۔ آیت ۲۷
۱۵ مال واولاد کی قربانی دیں۔ آیت ۲۸
۱۶ کافروں کی طاقت کو توڑنے کا جنون سر پر سوار رہے۔ آیت ۳۹
۱۷ اجتماعی اموال کی شرعی تقسیم۔ آیت ۴۱
۱۸ نزاع سے بچیں۔ آیت ۴۶
۱۹ صبر کریں۔ آیت ۴۶
۲۰ تکبر اور ریاء سے بچیں۔ آیت ۴۷
۲۱ مسلسل جہادی قوت اور عسکری تربیت کو بڑھاتے رہیں۔ آیت ۶۰
۲۲ حالات پر کڑی نظر رکھیں۔ آیت ۶۱، ۶۲
۲۳ دعوتِ جہاد۔ آیت ۶۵
۲۴ حُبِّ دنیا سے بچیں۔ آیت ۶۷
۲۵ قومیت، وطنیت، لسانیت کو بالائے طاق رکھ کر اسلامی رشتے کو ملحوظ رکھیں۔ آیت ۷۲

حضرت لاہوریؒ کی تحقیق

مولانا احمد علی لاہوریؒ نے ''سورۃ الأنفال'' کی روشنی میں درج ذیل تیرہ (۱۳) دفعاتِ جنگ بیان فرمائے ہیں اور لکھا ہے کہ دنیا کا کوئی قانون اِن تیرہ (۱۳) دفعاتِ جنگ سے باہر نہیں جاسکتا۔

۱. صفِ قتال میں استقامت۔ آیت ۱۵
۲. میدانِ جنگ میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے مطیع رہو۔ آیت ۲۰
۳. اس کی اطاعت کو زندگی سمجھو۔ آیت ۲۴
۴. ادائے فرض میں خیانت نہ کرو۔ آیت ۲۷
۵. حصولِ فرقان کے لئے تقویٰ لازم ہے۔ آیت ۲۹
۶. غایتِ قتال (یعنی جہاد کا مقصد)۔ آیت ۳۹
۷. قانونِ تقسیمِ غنائم۔ آیت ۴۱
۸. میدانِ جنگ میں ذکرِ الٰہی کا تحفظ رہے۔ آیت ۴۵
۹. تلقینِ ترکِ تنازعہ (یعنی آپس میں نزاع اور جھگڑا نہ کرنے کی تلقین)۔ آیت ۴۶
۱۰. آلاتِ جنگ کی تیاری۔ آیت ۶۰
۱۱. اسلام مصالحت کے لئے ہر وقت تیار ہے۔ آیت ۶۱
۱۲. حکمِ تحریض علی القتال (یعنی جہاد پر اُبھارنے کا حکم)۔ آیت ۶۵
۱۳. مقاصدِ سیاسیہ میں مسلمانوں کی فقط ان قوموں اور جماعتوں کا خیال رکھا جائے جو مرکز سے وابستہ ہیں۔ آیت ۷۲

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

آپ سے غنیمت کا حکم پوچھتے ہیں کہہ دیجئے غنیمت کا مال اللہ تعالیٰ اور رسول کا ہے پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو

وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ

اور آپس میں صلح کرو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حکم مانو اگر

مُّؤْمِنِيْنَ ①

ایمان والے ہو

خلاصہ

مال غنیمت کسی کا نہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے تم اس مال سے بے غرض ہو جاؤ۔ تقویٰ اختیار کرو، آپس کے تعلقات اور معاملات درست رکھو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات پر عمل کرو۔ جن کے دلوں میں ایمان ہو وہ ایسا ہی کرتے ہیں۔

فائدہ

غزوہ بدر میں خوب مال غنیمت ہاتھ آیا۔ مال غنیمت کی تقسیم کا کوئی دستور موجود نہیں تھا۔ ہجرت اور نصرت کے امتحانات سے کامیاب گذرنے والے تین سو تیرہ مجاہدین مال کی لالچ سے بہت دور تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کے طالب تھے اسی لئے تو کم تعداد اور بے سروسامانی کے باوجود مشرکین کے طاقتور لشکر سے ٹکرا گئے تھے۔ مگر پھر بھی مال غنیمت برکت والا مال تھا اور اللہ تعالیٰ کے خاص فضل اور اس کی غیبی نصرت سے ہاتھ آیا تھا۔ اس لئے تقسیم کے معاملہ پر کچھ اختلاف ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمادیا کہ اَلْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مال غنیمت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ یہ سنتے ہی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی توجہ پوری طرح سے اس مال سے ہٹ گئی اور وہ پہلے کی طرح بے غرض ہو گئے تب وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ کا قانون نازل فرما کر یہ مال ان کو لوٹا دیا گیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فائدہ

اس آیت میں مجاہدین کرام کے لئے قیامت تک جہاد میں فتح اور کامیابی کا نصاب بیان فرمادیا گیا ہے۔ یہ پانچ نکاتی نصاب دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی کا ضامن ہے۔ اور اس نصاب پر عمل کرنے والے مجاہدین ہمیشہ فتح

اور غلبہ حاصل کرتے ہیں اور کامیاب رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اعلان فرمایا ہے وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کہ غلبہ تمہارے لئے ہے اگر تم ایمان والے ہو۔ اور اس آیت میں وہ پانچ کام بتائے گئے ہیں جو ایمان کے تقاضے ہیں (۱) اللہ تعالیٰ کی اطاعت (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت (۳) تقویٰ (۴) آپس کے معاملات اور تعلقات کی درستگی (۵) جہاد سے کوئی دنیاوی غرض نہ رکھنا۔

پس جس مجاہد میں اور جس جہادی جماعت میں یہ پانچ امور ہونگے وہ غزوہ بدر کی ترتیب پر آجائے گی۔ اور اللہ پاک کی مدد اور نصرت کی مستحق ہوجائے گی اور جو لشکر ان پانچ صفات سے مالا مال ہوگا اس کے سامنے دنیا کی کفریہ شیطانی طاقتیں نہیں ٹھہر سکیں گی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اقوال وحوالے

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ: (۱) ای کیف مصر فھا و من المستحق لھا. (تفسیر الکبیر)

وہ آپ سے غنیمت کا حکم پوچھتے ہیں کہ ان کا مصرف کیا ہے اور کون ان کا مستحق ہے؟

(۲) ای الغنائم لمن ھی. (جلالین)

یعنی غنیمتوں کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ یہ کس کی ہیں (کس کو ملیں گی)۔

(۳) يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ای من الانفال والمراد من ھذا السوال الاستعطاء (التفسیر الکبیر)

یعنی وہ آپ سے مال غنیمت میں سے حصہ مانگتے ہیں۔ اور سوال سے مراد مانگنا ہے پوچھنا نہیں (یعنی عن من کے معنیٰ میں ہے)

پوچھنے والے کون تھے؟

وھم اقوامٌ من الصحابة (التفسیر الکبیر)

یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کچھ لوگ تھے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ یہ روایت لائے ہیں:

عن ابی امامة الباھلی قال سئلت عبادة بن الصامت عن الانفال فقال: فینا معشر اصحاب بدر نزلت حین اختلفنا فی النفل وساءت فیه اخلاقنا، فنزعه الله من ایدینا وجعله الی الرسول فقسمه رسول الله صلی الله علیه وسلم عن بواء (قرطبی)

یعنی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ہم "اصحاب بدر" کے بارے میں نازل ہوئی جب ہم نے مال غنیمت میں اختلاف کیا اور ہمارے اخلاق پر اس کا برا اثر پڑا تو اللہ تعالیٰ نے اسے ہمارے ہاتھوں سے لے لیا اور اپنے رسول کے حوالے کردیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے برابر تقسیم فرمادیا۔

تفسیر جلالین میں ہے:

لما اختلف المسلمون فی غنائم بدر فقال الشبان هی لنا لأنا باشرنا القتال وقال الشیوخ کنا ردأً لکم تحت الرأیات ولو انکشتم لفئتم الینا فلا تستأثروا بها نزل: یَسۡـَٔلُوۡنَكَ یا محمد عَنِ الۡاَنۡفَالِ (جلالین)

جب مسلمانوں میں بدر کے مال غنیمت کے بارے میں اختلاف ہوا اور جوان کہنے لگے ہم نے جنگ لڑی ہے یہ ہمیں ملنا چاہئے اور بزرگوں نے کہا ہم تمہارے پیچھے جھنڈوں کے نیچے تمہارے پشت و پناہ تھے اگر تم پسپا ہوتے تو ہمارے پاس پناہ لیتے اس لئے خودکو ہم پر اس کے بارے میں ترجیح نہ دو۔

فائدہ

بے سروسامانی کے عالم میں مسلمانوں کو عجیب فتح ملی تھی، آسمان سے حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کے ساتھ جنگ میں شرکت کے لئے تشریف لائے تھے، سرزمین حجاز کے طاقتور مشرک لاشوں کے ڈھیر میں دبے پڑے تھے، ستر قیدی مسلمانوں کے قبضے میں تھے، مظلوم مسلمانوں کے لئے عجیب خوشی کا عالم تھا بس اسی خوشی میں تھوڑی دیر کے لئے اختلاف کی کیفیت پیدا ہوئی تو وحی کا دروازہ کھلا اور سمجھا دیا گیا کہ جس ایمان، جس اطاعت، جس تقوے، جس باہمی اتفاق اور جس بے غرضی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فتح دی ہے وہ قائم رکھو اور اپنی نظر دنیا کے مال غنیمت پر نہیں اللہ تعالیٰ کی اونچی جنت، اس کی مغفرت اور آخرت کے عزت والے رزق پر رکھو۔ تم دنیا سے بے غرض ہوکر میدانِ شہادت میں کودے تو تمہیں فتح بھی ملی اور مال کے انبار بھی۔ پس اخلاص اور دنیا سے اپنی بے غرضی والی وہ کیفیت برقرار رکھو جو بندۂ مومن کو اللہ تعالیٰ کی نصرت کا حقدار بنا دیتی ہے۔ اور اہل ایمان کو فتح تو اللہ تعالیٰ کی نصرت ہی سے ملتی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

جنگ میں بعضے آگے بڑھے اور بعضے پشت پر رہے۔ جب غنیمت جمع ہوئی بڑھنے والوں نے کہا یہ حق ہمارا ہے کہ فتح ہم نے کی اور پشتی والوں نے کہا تم ہماری قوت سے لڑے حق تعالیٰ نے دونوں کو خاموش کیا کہ فتح اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہے۔ زور کسی کا پیش نہیں جاتا (یعنی کام نہیں آتا)۔

سو مالک مال کا اللہ ہے اور نائب اس کا رسول ہے پھر آگے بہت دور تک یہی بیان فرمایا کہ فتح اللہ کی مدد سے ہے اپنی قوت سے نہ سمجھو۔ (موضح القرآن)

مجاہدین کی زبردست اصلاح

قُلِ الۡاَنۡفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ آپ فرما دیجئے غنیمت کا مال اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا ہے۔

”اور وہی دونوں (یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم) مالک ومختار ہیں کہ جس طرح بھی چاہیں ان کی تقسیم کا حکم جاری کردیں۔ اس میں تردید آ گئی اس خیال کی کہ مال غنیمت اصلی حق غازیوں، مجاہدوں اور لشکرِ اسلامی کے

سپاہیوں کا ہے۔ان سے وعدہ تو اجرِ آخرت کا ہے،ان کا صلۂ موعود تو صرف جنت اور وہاں کی نعمتیں ہیں،وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتال ہرگز ہرگز اس نیت سے نہ کریں کہ مال غنیمت کے وہ مالک ومتصرف ہوں گے۔دنیا میں ظہورِ اسلام سے قبل بھی بڑی بڑی متمدن ومہذب پر قوت وشوکت سلطنتیں موجود تھیں،عظیم الشان جنگیں بھی آپس میں ہو چکی تھیں اور ہوتی رہتی تھیں مصر،ہند،ایران،یونان،رومہ سب میں بڑے بڑے سیاسی اور معاشی مفکرین پیدا ہو چکے تھے،جنہوں نے غنائمِ جنگ سے متعلق بھی مختلف نظریئے رواج دے رکھے تھے قرآن مجید نے آکر دنیا میں پہلی بار ان سارے نظریات کو چیلنج کر دیا اور بتلایا کہ مال غنیمت نہ بادشاہ کی مِلک ہے،نہ فوج کے افسروں اور سپاہیوں کی،اور نہ ملک وقوم کی بلکہ اصلاً وحقیقتاً صرف اللہ تعالیٰ کی مِلک ہے!۔سپاہیوں اور مجاہدوں میں اخلاص کامل پیدا کرنے کی کوئی صورت اس سے بڑھ کر نہیں۔(تفسیر ماجدی)

اسلامی معیشت کا اہم اصول

لِلّٰہِ سوال کا جواب کتنا بلیغ وحکیمانہ ملا،کہ اس(مال غنیمت)کا بھی مالک وہی ہے جو جان اور مال ہر چیز کا مالک ہے،گویا یہ ارشاد ہوا کہ جس طرح ربوبیت اس ذات پاک کی صفتِ خاصہ ہے،مالکیت بھی تمام تر اسی کا وصفِ مخصوص ہے،ہر جان کا مالک بھی وہی،ہر مال کا مالک بھی وہی،اسلامی نظامِ حکومت میں قانون اسی کا،اقتدار اعلیٰ اسی کا،زمین اسی کی،اور ٹھیک اسی طرح دشمن سے حاصل کیا ہوا ہر مال بھی اسی کا!۔اسی کو اختیار ہے کہ تقسیم کا حکم جس طرح چاہے دے یا جو کچھ چاہے کرے۔(تفسیر ماجدی)

خلاصہ یہ ہوا کہ مجاہد کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے دین کے غلبے کے لئے جہاد کرے اور روزی، روٹی کا مسئلہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے۔مال کا مالک اللہ تعالیٰ کو سمجھے،اور اپنی نیت کو پاک رکھے۔اور جو مال مل جائے اس کے بارے میں بھی یہی یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔اور اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا رزاق مانے۔اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو مال کا اصل مالک اور اپنی روزی کا اصل ذریعہ نہ سمجھے۔گویا ایک لفظ میں مجاہد کی نیت بھی ٹھیک کر دی گئی اور اس کا نظریہ بھی درست کر دیا گیا۔

جب نیت ٹھیک ہوئی تو اخلاص پیدا ہوا اور جب مال کے بارے میں نظریہ درست ہوا تو پھر تمام مخلوق سے مستغنی اور بے پرواہ اور روزی کے بارے میں بے فکر ہو گیا۔ بے شک ایسا مخلص،بے غرض اور بے فکر مجاہد ہی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے پوری دنیا کے کفر کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

تقویٰ اور جہاد

پھر حکم دیا گیا کہ فَاتَّقُوا اللّٰہَ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔تقویٰ اختیار کرو۔یعنی ایمان کو دل میں اتارو اور اس کے تقاضوں پر عمل کرو۔اور جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے بچو۔تم اپنے دل پر اللہ تعالیٰ کی حکومت قائم کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں زمین کی خلافت عطاء فرمائے گا۔تم اللہ تعالیٰ کی خاطر گناہ اور نافرمانیاں چھوڑو گے تو وہ تم پر

اپنی نعمتوں کے دروازے کھول دے گا۔تم اس کی خاطر خود پر پابندیاں عائد کروگے تو وہ اپنی نصرت نازل فرما کر تمہیں آزادی اور غلبہ عطاء فرمادے گا۔ جہاد میں اللہ تعالیٰ کی نصرت نازل ہونے کے لئے ایمان کا ہونا ضروری ہے اور ایمان کی حفاظت کے لئے تقویٰ کا ہونا ضروری ہے۔اور تقویٰ ہی کسی جنگ کو جہاد بناتا ہے۔ حضرت دریابادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ میں سارے حقوق اللہ کی نگہداشت آ گئی ۔ جنگ کا شعبہ بظاہر تمام تر دنیوی و مادّی نظر آتا ہے۔لیکن قرآن مجید نے دیکھئے اسے کَس کَس کر، اور اس پر ہر طرف سے کس قدر قیدیں لگا کر اسے سوفی صدی ایک شعبہ دین و روحانیت ہی کا بنادیا ہے۔ (تفسیر ماجدی)

تقویٰ کا ایک عجیب معنیٰ

ویسے تو جہاد میں ہر قدم پر تقویٰ لازمی ہے، تاکہ کسی بھی موقع پر اللہ تعالیٰ کی نصرت سے محرومی نہ ہو، اور جہادی طاقت کا غلط استعمال نہ ہو۔مگر یہاں جس تقویٰ کا خاص طور پر حکم دیا گیا ہے اس کا تعلق مجاہدین کے باہمی معاملات سے ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور آپس میں اختلاف نہ کرو اور اختلاف سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے امیر کی اطاعت کرو۔ امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ أمر بالتقوىٰ والاصلاح،اى كونوا مجتمعين على امر الله فى الدعا: اللهم أصلح ذات البين،اى الحال التى يقع بها الاجتماع فدل هذا على التصريح بانه شجر بينهم اختلاف اومالت النفوس الى التشاح:(القرطبى)

گویا کہ مجاہدین میں باہمی اتفاق تقویٰ اور اطاعت ہی سے پیدا ہوسکتا ہے۔اور جہاد میں باہمی اتفاق والفت کا ہونا لازم ہے۔ صاحب کشافؒ لکھتے ہیں:

فاتقوا الله فى الاختلاف والتخاصم،وكونوا متحدين متآخين فى الله۔ یعنی آپس میں اختلاف کرنے اور جھگڑا کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور آپس میں متحد ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ کی خاطر بھائی بھائی بن جاؤ۔ (کشاف)

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

معناه فاتقوا عقاب الله ولا تقدموا على معصية الله واتركوا المنازعة والمخاصمة بسبب هذه الأموال،وارضوا بما حكم به رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

یعنی اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سزا سے ڈرو اور اس کی نافرمانی نہ کرو اور آپس میں ان اموال کی وجہ سے نزاع اور جھگڑا نہ کرو۔اور اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو فیصلہ فرمادیں اس پر راضی رہو۔ (التفسیر الکبیر)

امام ابوحیان رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وأمرهم بالتقوىٰ ليزول عنهم التخاصم۔

اور اللہ تعالیٰ نے انہیں تقویٰ کا حکم دیا تاکہ ان کا باہمی جھگڑا ختم ہو جائے۔ (البحر المحیط)

جہاد کے لئے بڑا خطرہ

سورۃ انفال مسلمانوں کی جہادی تربیت کرتی ہے اور انہیں فتح اور غلبے کے طریقے سکھاتی ہے۔ پہلے جملے نے مجاہد کی نیت کو درست کر دیا اور اس کے دل سے تمام دنیوی اغراض نکال کر اسے اللہ تعالیٰ کا فدائی سپاہی بنا دیا۔ معلوم ہوا کہ جہاد کے لئے خطرناک ترین چیز مال کی محبت ہے مال کی محبت اول تو مسلمانوں کو جہاد میں آنے ہی نہیں دیتی اور اگر جہاد کرنے والوں کے دل میں یہ پیدا ہو جائے تو انہیں ناکامی کی طرف پھینک دیتی ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ پھر اکثر مال ہی کی وجہ سے مجاہدین میں اختلاف اور جھگڑا پیدا ہوتا ہے، جس طرح غزوہ بدر میں ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی سزا سے ڈرا کر اور تقویٰ کا حکم دے کر مجاہدین کی جماعت کو اس جھگڑے سے بچا دیا جو مال کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔

صاحب مدارک بھی یہی لکھتے ہیں:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ فی الاختلاف والتخاصم وکونوا متآخین فی الله۔ (المدارک)

اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ پہلے جملے قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ نے مجاہدین کو اخلاص سکھا دیا اور دوسرے جملے فَاتَّقُوا اللّٰهَ نے انہیں تقویٰ سکھا دیا۔ یوں نیت بھی ٹھیک ہوگئی اور اجتماعیت بھی بچ گئی۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں فاتقوه سبحانه وتعالیٰ واجتنبوا ماانتم فیه من المشاجرة فیها والاختلاف المؤجب لشق العصاء وسخطه تعالیٰ۔

یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ڈرو اور مال غنیمت کے بارے میں اس جھگڑے اور اختلاف کو چھوڑ دو جو تمہاری قوت کے ٹوٹنے اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے کا ذریعہ ہے۔ (روح المعانی)

تقویٰ کے عجیب فوائد

تقویٰ کسے کہتے ہیں؟ اور اس کے کیا کیا فوائد قرآن پاک میں مذکور ہیں؟ اور تقویٰ کس طرح سے حاصل ہوتا ہے؟ ان سوالات کے جوابات معلوم کرنے کے لئے مطالعہ فرمائیں کتاب یہود کی چالیس بیماریاں ص ۱۵۴۔

مجاہدین کے باہمی تعلقات

ارشاد فرمایا وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ یعنی آپس کے تعلقات اور معاملات کو درست کرو۔

❶ امام نسفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

یعنی مابینکم من الاحوال التی تکون احوال الفة ومحبة واتفاق۔ اپنے باہمی حالات کو ٹھیک کرو یعنی آپس میں الفت، محبت اور اتفاق والے حالات بناؤ۔ (المدارک)

❷ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ یعنی آپس کے سابقہ (تعلقات اور معاملات) کو ایسا سنبھالو، سنوارو کہ باہمی

رشک و مسابقت (یعنی حسد اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے) کا نام و نشان نہ رہے اور بندوں کے حقوق پوری طرح ادا کرو۔ (تفسیر ماجدی)

❸ مراد زبان کی حفاظت ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقال السدی فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ای لاتستبوا.

سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو برا بھلا نہ کہو گالیاں نہ دو۔ (ابن کثیر)

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ من الاقوال۔ یعنی آپس کے اقوال اور باتوں کو درست کرو۔ (تفسیر کبیر)

❹ ہر طرح کے جھگڑوں سے بچو۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ولاتظالموا ولا تخاصموا ولاتشاجروا.

یعنی آپس میں تعلقات درست رکھو ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو، ایک دوسرے سے جھگڑا نہ کرو اور آپس میں نزاع نہ کرو۔ (تفسیر ابن کثیر)

آپس میں صلح و آشتی سے رہیں اور ذرا ذرا سی بات پر جھگڑے نہ ڈالیں۔ (تفسیر عثمانی)

❺ کئی مفسرین حضرات نے وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ مال غنیمت پر جو اختلاف اور کچھ کھینچا تانی ہوگئی تھی اب آپس میں صلح کر کے اور لیا ہوا مال واپس کر کے اس کی تلافی کرو۔ یعنی اختلافات اور جھگڑے کے اثرات تک کو ختم کردو۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وعن عطاء كان الاصلاح بينهم أن دعاهم رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال: اقسموا غنائمكم بالعدل: فقالو: قدأكلناو انفقنا، فقال عليه الصلوٰة والسلام: ليرد بعضكم على بعض. (روح المعانی)

خلاصہ مضمون

جہاد میں کامیابی کے لئے جماعت اور لشکر کا باہم متفق ہونا اور متحد ہونا ضروری ہے اور اگر اتفاق کے ساتھ ساتھ ان کے درمیان الفت اور محبت بھی ہو تو ایسے لشکر اور جماعت کی قوت میں بے پناہ اضافہ ہوجاتا ہے۔ جبکہ آپس میں اختلافات اور نزاع کی وجہ سے ہوا اکھڑ جاتی ہے اور قوت ٹوٹ جاتی ہے۔ جماعت میں اکثر اختلاف مال کی وجہ سے ہوتا

ہے تو قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ فرما کر مجاہد کی توجہ مال سے بالکل ہٹادی گئی۔ اختلاف کی دوسری وجہ نفس پرستی ہے تو تقویٰ کا حکم دے کر نفس امارہ کی پیروی سے روک دیا گیا۔ اور پھر صراحت کے ساتھ فرمایا گیا کہ آپس کے معاملات اور تعلقات کو درست رکھو اور ماضی میں کوئی رخنہ ان تعلقات میں پیدا ہو گیا ہو تو اس کی تلافی کرلو۔ اور آپس کے اختلافات اور جھگڑے کو تقویت زبان کے غلط استعمال کی وجہ سے ملتی ہے۔ جھوٹ، غیبت، چغل خوری، طعنہ زنی، گالیاں اور گستاخی یہ سب کچھ زبان ہی سے ہوتا ہے۔ اور جماعت کی اجتماعیت کو توڑ دیتا ہے۔ اسلئے اپنی زبانوں کو درست کرو اور شریعت کے مطابق بناؤ۔ جب ایک دوسرے کی غیبت نہیں ہوگی، طعنہ زنی اور عیب گوئی نہیں ہوگی، ایک دوسرے پر فضول نکتہ چینی نہیں ہوگی، جھوٹ نہیں ہوگا، چغل خوری نہیں ہوگی، گالیوں اور گستاخانہ جملوں کا تبادلہ نہیں ہوگا اور ایک دوسرے پر بہتان تراشی نہیں ہوگی تو جماعت کو کتنی قوت اور تقویت ملے گی اور آپس کے تعلقات میں کتنی الفت، محبت، اور یگانگت پیدا ہوگی؟ بے شک ایثار و ہمدردی کا ماحول پیدا ہو جائے گا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

تنبیہ

یہ احکامات تمام مسلمانوں کے لئے ہیں اور مجاہدین کے لئے خصوصاً۔

صاحب تفسیر ماجدی لکھتے ہیں:

خیال کرلیا جائے، سورۃ جہاد و قتال کی ہے اور ان کے احکام ابھی آگے آرہے ہیں باوجود اس کے سورۃ کا آغاز کن عنوانات سے ہوتا ہے؟ تقویٰ الٰہی، سعی اصلاح، اطاعتِ خدا و رسول، پختگی ایمان وغیرہ سے، ایسے باخدا اور سرتاپا عبودیت کے سانچہ میں ڈھلے ہوئے مجاہدین سے کوئی بھی نسبت، قومی و نسلی منافرت میں گرفتار، وطنی تعصب کے بحران میں مبتلا یا پھر ذاتی حرص، ہوس اور نفس پرستی کی آگ میں جلتے ہوئے جباروں، کشور کشاؤں، ملک گیروں کو ہوسکتی ہے؟

کوئی نسبت بھی ان آنکھوں سے ہے پیمانہ کو!

دنیا کی موجودہ متمدن اور سیکولر حکومتوں کو کوئی تصور بھی ان روحانی بلندیوں کا ہوسکتا ہے! (تفسیر ماجدی)

زبان کی حفاظت کے نسخے

زبان کی حفاظت کس قدر ضروری ہے؟ یہ حفاظت کس طرح سے ممکن ہے؟ اور اس میں کتنے عجیب فوائد ہیں؟ زبان کی حفاظت کا پورا نصاب سمجھنے کیلئے ملاحظہ فرمائیں کتاب (یہود کی چالیس بیماریاں ص ۳۰۷)

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت

آگے ارشاد فرمایا: وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ یعنی اطاعت کرو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

❶ فی کل مایأمر بہ وینھی عنہ فان فی ذلك مصالح لا تعلمو نھا انما یعلمھا اللّٰہ ورسولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو ان تمام چیزوں میں جن کا وہ حکم دیں اور جن سے وہ روکیں، کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے میں جو حکمتیں (اور فائدے) ہوتے ہیں ان کو تم نہیں جانتے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں۔ (روح المعانی)

❷ فیما امرتم بہ من الغنائم وغیرھا۔ مال غنیمت ہو یا اور معاملات تم ان میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔ (المدارک)

جہاد اور اطاعت

یہ اطاعت ہی ایمان کا معیار ہے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اصالۃً کہ وہی حاکم مطلق ہے اور رسول کی نیابۃً کہ وہی احکام الٰہی کا لانے والا اور ان کی پوری شرح وتوضیح کرنے والا ہے۔ ان الفاظ سے توجہ اس طرف بھی دلا دی کہ طالب بہرصورت آخرت کے رہو، نہ یہ کہ دنیا کی حرص میں مبتلا ہو کر اپنی رائے وتجویز سے مال غنیمت کے حصے بخرے کرنے لگو۔ اور یہ اطاعت خدا اور رسول صرف مسئلہ جہاد وقتال وتقسیم غنائم تک محدود نہیں بلکہ چھوٹے بڑے ہر مسئلہ تک اس کا دائرہ وسیع ہے۔ (تفسیر ماجدی)

خلاصۂ مضمون

حکم دیا گیا کہ غنیمت کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو، خوب تقویٰ اختیار کرو اور آپس میں اختلاف نہ کرو۔ اور آپس کے معاملات اور تعلقات کو درست رکھو۔ یہ سب کچھ آسان تو نہیں ہے۔ آخر انسان کو روزی کی ضرورت رہتی ہے۔ تقویٰ بھی آسان نہیں اور ہر قوم کے ہاں تقویٰ کا الگ معیار ہے، تو کس چیز سے بچیں اور کس کو کریں تو سچا تقویٰ ہوگا؟ آپس میں اختلاف سے بچنا اور معاملات کو محبت پر قائم رکھنا بھی آسان نہیں ہر انسان کا مزاج الگ، رائے الگ اور جذبات الگ ہوتے ہیں۔ ان تمام کے جواب میں فرمایا گیا کہ اپنی رائے اپنی عقل اور اپنے مزاج کو ایک طرف رکھ دو اور خود کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے حوالے کر دو۔ وہ جس کام کو کرنے کا کہیں اس کو کرلو اور جس کو چھوڑنے کا فرمائیں اس کو چھوڑ دو۔ وہ جس چیز کو اچھا کہیں اس کو اچھا سمجھو اور وہ جس کو برا بتائیں اسے برا سمجھو۔ تب مال سے توجہ ہٹانا بھی آسان، روزی کا مسئلہ بھی آسان، اخلاص کا پیدا ہونا بھی آسان، تقویٰ اختیار کرنا بھی آسان اور آپس میں نہ جھگڑنا اور معاملات کو درست رکھنا بھی آسان۔ یعنی اپنے اندر فرمانبرداری کا جذبہ اس طرح بھرلو کہ وہ تمہارا عقیدہ بن جائے تب تمہارے لئے سب کچھ آسان ہو جائے گا۔ فوج میں بھرتی ہونے والے افراد اپنے افسر کی فرمانبرداری کو اپنی ذمہ داری سمجھ لیتے ہیں تب وہ بے عقل مشین کی طرح ہر حکم مانتے ہیں۔ اور ہر مشقت برداشت کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر مسلمان مجاہد اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اپنی سب سے اہم ذمہ داری سمجھ لے تو پھر اس کے لئے ہر حکم پر عمل کرنا آسان ہو جائے گا۔ اور شریعت اس کا مزاج اور اطاعت اس کی

خوشی بن جائے گی۔ جماعت میں جب بھی اختلاف ہوگا شریعت اس کا فیصلہ کردے گی اور سب اپنا سر جھکادیں گے یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں مسلمانوں کا شرعی امیر ،شریعت کے مطابق فیصلہ کردے گا اور جماعت دوبارہ ایک جان ہوجائے گی۔یوں اس سورۃ مبارکہ کی پہلی آیت نے ہی مجاہدین کو مخلص ، بے غرض سپاہی اور نظم وضبط کا پابند بنادیا۔اوران کی جماعت کو باہمی نزاع ، جھگڑے اور ٹوٹ پھوٹ سے بچادیا۔کیا کسی جماعت کے لئے غلبے اور فتح کے اس سے بہتر کوئی نسخے ، قانون ، طریقے ،اور گُر ہوسکتے ہیں؟ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ان پر عمل فرمایا اور پوری دنیا پر دین کو غالب کردیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ایمانِ کامل

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کاملی الایمان۔ (المدارک)

یعنی ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔اگر تم کامل ایمان والے ہو۔یعنی مسلمان جس قدر اطاعت میں بڑھتا چلا جاتا ہے اسی قدر اس کے ایمان کی کیفیات بلند ہوتی چلی جاتی ہیں اوراس کے ایمان کی جڑیں دل میں مضبوط تر ہوتی چلی جاتی ہے۔اس میں مسلمانوں کو یاددلایا گیا کہ تم ایمان والے ہواس لئے اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت تمہاری اولین ذمہ داری ہے۔پس اس سے یہ سبق بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ مجاہدین میں اور عام مسلمانوں میں جب کوئی خرابی پیدا ہو۔اور کوئی نافرمانی ان میں آجائے تو ان کو یاددلایا جائے کہ تم نے تو ایمان کا دعویٰ کیا ہوا ہے۔اور ایمان دنیا کی سب سے بڑی نعمت اور بہت بڑا عہدہ ہے پس اس نعمت اور عہدے کی لاج رکھو اور اس کی حفاظت کرو۔اوراس کی کیفیات میں ہر لمحہ ترقی کی کوشش کرو۔اس لئے کہ آخرت کی ہر نعمت ایمان پر موقوف ہے اور آئندہ آنے والی تمام منزلوں میں کوئی عمل بغیر ایمان کے کام نہیں آئے گا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۲، ۳، ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا

ایمان والے وہی ہیں جب اللہ تعالیٰ کا نام آئے تو ان کے دل ڈر جائیں اور جب

تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝٢ الَّذِيْنَ

اس کی آیتیں ان پر پڑھی جائیں تو ان کا ایمان زیادہ ہو جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ وہ جو

يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝٣ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ

نماز قائم کرتے ہیں اور جو ہم نے انہیں رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہی سچے ایمان والے

حَقًّا ۚ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝٤

ہیں ان کے رب کے ہاں ان کے لئے درجے ہیں اور بخشش ہے اور عزت کا رزق ہے

خلاصہ

جن کا ایمان حقیقی۔ اور سچا ہوتا ہے ان میں یہ پانچ صفات ہوتی ہیں:

۱. جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل محبت اور عظمت کی وجہ سے کانپ اٹھتے ہیں۔
۲. جب ان کے سامنے قرآن پاک کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان مستحکم ہو جاتا ہے۔
۳. وہ ہر کام میں صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں۔
۴. وہ نماز کو قائم رکھتے ہیں۔
۵. اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال میں سے اس کے راستے میں خرچ کرتے ہیں۔

ایسے حقیقی اور پکے ایمان والے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ یہ تین انعامات عطاء فرماتے ہیں:

۱. اپنے قرب کے اونچے اونچے درجات۔
۲. مغفرت یعنی بخشش۔
۳. اور عزت والی روزی۔

فائدہ

ایک مسلمان جس مقصد کے لئے جہاد میں نکلتا ہے اس مقصد کو اپنے دل، مال اور جسم پر نافذ کر کے نکلے تب وہ اپنے جہاد میں سچا ہوگا اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی نصرت، فتح اور غلبے کے تمام راستے کھل جائیں گے۔

اپنے ایمان اور مقصد میں سچا ہونے کا یہ نصاب پانچ نکات پر مشتمل ہے:

❶ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت ہو۔

❷ وہ کتاب اللہ سے رہنمائی لیتا ہو۔

❸ اس کی پوری نظر اور پورا اعتماد صرف اور صرف اللہ تعالیٰ پر ہو۔ اپنے معاملات غیر اللہ کے سپرد نہ کرتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کسی سے امید رکھتا ہو اور نہ کسی سے ڈرتا ہو۔

❹ اس کی تمام بدنی عبادتیں صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہوں۔

❺ اس کی تمام مالی عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہوں۔

گویا یوں کہا جائے کہ اس کے دل پر حکومت صرف اللہ تعالیٰ کی ہو، رہنمائی صرف اللہ تعالیٰ سے لیتا ہو، بھروسہ اور اعتماد صرف اللہ تعالیٰ پر رکھتا ہو، عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی کرتا ہو اور مال کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے قربان کرتا ہو۔

یا یوں کہا جائے کہ اس کا دل اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال سے بھرا ہوا ہو۔ یہ کیفیت نصیب ہوگی کتاب اللہ کے ساتھ بھرپور تعلق سے۔ اور کتاب اللہ سے تعلق تب نصیب ہوگا جب مادی اسباب سے نظر ہٹا کر صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے گا۔ اور مادی اسباب سے نظر تب ہٹے گی جب خشوع والی نماز اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں بھرپور خرچ کرنے کا پورا پورا اہتمام کرے گا۔ گویا یہ پانچوں چیزیں ایک دوسرے کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں۔ اور ہر ایک چیز دوسری چیزوں کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور خلاصہ ان تمام کا یہ ہے کہ بندۂ مؤمن کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ٹھیک ہو جائے۔ یہ اپنا تعلق باللہ ٹھیک کر کے میدان جہاد میں اترے گا تو پوری دنیا میں اللہ تعالیٰ کے دین کو غالب کرنے کے لئے اس سے مقبول کام لیا جائے گا جس طرح حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور اسلاف امت سے لیا گیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فائدہ

مجاہدین بدر میں یہ تمام صفات موجود تھیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی نصرت فرمائی، جبرئیل امین علیہ السلام ان کے ساتھ جہاد میں شرکت کے لئے زمین پر اترے، مشرکین کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ فتح کے بعد تھوڑی دیر کے لئے مال غنیمت کی طرف دھیان گیا تو نصیحت اور تنبیہ کے لئے انہیں یاددہانی کرادی گئی۔

امام ابن کثیر لکھتے ہیں:

وقال ابن عباس: هذا تحريج من الله ورسوله ان يتقوا ويصلحوا ذات بينهم. حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تنبیہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور آپس کے تعلقات کی اصلاح کریں۔ (ابن کثیر)

اقوال وحوالے

إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ : جب اللہ تعالیٰ کا نام آئے تو ان کے دل ڈر جائیں۔

❶ امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فأدوا فرائضه۔ یعنی مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرائض ادا کرنے والے ہوں (کیونکہ منافقین کے دل اللہ تعالیٰ کی عظمت سے خالی تھے اس لئے وہ جب اکیلے ہوتے تھے تو فرائض ادا نہیں کرتے تھے اور جب لوگوں کے سامنے فرائض ادا کرتے تو اس میں ان کے دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے خالی رہتے تھے۔) (ابن کثیر رحمہ اللہ)

❷ امام نسفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فزعت لذكره استعظاما له و تهيبًا من جلاله وعزه وسلطانه۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر کے وقت ان کے دل ڈر جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی عظمت کے اعتراف میں، اوراس کے جلال، عزت اور سلطنت کے رعب سے۔ (المدارک)

❸ جب خدا کا نام درمیان میں آجائے ہیبت وخوف سے کانپ اٹھیں۔ (تفسیر عثمانی)

❹ امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وروى سفيان عن السدى فى قوله جل وعز الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ قال: اذا اراد ان يظلم مظلمةً قيل له اتق الله كف ووجل قلبه۔ (القرطبی)

سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ کسی ظلم یا گناہ کا ارادہ کرے اور کوئی اسے کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو تو وہ باز آجائے اور اس کا دل ڈر جائے۔

❺ امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والمراد ان المومن انما يكون مؤمنا اذا كان خائفاً من الله۔

یعنی مراد یہ ہے کہ مومن اسی وقت حقیقی مومن ہوتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہو۔

کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں:

الخوف على قسمين: خوف العقاب، وخوف العظمة والجلال۔ اما خوف العقاب فهو للعصاة واما خوف الجلال والعظمة فهو لا يزول عن قلب أحد من المخلوقين سواء كان ملكا مقربا أو نبيا مرسلاً۔

یعنی خوف کی دو قسمیں ہیں: ❶ سزا کا خوف ❷ عظمت اور جلال کا خوف۔ جہاں تک سزا کے خوف کا تعلق ہے تو وہ گناہگاروں کے لئے ہے باقی رہا عظمت اور جلال کا خوف (اور رعب) تو وہ مخلوق میں سے کسی کے دل سے ختم نہیں ہوتا خواہ کوئی مقرب فرشتہ ہو یا اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا کوئی نبی۔ (التفسیر الکبیر)

خلاصہ مضمون

ان چند حوالوں سے اللہ تعالیٰ کے خوف کی کیفیت سمجھ آ گئی کہ یہ خوف وہ نہیں جو سانپ یا شیر سے ہوتا ہے بلکہ یہ خوف محبت، احسان مندی اور اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کا خوف اور رعب ہے جو بندے کو اللہ تعالیٰ سے دور نہیں بلکہ اور قریب کر دیتا ہے۔ جہاد کے دوران مجاہدین کے لئے اللہ تعالیٰ کے خوف کی اہمیت بے حد زیادہ ہے اسی لئے پانچ صفات میں سے سب سے پہلے اسی کو ذکر فرمایا گیا ہے۔ مجاہد کے دل میں اگر اللہ تعالیٰ کا خوف نہ ہو تو اس کا جہاد کسی بھی لمحے عام جنگجوؤں کی لڑائی کی طرح فساد بن سکتا ہے۔ اگر اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں ہوگا تو یقیناً غیر اللہ کا خوف بھر جائے گا تب اس کی قوت کمزور پڑ جائے گی۔ جہاد کے دوران جب فتح ملتی ہے تب اگر دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف نہ ہو تو قدم تیزی سے ظلم اور گناہ کی طرف بڑھتے ہیں۔ جہاد میں اگر شکست ہو جائے تب اگر اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں نہ ہو تو گردنیں کافروں کے سامنے جھک جاتی ہیں اور مایوسی ذلت میں ڈال دیتی ہے۔ مجاہد کو دشمنان اسلام کی طرف سے ہر وقت دنیا کی چمک اور شہوات کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ جہاد چھوڑ دے ان حالات میں صرف اللہ تعالیٰ کی غیر مشروط محبت، عظمت اور اس کا خوف ہی اسے شراب وشباب اور گناہوں کی ذلت وعذاب سے بچا سکتا ہے۔

مجاہد ساری دنیا پر اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے نکلتا ہے۔ اگر خود اس کا دل اللہ تعالیٰ کی عظمت سے خالی ہو تو وہ کس طرح سے اعلاء کلمۃ اللہ کا مقصد حاصل کر سکتا ہے۔ جہاد میں اکثر اموال کے ڈھیر ہر وقت مجاہد کے ارد گرد رہتے ہیں۔

یہ اجتماعی اموال کسی بھی وقت اسے خیانت کی طرف کھینچ سکتے ہیں، صرف اللہ تعالیٰ کا خوف ہی اسے اس خطرناک گناہ سے بچا سکتا ہے۔ جہاد میں بعض اوقات فقر وفاقہ، آزمائش، قید وبند اور دوسری تکلیفیں آتی ہیں۔ ایسی خوفناک تکلیفیں کہ اگر دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور خوف نہ ہو تو انسان کو کافر بنا دیں۔ جہاد کے دوران اسلحہ ہاتھوں میں ہوتا ہے اور قوت انسان میں غرور پیدا کر دیتی ہے تب وہ اپنے اصل مقصد کو بھول کر اکڑنے لگتا ہے اور دین کی عزت کو بھلا کر ذاتی عزت کو مقصود بنا لیتا ہے ایسے حالات میں صرف اللہ تعالیٰ کا خوف ہی اسے اسلحے کے صحیح استعمال کا پابند بنا سکتا ہے۔ جہاد میں دو کام بے حد ضروری ہیں ایک امیر کی اطاعت اور دوسرا اپنے ساتھیوں کے ساتھ تعلقات کو درست رکھنا۔ عملی میدان میں یہ دونوں کام بے حد مشکل اور نفس کش ہیں صرف اللہ تعالیٰ کا سچا خوف ہی انسان کو ان دو لازمی مگر مشکل کاموں کے نباہنے کی قوت دیتا ہے۔ فاتح مجاہد کے سامنے غنیمت کے ڈھیر، بے بس عورتیں، ماضی میں ظلم کرنے والے نہتے سپاہی اور شہروں کی پرکشش چیزیں ہوتی ہیں۔ اور شکست خوردہ مجاہد کے سامنے، ذلت، محکومیت، مذاکرات، دین چھوڑنے، جہاد چھوڑنے اور دب جانے کی دعوتیں ہوتی ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی محبت، عظمت اور خوف دل میں نہ ہو تو مجاہد سے دونوں جگہ غلطی ہو سکتی ہے۔ الغرض اللہ تعالیٰ کا خوف مجاہد کے لئے ایک لازمی صفت ہے۔ اور اس زمانے میں جبکہ مسلمانوں کے دلوں پر دشمنان اسلام کی جنگی قوت کا رعب مسلط ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ کی

عظمت اور قوت کا قلبی یقین ہی مسلمان کو کافروں کے رعب سے نجات دلا سکتا ہے اور انہیں میدانِ عمل میں لا کر کار آمد انسان بنا سکتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا

❶ آیات واحکامِ الٰہی سن کر ان کا ایمان و یقین زیادہ مضبوط ہوتا رہے۔ (تفسیر عثمانی)

❷ ازدادوا بها يقينا وطمانينة یعنی قرآن پاک کی آیات سن کر ان کا یقین اور اطمینان بڑھ جاتا ہے۔ (المدارک)

خلاصۂ مضمون

اللہ تعالیٰ کی عظمت، جلال اور خوف دل میں پیدا کرنے کا ذریعہ قرآن پاک ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت، قرآن پاک کی سمجھ، قرآن پاک پر عمل، قرآن پاک سے مضبوط یقین والا تعلق۔ انسان کے دل کو اللہ تعالیٰ سے جوڑ دیتا ہے۔ اور مجاہد کے لئے میدان جہاد میں ثابت قدمی اسی وقت ممکن ہے جب وہ قرآن پاک سے جڑا رہے اور قدم قدم پر قرآن پاک سے رہنمائی لیتا رہے۔ اور ہر آئے دن قرآن پاک کے ذریعے اپنے ایمان کو قوت اور تازگی بخشتا رہے۔ مجاہد جب تک قرآن پاک سے جڑا رہے گا تب تک جہاد اس کے لئے آسان اور ممکن رہے گا اور اس کا جہاد شریعت کے مطابق اور مضبوط رہے گا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ: اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

❶ یہ بیان ہو رہا ہے مؤمنین کے عملی کردار کا۔ مومنین مجاہدین کا اصل بھروسہ اپنے سامانِ جنگ پر اپنے چمچماتے ہوئے ہتھیاروں پر، اپنی شاندار کلغیوں اور وردیوں پر نہیں ہوتا ہے، بلکہ پروردگار ہی پر ہوتا ہے۔ (تفسیر ماجدی)

❷ امام نسفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وعلىٰ ربهم يتوكلون يعتمدون ولا يفوضون امورهم الى غيرربهم لايخشون ولا يرجون الا اياه. (المدارك)

یعنی اپنے رب ہی پر اعتماد رکھتے ہیں اور اپنے معاملات اپنے رب کے علاوہ کسی کے سپرد نہیں کرتے اور صرف اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرتے ہیں اور صرف اسی سے ہی امید رکھتے ہیں۔

❸ امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اى لايرجون سواه ولا يقصدون الا اياه ولا يلوذون الا بجنابه ولا يطلبون الحوائج إلامنه ولا يرغبون الااليه، ويعلمون انه ماشاء كان، ومالم يشأ لم يكن، وانه المتصرف فى الملك. وحده لاشريك له ولا معقب لحكمه وهو سريع الحساب.

یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے امیدیں وابستہ نہیں کرتے، اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا قصد نہیں کرتے، اور صرف اللہ تعالیٰ کے حضور ہی پناہ لیتے ہیں اور صرف اُسی سے اپنی ضروریات کا سوال کرتے ہیں اور صرف اسی کی طرف راغب رہتے ہیں، اور پورا یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ وہ چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا نہیں ہوتا، اور اصل بادشاہت اور اختیار اسی کا ہے وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور کوئی اس کے حکم کو ہٹا نہیں سکتا اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

خلاصہ مضمون

مسلمان تھوڑے اور کمزور تھے اور پوری دنیا کفر اور اس کی طاقت سے اٹی پڑی تھی۔ اگر اللہ تعالیٰ پر توکّل نہ ہوتا تو جہاد کبھی شروع نہ ہوتا اور نہ دین ملکوں اور شہروں تک پہنچتا۔ اللہ تعالیٰ پر توکّل نے ماضی کے مسلمانوں کو جہاد کا حوصلہ بخشا۔ اور اب بھی توکّل ہی مسلمانوں کو دوبارہ جہاد پر کھڑا رکھ سکتا ہے مادی اسباب سے نظریں ہٹیں گی تو مسلمان کی آنکھیں کھلیں گی۔ مادی اسباب ہی کو دیکھا جاتا تو غزوہ بدر میں فتح کس طرح سے ہوتی؟ وہ غزوہ جس کی مثال قرآن پاک بار بار پیش فرماتا ہے "توکّل علی اللّٰہ" ہی کے زور پر لڑا گیا۔ حضرت طالوت کا جو مختصر لشکر جالوت کے بڑے اور طاقتور لشکر سے ٹکرایا وہاں بھی "توکّل علی اللّٰہ" کا زور تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب بنی اسرائیل کو عمالقہ سے لڑنے پر ابھارا تو وہاں بھی قرآن پاک نے ''توکّل'' کی ترغیب دی۔

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

کہ اگر ایمان والے ہو تو پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اس طاقتور قوم پر حملہ کر دو۔ مگر بنی اسرائیل کو ''توکّل'' کی کیفیت نصیب نہ ہوئی۔ دراصل جو لوگ دنیا کے طلبگار ہوتے ہیں انہیں دنیا کی ہر چیز دھوکے میں ڈالتی ہے وہ یہاں کی قوتوں کو اصل قوت اور طاقت سمجھنے لگتے ہیں۔ مگر جو لوگ آخرت کے طلبگار ہوتے ہیں ان کی نظر اللہ تعالیٰ کی قوت وطاقت اور اس کی مغفرت وجنت پر ہوتی ہے، تب انہیں یہاں کی قوت وطاقت مکڑی کا جالا اور مچھر کا پر محسوس ہوتی ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو یہ کیفیت نصیب تھی وہ سمندروں میں کود گئے، جنگلوں میں بے خوف گھس گئے اور لاکھوں افراد پر مشتمل لشکروں سے ٹکرا گئے۔ وہ یقین رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ اور وہ جانتے تھے کہ اگر ہم مر بھی گئے تو کیا ہوگا۔ ہم اللہ تعالیٰ کے پاس چلے جائیں گے۔ الغرض جہاد کے لئے ''توکّل'' کی کیفیت بے حد ضروری صفت ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ : وہ قائم رکھتے ہیں نماز کو۔

❶ جمع بين اعمال القلوب من الوجل والاخلاص والتوكل، وبين اعمال الجوارح من الصلوٰة والصدقة۔ (المدارك)

اس آیت میں جمع فرمادیا دل کے اعمال کو اور جسم کے اعمال کو۔ دل کے اعمال خوف، اخلاص اور توکل اور جسم کے اعمال نماز اور صدقہ۔

❷ اسی کے سامنے سر عبودیت جھکائیں، اسی کے نام پر مال و دولت خرچ کریں۔ (تفسیر عثمانی)

❸ وقال قتادة: اقامة الصلوٰة المحافظة علی مواقیتها ووضوئها وركوعها وسجودها وقال مقاتل بن حیان: اقامتها المحافظة علیٰ مواقیتها واسباغ الطهور فیها وتمام ركوعها وسجودها وتلاوة القرآن فیها والتشهد والصلوٰة علی النبی صلی الله علیه وسلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں نماز کی اقامت یہ ہے کہ اس کے اوقات اس کے وضو، اور اس کے رکوع اور سجود کی خوب حفاظت کی جائے (یعنی خوب اہتمام سے ان تمام کا لحاظ رکھا جائے) اور مقاتلؒ فرماتے ہیں نماز کی اقامت یہ ہے کہ اس کے اوقات کی حفاظت کی جائے (یعنی نماز اپنے وقت پر ادا کی جائے) اور وضو اچھی طرح سے پورا پورا کیا جائے اور رکوع اور سجود مکمل ادا کئے جائیں اور نماز میں قرآن پاک کی تلاوت کی جائے اور اس میں تشہد اور درود شریف پڑھا جائے۔

خلاصہ مضمون

یہاں اقامتِ صلوٰۃ کو خاص طور ذکر فرمایا گیا اس سے ثابت ہوا کہ نماز مستقل طور پر اسلام کا رکن اور فریضہ ہے۔ اس لئے یہ رائے درست نہیں کہ نماز کو محض جہاد کی تیاری اور تربیت کے لئے فرض کیا گیا ہے۔ بلکہ نماز تو اسلام کا رکنِ اعظم اور سب سے بڑا اور اہم فریضہ ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔

اقامة الصلوٰة وهو حق الله تعالیٰ۔ (ابن کثیر)

نماز دین کی عمارت کا ستون اور مسلمان اور کافر کے درمیان فرق کرنے والی چیز ہے۔ جہاد کے دوران نماز معاف نہیں ہے اور نہ کوئی مجاہد نماز سے بالاتر ہے۔ جہاد کی کامیابی کے لئے اقامة صلوٰۃ ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ مجاہد نماز میں جس قدر مضبوط ہوگا اسی قدر اس کا جہاد قوت پکڑے گا نماز مجاہد کو حقیقی مجاہد فی سبیل اللہ بناتی ہے اور اسے برائی اور بے حیائی سے روکتی ہے۔ اگر جہاد میں قبولیت اور کامیابی چاہئے تو مجاہدین کو اقامتِ صلوٰۃ کا پورا اہتمام کرنا ہوگا یہی آیت کے اس حصے کا سبق ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ: اور ہم نے ان کو جو رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

❶ والانفاق مما رزقهم الله يشمل اخراج الزكوٰة وسائر الحقوق للعباد من واجب ومستحب۔ (ابن کثیر)

اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرنے کا حکم زکوٰۃ اور بندوں کے تمام حقوق واجب ہوں یا مستحب سب

کو شامل ہے۔

❷ مؤمن کا شیوہ ہے کہ اطاعت الٰہی کو مقصد بنائے اور مال راہ خدا میں خرچ کرے۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

❸ و یدخل فیه الزکوٰة و الصدقات و الصِّلاتُ، و الانفاق فی الجهاد، و الا نفاق علی المساجد و القناطیر۔

اس میں زکوٰۃ بھی داخل ہے اور صدقات، صلہ رحمی، جہاد میں خرچ کرنا، مساجد اور پلوں پر خرچ کرنا بھی شامل ہے۔ (تفسیر کبیر)

خلاصۂ مضمون

یہ آخری صفت بیان فرمائی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے مال خرچ کرتے رہتے ہیں۔ تھوڑا سا غور فرمائیں بات شروع ہوئی مال غنیمت کے جھگڑے سے اور اختتام ہوا مال خرچ کرنے کی ترغیب پر۔ گویا کہ یوں سمجھایا گیا کہ تم لینے والے نہیں دینے والے بنو۔ سبحان اللہ! کیسی زبردست تربیت ہے اور ایک مسلمان مجاہد کو کیا اونچا ذہن، کیسی اونچی سوچ اور کتنا بلند وقار عطا فرمایا گیا ہے۔ حرص اور لالچ انسان کو گرا دیتی ہے اور استغنا، بے غرضی اور خرچ کرنا انسان کو بلند کر دیتا ہے۔ ساری دنیا کے فاتح دنیا کو لوٹنے نکلتے ہیں جبکہ مسلمان مجاہد دنیا کو دینے نکلتا ہے۔ اے مسلمانو! اے مجاہدو! تم ساری انسانیت کو دینے والے بنو۔ اور خود اپنے لئے اللہ تعالیٰ کے درجات، اس کی مغفرت اور جنت کی روزی کے طلبگار رہو۔ اگر مجاہد کا یہ نظریہ بن جائے تو کون اسے خرید سکتا ہے اور کون اسے جھکا سکتا ہے؟ مال خرچ کرنے کی صفت پیدا ہوگی تو حُبِّ دنیا اور بخل کی رسیاں ٹوٹ جائیں گی اور جان کی قربانی پیش کرنا آسان ہو جائے گا۔ مال خرچ کرنے کی صفت مسلمانوں میں پیدا ہوگی تو وہ جہاد میں خوب مال خرچ کریں گے اور جہاد کو ترقی دیں گے اور الماریاں بھرنے کی بجائے مال کو دین پھیلانے کا ذریعہ بنائیں گے۔ مال خرچ کرنے کی صفت پیدا ہوگی تو اسلامی معاشی نظام وجود پائے گا جو مال کی ناجائز ذخیرہ اندوزی اور چند افراد کے درمیان اس کے گھومنے کا مخالف ہے۔ اور اس میں یہ اشارہ بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ جہاد اور انفاق فی سبیل اللہ کا آپس میں ضروری تعلق ہے۔ جہاد کو پوری قوت سے جاری رکھنا ہے تو مسلمانوں کو مال خرچ کرنے کی صفت اپنانا ہوگی۔ اگر مسلمان مال کو جمع کرنے لگے تو وہ خود بزدل ہو جائیں گے اور جہاد کرنے والے مجاہدین اسباب کی کمی کا شکار ہو جائیں گے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا: یہی ہیں سچے ایمان والے۔

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

انه تعالیٰ ذکر فی هذه الآیة ان الرجل لایکون مؤمنا الا اذا کان موصوفاً بالصفات الخمسة وهی الخوف من الله والاخلاص فی دین الله والتوکل علی الله والاتیان بالصلوٰة والزکوٰة لوجه الله تعالیٰ۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا کہ کوئی آدمی اس وقت تک (کامل) ایمان والا نہیں ہوسکتا جب تک اس میں یہ پانچ صفات موجود نہ ہوں ❶ اللہ تعالیٰ کا خوف ❷ اخلاص ❸ توکّل علی اللہ ❹ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نماز کی ادائیگی ❺ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے زکوٰۃ کی ادائیگی۔ (التفسیر الکبیر)

لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ : ان کے رب کے ہاں ان کے لئے درجے ہیں اور بخشش ہے اور عزت والا رزق ہے۔

❶ امام ابوحیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لما تقدمت ثلاث صفات قلبية، وبدنية، ومالية، ترتب عليها ثلاثة اشياء...... الخ۔ یعنی پیچھے جن صفات کا ذکر تھا وہ تین طرح کی تھی: ❶ قلبی صفات (خوف، اخلاص، توکّل) ❷ بدنی صفات (نماز) ❸ مالی صفات (زکوٰۃ وغیرہ) تو اب ان کے بدلے میں تین طرح کے اجر ذکر کیے گئے۔ قلبی صفات کے بدلے اونچے درجات، بدنی صفات کے بدلے مغفرت وبخشش اور مالی اعمال کے بدلے عزت والی روزی۔ (ملخص از البحر المحیط)

❷ ایسے ہی لوگوں کو سچا اور پکا ایماندار کہا جاسکتا ہے جو خدا کے یہاں اپنے اپنے درجات کے موافق بڑے بڑے مقاماتِ قرب پر فائز ہوں گے جنہیں معمولی کوتاہیوں سے درگذر کر کے عزت کی روزی سے سرفراز کیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

❸ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ درجات کا معنیٰ لکھتے ہیں: ای منازل ومقامات ودرجات فی الجنة۔ پھر وہ احادیث لاتے ہیں جن میں اہل جنت کے اونچے اونچے مقامات ودرجات کا تذکرہ ہے۔ اور مغفرة کا مطلب ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

ای یغفرلهم السیئات ویشکرلهم الحسنات۔
یعنی ان کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور ان کی نیکیوں کی قدر کی جائے گی۔

خلاصۂ مضمون

بات یہاں سے شروع ہوئی تھی کہ مال غنیمت کے مسئلے پر اختلاف ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے مال غنیمت کا حکم پوچھا۔ یعنی مجاہدین کا ذہن تھوڑی دیر کے لئے دنیا کے مال کی طرف متوجہ ہوا۔ بس پھر کیا تھا قرآن پاک نے ان کو حقیر دنیا کی محبت سے ہٹا کر جنت کے اونچے درجات، وہاں کی مغفرت اور وہاں کی عزت والی روزی کی محبت کے اونچے مقام پر لا کھڑا کیا۔ سبحان اللہ!

کتنی اونچی تربیت ہے۔ اے مجاہد تیرے جہاد کا بدلہ دنیا کا حقیر مال نہیں جنت کے اونچے درجات اور وہاں کی عزت وشان والی روزی ہے۔ اللہ تعالیٰ مومن مجاہد کو اخلاص کے اونچے مقام کی طرف بلاتا ہے کہ وہ جہاد کے بدلے دنیا کی کوئی غرض نہ رکھے۔ کیونکہ اسی اخلاص اور اسی بے غرضی میں اس کی کامیابی کا راز پوشیدہ ہے۔ دنیا میں فتح وغلبہ

اور آخرت میں بخشش، اونچے درجات اور شان والی روزی۔ مدینہ منورہ کے انصار نے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ تشریف لانے کی دعوت دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت وحفاظت کا معاہدہ کیا تو انہوں نے پوچھا ہمیں اس کے بدلے کیا ملے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت! ان آیات میں بھی مجاہدین کو سمجھایا گیا ہے کہ اپنی نظریں آخرت کے اونچے درجات پر رکھو۔ باقی رہی دنیا تو مقدر کی روزی ہر انسان کو مل کر رہتی ہے۔ پھر جہاد جیسے اونچے عمل کو اس دنیوی روزی کے بدلے بیچنا نفع کا سودا تو نہیں ہے۔ اور نہ ہی دنیا کی خاطر لڑنے والوں کی جنگ کو جہاد کا مقدس نام دیا جاسکتا ہے۔ سورۃ الانفال کی ان ابتدائی چار آیات نے جہاد میں کامیابی کے وہ نسخے بتادیئے جن کو اپنا کر بہت تھوڑے اور بے سروسامان مسلمان بھی پوری دنیا کو دینِ اسلام قبول کرنے کی دعوت دے سکتے ہیں۔ اور پوری دنیا کے دشمنان اسلام سے مقابلہ کرسکتے ہیں۔ اگر کسی کو اس میں شک ہے تو اس کے شک کو دور کرنے کے لئے اگلی آیت میں فرمادیا كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ کہ اگر تم نے مثال دیکھنی ہے تو پھر غزوہ بدر کو دیکھو۔ غزوہ بدر کے مجاہدین میں یہ صفات موجود تھیں تو انہوں نے بے سروسامانی کے عالم میں مشرکین کے اتنے بڑے لشکر کو شکست دی اور مشرکین کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ جس طرح اے نبی (ﷺ) آپ کو آپ کے رب نے حق کے غلبے کے لئے گھر سے نکالا۔ تو یہ مثال اور نمونہ قیامت تک کے مسلمانوں کو دکھادیا گیا۔ چنانچہ مسلمانوں نے جب بھی غزوہ بدر میں غور کیا اور اس کے مطابق عمل کیا تو وہ فاتح رہے۔ اور ان کی کم تعداد اور بے سروسامانی نے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سورۃ الانفال آیت ⑤ سے غزوۂ بدر کا بیان شروع ہوتا ہے اس لئے ان آیاتِ مبارکہ اور سورۂ انفال کے کئی مضامین کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ غزوۂ بدر پر پوری نظر رہے۔ چنانچہ ملاحظہ فرمایئے غزوۂ بدر کے کچھ ایمان افروز حالات (ماخوذ از سیرت المصطفیٰ ﷺ بحذف و تسہیل)۔ اس مضمون میں مؤلف رحمہ اللہ نے "مؤلف سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کے مغالطوں کا بھی خوب ازالہ فرما دیا ہے۔

(فجزاهم الله احسن الجزاء)

رمضان المبارک ۲ھ

یہ غزوہ غزواتِ اسلام میں سب سے بڑا غزوہ ہے اس لیے کہ اسلام کی عزت وشوکت کی ابتداء اور اسی طرح کفر اور شرک کی ذلت ورسوائی کی ابتدا بھی اسی غزوہ سے ہوئی۔

اور اللہ جل جلالہ کی رحمت سے اسلام کو بلا ظاہری اور مادی اسباب کے محض غیب سے قوت حاصل ہوئی اور کفرو شرک کے سر پر ایسی کاری ضرب لگی کہ کفر کے دماغ کی ہڈی چور چور ہوگئی۔ میدان بدر جس کا شاہد عدل اب تک موجود ہے اور اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے اس دن کو قرآن کریم میں یوم الفرقان فرمایا یعنی حق اور باطل میں فرق اور امتیاز کا دن بلکہ یہ مہینہ ہی فرقان تھا یعنی رمضان المبارک تھا جس میں حق جل وعلا نے قرآن مجید اور فرقان حمید کو نازل فرما کر حق اور باطل، ہدایت اور ضلالت کا فرق واضح فرمایا۔ اور پھر اسی مہینہ میں روزے فرض فرمائے تا کہ محبین ومخلصین، عاشقین ووالہین کا امتحان فرمائے کہ کون اس کا محبّ صادق ہے کہ صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک اس کی محبت میں سخت سے سخت گرمی میں شدائد کو برداشت کرتا ہے اور کون محبّ کاذب ہے کہ اپنے پیٹ اور جبڑوں کا زرخرید غلام ہے۔ غرض یہ کہ یہ مہینہ فرقان کا ہے کہ اس میں مختلف حیثیات اور متعدد جہات سے مخلص اور غیر مخلص کا فرق ظاہر اور نمایاں ہو جاتا ہے۔ (بدر ایک گاؤں کا نام ہے کہ جو مدینہ منورہ سے چار منزل اور اٹھائیس فرسخ یعنی تقریباً اسی میل کے فاصلے پر ہے بدر بن یخلد بن نضر بن کنانہ یا بدر بن الحارث کی طرف منسوب ہے، جو اس کا بانی تھا اور بعض کہتے ہیں کہ بدر قیس کنویں کا نام ہے کنویں ہی کے نام سے بستی مشہور ہوگئی۔ زرقانی ص ۴۰۶ ج ۱)

آغازِ قصہ

شروع رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی کہ ابوسفیان قریش کے قافلہ تجارت کو شام سے مکہ واپس لا رہا ہے جو مال واسباب سے بھرا ہوا ہے۔ آپ نے مسلمانوں کو جمع کر کے اس کی خبر دی اور فرمایا یہ قریش کا کاروان تجارت ہے جو مال واسباب سے بھرا ہوا ہے تم اس کی طرف خروج کرو۔ عجب نہیں کہ حق جل وعلا تم کو وہ قافلہ غنیمت میں عطا فرمائے۔

چونکہ جنگ وجدال اور قتل وقتال کا وہم وگمان بھی نہ تھا اس لیے بلا کسی جنگی تیاری اور اہتمام کے نکل کھڑے ہوئے ابوسفیان کو یہ اندیشہ لگا ہوا تھا اس لیے جب ابوسفیان حجاز کے قریب پہنچا تو ہر راہ گیر اور مسافر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کے حالات اور خبریں دریافت کرتا۔ تا آں کہ بعض مسافروں سے اس کو یہ خبر ملی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے اصحاب کو تیرے قافلے کی طرف خروج کا حکم دیا ہے۔ ابوسفیان نے اسی وقت ضمضم غفاری کو اجرت دے کر مکہ روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ قریش کو اطلاع کردے کہ جس قدر جلد ممکن ہو اپنے قافلہ کی خبر لیں اور اپنے سرمایہ کو بچانے کی کوشش کریں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اصحاب کو لے کر اس قافلہ سے تعارض کیلئے روانہ ہوئے ہیں۔

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لم اتخلف عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی غزوۃ غزاھا الا فی غزوۃ تبوک غیر انی تخلفت عن غزوۃ بدر ولم یعاقب احد تخلف عنھا انما خرج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یرید عیر قریش حتی جمع اللّٰہ بینھم وبین عدوھم علی غیر میعاد (صحیح بخاری باب قصۃ غزوۃ بدر)

''میں کسی غزوہ میں پیچھے نہیں رہا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے ہوں۔ مگر غزوہ تبوک، غزوہ تبوک کے علاوہ غزوہ بدر میں بھی پیچھے رہ گیا تھا، لیکن غزوہ بدر سے پیچھے رہ جانے والوں پر کوئی عتاب نہیں ہوا اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف قافلہ قریش کے ارادہ سے نکلے تھے۔ اتفاقاً بغیر کسی قصد کے اللہ نے مسلمانوں کو ان کے دشمنوں سے بھڑا دیا۔

ابن سعد فرماتے ہیں کہ یہ وہی قافلہ تھا جس کے لئے آپ نے غزوہ ذی العشیرہ میں دوسو مہاجرین کو ہمراہ لے کر خروج فرمایا تھا، اب یہ قافلہ شام سے واپس آرہا تھا چونکہ آپ کا خروج فقط قافلہ کی غرض سے تھا اس لیے عجلت میں بہت تھوڑے آدمی آپ کے ہمراہ ہو سکے اور یہ سفر چونکہ جہاد وقتال کیلئے نہ تھا اس لیے نہ جانے والوں پر کسی قسم کا عتاب اور کسی قسم کی ملامت نہیں کی گئی۔

روانگی

۱۲ رمضان المبارک کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تین سو تیرہ یا چودہ یا پندرہ آدمی آپ کے ہمراہ تھے بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ اتنی جماعت میں صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے ایک گھوڑا حضرت زبیر بن عوام کا اور ایک حضرت مقداد کا تھا۔ اور ایک ایک اونٹ دو دو اور تین تین آدمیوں میں تھا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر میں جاتے وقت ایک اونٹ تین تین آدمیوں میں مشترک تھا۔ نوبت بنوبت سوار ہوتے تھے۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیادہ چلنے کی نوبت آتی تو ابولبابہ اور علی رضی اللہ عنہ عرض کرتے یا رسول اللہ آپ سوار ہو جائیں ہم آپ کے بدلہ میں پیادہ پا چل لیں گے۔ آپ یہ ارشاد فرماتے کہ تم چلنے میں مجھ سے زیادہ قوی نہیں اور تم سے میں

زیادہ خدا کے اجر سے بے نیاز نہیں۔

بیر ابی عنبہ پر پہنچ کر (جو مدینہ سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے) تمام جماعت کا معائنہ فرمایا جو کم عمر تھے ان کو واپس فرما دیا، مقام روحاء میں پہنچ کر ابولبابہ بن عبدالمنذر کو مدینہ کا حاکم مقرر فرما کر واپس کیا۔

اس لشکر میں تین علم تھے ایک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ میں اور دوسرا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور تیسرا کسی انصاری کے ہاتھ میں تھا۔

جب مقام صفراء کے قریب پہنچے تو بسبسہ بن عمرو جہنی رضی اللہ عنہ اور عدی بن ابی الزغباء جہنی رضی اللہ عنہ کو قافلۂ ابی سفیان کے تجسس کیلئے آگے روانہ کیا۔ (طبقات الکبریٰ لابن سعد ص ۶ ج ۲) اور ادھر ضمضم غفاری ابوسفیان کا پیام لے کر مکہ پہنچا کہ تمہارا قافلہ خطرے میں ہے۔ دوڑو اور جلد از جلد اس کی خبر لو۔

اس خبر کا پہنچنا تھا کہ تمام مکہ میں ہل چل پڑ گئی اس لیے کہ قریش کا کوئی مرد اور عورت ایسا نہ رہا تھا کہ جس نے اپنی پوری پونجی اور سرمایہ اس میں شریک نہ کر دیا ہو۔ اس لیے اس خبر کے سنتے ہی تمام مکہ میں جوش پھیل گیا۔ اور ایک ہزار آدمی پورے ساز وسامان کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے۔ ابوجہل سردار لشکر تھا۔ (کما رواہ مسلم وابوداؤد والترمذی عن ابن عباس عن عمر وابن سعد عن ابن مسعود رضی اللہ عنہم) اور موسیٰ بن عقبہ اور ابن عائذ کی مغازی میں ہے کہ ساڑھے نو سو تھے، دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں لڑنے والے تو ساڑھے نو سو تھے اور بقیہ پچاس خدمت گار وغیرہ تھے۔ (زرقانی ص ۴۱۰ ج ۱)

قریش نہایت کروفر اور سامان عیش وطرب کے ساتھ گانے بجانے والی عورتوں اور طبلوں اور طبلچیوں کو ساتھ لے کر اکڑتے ہوئے اور اتراتے ہوئے روانہ ہوئے کما قال تعالیٰ:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ (سورۃ الانفال آیت ۴۷)

''اے مسلمانو تم ان کافروں کی طرح مت ہو جانا جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور اپنی قوت اور شوکت کو دکھلاتے ہوئے نکلے ہیں۔''

تقریباً تمام سرداران قریش شریک لشکر ہوئے صرف ابولہب کسی وجہ سے نہ جا سکا اور اپنے بجائے ابوجہل کے بھائی عاص بن ہشام کو روانہ کیا۔ عاص بن ہشام کے ذمہ ابولہب کے چار ہزار درہم قرض تھے اور مفلس ہو جانے کی وجہ سے ادا کرنے کی استطاعت نہ رہی تھی اس لیے قرض کے دباؤ میں ابولہب کے عوض جنگ میں جانا قبول کیا۔

اور اسی طرح امیہ بن خلف ناخلف نے بھی اوّل اوّل بدر میں جانے سے انکار کیا لیکن ابوجہل کے جبر اور اصرار سے ساتھ ہولیا۔

امیہ کے انکار کا سبب یہ تھا کہ سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ زمانۂ جاہلیت سے امیہ کے دوست تھے۔ امیہ

جب بغرض تجارت شام جاتا تو راستہ میں مدینہ میں سعد بن معاذ کے پاس اترتا اور سعد بن معاذ جب مکہ جاتے تو امیہ کے پاس اترتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت مدینہ کے بعد ایک مرتبہ سعد بن معاذ عمرہ کرنے کیلئے مکہ آئے اور حسب دستور امیہ کے پاس ٹھہرے اور امیہ سے یہ کہا کہ طواف کرنے کیلئے مجھے ایسے وقت لے چلو کہ حرم لوگوں سے خالی ہو یعنی ہجوم نہ ہو۔ امیہ دوپہر کے وقت سعد بن معاذ کو لے کر نکلا۔ طواف کررہے تھے کہ ابوجہل سامنے سے آگیا اور یہ کہنے لگا: اے ابوصفوان (یہ امیہ کی کنیت ہے) یہ تمہارے ساتھ کون شخص ہے؟ امیہ نے کہا سعد ہے ابوجہل نے کہا میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ شخص اطمینان سے طواف کررہا ہے۔ تم ایسے بے دینوں کو ٹھکانہ دیتے ہو اور ان کی اعانت اور امداد کرتے ہو، اے سعد خدا کی قسم اگر یہ ابوصفوان یعنی امیہ تمہارے ساتھ نہ ہوتا تو تم یہاں سے صحیح وسالم واپس نہیں جاسکتے تھے۔ سعد نے بلند آواز سے کہا اگر تو مجھے طواف سے روکے گا تو خدا کی قسم میں مدینہ سے تیرا شام کا راستہ بند کردوں گا۔ امیہ نے سعد سے کہا تم ابوالحکم (یعنی ابوجہل) پر اپنی آواز نہ بلند کرو۔ یہ اس وادی کا سردار ہے۔ سعد نے ترش روئی سے کہا کہ اے امیہ بس رہنے دے خدا کی قسم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے تو حضور پرنور کے اصحاب اور احباب کے ہاتھ سے قتل ہوگا۔ امیہ نے کہا کہ کیا میں مکہ میں مارا جاؤں گا؟ سعد نے کہا یہ مجھے معلوم نہیں کہ تو کہاں اور کس جگہ مارا جائے گا۔ یہ سن کر امیہ گھبرا گیا اور بہت ڈر گیا اور جا کر اپنی بیوی ام صفوان سے اس کا تذکرہ کیا اور ایک روایت میں ہے کہ امیہ نے یہ کہا واللہ مایکذب محمد فکادان یحدث، خدا کی قسم محمد کبھی غلط نہیں کہتے اور قریب تھا کہ خوف وہراس کی وجہ سے امیہ کا پیشاب اور پاخانہ خطا ہوجائے۔ (فتح الباری ص ۲۲۰ ج ۷) اور امیہ پر اس درجہ خوف وہراس غالب ہوا کہ یہ ارادہ کرلیا کہ کبھی مکہ سے باہر نہ نکلوں گا۔ چنانچہ جب ابوجہل نے لوگوں سے بدر کی طرف نکلنے کو کہا تو امیہ کو مکہ سے نکلنا بہت گراں تھا اس کو اپنی جان کا ڈر تھا۔ ابوجہل امیہ کے پاس آیا اور چلنے کیلئے اصرار کیا۔ ابوجہل نے جب یہ دیکھا کہ امیہ چلنے پر تیار نہیں تو یہ کہا کہ آپ سردار ہیں اگر آپ نہیں نکلیں گے تو آپ کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی نہیں نکلیں گے۔ غرض ابوجہل امیہ کو چمٹا رہا اور برابر اصرار کرتا رہا۔ بالآخر یہ کہا کہ اے ابوصفوان تیرے لیے نہایت عمدہ اور تیز رو گھوڑا خرید دوں گا (تاکہ جہاں خطرہ محسوس کرو فوراً اس پر بیٹھ کر واپس آجاؤ) امیہ جانے کیلئے تیار ہوگیا۔ اور گھر میں جا کر اپنی بیوی سے کہا کہ میرے سفر کا سامان تیار کردو۔ بیوی نے کہا کہ اے ابوصفوان تم کو اپنے یثربی بھائی کا قول یاد نہیں رہا؟ امیہ نے کہا میرا ارادہ تھوڑی دور تک جانے کا ہے پھر واپس آجاؤں گا۔ پس امیہ اسی ارادہ سے روانہ ہوا اور جس منزل میں اترتا اپنا اونٹ ساتھ باندھتا، مگر قضاء وقدر نے بھاگنے کا موقع نہیں دیا۔ بدر پہنچا اور میدان قتال میں صحابہ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ (بخاری شریف غزوۂ بدر) غرض یہ کہ امیہ کو اپنے قتل کا یقین تھا ابوجہل کی زبردستی سے ساتھ ہولیا ابوجہل خود بھی تباہ ہوا اور دوسروں کو بھی تباہ کیا۔

احلوا قومهم دار البوار جهنم يصلونها وبئس القرار

قریش کی روانگی کی اطلاع اور صحابہ سے مشورہ اور حضرات صحابہ کرام کی جان نثارانہ تقریریں

روحاء سے چل کر جب آپ مقام صفراء پر پہنچے تو بسبس اور عدی رضی اللہ عنہما نے آ کر آپ کو قریش کی روانگی کی اطلاع دی، اس وقت آپ نے مہاجرین اور انصار کو مشورہ کے لئے جمع فرمایا اور قریش کی اس شان سے روانگی کی خبر دی ابوبکر رضی اللہ عنہ سنتے ہی فوراً کھڑے ہوگئے اور نہایت خوبصورتی کے ساتھ اظہار جان نثاری فرمایا اور بسر وچشم آپ کے اشارے کو قبول کیا اور دل وجان سے اطاعت کیلئے کمر بستہ ہوگئے اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی نہایت خوبصورتی کے ساتھ اظہار جان نثاری فرمایا۔

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کی جان نثارانہ تقریر

بعد ازاں مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا:

امض لما امرك الله (تعالىٰ) فنحن معك والله لا نقول كما قالت بنو اسرائيل لموسىٰ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ولكن اذهب انت وربك فقاتلا انا معكما مقاتلون.

”یارسول اللہ جس چیز کا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے اس کو انجام دیجئے ہم سب آپ کے ساتھ ہیں خدا کی قسم ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ ہرگز نہ کہیں گے کہ اے موسیٰ تم اور تمہارا رب جا کر لڑلو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ ہم بنی اسرائیل کے برخلاف یہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا پروردگار جہاد وقتال کرے ہم بھی آپ کے ساتھ جہاد وقتال کریں گے۔“ یہ ابن اسحاق کی روایت کے الفاظ ہیں اور بخاری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

ولكنا نقاتل عن يمينك وعن شمالك وبين يديك وخلفك

ہم آپ کے دائیں اور بائیں آگے اور پیچھے سے لڑیں گے۔

راوی حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اس وقت دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور فرط مسرت سے چمک اٹھا۔ (بخاری شریف ص ۵۶۴ غزوہ بدر)

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقداد کے لئے دعا خیر فرمائی۔

ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم مدینہ میں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو قافلہ ابی سفیان کی خبر دی اور فرمایا کہ اگر تم اس کی طرف خروج کرو تو عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ تم کو غنیمت عطا فرمائے۔ ہم نے عرض کیا بہتر ہے اور روانہ ہوگئے، جب ایک دودن کا راستہ طے کر چکے تب آپ نے ہم کو مکہ سے قریش کے روانہ ہونے کی خبر دی اور جہاد وقتال کیلئے تیار ہوجانے کا ارشاد فرمایا۔ بعض لوگوں نے کچھ تامل کیا (کیونکہ گھر سے اس ارادہ سے نہ چلے تھے) حضرت مقداد کھڑے ہوئے اور اظہار جان نثاری فرمایا کاش ہم سب ایسا ہی کہتے جیسا مقداد نے

کہا۔ (رواہ ابن ابی حاتم) یعنی کاش ابتداء میں ہم سب ایسا ہی کہتے اس لیے کہ بعد میں پھر سب نے یہی کہا دلوں میں سب کے وہی تھا جو حضرت مقداد فرما رہے تھے چنانچہ مسند احمد میں باسناد حسن مروی ہے:

قال اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم لا نقول كما قالت بنو اسرائيل ولكن انطلق انت وربك فقاتلا انا معكم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب اصحاب نے متفقہ طور پر یہ کہا: یارسول اللہ ہم بنی اسرائیل کی طرح نہ کہیں گے ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ ہیں۔

باوجود اس شافی اور کافی جواب کے آپ نے تیسری بار پھر یہی ارشاد فرمایا:

اشيروا على ايها الناس

اے لوگو مجھ کو مشورہ دو۔

سردار انصار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، نبی اکرم افصح العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بلیغ اشارہ اور دقیق نکتہ کو سمجھ گئے اور فوراً عرض کیا: یارسول اللہ شاید روئے سخن انصار کی طرف ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔

(چونکہ انصار نے آپ سے صرف بیعت عقبہ میں اس کا عہد کیا تھا کہ جو دشمن آپ پر حملہ آور ہوگا اس وقت ہم آپ کے حامی اور مددگار رہوں گے۔ مدینہ سے باہر جا کر آپ کے ساتھ جنگ کرنے کا وعدہ نہ تھا۔ اس لیے آپ بار بار انصار کی طرف دیکھتے تھے سعد بن معاذ نے آپ کے اس اشارہ کو سمجھ کر جواب دیا اور خوب جواب دیا، رضی اللہ عنہ وارضاہ آمین۔ (البدایہ والنہایہ ص۲۶۲ ج۳، راجع عیون الاثر ص۲۴۷ ج۱)

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی جان نثارانہ تقریر

اس پر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

يا رسول الله قد أمنا بك وصدقناك وشهدنا ان ما جئت به هو الحق واعطيناك على ذالك عهوداً وموا ثيق على السمع والطاعة ولعلك يارسول الله خرجت لامرفا حدث الله غيره فامض لما شئت. وصل حبال من شئت واقطع حبال من شئت وسالم من شئت وعاد من شئت وخذ من اموالنا ماشئت واعطنا ما شئت وما اخذت منا كان احب الينا مما تركت واما امرت به من امرنا فامرنا تبع لامرك لئن سرت حتى تاتي برك الغماد لنسيرن معك فو الذى بعثك بالحق لواستعرضت بنا هذا البحر. اخضناه وما تخلف منا رجل واحد وما نكره ان نلقى عدونا انا لصبر عند الحرب صدق عند اللقاء ولعل الله يريك منا ما تقربه عينك فسربنا على بركة الله. (زرقانی ص۴۱۳ ج۱)

یارسول اللہ ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کی اور اس امر کی گواہی دی کہ آپ جو کچھ لائے ہیں وہی حق

ہے اور اطاعت اور جان نثاری کے بارے میں ہم آپ کو پختہ عہد و میثاق دے چکے ہیں۔ یا رسول اللہ آپ مدینہ سے کسی اور ارادہ سے نکلے تھے اور اللہ تعالیٰ نے دوسری صورت پیدا فرمادی جو منشاء مبارک ہو اس پر چلئے اور جس سے چاہیں تعلقات قائم فرمائیں اور جس سے چاہیں تعلق قطع کریں اور جس سے چاہیں صلح کریں اور جس سے چاہیں دشمنی کریں ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ ہیں۔ ہمارے مال میں سے جس قدر چاہیں لیں اور جس قدر چاہیں ہم کو عطاء فرمائیں (اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہمارے اموال اصل میں آپ کی ملک ہیں۔ اگر ہمارے مال میں سے ہمارے لیے آپ کچھ چھوڑیں گے تو گویا وہ آپ کا عطیہ ہوگا) اور مال کا جو حصہ آپ لیں گے وہ اس حصہ سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہوگا کہ جو آپ ہمارے پاس چھوڑ دیں گے اور اگر آپ ہم کو برک الغماد جانے کا حکم دیں گے تو بالضرور ہم آپ کے ساتھ جائیں گے۔ قسم اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اگر آپ ہم کو سمندر میں کودپڑنے کا حکم دیں گے تو ہم اسی وقت سمندر میں کود پڑیں گے اور ہم میں کا ایک شخص بھی پیچھے نہ رہے گا۔ ہم دشمنوں سے مقابلہ کرنے کو مکروہ نہیں سمجھتے البتہ تحقیق ہم لڑائی کے وقت بڑے صابر اور مقابلہ کے سچے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے آپ کو وہ چیز دکھائے گا جس کو دیکھ کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی پس اللہ کے نام پر ہم کو لے کر چلئے۔

تنبیہ

بعض روایات میں سعد بن معاذ کے بجائے سعد بن عبادہ کا ذکر آیا ہے مگر یہ صحیح نہیں، راوی کا وہم ہے اس لیے کہ سعد بن عبادہ بالاتفاق بدر میں حاضر نہیں ہوئے تفصیل کیلئے زرقانی کی مراجعت کی جائے۔ (زرقانی ج ۱ ص ۴۱۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے یہ جان نثارانہ جوابات سن کر مسرور ہوئے اور فرمایا اللہ کے نام پر چلو اور تم کو بشارت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ ابوجہل یا ابوسفیان کی دو جماعتوں میں سے کسی ایک جماعت پر ضرور فتح و نصرت عطا کروں گا۔

اور مجھ کو قوم کفار کے پچھاڑے جانے کی جگہیں دکھلا دی گئی ہیں کہ فلاں شخص فلاں جگہ اور فلاں شخص فلاں جگہ پچھاڑا جائے گا۔

وقال اللہ تعالیٰ: وَاِذْ یَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآىِٕفَتَیْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَ یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ یَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِیْنَۙ۝ لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَ یُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ۝ (سورۃ الانفال آیت ۷،۸)

اور اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تم سے یہ وعدہ کرتا تھا کہ کافروں کی دو جماعتوں میں سے ایک جماعت تم کو دے گا اور تم یہ پسند کرتے ہو کہ غیر ذی شوکت جماعت تم کو ملے اور اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ حق کو اپنی آیات سے ثابت کرے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ظاہر طور پر واضح ہوجائے۔

عاتکہ بنت عبدالمطلب کا خواب

ادھر نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے صحابہ کو یہ خبر دی کہ مجھ کو قوم کے پچھاڑے جانے کی جگہیں دکھلائی گئیں اور ادھر مکہ مکرمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپی عاتکہ بنت عبدالمطلب نے ضمضم غفاری کے مکہ پہنچنے سے پہلے یہ خواب دیکھا کہ ایک شترسوار آیا اور ابطح میں اونٹ بٹھا کر بآواز بلند یہ پکار رہا ہے:

الا انفروا یا آل غدر لمصارعکم فی ثلاث

اے اہل غدر اپنے مقتل اور پچھڑنے کی جگہ کی طرف تین دن میں نکل جاؤ۔

(چونکہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول سے غدر کیا تھا اس لیے عالم رؤیا میں ان کو آل غدر کہا گیا اور عجب نہیں کہ غدر سے شیطان مراد لیا گیا ہو اور چونکہ مشرکین شیطان کے تابع تھے اس لیے ان کو آل غدر کہا گیا ہو۔ واللہ اعلم)

لوگ اس کے اردگرد جمع ہو گئے پھر وہ اپنا اونٹ لیے ہوئے مسجد حرام میں گیا اور پھر یہی آواز دی اس کے بعد جبل ابی قبیس پر چڑھا اور اوپر سے پتھر کی ایک چٹان پھینکی۔ جب وہ چٹان پہاڑ کے دامن میں پہنچی تو چور چور ہو گئی اور مکہ کا کوئی گھر ایسا نہ رہا جس میں اس کا کوئی ٹکڑا جا کر نہ گرا ہو۔

عاتکہ نے یہ خواب اپنے بھائی حضرت عباس سے ذکر کیا اور کہا اے بھائی خدا کی قسم آج میں نے یہ خواب دیکھا ہے اور اندیشہ ہے کہ تیری قوم پر کوئی بلا اور مصیبت آنے والی ہے۔ دیکھو اس خواب کو کسی سے بیان نہ کرنا عباس گھر سے باہر نکلے اور اپنے دوست ولید بن عتبہ سے اس خواب کا ذکر کیا اور یہ تاکید کی کہ اس خواب کا کسی اور سے ذکر نہ کرنا مگر ولید نے اپنے باپ عتبہ سے اس خواب کا لفظ بلفظ تذکرہ کر دیا اسی طرح بات تمام مکہ میں پھیل گئی۔ دوسرے تیسرے روز حضرت عباس مسجد حرام میں گئے تو دیکھا کہ ابوجہل ایک مجمع کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ ابوجہل نے حضرت عباس کو دیکھتے ہی یہ کہا کہ اے ابوالفضل تمہارے مرد تو نبوت کے مدعی تھے ہی اب تمہاری عورتیں بھی نبوت کا دعویٰ کرنے لگیں میں نے دریافت کیا کیا بات ہے؟ ابوجہل نے عاتکہ کے خواب کا ذکر کیا اسی اثناء میں ضمضم غفاری ابوسفیان کا پیام لے کر اس شان سے مکہ میں پہنچا کہ پیراہن چاک ہے اور اونٹ کی ناک کٹی ہوئی ہے اور یہ پکارتا آرہا ہے کہ اے گروہ قریش اپنے کاروان کی خبر لو اور جلد از جلد ابوسفیان کے قافلہ کی مدد کو پہنچو۔

یہ خبر سنتے ہی قریش پورے سازوسامان کے ساتھ مکہ سے نکل کھڑے ہوئے اور بدر میں پہنچ کر خواب کی تعبیر بحالت بیداری آنکھوں سے دیکھ لی۔ (وقال الهيثمی رواه الطبرانی مرسلا وفيه ابن لهيعة وفيه ضعف وحديثه حسن. مجمع الزوائد) موسیٰ بن عقبہ کی روایت میں ہے کہ ضمضم غفاری جب مکہ آیا تو قریش کو عاتکہ کے خواب سے ڈر پیدا ہو گیا۔

فائدہ

عاتکہ بنت عبدالمطلب کے اسلام میں اختلاف ہے ابن سعد فرماتے ہیں کہ عاتکہ مسلمان ہوئیں اور مدینہ کی

طرف ہجرت کی۔ (اصابہ ترجمہ عاتکہ بنت عبدالمطلب)

جہیم بن الصلت کا خواب

غرض یہ کہ قریش پورے ساز وسامان کے ساتھ گاتے بجاتے روانہ ہوئے جب مقام جحفہ میں پہنچے تو جہیم بن صلت نے یہ خواب دیکھا کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار ہے اور ایک اونٹ اس کے ہمراہ ہے، وہ آ کر کھڑا ہوا اور یہ کہتا ہے قتل ہوا عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اور ابوالحکم بن ہشام یعنی ابوجہل۔ اور امیہ بن خلف اور فلاں فلاں۔ بعدازاں اس شخص نے اونٹ کو ایک برچھا مار کر لشکر میں چھوڑ دیا۔ لشکر میں کا کوئی خیمہ ایسا نہ رہا جس پر اس کے خون کے چھینٹے نہ پڑے ہوں۔ ابوجہل کو جب اس خواب کی اطلاع ہوئی تو بہت برہم ہوا اور یہ کہا کہ یہ بنی المطلب میں دوسرا نبی پیدا ہوا ہے کل کو جب مقابلہ ہوگا تب اس کو معلوم ہو جائے گا کہ جنگ میں ہم میں سے کون قتل ہوگا۔

بسبسہ اور عدی رضی اللہ عنہما جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کے قافلہ کی جاسوسی کے لئے روانہ فرمایا تھا۔ جب مقام بدر پر پہنچے تو ایک ٹیلہ کے نیچے جہاں ایک پانی کا چشمہ تھا اپنے اونٹوں کو بٹھلایا اتنے میں دو عورتیں دکھائی دیں جن میں سے ایک دوسری پر اپنے قرض کا تقاضہ کرتی تھی تو اس نے یہ کہا کہ کل یا پرسوں قریش کا قافلہ شام سے آنے والا ہے اس وقت محنت و مزدوری سے جو کماؤں گی اس سے تیرا حق ادا کردوں گی۔

مجدی بن عمرو جہنی بھی پانی کے چشمہ پر موجود تھا اور یہ تمام گفتگو سن رہا تھا جب قرضدار عورت نے قرضخواہ عورت سے یہ کہا کہ کل یا پرسوں قریش کا قافلہ آنے والا ہے اس وقت قافلہ کا کچھ کام کر کے تیرا حق ادا کردوں گی تو مجدی نے یہ کہا سچ کہتی ہے اور یہ کہہ کر بیچ بچاؤ کرا دیا۔ بسبس اور عدی رضی اللہ عنہما یہ سنتے ہی اونٹ پر سوار ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ کی اطلاع دی۔

بسبسہ اور عدی رضی اللہ عنہما کے چلے جانے کے بعد ابوسفیان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل و حرکت کی خبر لینے کی غرض سے اس مقام پر پہنچا اور مجدی بن عمرو سے دریافت کیا کہ کیا تم نے کسی کو یہاں آتے جاتے دیکھا ہے؟ مجدی نے کہا کسی کو نہیں دیکھا صرف دو سواروں کو دیکھا کہ اس ٹیلہ کے نیچے آ کر اونٹ بٹھلائے اور پانی پلایا اور مشکیزہ پانی سے بھر کر چل دیئے ابوسفیان فوراً اس مقام پر پہنچا وہاں کچھ مینگنیاں پڑی تھیں ایک مینگنی کو اٹھا کر توڑا اس میں سے ایک گٹھلی برآمد ہوئی۔ ابوسفیان نے اس گٹھلی کو دیکھ کر کہا: خدا کی قسم یثرب (مدینہ) کے کھجور کی گٹھلی ہے۔ فوراً وہاں سے واپس ہوا اور قافلہ کا رخ بدل دیا۔ اور ساحل کے راستے سے قافلہ کو بچا کر صحیح سالم لے گیا اور قریش کو یہ پیام دے کر بھیجا:

انکم خرجتم لتمنعوا عیرکم ورجالکم واموالکم وقد نجاھا اللہ فارجعوا۔

یعنی تم صرف اس لیے نکلے تھے کہ قافلہ کو اور اپنے آدمیوں کو اور اپنے اموال کو بچالو اللہ نے سب کو بچالیا۔ لہٰذا تم سب مکہ واپس ہو جاؤ۔ ابوجہل نے کہا جب تک ہم بدر پہنچ کر تین دن تک کھا پی کر اور گا بجا کر خوب مزے نہ اڑا لیں اس وقت تک ہرگز واپس نہ ہوں گے۔

اخنس بن شریق سردار بنی زہرہ نے کہا کہ اے بنی زہرہ تم فقط اپنے اموال کی حفاظت کیلئے نکلے تھے سو اللہ نے تمہارے اموال بچا لیے اب ہمیں لڑنے کی ضرورت نہیں بے وجہ ہم کو ہلاکت میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے جیسا کہ یہ شخص (ابوجہل) کہتا ہے لہٰذا تم واپس ہو جاؤ۔ قبیلہ بنی زہرہ کے تمام لوگ اپنے سردار اخنس بن شریق کے کہنے سے واپس ہو گئے اور بنی زہرہ میں سے کوئی شخص بھی بدر میں شریک نہیں ہوا اور دیگر بعض نے بھی یہی کہا کہ جب ہمارا قافلہ صحیح سالم بچ گیا تو اب جنگ کی کیا ضرورت رہی؟ مگر ابوجہل نے ایک نہ سنی اور بدر کی طرف روانہ ہوا۔

اور ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنے اصحاب کے بدر پر پہنچ گئے مگر قریش نے پہلے پہنچ کر پانی کے چشمہ پر قبضہ کر لیا اور مناسب موقعوں کو اپنے لیے چھانٹ لیا۔ بخلاف مسلمانوں کے کہ ان کو نہ پانی ملا اور نہ جگہ مناسب ملی۔ ریتیلا میدان تھا جہاں چلنا ہی دشوار تھا ریت میں پیر دھنس دھنس جاتے تھے۔ حق جل وعلا نے باران رحمت نازل فرمائی جس سے تمام ریت جم گیا۔ اور پانی جمع کرنے کیلئے مسلمانوں نے چھوٹے چھوٹے حوض بنائے تاکہ پانی وضو اور غسل کے کام آ سکے، سورۃ الانفال میں حق تعالیٰ شانہ نے اس احسان کو ذکر فرمایا ہے:

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ (سورۃ الانفال آیت ۱۱)

اور اللہ تعالیٰ تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تاکہ تم کو پاک کر دے اور تم سے شیطان کی گندگی دور کر دے اور تاکہ تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور تمہارے قدموں کو جما دے۔

یہ پانی اگرچہ مسلمانوں نے اپنی ضرورت کے لئے جمع کیا تھا مگر نبی اکرم رحمت عالم رافت مجسم نے اپنے دشمنوں اور خون کے پیاسوں کو اس سے پینے کی اجازت دی۔

جب شام ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور زبیر بن عوام اور سعد بن ابی وقاص اور چند صحابہ کو قریش کی خبر لینے کیلئے روانہ فرمایا اتفاق سے ان کو دو غلام ہاتھ آ گئے ان کو پکڑ لائے اور دریافت کرنا شروع کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے ان غلاموں نے کہا ہم قریش کے سقہ ہیں پانی لانے کیلئے نکلے ہیں۔ ان لوگوں کو ان کے کہنے کا کچھ یقین نہ آیا اور یہ سمجھ کر ان کو کچھ مارا کہ شاید مار پیٹ کے خوف سے ابوسفیان کا کچھ حال بتلائیں جب ان کو کچھ مار پڑی تو کہنے لگے کہ ہم ابوسفیان کے آدمی ہیں۔ یہ سن کر ان لوگوں نے مارنا چھوڑ دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ جب ان غلاموں نے سچ کہا تو تم نے ان کو مارا اور جب جھوٹ کہا تو چھوڑ دیا۔ خدا کی قسم یہ قریش کے آدمی ہیں (یعنی ابوسفیان کے ہمراہیوں میں سے نہیں) آپ نے فرمایا کہ قریش کہاں ہیں؟ ان غلاموں نے کہا واللہ اس مقنقس ٹیلے کے پیچھے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کتنے لوگ ہیں؟ جواب دیا کہ بہت ہیں۔ آپ نے فرمایا ان کی تعداد کتنی ہے؟ غلاموں نے کہا ہم کو ان کی شمار اور تعداد معلوم نہیں۔ آپ نے فرمایا روزانہ کھانے کیلئے کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں۔ جواب دیا کہ ایک دن نو اور ایک دن

دس۔ آپ نے فرمایا ہزار اور نو سو کے درمیان ہیں۔

بعدازاں آپ نے دریافت کیا کہ سرداران قریش میں سے کون کون ہیں؟ انہوں نے کہا عتبہ اور شیبہ پسران ربیعہ ابوالبختری بن ہشام اور حکیم بن حزام اور نوفل بن خویلد اور حارث بن عامر اور طعیمۃ بن عدی اور نضر بن الحارث اور زمعۃ بن اسود اور ابوجہل بن ہشام اور امیۃ بن خلف اور نبیہ اور منبہ پسران حجاج اور سہیل بن عمرو اور عمرو بن عبدود۔ یہ سن کر آپ اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ فرمایا کہ مکہ نے آج اپنے تمام جگر گوشوں کو تمہاری طرف پھینک دیا ہے۔ الغرض اس طرح آپ نے قریش کا حال معلوم کیا۔

جنگ کی تیاری

جب صبح ہوئی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائی کی تیاری کی اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی رائے سے آپ کے قیام کیلئے ٹیلہ پر ایک چھپر بنایا گیا:

ان سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ قال یا نبی اللہ الا نبنی لك عریشا تکون فیه ونعد عندك رکائبك ثم نلقی عدونا فان اعزنا اللہ واظهرنا کان ذالك ما احببنا وان کانت الاخری جلست علی رکائبك فلحقت بمن ورائنا من قومنا فقد تخلف عنك اقوام یا نبی اللہ ما نحن باشد لك حبا منهم ولو ظنوا انك تلقی حربا ماتخلفوا عنك یمنعك اللہ بهم یناصحون ویجاهدون معك فاثنی علیه رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم خیرا ودعاله بخیر ثم بنی لرسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم عریش فکان فیه۔

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے نبی کیا آپ کے لئے ایک چھپر نہ بنادیں جس میں آپ تشریف رکھیں اور سواریاں آپ کے قریب تیار رکھیں پھر ہم دشمن سے جا کر مقابلہ کریں پس اگر اللہ نے ہم کو عزت دی اور دشمن پر غلبہ عطا فرمایا تو ہماری عین تمنا ہے اور اگر خدانخواستہ دوسری صورت پیش آئی تو آپ سوار ہو کر ہماری قوم کے باقی ماندہ لوگوں سے جاملیں قوم کے جو لوگ پیچھے رہ گئے ہیں اے پیغمبر خدا ہم ان سے زیادہ آپ کے محب نہیں۔ اگر ان کو کسی وجہ سے اس میں بھی یہ گمان ہوتا کہ آپ کو جنگ کا سامنا ہوگا تو ہرگز پیچھے نہ رہتے شاید اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ آپ کی حفاظت فرماتا اور وہ نہایت اخلاص اور خیر خواہی سے آپ کے ساتھ جہاد کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن معاذ کی تعریف کی اور ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی بعدازاں آپ کیلئے ایک چھپر بنایا گیا آپ اس میں رہے۔

یہ چھپر ایک ایسے بلند ٹیلے پر بنایا گیا جس پر کھڑے ہو کر تمام میدان کارزار نظر آتا تھا۔

حضرت انس حضرت عمر سے راوی ہیں کہ جس شب کی صبح کو میدان کارزار گرم ہونے والا تھا اس شب میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم ہم کو میدان کارزار کی طرف لے کر چلے تاکہ اہل مکہ کی قتل گاہیں ہم کو آنکھوں سے دکھلادیں چنانچہ آپ اپنے دست مبارک سے اشارہ فرماتے جاتے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے هذا مصرع فلاں غداً ان شاء اللہ۔ یہ ہے

فلاں کی قتل گاہ صبح کو ان شاء اللہ اور مقام قتل پر ہاتھ رکھ کر نام بنام اسی طرح صحابہ کو بتلاتے رہے قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا کسی ایک نے بھی اس جگہ سے سرمو تجاوز نہ کیا جہاں آپ نے اپنے دست مبارک سے اس کے قتل کی طرف اشارہ فرمایا تھا۔ (رواہ مسلم.باب ذکر النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم من یقتل ببدر)

بعدازاں آپ اور آپ کے یار غار رفیق جان نثار صدیق المہاجرین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس عریش، چھپر میں داخل ہوئے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی اور صدیق الانصار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ چھپر کے دروازہ پر تلوار لے کر کھڑے ہو گئے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ بدر کی شب میں کوئی شخص ہم سے ایسا نہ تھا جو سو نہ رہا ہو سوائے آپ کی ذات بابرکات علیہ الف الف صلوات والف الف تحیات کہ تمام شب نماز اور دعا گریہ وزاری میں گزاری۔ اسی طرح صبح کر دی۔ (رواہ الطبرانی وابن جریر وابن خزیمہ وغیرہم)

طلوع فجر ہوتے ہی آپ نے یہ آواز دی الصلاۃ عباداللہ۔ اے اللہ کے بندو نماز کا وقت آ گیا۔ آواز کا سننا تھا کہ سب جمع ہو گئے۔ آپ نے ایک درخت کی جڑ میں کھڑے ہو کر سب کو نماز پڑھائی اور نماز سے فارغ ہو کر اللہ کی راہ میں جانبازی اور سرفروشی کی ترغیب دی۔ (رواہ ابن ابی شیبۃ واحمد وابن جریر وصححہ ،منتخب کنز العمال ص ۹۸ ج ۴)

بعدازاں آپ نے اصحاب کی صفوں کو سیدھا کیا ادھر کفار کی صفیں تیار تھیں ماہ رمضان المبارک کی سترہ تاریخ ہے اور جمعہ کا روز ہے کہ ایک طرف سے حق کی جماعت اور دوسری طرف سے باطل کی جماعت میدان فرقان کی طرف بڑھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قریش کی عظیم الشان جماعت کو پورے سازوسامان کے ساتھ میدان کارزار کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو بارگاہ ایزدی میں یہ عرض کیا:

اللھم ھذہ قریش قد اقبلت بخیلائھا وفخرھا تحادك وتكذب رسولك اللھم فنصرك الذی وعدتنی اللھم احنھم الغداۃ۔

اے اللہ یہ قریش کا گروہ ہے جو تکبر اور غرور کے ساتھ مقابلہ کیلئے آیا ہے تیری مخالفت کرتا ہے اور تیرے بھیجے ہوئے پیغمبر کو جھٹلاتا ہے، اے اللہ اپنی فتح ونصرت نازل فرما جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا اور اے اللہ ان کو ہلاک کر۔

(سیرۃ ابن ھشام فتح الباری، باب قول اللّٰہ تعالیٰ اذ تستغیثون ربكم الی قوله شدید العقاب)

بعدازاں آپ نے لشکر اسلام کو مرتب فرمایا۔ ترتیب اور صف آرائی کے وقت دست مبارک میں ایک تیر تھا، صف میں سے سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ ذرا آگے کو نکلے ہوئے تھے آپ نے بطور تلطف سواد بن غزیہ کے پیٹ پر تیر کا ایک ہلکا سا کوچہ دے کر فرمایا استو یا سواد۔ اے سواد سیدھا ہو جا۔

سواد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

یارسول اللہ اوجعتنی وقد بعثك اللہ بالحق والعدل فاقدنی۔

یارسول اللہ آپ نے مجھ کو دردمند کیا اور تحقیق اللہ نے آپ کو حق اور عدل کے ساتھ بھیجا ہے میرا بدلہ دیجئے

آپ نے شکم مبارک سے پیراہن شریف کو اٹھا کر سواد سے فرمایا: اپنا بدلہ لے لو۔

سواد رضی اللہ عنہ نے شکم مبارک کو گلے لگالیا اور بوسہ دیا اور عرض کیا یارسول اللہ شاید یہ آخری ملاقات ہو۔ آپ مسرور ہوئے اور سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ کیلئے دعائے خیر فرمائی۔ (اصابہ۔ ترجمہ سواد بن غزیہ انصاری رضی اللہ عنہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لشکر اسلام کو مرتب اور اس کی صفوف کو صفوف ملائکہ کی طرح درست اور ہموار فرما کر عریش (چھپر) میں تشریف لے گئے صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ عریش میں داخل ہوئے اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تلوار لے کر عریش کے دروازہ پر کھڑے ہوگئے۔

ابومحجن ثقفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وسمیت صدیقا وکل مهاجر سواك یسمیٰ باسمه غیر منکر

سبقت الی الاسلام واللہ شاهد وکنت جلیساً بالعریش المشهر

وبالغار اذ سمیت بالغار صاحبا وکنت رفیقا للنبی المطهر

”آپ کا نام صدیق رکھا گیا، اور ہر مہاجر آپ کے سوا دوسرے نام سے پکارا جاتا ہے۔ آپ نے اسلام کی طرف سبقت کی اور اللہ گواہ ہے اور چھپر میں آپ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم نشین تھے۔ اور اسی طرح غار میں بھی آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اسی وجہ سے آپ کو یار غار کہا جاتا ہے۔ (الاستیعاب لابن عبدالبر، ترجمہ ابی بکر رضی اللہ عنہ)

قریش جب مطمئن ہوئے تو آغاز جنگ سے پہلے عمیر بن وہب جمحی کو مسلمانوں کی جماعت کا اندازہ لینے کیلئے بھیجا۔ عمیر بن وہب گھوڑے پر سوار ہو کر مسلمانوں کے اردگرد پھر کر واپس آئے اور یہ کہا کہ کم وبیش تین سو آدمی ہیں لیکن مجھ کو ذرا مہلت دو کہ یہ دیکھ آؤں کہ مسلمانوں کی مدد کیلئے اور جماعت تو کہیں کمین گاہ میں چھپی ہوئی نہیں۔ چنانچہ عمیر گھوڑے پر سوار ہو کر دور دور ایک چکر لگا کر واپس آئے اور یہ کہا کہ کوئی کمین اور مدد نہیں۔ لیکن اے گروہ قریش میں یہ دیکھتا ہوں کہ یہ مدینہ کے اونٹ موت احمر (قتل) کو اپنے اوپر لادے ہوئے ہیں اس قوم کا سوائے ان کی تلواروں کے کوئی پناہ اور سہارا نہیں خدا کی قسم میں یہ دیکھتا ہوں کہ ان لوگوں میں سے ہر ایک جب تک اپنے مقابل کو نہ مارلے گا اس وقت تک ہرگز نہ مارا جائے گا۔ پس اگر ہمارے آدمی بھی انہیں کے برابر مارے گئے تو پھر زندگی کا لطف ہی کیا رہا۔ سوچ کر کوئی رائے قائم کرلو۔

حکیم بن حزام نے کہا بالکل درست ہے اور اٹھ کر عتبہ کے پاس گیا اور کہا اے ابوالولید آپ قریش کے سردار اور

بڑے ہیں کیا آپ کو یہ پسند نہیں کہ ہمیشہ خیر اور بھلائی کے ساتھ آپ کا ذکر ہوتا رہے؟ عتبہ نے کہا: کیا ہے؟ حکیم نے کہا لوگوں کو لوٹا لے چلو۔ اور عمرو بن حضرمی کا خون بہا اپنے ذمہ لے لو۔ عتبہ نے کہا میں عمرو بن حضرمی کا خون بہا اور دیت کا ذمہ دار ہوں لیکن ابوجہل سے بھی مشورہ کرلو اور کھڑے ہو کر یہ خطبہ دیا:

میدان کارزار میں عتبہ کی تقریر

اے گروہ قریش واللہ تم کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب سے جنگ کر کے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ یہ سب تمہارے قرابت دار ہیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اپنے باپ اور بھائی بنی الاعمام بنی الاخوال کے قاتلوں کو دیکھتے رہو گے۔ محمد اور عرب کو چھوڑ دو۔ اگر عرب نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ختم کر دیا تو تمہاری مراد پوری ہوئی اور اگر اللہ نے ان کو غلبہ دیا تو وہ بھی تمہارے لیے باعث عزت وشرف ہوگا کیونکہ وہ تمہاری ہی قوم کے ہیں ان کا غلبہ تمہارا غلبہ ہے دیکھو میری نصیحت کو رد مت کرو اور مجھ کو سفیہ اور نادان نہ بناؤ۔

حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ میں ابوجہل کے پاس آیا ابوجہل اس وقت زرہ پہن کر ہتھیار سجا رہا تھا۔ میں نے کہا عتبہ نے مجھ کو یہ پیام دے کر بھیجا ہے۔ ابوجہل سنتے ہی غصہ سے بھڑک اٹھا اور یہ کہا کہ عتبہ اس لیے بھی لڑائی سے جان چراتا ہے کہ اس کا بیٹا ابوحذیفہ مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ اس پر کوئی آنچ نہ آئے۔ خدا کی قسم ہم ہرگز واپس نہ جائیں گے جب تک اللہ ہمارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مابین فیصلہ نہ کردے اور عمرو بن الحضرمی کے بھائی عامر بن الحضرمی کو بلا کر یہ کہا کہ یہ تیرا حلیف، عتبہ لوگوں کو لوٹا کر لے جانا چاہتا ہے اور تیرے بھائی کا خون تیری آنکھوں کے سامنے ہے، عامر نے سنتے ہی واعمراہ واعمراہ، ہائے عمرو ہائے عمرو کا نعرہ لگانا شروع کیا جس سے تمام فوج میں جوش پھیل گیا۔ اور سب لڑائی کیلئے تیار ہو گئے۔

فائدہ

ابوجہل علاء بن حضرمی کے خون کا ذکر لوگوں کو محض جوش دلانے کیلئے کرتا تھا اصل مقصد جس کے لئے قریش مکہ سے نکلے تھے وہ کاروان تجارت کی حفاظت تھی جب وہ بچ نکلا تو لوگ جنگ کیلئے آمادہ نہ تھے اور قدم قدم پر واپسی کا مسئلہ زیر بحث آتا تھا، لہٰذا کسی علامہ کا یہ گمان کرنا کہ قریش محض علاء بن حضرمی کے خون کا بدلہ لینے کیلئے مدینہ پر حملہ کرنے کی نیت سے نکلے تھے بالکل غلط ہے تمام روایات کے خلاف ہے۔

آغاز جنگ

ابوجہل کی طعن آمیز گفتگو کا یہ اثر ہوا کہ عتبہ بھی ہتھیار سجا کر جنگ کیلئے تیار ہو گیا اور گروہ مشرکین میں سب سے پہلے عتبہ بن ربیعہ ہی اپنے بھائی شیبہ بن ربیعہ اور اپنے بیٹے ولید کو لے کر میدان میں آیا۔ اور للکار کر اپنا مبارز اور مقابل طلب کیا۔

لشکر اسلام میں سے تین شخص مقابلہ کیلئے نکلے۔ عوف اور معوذ پسران حارث اور عبداللہ بن رواحہ۔

(عوف اور معوذ کے والد کا نام حارث ہے اور والدہ کا نام عفرآء ہے۔ عفرآء بھی صحابیہ ہیں۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں: عفرآء میں ایک خاص خصوصیت ہے جو کسی اور صحابیہ میں نہیں پائی جاتی۔ وہ یہ کہ عفرآء نے اوّل نکاح حارث سے کیا، حارث سے تین بیٹے ہوئے عوف اور معوذ اور معاذ۔ حارث کے بعد بکیر بن یالیل سے نکاح کیا جس سے چار لڑکے ہوئے، ایاس، عاقل، خالد اور عامر۔ اور یہ ساتوں بیٹے تین پہلے شوہر کے اور چار دوسرے شوہر کے سب کل کے کل غزوہ بدر میں شریک رہے ایسی صحابیہ جس کے ساتوں لڑکے بدر میں شریک ہوئے ہوں صرف عفرآء رضی اللہ عنہا وعنہم ہیں۔ زرقانی ص ۴۱۶ ج ۱)

عتبہ نے پوچھا تم کون ہو؟ ان لوگوں نے کہا رھط من الانصار یعنی ہم گروہ انصار سے ہیں۔ عتبہ نے کہا مالنا بکم من حاجة یعنی ہم کو تم سے مطلب نہیں ہم تو اپنی قوم سے لڑنا چاہتے ہیں۔ اور کسی شخص نے للکار کر یہ آواز دی:

یا محمد اخرج الینا اکفاء نا من قومنا

اے محمد ہماری قوم میں سے ہماری جوڑ کے ہم سے لڑنے کو بھیجو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو حکم دیا کہ صف قتال کی طرف واپس آجائیں اور حضرت علی اور حضرت حمزہ اور حضرت عبیدۃ بن الحارث کو نام بنام مقابلہ کیلئے نکلنے کا ارشاد فرمایا۔ حسب الارشاد یہ تینوں مقابلہ کیلئے نکلے، چہروں پر چونکہ نقاب تھے اس لیے عتبہ نے دریافت کیا تم کون ہو عبیدہ نے کہا میں عبیدہ ہوں حمزہ نے کہا میں حمزہ ہوں علی نے کہا میں علی ہوں۔ عتبہ نے کہا:

نعم اکفاء کرام

ہاں تم ہمارے جوڑ اور برابر کے ہو اور محترم ہو۔

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا:

قوموا یا بنی ھاشم بحقکم الذی بعث اللہ بہ نبیکم اذ جاؤا بباطلھم لیطفئوا نور اللہ

اے بنی ہاشم اٹھو اس حق کے ساتھ جس کو اللہ نے تمہارے نبی کو دے کر بھیجا ہے۔ یہ باطل کو لے کر اللہ کا نور بجھانے آئے ہیں۔

ذکر قتل عتبہ وشیبہ وولید

اس کے بعد جنگ شروع ہوگئی۔ عبیدہؓ، عتبہ کے مقابلہ میں نکلے اور حمزہؓ، شیبہ کے اور علیؓ، ولید کے مقابل ہوئے۔ حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ نے تو اپنے اپنے مقابل کا ایک ایک ہی وار میں کام تمام کر دیا۔ عبیدہ رضی اللہ عنہ خود بھی زخمی ہوئے اور اپنے مقابل کو بھی زخمی کیا۔ بالآخر عتبہ نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ پر تلوار کا ایسا وار کیا جس سے

حضرت عبیدہؓ کے پیر کٹ گئے۔ حضرت علیؓ اور حمزہؓ اپنے اپنے مقابل سے فارغ ہو کر حضرت عبیدہؓ کی امداد کو آپہنچے اور عتبہ کا کام تمام کیا اور عبیدہؓ کو اٹھا کر آپ کے خدمت میں لے آئے، عبیدہؓ کی پنڈلی کی ہڈی سے خون جاری تھا، عبیدہؓ نے دریافت کیا: یارسول اللہ کیا میں شہید ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ اس پر عبیدہؓ نے کہا کاش اگر ابوطالب زندہ ہوتے تو یقین کرتے کہ ان کے اس شعر کے ہم زیادہ مستحق ہیں:

ونسلمه حتی نصرع حوله

ونذهل عن ابنائنا والحلائل

ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت دشمنوں کے حوالہ کر سکتے ہیں کہ جب ہم سب ان سے پہلے قتل کر دیئے جائیں اور اپنے بیٹوں اور بیویوں سے بے خبر ہو جائیں۔ اور اس کے بعد یہ شعر پڑھے:

فان یقطعوا رجلی فانی مسلم ارجی به عیشاً من الله عالیا

والبسنی الرحمٰن من فضل منه لباسا من الاسلام غطی المساویا

(اگر کافروں نے میرا پیر کاٹ دیا تو کوئی مضائقہ نہیں اس کے صلہ میں اللہ عزوجل سے بہت ہی بلند عیش کا امیدوار ہوں (یعنی پیر قطع ہو جانے سے یہ حیات فانیہ قطع ہوگئی مگر اس کے بدلے میں ایسی حیات ملے گی جو کبھی منقطع نہ ہوگی) اور کیوں نہ امید کروں خداوند مہربان ہی نے محض اپنی مہربانی سے مجھ کو اسلام کا لباس پہنایا جس نے تمام برائیوں کو ڈھانک لیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ جس جسم پر اسلام اور تقویٰ کا لباس نہ ہو تو وہ عریاں اور برہنہ ہے۔ عالم شہادت والے اگرچہ اس عریانی کا احساس نہ کر سکیں لیکن عالم غیب کے رہنے والے اس برہنگی کو ضرور محسوس کرتے ہوں گے۔ حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ جب حضرت لبید رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے تو یہ شعر کہا:

الحمدلله اذ لم یاتنی اجلی

حتی اکتسیت من الاسلام سربالا

یہ شعر بھی اسی کا مؤید ہے اگر اندیشۂ طوالت نہ ہوتا تو کتاب وسنت سے کچھ اور شواہد ذکر کرتا، حضرات اہل علم ادنیٰ توجہ سے معلوم کر سکتے ہیں۔

(ایک روایت میں ہے کہ جب صحابہ نے یہ حالت دیکھی تو عبیدہ کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنا رخسار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک پر رکھ کر کہا: یارسول اللہ! اگر ابوطالب زندہ ہوتے اور ہم کو دیکھتے تو وہ جان لیتے کہ ہم ان سے زیادہ اس شعر کے مستحق ہیں اس کے بعد وفات پائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اشهد انك شهيد میں گواہی دیتا ہوں کہ تو شہید ہے۔ (رواہ الشافعی، البدایۃ والنہایۃ ص۲۷۴ ج۳)

فائدہ

عتبہ اور شیبہ اصل میں جنگ سے اس لیے جان چراتے تھے کہ اول تو عاتکہ اور پھر جہیم بن صلت کے خواب کی وجہ سے پریشان تھے اور پھر یہ کہ مکہ سے چلتے وقت یہ ماجرا پیش آیا کہ عداس رضی اللہ عنہ نے (جو عتبہ اور شیبہ کے غلام تھے اور نصرانیت سے تائب ہو کر طائف کی واپسی میں حضور کے دست مبارک پر مشرف باسلام ہو چکے تھے) جب عتبہ اور شیبہ بدر کے لئے روانہ ہونے لگے تو جاتے وقت عداس نے عتبہ اور شیبہ کے پیر پکڑے اور یہ کہا:

بابی وامی انتما واللہ انہ لرسول اللہ وما تساقان الا الی مصارعکما۔

میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں خدا کی قسم وہ یعنی محمد بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں۔اور نہیں ہانکے جارہے ہو تم مگر اپنے اپنے مقتل (قتل گاہ) کی طرف اور رو پڑے۔عاص بن شیبہ نے حضرت عداس کو روتے ہوئے دیکھ کر رونے کا سبب دریافت کیا تو عداس نے کہا کہ میں اپنے ان آقاؤں کی وجہ سے روتا ہوں کہ دونوں اللہ کے رسول سے قتال اور جنگ کیلئے جارہے ہیں، عاص نے کہا: کیا واقعی وہ اللہ کے رسول ہیں؟ عداس کانپ اٹھے اور یہ کہا:

ای واللہ انہ لرسول اللہ الی الناس کافۃ

ہاں خدا کی قسم تحقیق وہ اللہ کے رسول ہیں جو تمام لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

حضرت عداس کا یہ کلام عتبہ اور شیبہ کے دل میں اتر چکا تھا کہ یہ سب لوگ مارے جائیں گے۔اس لیے عتبہ اور شیبہ جنگ سے جان چراتے تھے، فقط ابوجہل کے طعن کی وجہ سے عتبہ اور شیبہ نے سبقت کی۔ابوجہل بار بار عتبہ اور شیبہ کو بزدلی اور نامردی کا طعنہ دیتا تھا۔اس لیے سب سے پہلے یہ دونوں جنگ کی طرف بڑھے تاکہ اپنے سے بزدلی اور نامردی کے طعنہ کو دور کریں ابواسید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن یہ ارشاد فرمایا اپنے تیروں کو وقت کیلئے بچا رکھنا۔جب کافر تم پر ہجوم کردیں اور قریب آجائیں اس وقت تیر مارنا۔(بخاری شریف غزوہ بدر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ خداوندی میں دعاء فتح

عتبہ اور شیبہ کے قتل کے بعد میدان کارزار گرم ہو گیا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھپر سے برآمد ہوئے اور صحابہ کی صفوف کو ہموار کیا۔اور پھر ابوبکر صدیق کو ساتھ لیے ہوئے عریش (چھپر) میں واپس تشریف لے گئے اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تلوار لیکر چھپر کے دروازے پر کھڑے ہو گئے حضور پرنور نے جب اپنے اصحاب اور احباب کی قلت اور بے سروسامانی کو اور اعداء کی کثرت اور قوت کو دیکھا تو نماز کیلئے کھڑے ہو گئے اور دو رکعت نماز پڑھی اور دعاء میں مشغول ہو گئے اور یہ دعاء مانگتے تھے:

اللھم انی انشدک عھدک ووعدک اللھم ان شئت لم تعبد

اے اللہ میں تیرے عہد اور وعدہ کے وفا کی درخواست کرتا ہوں اے اللہ اگر تو چاہے تو تیری پرستش نہ ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر خشوع وخضوع کی ایک خاص کیفیت طاری تھی، بارگاہ خداوندی میں کبھی سربسجود وتضرع وابتہال فرماتے اور کبھی سائلانہ اور فقیرانہ ہاتھ پھیلا پھیلا کر فتح ونصرت کی دعا مانگتے تھے۔ محویت کا یہ عالم تھا کہ دوش مبارک سے چادر گرگر پڑتی تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ میں نے بدر کے دن کچھ قتال کیا اور آپ کی طرف آیا دیکھا کہ آپ سربسجود ہیں اور یا حی یا قیوم کہتے جاتے ہیں میں لوٹ گیا اور قتال میں مصروف ہو گیا اور کچھ دیر بعد پھر آپ کی طرف آیا پھر اسی حال میں پایا۔ تین مرتبہ اسی حال میں پایا چوتھی بار اللہ نے آپ کو فتح دی۔ (رواہ النسائی والحاکم فتح الباری۔ باب قول اللہ تعالیٰ اذ تستغیثون ربکم)

صحیح مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کیا کہ جب بدر کا دن ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ مشرکین مکہ ایک ہزار ہیں اور آپ کے اصحاب تین سو سے کچھ زیادہ ہیں تو آپ عریش (چھپر) میں تشریف لے گئے اور مستقبل قبلہ ہو کر بارگاہ خداوندی میں دعاء کیلئے ہاتھ پھیلائے:

اللھم انجزلی ما وعدتنی اللھم ان تھلك ھذہ العصابۃ من اھل الاسلام لا تعبد فی الارض

اے اللہ تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اس کو پورا فرما۔ اے اللہ اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر زمین میں تیری پرستش نہ ہوگی۔

اس لیے کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور یہ امت آخری امت ہے اگر خدانخواستہ آپ اور آپ کے صحابہ ہلاک ہو گئے تو پھر زمین پر کوئی اللہ کی عبادت کرنے والا نہ رہے گا، نیز اس دعا سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فتح ونصرت کی دعاء فقط مسلمانوں کی جان بچانے کیلئے نہ تھی بلکہ اس لیے کہ زمین پر اللہ جل جلالہ کی عبادت اور بندگی باقی رہے ایسا نہ ہو کہ زمین اللہ کی عبادت سے خالی رہ جائے۔

دیر تک ہاتھ پھیلائے ہوئے یہی دعا فرماتے رہے کہ اے اللہ اگر یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر زمین پر تیری پرستش نہ ہوگی۔ اسی حالت میں چادر مبارک دوش مبارک سے گر پڑی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چادر اٹھا کر دوش مبارک پر ڈال دی اور پیچھے سے آکر آپ کی کمر سے چمٹ گئے، یہ صحیح مسلم کی روایت ہے۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ ابوبکر نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور عرض کیا:

حسبك فقد الححت علی ربك

بس کافی ہے تحقیق آپ نے اللہ کے حضور میں بہت الحاح آہ وزاری کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر حق جل وعلاء کی عظمت وجلال اور شان استغناء و بے نیازی پر تھی۔ کما قال اللہ

تعالیٰ: اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ۔ وقال اللہ تعالیٰ: وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ○ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ

اس لیے چشمہائے مبارک سے گریہ وزاری کے چشمے جاری اور رواں تھے لیکن حضرت ابوبکر کو آپ کی اس بے تابانہ اور

مضطربانہ الحاح وزاری سے یقین آ گیا کہ آپ کی دعا مستجاب اور مقبول ہوئی، کما قال اللہ تعالیٰ:

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ یَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ یَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ (سورۃ النمل آیت ۶۲)

آیا وہ ذات کہ جو مضطر اور بے قرار کی دعا کو قبول کرتا ہے اور اس کی مصیبت کو دور کرتا ہے اور تم کو زمین میں صاحب تصرف بناتا ہے۔

غرض یہ کہ صدیق اکبر مقام رجا میں تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقام خوف میں تھے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

شبہ یہ ہے کہ جب حق تعالیٰ کی طرف سے فتح ونصرت کا وعدہ تھا تو حضور پرنور کیوں اس درجہ مضطرب تھے؟

جواب یہ ہے کہ حق جل شانہ کی طرف سے حق کی فتح ونصرت کا وعدہ مجمل تھا کوئی زمان ومکان اور کوئی واقعہ اور محل معین نہ تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر حق جل وعلاء کی شان بے نیازی پر تھی کہ وہ مالک مطلق ہے جو چاہے سو کرے۔ مقام ربوبیت کا ادب یہی ہے کہ باوجود وعدہ برحق کے اس سے ڈرتا رہے اور یہ سمجھتا رہے کہ کوئی شے کسی حال میں اس پر واجب نہیں بندہ کا کام مانگنے کا ہے وہ جو کچھ عطا فرمائے وہ اس کا فضل اور انعام ہے اور اگر وعدہ نصرت کا وقت معین بھی ہو تو اس میں یہ احتمال ہے کہ ممکن ہے کہ اس وعدہ کا وقوع اور تحقیق ایسے مخفی اسباب وشرائط پر معلق ہو جن سے اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت اور مصلحت کی بناء پر اپنے پیغمبروں کو بھی آگاہ نہ کیا ہو۔ کما قال اللہ تعالیٰ: وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ اللہ تعالیٰ پر یہ امر واجب نہیں کہ کسی واقعہ اور کسی وعدہ کے اسباب وشروط سے انبیاء کرام کو آگاہ کرے بسا اوقات حکمت بالغہ کا اقتضاء یہ ہوتا ہے کہ اصل حقیقت سر مکتوم رہے تاکہ بندہ کی نظر سے اللہ کی عظمت اور ہیبت اور شان لاابالی اوجھل نہ ہو جائے۔

اس لیے حضرات انبیاء کرام کا اس طرح کی والہانہ اور مضطربانہ دعا مانگنا اس لیے نہیں ہوتا کہ ان کو وعدہ خداوندی پر وثوق نہیں ہوتا بلکہ خداوند ذوالجلال کی بے نیازی کا خوف ان پر غالب ہوتا ہے۔ (ماخوذ از مدارج النبوۃ)

اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

كفاك منا شدتك ربك فانه سينجزلك ما وعدك

بس اللہ سے آپ کا یہ سوال کافی ہے تحقیق وہ اپنے وعدہ کو ضرور پورا فرمائے گا۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِیْنَ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ۝ (سورۃ الانفال آیت ۹،۱۰)

یاد کرو اس وقت کو کہ جب تم اللہ سے فریاد کر رہے تھے پس اللہ نے تمہاری دعا قبول کی کہ میں تمہاری ایک ہزار

فرشتوں سے مدد کروں گا جو یکے بعد دیگرے آنے والے ہوں گے اور نہیں بنایا اللہ نے اس امداد کو مگر محض تمہاری بشارت اور خوشخبری کیلئے اور اس لیے کہ تمہارے دل مطمئن ہو جائیں اور حقیقت میں مدد نہیں مگر اللہ کی جانب سے بے شک اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ آپ اس وقت عریش (چھپر) سے باہر تشریف لائے اور زبان مبارک پر یہ آیت تھی:

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ. (سورۃ القمر آیت ۴۵)

عنقریب کافروں کی یہ جماعت شکست کھائے گی اور پشت پھیر کر بھاگے گی۔

ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ دعا مانگتے مانگتے آپ پر نیند طاری ہوگئی، تھوڑی دیر بعد آپ بیدار ہوئے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا:

ابشريا ابابكر اتاك نصر الله هذا جبريل أخذ بعنان فرسه يقوده على ثناياه الغبار

اے ابوبکر تجھ کو بشارت ہو تیرے پاس اللہ کی مدد آ گئی، یہ جبرئیل امین گھوڑے کی باگ پکڑے ہوئے ہیں دانتوں پر ان کے غبار ہے۔

اہل اسلام کی امداد کیلئے آسمان سے فرشتوں کا نزول

اول حق تعالیٰ نے ایک ہزار اور پھر تین ہزار اور پھر پانچ ہزار فرشتے مسلمانوں کی امداد کیلئے اتارے۔

نکتہ

چونکہ اس جنگ میں کفار و مشرکین کی امداد کیلئے ابلیس لعین اپنا لشکر لے کر حاضر ہوا اس لیے حق جل وعلا نے مسلمانوں کی امداد کیلئے جبرئیل ومیکائیل واسرافیل کی سرکردگی میں آسمان سے اپنے فرشتوں کا لشکر نازل فرمایا چونکہ شیطان خود سراقہ بن مالک کی شکل میں اور اس کے لشکر کے لوگ بنی مدلج کے مَردوں کی شکل میں ظاہر ہوئے (جیسا کہ دلائل بیہقی اور دلائل ابی نعیم میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے)

اسی وجہ سے فرشتے بھی مَردوں ہی کی شکل میں نمودار ہوئے جیسا کہ علامہ سہیلی اور امام قرطبی نے تصریح کی ہے۔

اور جن حضرات کی امداد اور اعانت کیلئے آسمان سے فرشتے اترے وہ حضرات اگرچہ صورۃً انسان تھے مگر معنی فرشتے تھے اور بلاشبہ اس کا مصداق تھے۔

نقش آدم لیک معنی جبرئیل ‌ ‌ ‌ رستہ از جملہ ہوا و قال و قیل

ابو اسید ساعدی رضی اللہ عنہ (جو صحابہ بدریین میں سے ہیں) فرماتے ہیں کہ بدر کے دن فرشتے زرد رنگ کے عماموں میں اترے شملے مونڈھوں کے درمیان چھوڑے ہوئے تھے۔ (رواہ ابن جریر باسناد حسن) اور ایسا ہی ابن ابی حاتم نے زبیر بن عوام سے روایت کیا ہے اور زبیر رضی اللہ عنہ خود بھی بدر کے دن زرد عمامہ باندھے ہوئے تھے۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کے عماموں کا رنگ سیاہ تھا اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ سفید تھا۔
حافظ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ صحیح روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عماموں کا رنگ زرد تھا۔ سیاہ اور سفید رنگ کے بارے میں جس قدر بھی روایتیں ہیں وہ سب ضعیف ہیں۔

نکتہ

عجب نہیں کہ فرشتوں کے عماموں کا رنگ زرد، مسلمانوں کے فرحت و مسرت کیلئے رکھا گیا ہو اس لیے کہ زرد رنگ کو دیکھ کر فرحت و مسرت ہوتی ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ

دیکھنے والوں کو فرحت اور مسرت بخشتا ہے۔

الحاصل حق جل شانہ نے مسلمانوں کی امداد کیلئے فرشتوں کا لشکر آسمان سے نازل فرمایا۔ اول تو ملائکہ کا فقط نزول ہی موجب خیر و برکت تھا۔ جیسے غزوۂ حنین میں فقط ملائکہ کا نزول ہی فتح کا باعث ہوا، (کما سیاتی ان شاء اللہ تعالیٰ)

دوسرا انعام حق تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ فرشتوں کو یہ حکم دیا کہ مسلمانوں کو روحانی طور پر تقویت پہنچائیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (سورۃ الانفال آیت ۱۲)

اس وقت کو یاد کرو کہ جب اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں پس تم اہل ایمان کو ثبات اور استقامت میں قوت پہنچاؤ۔

جس طرح حق تعالیٰ نے شیطان کو دلوں میں وسوسے ڈالنے کی قدرت دی ہے اسی طرح ملائکہ مکرمین کو دلوں میں نیک باتوں کے القاء کی قدرت عطا فرمائی ہے۔ جس کو لمہ اور الہام کہتے ہیں۔ سو فرشتوں نے مسلمانوں کے دلوں میں خداوند ذوالجلال سے سرکشی کرنے والوں کے مقابلہ میں سرفروشی اور جانبازی کا القاء کیا کہ تم اللہ اور اس کے رسول سے بغاوت کرنے والوں کے مقابلہ میں ثابت قدم رہو۔ نعم المولی اور نعم النصیر اللہ تمہارا حامی اور مددگار ہے اور اس کے فرشتوں کا لشکر تمہاری پشت پناہی کیلئے حاضر ہے۔ پھر کیا فکر اور کیا غم ہے اور فتح و شکست کا مدار دلوں کی قوت اور ضعف پر ہے۔ اس طرح مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کر دیا۔

تیسرا انعام حق تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ فرشتوں کو مسلمانوں کے دشمنوں سے جہاد اور قتال کا حکم دیا۔

چوتھا انعام یہ فرمایا کہ فرشتوں کو ان کا معین اور مددگار بنایا، اصل جہاد کرنے والے صحابہ تھے، فرشتے ان کے تابع تھے جیسا کہ ممدکم کا لفظ اس طرف اشارہ کرتا ہے۔

پانچواں انعام یہ فرمایا کہ کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈالا۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ

فرشتوں کو طریقہ جہاد و قتال کی تعلیم

فرشتوں کو چونکہ آدمیوں کے قتل کا طریقہ معلوم نہ تھا اس لیے حق تعالیٰ نے ان کو قتل کا طریقہ بتلایا:

فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ○ (سورۃ انفال آیت ۱۲)

اے فرشتو پس مارو کافروں کی گردنوں پر اور کاٹ دو ان کے ہر پور (جوڑ) کو۔

ربیع بن انس سے مروی ہے کہ بدر کے دن فرشتوں کے مقتولین انسانوں کے مقتولین سے علیحدہ طور پر پہچانے جاتے تھے، مقتولین ملائکہ کے گردنوں اور پوروں پر آگ کے سیاہ نشان تھے۔ (فتح الباری باب شہود الملائکۃ بدرا)

صحیح مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک مسلمان مرد ایک مشرک کے پیچھے دوڑا اوپر سے ایک کوڑے اور سوار کی آواز سنائی دی کہ اے حیزوم (حیزوم حضرت جبرئیل کے گھوڑے کا نام ہے زرقانی ص ۴۱۶ ج ۱) آگے بڑھ۔ اس کے بعد جو اس مشرک پر نظر پڑی تو دیکھتے کیا ہیں کہ وہ مشرک زمین پر چت پڑا ہوا ہے اور اس کی ناک اور چہرہ کوڑے کی ضرب سے پھٹ کر نیلا ہو گیا ہے۔

انصاری نے آکر یہ تمام واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا آپ نے سن کر فرمایا: تو نے سچ کہا، یہ تیسرے آسمان کی امداد تھی۔

صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے لئے یہ ارشاد فرمایا:

هذا جبرئيل آخذ برأس فرسه عليه اداة الحرب

یہ ہیں جبرئیل جو اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے ہیں سامان جنگ سے آراستہ ہیں۔ (بخاری شریف باب شہود الملائکۃ بدرا)

سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بدر کے دن ہم نے یہ دیکھا کہ ہم میں کا کوئی شخص جب مشرک کی طرف اشارہ کرتا ہے تو قبل اس کے کہ تلوار اس تک پہنچے اس کا سر کٹ کر زمین پر گر جاتا ہے۔ حاکم نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور ان کے تلمیذ بیہقی نے اور نیز ابو نعیم نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے۔

سہل بن سعد راوی ہیں کہ ابو اسید نے مجھ سے یہ کہا کہ اے بھتیجے اگر میں اور تو بدر میں ہوتے تو میں تجھ کو وہ گھاٹی دکھلاتا جہاں سے فرشتے ہماری امداد کیلئے برآمد ہوئے تھے جس میں کوئی شک اور شبہ نہیں۔ (رواہ الطبرانی وفیہ سلامۃ بن روح وثقہ ابن حبان وضعفہ غیرہ لغفلۃ فیہ)

الحاصل جنگ بدر میں مسلمانوں کی امداد کیلئے آسمان سے فرشتوں کا نازل ہونا اور پھر مسلمانوں کے ساتھ ہو کر ان کا جہاد و قتال کرنا، آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے صراحۃً ثابت ہے جس میں کسی کے انکار اور شبہ کی گنجائش نہیں۔

فرشتوں کا گھوڑوں پر سوار ہونا یہ بھی متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے بعض روایات میں ہے کہ ابلق گھوڑوں

پر سوار تھے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ملائکہ نے سوائے بدر کے اور کسی موقع پر قتال نہیں کیا۔ ہاں مسلمانوں کی فقط تائید اور تقویت اور تکثیر جماعت اور سکینت وطمانیت کیلئے فرشتوں کا نازل ہونا دوسرے مواقع میں بھی ثابت ہوا ہے۔ مثلاً غزوہ حنین میں ملائکہ کا نزول سورہ توبہ میں مذکور ہے، کما قال اللہ تعالیٰ:

وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا

اور ایسے لشکر اتارے جن کو تم نہیں دیکھتے تھے۔

مگر بخاری اور مسلم کی ایک حدیث میں غزوہ احد میں بھی جبرئیل ومیکائیل کا قتال کرنا مذکور ہے لیکن وہ قتال تمام مسلمانوں کی طرف سے نہ تھا۔ صرف ذات بابرکات علیہ افضل الصلوات والتحیات کی حمایت وحفاظت کیلئے تھا۔

نکتہ

چونکہ یہ عالم عالم اسباب ہے، اس لیے حق جل وعلا نے عالم اسباب کی رعایت سے فرشتوں کو لشکر کی صورت میں مسلمانوں کی امداد کیلئے نازل فرمایا ورنہ ایک ہی فرشتہ سب کیلئے کافی تھا۔ اصل فاعل تو اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر اس عالم میں اس کی قدرت کا ظہور اسباب اور وسائط کے ذریعہ سے ہوتا ہے اس لیے عالم اسباب کے طریقے کے مطابق فرشتوں کا ایک لشکر مسلمانوں کی مدد کیلئے بھیجا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عریش سے باہر تشریف لائے اور جہاد وقتال کی ترغیب دی اور فرمایا کہ قسم ہے اس ذات پاک کی کہ جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے آج جو شخص صبر وتحمل اخلاص اور صدق نیت کے ساتھ اللہ کے دشمنوں سے سینہ سپر ہو کر جہاد کرے گا اور پھر اللہ کی راہ میں مارا جائے گا اللہ تعالیٰ اس کو ضرور جنت میں داخل فرمائے گا۔

عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں اس وقت کچھ کھجوریں تھیں جن کے کھانے میں مشغول تھے۔ یکا یک جب یہ کلمات طیبات ان کے کان میں پہنچے تو سنتے ہی بول اٹھے:

بخ بخ فما بيني وبين ان ادخل الجنة الا ان يقتلني هولاء

واہ واہ میرے اور جنت کے مابین فاصلہ ہی کیا رہ گیا مگر صرف اتنا کہ یہ لوگ مجھ کو قتل کر ڈالیں۔

اور کھجوریں ہاتھ سے پھینک دیں اور تلوار لے کر جہاد شروع کیا اور لڑنا شروع کیا یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ابن ہشام ص ۱۸ ج ۲۔ طبقات ابن سعد ص ۱۶ ج ۲)

عوف بن حارث نے عرض کیا: (باپ کا نام حارث اور ماں کا نام عفراء ہے یعنی معاذ اور معوذ کے بھائی)

یارسول الله مايضحك الرب من عبده

یارسول اللہ پروردگار بندہ کی کیا چیز ہنساتی ہے، یعنی خوش کرتی ہے؟ (یعنی جس امر سے بندہ کو خداوند ذوالجلال کی انتہائی رضامندی حاصل ہو۔ جس مقام پر خوشنودی کے ساتھ بشارت وکرامت مسرت ومحبت کا اظہار مقصود ہو وہاں

بجائے رضا کے ضحک کا استعمال ہوتا ہے تا کہ انتہائی خوشنودی اور انتہائی رضامندی اور غایت محبت پر دلالت کرے اس لیے کہ آقا بسا اوقات اپنے خادم سے راضی ہوتا ہے مگر اس کا اظہار نہیں کرتا۔ ضحک کا لفظ خوشنودی اور اس کے اظہار دونوں پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ طلحہ بن براء رضی اللہ عنہ کے حق میں حدیث میں آیا ہے: اللھم الق طلحة یضحك الیك و تضحك الیه. اے اللہ طلحہ سے اس حال میں ملاقات فرما کہ وہ تجھ کو دیکھ کر ہنسے اور تو اس کو دیکھ کر ہنسے۔ یعنی ایسی ملاقات فرما کہ جو انتہائی رضامندی اور انتہائی محبت کو ظاہر کرتی ہو۔ ضحک خداوندی کے یہ معنیٰ ہیں خوب سمجھ لو۔) (روض الانف ص ۶۹ ج ۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بندہ کا برہنہ ہو کر خدا کے دشمن کے خون سے اپنے ہاتھ کو رنگ دینا۔ عوف رضی اللہ عنہ نے یہ سنتے ہی زرہ اتار کر پھینک دی اور تلوار لے کر قتال شروع کیا یہاں تک شہید ہو گئے، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ابو جہل کی دعاء اور لوگوں کو جنگ کیلئے جوش دلانا

عتبہ اور شیبہ اور ولید کے قتل ہو جانے کے بعد ابو جہل نے لوگوں کو یہ کہہ کر ہمت اور جرأت دلائی اور جنگ پر آمادہ کیا: اے لوگو عتبہ اور شیبہ اور ولید کے قتل ہونے سے گھبراؤ نہیں ان لوگوں نے عجلت سے کام لیا قسم ہے لات اور عزیٰ کی ہم اس وقت تک ہرگز واپس نہ ہوں گے جب تک ہم ان کو رسیوں میں نہ باندھ لیں گے۔

اور اس کے بعد ابو جہل نے اللہ سے یہ دعا مانگی: اے اللہ ہم میں سے جو قرابتوں کا قطع کرنے والا اور غیر معروف امور کا مرتکب ہو اس کو ہلاک فرما۔ اور ہم میں سے جو تیرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہو آج اس کو فتح اور نصرت دے۔

اس پر اللہ جل جلالہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ ۖ وَإِنْ تَنْتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ۖ وَإِنْ تَعُودُوا نَعُدْ ۖ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ (سورۃ الانفال آیت ۱۹)

اگر تم فتح طلب کرتے تھے تو دیکھ لو تمہارے سامنے فتح آ گئی اب اگر آئندہ کو باز آ گئے تو تمہارے لیے بہتر ہے اور تمہاری جماعت ذرہ برابر تمہارے کام نہ آئے گی اگرچہ وہ جماعت کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ اور تحقیق اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔

(اخرجہ ابن اسحاق والحاکم وصححه والبیھقی عن عبداللہ بن ثعلبة بن صغیر، خصائص کبریٰ ص ۲۰۳ ج ۱۔ زاد المعاد ص ۸۹ ج ۲۔ وقال ابن کثیر۔ اخرجہ الامام احمد والنسائی ورواہ الحاکم ثم قال صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ۔ البدایة والنھایة ص ۲۸۲ ج ۳)

دلائل بیہقی اور دلائل ابی نعیم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابو جہل کی دعاء کے بعد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے دعاء کیلئے ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا: اے پروردگار اگر (خدانخواستہ) یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر زمین میں کبھی تیری پرستش نہ ہوگی۔ ایک طرف ابوجہل دعاء مانگ رہا تھا اور دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشغول دعاء تھے۔ اس کے بعد فریقین میں گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی۔ اس وقت آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم عریش سے باہر تشریف لائے اور صحابہ کو جہاد وقتال کی ترغیب دی اور یہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص خدا کی راہ میں مارا جائے گا، حق تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔

بعد ازاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریئل امین کے اشارے سے ایک مشت خاک لے کر مشرکین کے چہروں پر پھینک ماری اور صحابہ کو حکم دیا کہ کافروں پر حملہ کرو مشرکین میں کوئی بھی ایسا نہ رہا کہ جس کی آنکھ اور ناک اور منہ میں یہ مٹی نہ پہنچی ہو۔

خدا ہی کو معلوم ہے کہ اس مشت خاک میں کیا تاثیر تھی کہ اس کے پھینکتے ہی دشمن بھاگ اٹھے۔ اسی بارے میں یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ (سورۃ الانفال آیت ۱۷)

اور نہیں پھینکی وہ مشت خاک آپ نے جس وقت کہ آپ نے پھینکی لیکن اللہ نے پھینکی۔

یعنی ظاہراً اگرچہ آپ نے ایک مٹھی خاک کی پھینکی لیکن ایک ہزار لشکر جرار کے ہر فرد کی آنکھ اور ناک میں اس مشت خاک کے ریزوں کا پہنچانا آپ کا کام نہ تھا بلکہ یہ اللہ کا کام اور اس کی قدرت کا ایک کرشمہ تھا۔

جب جنگ کی شدت ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ شاھت الوجوہ (یہ چہرے خراب ہوئے) پڑھ کر ایک مٹھی سنگریزے قریش کی طرف پھینکے اور صحابہ کو حملہ کا حکم دیا۔ ایک لمحہ کی مہلت اور ایک لحظہ کا وقفہ نہ گزرا کہ اعداء اللہ کے چہروں پر حسی اور معنوی ذلت کا غبار چھا گیا اور آنکھیں ملنے لگے۔ ادھر مسلمانوں نے دھاوا بول دیا۔ ابن شہاب زہری اور عروۃ بن الزبیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس مشت خاک کی عجب شان بنائی ہر شخص سرنگوں اور حیران تھا کہ کہاں اور کدھر جائے۔

مشت خاک کا پھینکنا تھا کہ کفار کا تمام لشکر سراسیمہ ہوگیا اور بڑے بڑے بہادر اور جانباز قتل اور قید ہونے لگے اور مسلمان خدا کے دشمنوں کے قتل کرنے اور گرفتار کرنے میں مشغول ہوگئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عریش میں تشریف فرما تھے اور سعد بن معاذ دروازہ پر تلوار لے کر ذات قدسی صفات اور ملکی سمات علیہ افضل الصلوات والتحیات کی حفاظت کر رہے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ صحابہ قریش کو گرفتار کرنے میں مشغول ہیں اور سعد بن معاذ کے چہرہ پر ناگواری کے آثار اس درجہ نمایاں ہیں کہ گویا کراہت اور ناگواری کوئی محسوس شے ہے جو سعد کے چہرہ میں رکھی ہوئی نظر

آتی ہے۔آپ نے ارشاد فرمایا: اے سعد غالباً تجھ کو قریش کا گرفتار کرنا ناگوار ہے۔ سعد نے عرض کیا:

اجل واللہ یارسول اللہ کانت اول وقعۃ اوقعھا اللہ تعالیٰ باھل الشرک فکان الاثخان فی القتل احب الی من استبقاء الرجال۔ (سیرۃ ابن ہشام ص ۱۸ ج ۲)

ہاں خدا کی قسم یارسول اللہ یہ پہلا حادثہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اہل شرک پر نازل فرمایا۔ میرے نزدیک خدا کے ساتھ شرک کرنے والوں کا قتل اور خونریزی ان کے زندہ چھوڑنے سے کہیں زیادہ محبوب ہے۔

جن کے قلوب حق جل وعلاء کی توحید وتفرید سے لبریز ہو چکے ہوں ان کے دلوں میں خدا کے ساتھ شرک کرنیوالوں کیلئے کہاں گنجائش ہوسکتی ہے۔ نیز تخلق باخلاق اللہ کا اقتضاء بھی یہی ہے کہ شرک کو معاف نہ کیا جائے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا (سورۃ النساء آیت ۴۸)

تحقیق اللہ تعالیٰ شرک معاف نہیں کرتا البتہ جو گناہ شرک سے کم درجہ کا ہو اس کو معاف کر دیتا ہے جس کیلئے چاہے اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے اس نے بڑے ہی جرم کا ارتکاب کیا۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشتر ہی یہ ارشاد فرمایا تھا کہ کچھ لوگ بنی ہاشم اور دیگر قبائل کے رضاء ورغبت سے نہیں بلکہ قریش کے محض جبر اور اکراہ سے آئے ہیں، ان کو قتل نہ کیا جائے۔ ہمیں ان سے قتل وقتال کی ضرورت نہیں لہٰذا تم میں سے جو شخص ابوالبختری بن ہشام اور عباس بن عبدالمطلب کو پائے تو قتل نہ کرے اس لیے صحابہ بجائے قتل کے ان لوگوں کی گرفتاری کے درپے رہے۔

چنانچہ مجذر بن زیاد انصاری نے جب ابوالبختری کو دیکھا تو کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو تیرے قتل سے منع کیا ہے۔

ابوالبختری کے ساتھ ایک رفیق بھی تھا جو مکہ سے اس کے ساتھ آیا تھا جس کا نام جنادۃ بن ملیحہ تھا۔ ابوالبختری نے کہا میرا رفیق بھی۔ مجذر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہرگز نہیں، خدا کی قسم ہم تیرے رفیق کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صرف تیری بابت حکم دیا ہے۔ ابوالبختری نے کہا خدا کی قسم یہ مجھ سے ممکن نہیں کہ میں اپنے ساتھی کو چھوڑ دوں۔ کل کو مکہ کی عورتیں مجھ کو یہ طعنہ دیں گی کہ فقط اپنی جان بچانے کیلئے اپنے رفیق کو چھوڑ دیا۔ اور یہ رجز پڑھتا ہوا حملہ کیلئے آگے بڑھا:

لن یسلم ابن حرۃ زمیلہ   حتی یموت او یری سبیلہ

ایک شریف زادہ اپنے رفیق کی اعانت اور دستگیری سے کبھی دستکش نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ مرجائے یا اپنا راستہ دیکھے۔

ابوالبختری کا مقابلہ پر آنا تھا کہ مجذر رضی اللہ عنہ کی تلوار نے کام تمام کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

والذی بعثك بالحق لقد جهدت ان يستاسر فآتيك به فابى الا ان يقاتلنى فقاتلته فقتلته

قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا البتہ تحقیق میں نے پوری کوشش کی کہ ابوالبختری قید ہو جائے اور میں اس کو آپ کی خدمت میں حاضر کروں لیکن نہ مانا یہاں تک کہ مقاتلہ اور مقابلہ کیا تو میں نے اس کو قتل کر دیا۔

امیہ بن خلف اور اس کے بیٹے کا قتل

امیہ بن خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید ترین دشمنوں میں سے تھا جس وقت جنگ بدر کا کوئی وہم وگمان بھی نہ تھا اس وقت سعد بن معاذ کی زبانی مکہ ہی میں اپنے قتل کی پیشین گوئی سن چکا تھا۔ اس لیے بدر کے موقع پر جنگ میں شریک ہونے سے جان چراتا رہا۔ ابوجہل نے یہ کہہ کر کہ أدركوا عيركم اپنے تجارتی قافلہ کی خبر لو (یعنی قافلہ ابی سفیان کی) لوگوں کو جنگ کیلئے آمادہ کیا امیہ نے پہلوتہی کی۔ ابوجہل نے کہا اے ابوصفوان آپ اس وادی کے سردار ہیں آپ کی پہلوتہی کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی پہلوتہی کریں گے۔ ابوجہل برابر اصرار کرتا رہا۔ امیہ جب مجبور ہو گیا تو یہ کہا کہ خدا کی قسم میں ایک نہایت عمدہ بہادر تیز رو اونٹ خریدوں گا تاکہ جب موقع ملے تو راستہ ہی سے واپس آجاؤں اور اپنی بیوی ام صفوان سے جا کر کہا کہ سفر کا سامان تیار کر دے۔ ام صفوان نے کہا کیا تم کو اپنے یثربی بھائی کا قول (کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے ہاتھ سے مارے جاؤ گے) یاد نہیں رہا؟ امیہ نے کہا: نہیں، خوب یاد ہے۔ میرا ارادہ جانے کا نہیں تھوڑی دور تک ساتھ جاتا ہوں اور پھر موقع پا کر واپس ہو جاؤں گا، اسی طرح تمام منزلیں طے کرتا ہوا بدر تک پہنچ گیا۔ (بخاری شریف باب من یقتل ببدر)

جب بدر کے میدان میں آیا تو بلال رضی اللہ عنہ کی نظر پڑی کہ جن کو امیہ مکہ میں گرم پتھروں پر لٹایا کرتا تھا، بلال نے امیہ کو دیکھتے ہی انصار کو للکارا۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت سے امیہ کے دوست تھے، وہ یہ چاہتے تھے کہ امیہ قتل نہ ہو بلکہ گرفتار اور اسیر ہو جائے (شاید اللہ تعالیٰ اس بہانہ سے اس کو ہدایت نصیب فرمائے اور ہمیشہ کے عذاب سے نجات پائے)

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں کچھ زرہیں تھیں جو کافروں سے چھینی تھیں۔ ان کو تو زمین پر ڈال دیا اور امیہ اور اس کے بیٹے کا ہاتھ پکڑ لیا۔ بلال نے دیکھ کر آواز دی پکڑو کفر کے سردار امیہ کو، نہ بچوں میں اگر امیہ بچ جائے۔ انصار یہ آواز سنتے ہی دوڑے۔ حضرت عبدالرحمٰن نے امیہ کے بیٹے کو آگے کر دیا، انصار نے اس کو قتل کر دیا اور امیہ کی طرف دوڑے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ امیہ کے اوپر لیٹ گئے مگر انصار نے اسی حالت میں پیروں کے نیچے سے تلواریں چلا کر امیہ کو قتل کیا۔ جس سے حضرت عبدالرحمٰن کے پیر پر زخم آیا اور مدتوں تک اس زخم کا نشان باقی رہا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف فرمایا کرتے تھے: خدا بلال پر رحم فرمائے میری زرہیں بھی گئیں اور میرے قیدی بھی ہاتھ سے گئے۔ (صحیح بخاری کتاب الوکالۃ)

ابوجہل عدوّ اللہ، فرعونِ امت رسول اللہ کا قتل

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف فرماتے ہیں کہ میں بدر کے دن صف میں کھڑا تھا اچانک نظر جو پڑی تو دیکھتا کیا ہوں کہ میرے دائیں بائیں انصار کے دو نوجوان ہیں۔ اس لیے مجھ کو اندیشہ ہوا (کہ لوگ آ کر مجھ کو دولڑکوں کے درمیان کھڑا دیکھ کر نہ آ گھیریں) اسی خیال میں تھا کہ ایک نے آہستہ سے کہا اے چچا مجھ کو ابوجہل دکھاؤ کہ کون سا ہے؟ میں نے کہا اے میرے بھتیجے ابوجہل کو دیکھ کر کیا کرو گے؟ اس نوجوان نے کہا میں نے اللہ سے یہ عہد کیا ہے کہ اگر ابوجہل کو دیکھ پاؤں تو اس کو قتل کر ڈالوں یا خود مارا جاؤں اس لیے کہ مجھ کو خبر ملی ہے کہ ابوجہل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سبّ وشتم کرتا ہے۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر اس کو دیکھ پاؤں تو میرا سایہ اس کے سایہ سے جدا نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ ہم میں سے جس کی موت پہلے مقدر ہو چکی ہے نہ مرجائے۔

ان کی یہ گفتگو سن کر دل سے یہ آرزو جاتی رہی کہ کاش میں بجائے دولڑکوں کے دو مردوں کے مابین ہوتا۔ میں نے اشارہ سے ابوجہل کا بتایا۔ وہ دونوں سنتے ہی شکرے اور باز کی طرح ابوجہل پر دوڑے اور اس کا کام تمام کیا۔ (بخاری شریف کتاب الجہاد باب من لم یخمس الاسلاب، وبخاری شریف جلد دوم باب غزوہ بدر)

یہ دونوں جوان حضرت عفراء رضی اللہ عنہا کے بیٹے معاذ اور معوذ تھے۔

عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن ابی بکر بن حزم، معاذ بن عمرو بن الجموح سے راوی ہیں کہ میں ابوجہل کی تاک میں تھا جب موقع ملا تو اس زور سے تلوار کا وار کیا کہ ابوجہل کی ٹانگ کٹ گئی۔

ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے (جو فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے) باپ کی حمایت میں معاذ کے شانہ پر اس زور سے تلوار ماری کہ ہاتھ کٹ گیا لیکن تسمہ (چمڑا) لگا رہا ہاتھ بیکار ہو کر لٹک گیا۔ مگر سبحان اللہ معاذ شام تک اسی حالت میں لڑتے رہے۔ جب ہاتھ کے لٹکنے سے تکلیف زیادہ ہونے لگی تو ہاتھ کو قدم کے نیچے دبا کر زور سے کھینچا کہ وہ تسمہ (چمڑا) علیحدہ ہوگیا۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت تک زندہ رہے۔ مگر معوذ بن عفرا ابوجہل سے فارغ ہو کر لڑائی میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ جام شہادت نوش فرمایا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

فتح کے بعد ابوجہل کی لاش کی تلاش

ابوجہل اگر چہ زخمی خوب ہو چکا تھا لیکن زندگی کی رمق ابھی کچھ باقی تھی۔ انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن فرمایا کہ: ہے کوئی جو ابوجہل کی خبر لائے۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے جا کر لاشوں میں تلاش کیا، دیکھا کہ اس میں کچھ رمق باقی ہے۔

یہ بخاری کی روایت ہے ابن اسحاق اور حاکم کی روایت میں ہے کہ ابن مسعودؓ نے ابوجہل کی گردن پر پیر رکھ کر یہ کہا:

اخزاك الله يا عدو الله

ذلیل اور رسوا کیا تجھ کو اللہ نے اے اللہ کے دشمن

اور بعد ازاں اس کا سر کاٹا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر لا کر ڈال دیا اور یہ عرض کیا:

هذا رأس عدو الله ابی جهل

یہ سر ہے اللہ کے دشمن ابوجہل کا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الله الذی لا اله الا هو

قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی خدا نہیں یہ ابوجہل کا ہی سر ہے؟

میں نے عرض کیا:

نعم والله الذی لا اله غیره

ہاں قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کو معبود نہیں، یہ ابوجہل ہی کا سر ہے۔

آپ نے اللہ کا شکر کیا اور تین مرتبہ زبان مبارک سے یہ فرمایا:

الحمدلله الذی اعز الاسلام واهله

حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے اسلام کو اور اسلام والوں کو عزت بخشی۔

بعض روایات میں ہے کہ آپ نے سجدہ شکر بھی ادا فرمایا (عمدۃ القاری باب قتل ابی جہل) اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ آپ نے (اس شکریہ میں) ایک دوگانہ پڑھا۔ (رواہ ابن ماجہ عن عبداللہ بن ابی اوفیٰ)

ایک روایت میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں ابوجہل کے سینہ پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ ابوجہل نے آنکھیں کھولیں اور کہا اے بکریوں کے چرانے والے البتہ تو بہت اونچے مقام پر چڑھ بیٹھا ہے۔ میں نے کہا:

الحمدلله الذی مکننی من ذلك

حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے مجھ کو یہ قدرت دی۔

پھر کہا: کس کو فتح اور غلبہ نصیب ہوا؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کو۔ پھر کہا: تیرا کیا ارادہ ہے؟ میں نے کہا: تیرا سر قلم کرنے کا۔ کہا: اچھا یہ میری تلوار ہے اس سے میرا سر کاٹنا، یہ بہت تیز ہے تیری مراد اور مدعا کو جلد پورا کرے گی اور دیکھو میرا سر شانوں کے پاس سے کاٹنا تا کہ دیکھنے والوں کی نظروں میں مہیب ہیبت ناک معلوم ہو اور جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف واپس ہو تو میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ میرے دل میں یہ نسبت گزشتہ کے آج کے دن تمہاری عداوت اور بغض کہیں زیادہ ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بعد ازاں میں نے اس کا سر قلم کیا اور لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ اللہ کے دشمن ابوجہل کا سر ہے۔ اور اس کا پیام پہنچایا۔ آپ نے اللہ اکبر کہا اور فرمایا کہ یہ میرا اور میری امت کا فرعون تھا جس کا شر اور فتنہ موسیٰ علیہ السلام کے فرعون کے شر

اور فتنہ سے کہیں بڑھ کر تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے فرعون نے مرتے وقت تو ایمان کا کلمہ پڑھا مگر اس امت کے فرعون نے مرتے وقت بھی کفر اور تکبر ہی کے کلمات کہے اور ابو جہل کی تلوار ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی۔ (کذا فی شرح السیر الکبیر للامام السرخسی رحمہ اللہ ص ۷ ج ۲)

یعنی جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فضائل وکمالات میں تمام انبیاء ومرسلین (صلوات اللہ علیہم اجمعین) سے افضل وبرتر تھے۔ اسی طرح آپ کی امت کا فرعون تمام امم کے فراعنہ سے کفر اور شقاوت میں بڑھ کر تھا کہ مرتے وقت بھی اس کی آنکھ نہ کھلی اور سکرات موت نے بھی اس کے کفر اور تکبر کو متزلزل نہ کیا بلکہ کفر اور تکبر میں اور اضافہ ہو گیا۔ (اعاذنا اللہ تعالیٰ من ذلک آمین)

نکتہ

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کی طرف جانے کا قصد فرمایا تو یہ ارشاد فرمایا:

لیقم معی من لم یکن فی قلبه مثقال ذرة من کبرفقام ابن مسعود فحمله رسول الله صلی الله علیه وسلم مع نفسه۔ (بنایه شرح الهدایة للحافظ العینی ص۲۸۶ ج ۱)

میرے ساتھ چلنے کیلئے وہ شخص اٹھے جس کے دل میں ذرہ برابر تکبر نہ ہو آپ کے اس ارشاد کے بعد ابن مسعود رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے ہمراہ لے گئے۔

عجب نہیں کہ ابو جہل کے آخری قتل کی سعادت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس لیے حاصل ہوئی ہو کہ یہ اللہ کے خاص بندے تھے جن کا قلب تکبر اور غرور کے شوائب سے پاک اور منزہ تھا اور ابو جہل غرور مجسم اور سراپا تکبر تھا جس کے قلب میں جزء لایتجزیٰ کے مقدار بھی تواضع کا نام ونشان نہ تھا۔ اس لیے ابو جہل کا قتل حق جل وعلاء نے ایسے مبارک اور مسعود شخص کے ہاتھ سے مقدر فرمایا کہ جو اللہ کا ایسا خاص بندہ ہو کہ جس کے قلب میں ذرہ برابر بھی غرور اور تکبر نہ ہو۔ **والله سبحانه وتعالیٰ اعلم وعلمه اتم واحکم۔ رضی الله عن عبدالله ابن مسعود وارضاه وجزاه عن الاسلام ما یحبه ویرضاه آمین)**

فائدہ

ابو جہل کا اصل لقب ابو الحکم تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جہل کا لقب عطا فرمایا۔ (**فتح الباری باب ذکر النبی صلی الله علیه وسلم من یقتل ببدر**) یعنی جہل مطلق کا باپ اور مربی جب تک زندہ رہا اس وقت تک برابر اس سے ہر قسم کی جہالت کا توالد اور تناسل ہوتا رہا۔

عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کی لڑتے لڑتے تلوار ٹوٹ گئی، آپ نے ایک چھڑی مرحمت فرمائی جو عکاشہ کے ہاتھ میں جاتے ہی تیغ براں بن گئی اسی سے قتال کیا یہاں تک اللہ نے فتح دی۔ اس تلوار کا نام عون تھا۔ ہر غزوہ میں یہ تلوار

ساتھ رہتی۔

عبیدۃ بن سعید بن العاص بدر کے دن غرق آہن تھا سوائے آنکھوں کے کوئی شے دکھلائی نہیں دیتی تھی۔ حضرت زبیر نے تاک کر اس کی آنکھ میں ایسا نیزہ مارا کہ پار ہوگیا اور وہ فوراً ہی مرگیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اوپر پیر رکھ کر پوری قوت کے ساتھ نیزہ کھینچا تب نکلا لیکن اس کے کنارے ٹیڑھے ہوگئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور یادگار اس نیزہ کو حضرت زبیر سے مانگ لیا۔ آپ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر کے پاس رہا، پھر حضرت عمر اور پھر حضرت عثمان اور پھر حضرت علی اور پھر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کے پاس رہا۔

معرکہ بدر میں حضرت زبیر کے زخم آئے ایک زخم شانہ پر اس قدر گہرا آیا کہ عروۃ بن زبیر بچپن میں اس زخم میں انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ عبدالملک بن مروان نے عروۃ بن الزبیر سے کہا تم زبیر کی تلوار پہچانتے ہو۔ عروہ نے کہا ہاں۔ عبدالملک نے کہا کس طرح؟ عروہ نے کہا: اس میں بدر کے دن دندانے پڑ گئے تھے۔ عبدالملک نے کہا سچ کہتے ہو اور تائید کیلئے یہ مصرع پڑھا:

بهن فلول من قراع الكتائب (صحیح بخاری غزوۂ بدر)

ان تلواروں میں دندانے ہیں بڑے بڑے لشکروں کے مارنے سے۔

اسیرانِ بدر

بحمداللہ فتح مبین پر لڑائی کا خاتمہ ہوا، قریش کے ستر آدمی قتل اور ستر گرفتار اور اسیر ہوئے مقتولین کی لاشوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے کنویں میں ڈالنے کا حکم دیا مگر امیۃ بن خلف کہ اس کی لاش اس قدر پھول گئی تھی کہ جب زرہ نکالنے کا ارادہ کیا تو اس کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے اس لیے وہیں مٹی میں دبا دی گئی۔

جب عتبہ بن ربیعہ کی لاش کنویں میں ڈالی جانے لگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ عتبہ کے بیٹے ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر حزن اور ملال کے آثار ہیں۔ آپ نے فرمایا اے ابوحذیفہ کیا باپ کی اس حالت کو دیکھ کر تیرے دل میں کچھ خیال گزرا ہے؟ ابوحذیفہ نے عرض کیا یا رسول اللہ خدا کی قسم کوئی خیال نہیں، صرف اتنی بات ہے کہ میرا باپ صاحب رائے اور حلیم اور بردبار اور صاحب فضل تھا، اس لیے امید تھی کہ یہ فہم و فراست اسلام کی طرف رہنمائی کرے گی۔ لیکن جب اس کو کفر پر مرتے دیکھا تو رنج ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کیلئے دعائے خیر فرمائی۔

مقتولین بدر کی لاشوں کا کنویں میں ڈلوانا

حضرت انس بن مالک، ابوطلحہ رضی اللہ عنہما سے راوی ہیں کہ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوبیس

سرداران قریش کی لاشوں کے متعلق ایک نہایت خبیث، ناپاک اور گندے کنویں میں ڈالنے کا حکم دیا، کنویں میں جو ڈالے گئے وہ سردار کفار تھے اور باقی مقتولین کسی اور جگہ ڈلوا دیئے گئے۔ اور آپ کی یہ عادت شریفہ تھی کہ جب آپ کسی قوم پر غلبہ اور فتح پاتے تو تین شب وہاں قیام فرماتے۔ اسی عادت کے مطابق جب تیسرا روز ہوا تو آپ نے سواری پر زین کسنے کا حکم دیا۔ حسب الحکم پھر آپ چلے اور صحابہ آپ کے پیچھے چلتے تھے۔ صحابہ کو یہ خیال تھا کہ شاید کسی ضرورت کیلئے تشریف لے جا رہے ہیں یہاں تک کہ آپ اس کنویں کے کنارے پر جا کھڑے ہوئے اور نام بنام فلاں بن فلاں کہہ کر آواز دی اور یا عتبہ اور یا شیبہ اور یا امیہ اور یا ابا جہل، اس طرح نام لے کر پکارا اور یہ فرمایا: تم کو یہ اچھا معلوم نہ ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے، تحقیق جس چیز کا ہمارے رب نے ہم سے وعدہ کیا ہم نے اس کو حق پایا۔ کیا تم نے بھی اپنے رب کے وعدہ کو حق پایا؟

یہ بخاری کی روایت ہے۔ ابن اسحاق کی روایت میں اس قدر اور اضافہ ہے: اے گڑھے والو تم اپنے نبی کے حق میں بہت برا قبیلہ تھے، تم نے مجھ کو جھٹلایا اور لوگوں نے میری تصدیق کی تم نے مجھ کو نکالا اور لوگوں نے ٹھکانہ دیا، تم نے مجھ سے قتال کیا اور لوگوں نے میری مدد کی۔ امین کو تم نے خائن بتلایا اور صادق کو کاذب کہا۔ اللہ تم کو بری جزا دے۔
بخاری اور مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے عرض کیا: یا رسول اللہ کیا آپ بے جان لاشوں سے کلام فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میرے کلام کو تم ان سے زیادہ نہیں سنتے مگر وہ جواب نہیں دے سکتے۔

حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ ایک طویل قصیدہ میں فرماتے ہیں:

ینادیھم رسول اللہ لما	قذفناھم کباکب فی القلیب
الم تجدوا کلامی کان حقا	وامر اللہ یاخذ بالقلوب
فما نطقوا ولو نطقوا لقالوا	صدقت وکنت ذا رائ مصیب

جب ہم نے ان کی جماعتوں کو کنویں میں پھینک دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آواز دی۔ کیا تم نے میری بات کو حق نہیں پایا اور اللہ تو دلوں کا مالک ہے۔ پس کوئی جواب نہیں دیا اور اگر بالفرض جواب دیتے تو یہی کہتے کہ آپ نے سچ کہا اور آپ ہی کی رائے صائب اور درست تھی۔

فتح کی بشارت کیلئے مدینہ منورہ قاصد روانہ کرنا

بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فتح مبین کی بشارت اور خوشخبری سنانے کے لئے مدینہ منورہ قاصد روانہ فرمائے اہل عالیہ کی طرف عبد اللہ بن رواحہ کو اور اہل سافلہ کی طرف زید بن حارثہ کو روانہ فرمایا۔
اسامہ بن زید فرماتے ہیں کہ یہ بشارت اس وقت ہمارے کانوں میں پہنچی جس وقت کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کی صاحبزادی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو مٹی دے رہے تھے۔ ان کی تیمارداری کیلئے حضور پرنور عثمان غنی کو مدینہ چھوڑ آئے تھے اسی وجہ سے حضرت عثمان بدر میں شریک نہ ہو سکے، مگر چونکہ یہ تخلف حضور پرنور کے حکم سے تھا اس لیے حضرت عثمان حکماً بدر میں شمار کیے گئے۔ میں نے دیکھا کہ زید بن حارثہ کو لوگ گھیرے ہوئے ہیں اور زید مصلے پر کھڑے ہوئے یہ کہہ رہے ہیں مارا گیا عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اور ابوجہل بن ہشام اور زمعۃ بن الاسود اور ابوالبختری بن ہشام اور امیۃ بن خلف اور نبیہ اور منبہ پسران حجاج۔

میں نے کہا اے والد کیا یہ خبر سچ ہے؟ زید نے کہا ہاں خدا کی قسم بالکل حق ہے۔

زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ کو مدینہ منورہ روانہ فرمانے کے بعد آپ روانہ ہوئے اور اسیران بدر کا قافلہ آپ کے ہمراہ تھا۔ مال غنیمت عبداللہ بن کعب انصاری کے سپرد فرمایا۔

جب آپ مقام روحاء میں پہنچے تو آپ کو کچھ مسلمان ملے جنہوں نے آپ کو اور آپ کے اصحاب کو اس فتح مبین کی مبارکباد دی۔ اس پر سلمہ بن سلامہ رضی اللہ عنہ نے کہا کس چیز کی مبارکباد دیتے ہو۔ خدا کی قسم بڑھیوں سے پالا پڑا، رسی میں بندھے ہوئے اونٹوں کی طرح ان کو ذبح کر کے ڈال دیا۔ (یعنی ہم نے کوئی بڑا کام ہی نہیں کیا جس پر ہم مبارکباد کے مستحق ہوں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر مسکرائے اور یہ فرمایا: یہی تو مکہ کے سادات اور اشراف تھے۔

مال غنیمت کی تقسیم

فتح کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں تین روز قیام فرمایا۔ تین روز قیام کے بعد مدینہ منورہ کی طرف متوجہ ہوئے اور مال غنیمت عبداللہ بن کعب کے سپرد فرمایا اور مقام صفراء میں پہنچ کر مال غنیمت کو تقسیم فرمایا۔ ہنوز مال غنیمت کی تقسیم کی نوبت نہیں آئی تھی کہ اصحاب بدر مال غنیمت کے تقسیم میں مختلف الرائے ہو گئے۔ جوان یہ کہتے تھے کہ مال غنیمت ہمارا حق ہے کہ ہم نے کافروں کو قتل کیا۔ بوڑھے چونکہ جھنڈوں کے نیچے رہے اور قتل وقتال میں زیادہ حصہ نہیں لیا، وہ یہ کہتے تھے کہ ہم کو بھی مال غنیمت میں شریک کیا جائے اس لیے کہ جو کچھ فتح ہوا وہ ہماری ہی پشت پناہی سے فتح ہوا، اگر خدانخواستہ تم کو شکست ہوتی تو ہماری ہی پناہ لیتے اور ایک جماعت کہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کر رہی تھی وہ اپنے کو اس مال کا مستحق سمجھتی تھی۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ

آپ سے مال غنیمت کا حکم پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ مال غنیمت اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا ہے۔ یعنی مال غنیمت کے مالک حق تعالیٰ اور رسول اللہ کے نائب ہیں جس طرح مناسب سمجھیں تقسیم کر دیں۔ مقام صفراء میں

پہنچ کر آپ نے یہ تمام مال مسلمانوں میں برابر تقسیم کر دیا۔

علاوہ ازیں مال غنیمت میں سے ان آٹھ آدمیوں کو بھی حصہ دیا کہ جو آپ کے حکم سے یا اجازت سے بدر میں حاضر نہیں ہوئے تھے۔

❶ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اہلیہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت کی وجہ سے مدینہ میں چھوڑ گئے تھے۔

❷ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور

❸ سعید بن زید رضی اللہ عنہ، ان دونوں صاحبوں کو مدینہ سے ابوسفیان کے قافلہ کی خبر لینے کیلئے روانہ کیا تھا۔

❹ ابولبابہ، ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ ہی میں بغرض انتظام چھوڑ گئے تھے۔

❺ عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ ان کو عالیہ میں چھوڑ گئے تھے۔

❻ حارث بن حاطب رضی اللہ عنہ ان کو کسی وجہ سے بنی عمرو بن عوف کی طرف واپس لوٹا دیا تھا۔

❼ حارث بن الصمہ رضی اللہ عنہ اور

❽ خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ یہ دونوں اصحاب اگرچہ معرکہ بدر میں شریک نہیں ہوئے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بدر کی غنیمت میں سے حصہ دیا اور بدریین میں شامل فرمایا۔ واللہ اعلم

فائدہ

جاننا چاہئے کہ یہ آیت یعنی يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ دربارہ تقسیم غنائم مجمل ہے اور وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ الآیۃ مفصل ہے جس میں مال غنیمت کی تقسیم کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ ابوعبیدہ اس طرف گئے ہیں کہ غنائم بدر میں خمس نہیں نکالا گیا مگر امام بخاری اور امام ابن جریر وغیرہ اس طرف گئے ہیں کہ غنائم بدر میں خمس نکالا گیا تھا جیسا کہ صحیحین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ان دو اونٹنیوں کے بارے میں کہ جن کے کوہانوں کو حضرت حمزہ نے کاٹ ڈالا تھا یہ منقول ہے کہ ان میں سے ایک اونٹنی وہ تھی کہ جو بدر کے خمس میں سے ان کو ملی تھی حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہی قول صحیح اور راجح ہے۔

اور اسی مقام صفراء میں پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں میں سے نضر بن حارث کے قتل کا حکم دیا۔ اور صفراء سے چل کر جب مقام عرق الظبیہ میں پہنچے تو عقبہ بن ابی معیط کے قتل کا حکم دیا اور اسی جگہ اس کی گردن ماری گئی۔

نضر بن حارث کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اور عقبہ بن ابی معیط کو عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے قتل کیا اور باقی قیدیوں کو لے کر حضور مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔

فائدہ

نضر اور عقبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید ترین دشمنوں میں سے تھے بدزبان اور دریدہ دہن تھے۔ قول اور فعل سے آپ کی تذلیل اور توہین سب وشتم میں استہزاء اور تمسخر میں، ہاتھ اور زبان سے ایذاء رسانی میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا تھا۔ اس لیے خاص طور پر تمام قیدیوں سے صرف ان دو کی گردن مارنے کا حکم دیا۔ اسی عقبہ بن ابی معیط نے جبکہ آپ بارگاہ خداوندی میں سربسجود تھے۔ آپ کی پشت مبارک پر اونٹ کی اوجھ لا کر رکھی تھی اور آپ کا گلا گھونٹا تھا، دلائل ابی نعیم میں باسناد صحیح ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر تھوکا تھا۔ الغرض ذات قدسی صفات علیہ الف الف صلوات والف الف تحیات کا استہزاء اور تمسخر تو اس کی غذا ہی تھی۔

نبی اللہ کا مقابلہ اور مقاتلہ محاربہ اور مجادلہ اگرچہ جرم عظیم اور خسران مبین ہے لیکن اللہ کے نبی کی شان میں گستاخانہ کلمات زبان سے نکالنا سب وشتم کرنا، اس کے ساتھ استہزاء وتمسخر کرنا یہ جرم محاربہ اور مقاتلہ کے جرم سے کہیں زیادہ شدید اور سخت ہے کیونکہ یہ منصب نبوت کی توہین ہے۔

الغرض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منزل بمنزل ٹھہرتے ہوئے اور قیدیوں کا قافلہ ہمراہ لیے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے۔

اسیران بدر کی مسلمانوں میں تقسیم اور ان کے ساتھ سلوک اور احسان کا حکم

مدینہ منورہ پہنچ کر قیدیوں کو صحابہ میں تقسیم فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا:

استوصوا بالاساری خیرا۔ قیدیوں کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرو۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر وقال الحافظ الھیثمی اسنادہ حسن)

چنانچہ صحابہ کا یہ حال تھا کہ جن کے پاس قیدی تھے وہ اول کھانا قیدیوں کو کھلاتے اور بعد میں خود کھاتے اور اگر نہ بچتا تو خود کھجور پر اکتفا کرتے۔

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے عینی بھائی ابوعزیز بن عمیر بھی قیدیوں میں تھے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں انصار کے جس گھر میں تھا ان کا یہ حال تھا کہ صبح وشام جو تھوڑی بہت روٹی پکتی وہ تو مجھ کو کھلا دیتے اور خود کھجور کھاتے۔ میں شرماتا اور ہر چند اصرار کرتا کہ روٹی آپ کھائیں لیکن نہ مانتے اور یہ کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے (قال الہیثمی رواہ الطبرانی فی الصغیر والکبیر واسنادہ حسن۔ مجمع الزوائد ص۸۶ ج۶)

اسیرانِ بدر کی بابت مشورہ

مدینہ منورہ پہنچ جانے کے چند روز بعد آپ نے صحابہ سے اسیران بدر کے بارہ میں مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہئے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے اسیران بدر کے بارہ میں صحابہ سے مشورہ

طلب کیا کہ اس بارہ میں رائے دیں۔ اور ابتداءً از خود یہ ارشاد فرمایا:

ان اللہ امکنکم منهم

تحقیق اللہ نے تم کو ان پر قدرت دی ہے۔

حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ مناسب یہ ہے کہ سب کی گردن اڑا دی جائے۔ رحمت عالم رافت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رائے کو پسند نہ فرمایا اور دوبارہ یہ ارشاد فرمایا:

یایها الناس ان اللہ قد امکنکم وانماهم اخوانکم بالامس

اے لوگو تحقیق اللہ نے تم کو ان پر قدرت دی ہے اور کل یہ تمہارے بھائی تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر وہی عرض کیا۔ آپ نے پھر وہی ارشاد فرمایا کہ اللہ نے تم کو ان پر قدرت دی ہے اور کل یہ تمہارے بھائی تھے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میری رائے یہ ہے کہ یہ لوگ فدیہ لے کر چھوڑ دیئے جائیں (مسند احمد۔ وقال الهيثمی رواه احمد عن شیخه علی بن عاصم بن صهیب وهو کثیر الخطاء لایرجع اذا قیل له الصواب وبقیة رجال احمد رجال الصحیح)

صحیح مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہر شخص اپنے عزیز کو قتل کرے علی کو حکم دیں کہ وہ اپنے بھائی عقیل کی گردن ماریں اور مجھ کو اجازت دیں کہ میں اپنے فلاں عزیز کی گردن ماروں اس لیے کہ یہ لوگ کفر کے پیشوا اور سردار ہیں۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ لوگ آپ ہی کی قوم کے ہیں میری رائے میں ان کو فدیہ لے کر آزاد فرمادیں عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اسلام کی ہدایت دے اور پھر یہی لوگ کافروں کے مقابلے میں ہمارے معین اور مددگار ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی رائے کو پسند فرمایا۔ (صحیح مسلم باب الامداد بالملئکة فی غزوة بدر واباحة الغنائم)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم کی رائے سن کر یہ ارشاد فرمایا: اے عمر (رضی اللہ عنہ) تیری شان حضرت نوح اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی سی ہے جنہوں نے اپنی اپنی قوم کے حق میں یہ دعا کی، نوح علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی:

وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ۝ إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝ (سورۃ نوح ۲۶۔۲۷)

اے پروردگار مت چھوڑ زمین پر کافروں میں سے کسی بسنے والے کو تو اگر ان کو چھوڑ دے گا تو یہ لوگ تیرے بندوں

کو گمراہ کریں گے اور نہیں جنیں گے مگر بدکار اور کفر کرنے والے کو۔

اور موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا مانگی:

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ (سورۃ یونس آیت ۸۸)

اے ہمارے پروردگار مٹادے ان کے مالوں کو اور مہر کردے ان کے دلوں پر کہ نہ ایمان لائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھیں۔

اور اے ابوبکر تیری شان حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی سی ہے، جنہوں نے یہ دعا مانگی، ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا فرمائی:

فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (سورۃ ابراہیم آیت ۳۶)

پس جس نے میری پیروی کی وہ مجھ سے وابستہ ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو آپ بڑے کثیر المغفرت اور کثیر الرحمت ہیں اور اس کو ایمان کی توفیق دے سکتے ہیں۔

اور عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن یہ فرمائیں گے:

إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (سورۃ المائدہ آیت ۱۱۸)

اے اللہ اگر آپ ان کو عذاب دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں آپ ان کے مالک ہیں اور اگر آپ ان کی مغفرت فرمائیں تو آپ بڑے غالب اور حکمت والے ہیں جس مجرم کو چاہیں معاف کریں اور آپ کی معافی حکمت سے خالی نہیں ہو سکتی۔

آپ کی شان رحمۃ للعالمینی نے حضرت ابوبکر کی رائے کو پسند کیا اور قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا حکم دیا۔

حاکم فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، حافظ ذہبی نے بھی تلخیص میں اس حدیث کو صحیح فرمایا ہے۔ (مستدرک ص ۲۱ ج ۳)

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث عبداللہ بن عمر اور ابوہریرہ اور ابوایوب انصاری سے بھی مروی ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ ص ۲۹۸ ج ۳) آپ صحابہ سے مشورہ فرما ہی رہے تھے کہ وحی نازل ہوئی کہ آپ صحابہ کو قتل اور فدیہ کا اختیار دے دیں جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ جبرئیل امین نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ اسیران بدر کے بارے میں آپ اپنے اصحاب کو اختیار دیں چاہیں قتل کریں اور چاہیں فدیہ لے کر آزاد کردیں مگر شرط یہ ہے کہ سال آئندہ تم میں سے اتنے ہی قتل کیے جائیں گے۔ صحابہ نے کفار

سے فدیہ لینے اور سال آئندہ اپنے قتل ہونے کو اختیار کیا۔ (رواہ الترمذی والنسائی وابن حبان والحاکم باسناد صحیح عن علی رضی اللہ عنہ)

مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ابو عبیدہ سے مرسلا روایت ہے کہ جبرئیل امین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر یہ عرض کیا کہ آپ کے رب نے اسیران بدر کے بارے میں آپ کو اختیار دیا ہے آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ آج ہم ان کو ان سے فدیہ لے کر آزاد کردیں تاکہ ہم کو ان کے مقابلے میں اس سے ایک گونہ قوت حاصل ہو اور سال آئندہ حق تعالیٰ جس کو چاہیں شہادت کی عزت وکرامت سے سرفراز فرمائیں۔ ابن سعد کی روایت میں ہے کہ سال آئندہ ہم میں سے ستر آدمی جنت میں داخل ہوں۔ (طبقات ابن سعد ص ۱۴ ج ۲)

فدیہ لینے پر عتاب الٰہی کا نزول

الحاصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر کی رائے کو پسند فرمایا اور فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا حکم دیا اور دیگر اکابر صحابہ کی فدیہ لینے کی رائے اس لیے تھی کہ شاید یہی لوگ آئندہ چل کر مسلمان ہوجائیں اور اسلام کے معین ومددگار بنیں اور فدیہ سے فی الحال جو مال حاصل ہو وہ جہاد میں مدد دے اور دینی کاموں میں اس سے سہارا لگے اور ممکن ہے کہ فدیہ کا مشورہ دینے والوں میں کچھ افراد ایسے بھی ہوں کہ جن کا زیادہ مقصود حصول مال ومنال ہو جس کا منشاء حب دنیا ہے اگرچہ وہ دنیائے حلال ہی ہو یعنی مال غنیمت اس پر بارگاہ خداوندی سے عتاب ہوا اور یہ آیت نازل ہوئی:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ۚ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (سورۃ الانفال ۶۷۔ ۶۸)

کسی نبی کیلئے یہ لائق نہیں کہ اس کے پاس قیدی آئیں یہاں تک کہ ان کو قتل کرے اور زمین میں خوب ان کا خون بہائے تم دنیا کا مال ومنال چاہتے ہو اور اللہ آخرت کی مصلحت چاہتا ہے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اگر اللہ کا نوشتہ مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو اس چیز کے بارے میں جو تم نے لی ہے ضرور تم کو بڑا عذاب پہنچتا۔

اس خطاب سراپا عتاب کے اصل مخاطب وہی لوگ ہیں جنہوں نے زیادہ تر مالی فائدہ اور دنیاوی مصلحت کو پیش نظر رکھ کر فدیہ کا مشورہ دیا تھا جیسا کہ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا سے مترشح ہوتا ہے۔ باقی جن حضرات نے محض دینی اور اخروی مصالح کی بناء پر فدیہ کا مشورہ دیا تھا وہ فی الحقیقت اس عتاب میں داخل نہیں اور حضور پرنور نے محض صلہ رحمی اور رحم دلی کی بناء پر فدیہ کی رائے کو پسند فرمایا اور تاکہ دوسروں کو مالی فائدہ پہنچ جائے اور دوسروں کو مالی نفع پہنچانے کا تصور جود وکرم ہے اور غایت درجہ محمود ہے اور اپنے لیے مالی فائدے کو ملحوظ رکھنا یہ ناپسندیدہ ہے۔ آیت میں عتاب ان

لوگوں پر ہے جن کی زیادہ نظر مالی فائدہ پر تھی۔ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم اور صدیق اکبر عتاب ربانی سن کر رو پڑے، حضرت عمر فرماتے ہیں میں نے رونے کا سبب دریافت کیا آپ نے فرمایا:

ابکی للذی عرض علی اصحابک من اخذھم الفداء لقد عرض علی عذابھم ادنیٰ من ھذہ الشجرۃ (صحیح مسلم ص۹۳ ج۲)

تیرے ساتھیوں پر فدیہ لینے کی وجہ سے من جانب اللہ جو عذاب پیش کیا گیا اس کی وجہ سے روتا ہوں میرے سامنے ان کا عذاب اس درخت سے زیادہ قریب پیش کیا گیا۔

فائدہ

عذاب فقط دکھلا دیا گیا اتارا نہیں گیا، مقصود فقط تنبیہ تھی۔ بعد ازاں آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر اس وقت عذاب آتا تو سوائے عمر کے کوئی نہ بچتا اور ایک روایت میں ہے کہ اور سوائے سعد بن معاذ کے۔

چونکہ سعد بن معاذ کی بھی یہی رائے تھی کہ قتل کیے جائیں اس لیے حضرت عمر کے ساتھ ان کو مستثنیٰ کیا گیا۔ عبداللہ بن رواحہ اگرچہ فدیہ کے مخالف تھے مگر ان کا خیال یہ تھا کہ ان سب کو آگ میں جلا دیا جائے جس کو شریعت پسند نہیں کرتی اس لیے عبداللہ بن رواحہ کا ذکر نہیں کیا گیا۔ چونکہ اس غزوہ سے احقاق حق اور ابطال باطل اور کافروں کی جڑ کاٹنی مقصود تھی۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ (سورۃ الانفال ۷۔۸)

اور اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ حق کو اپنے وعدوں سے ثابت کرے اور کافروں کی بیخ کنی کرے تا کہ علانیہ طور پر حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا واضح ہو جائے اگرچہ مجرمین کو ناگوار ہو۔

اسی لیے اس غزوہ میں من جانب اللہ خاص طور پر فرشتوں کو قتلِ مشرکین کا حکم دیا گیا تھا، کما قال اللہ تعالیٰ:

فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ (سورۃ الانفال آیت ۱۲)

کافروں کی گردنوں پر مارو اور ان کے ہر پور (جوڑ) کو کاٹ ڈالو۔

اور دوسری آیت میں ارشاد فرماتے ہیں:

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛ (سورۃ محمد آیت ۴)

پس جب کافروں سے جنگ کرو تو ان کی گردنیں مارو یہاں تک کہ جب ان کا خون خوب بہا چکو تو پھر ان کو قید کرو اور قید کرنے کے بعد یا تو ان پر احسان کرو یا ان سے فدیہ لے لو اور یہ حکم اس وقت تک ہے کہ جب لڑائی اپنے ہتھیار

ڈال دے۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جب تک اعداء اللہ کی اس درجہ خونریزی نہ ہوجائے کہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے اور حق کی ہیبت ودبدبہ قائم نہ ہوجائے اس وقت تک فدیہ لینا جائز نہیں۔

ہاں اسلام کی عظمت وہیبت ودبدبہ اور شوکت قائم ہوجانے کے بعد اگر فدیہ لے کر آزاد کردیں تو مضائقہ نہیں۔

اس موقع پر منشاء خداوندی یہ تھا کہ کافی خونریزی کی جائے تاکہ دلوں میں اسلام کی ہیبت اور شوکت بیٹھ جائے اور کفر کی جڑ کٹ جائے اور آئندہ کے لئے کفر اسلام کے مقابلہ میں سر نہ اٹھا سکے۔ مسلمانوں نے چونکہ اعداء اللہ کی کافی خونریزی سے قبل فدیہ لیا اس لیے بارگاہ خداوندی سے عتاب آیا۔

یہ وقت ترحم کا نہ تھا بلکہ شدت اور سختی کا تھا و قال ابو الطیب:

و وضع الندی فی موضع السیف بالعلی

مضر کوضع السیف فی موضع الندی

بخشش اور کرم کو تلوار کی جگہ رکھنا ایسا ہی مضر ہے جیسا کہ تلوار کو رحم اور کرم کی جگہ رکھنا مضر ہے۔

دنیا کی کوئی حکومت بدون قتل اور خونریزی کے قوی اور مستحکم نہیں ہوسکتی:

لن یسلم الشرف الرفیع من الاذی

حتی یراق علی جوانبہ الدم

یعنی شرف رفیع ایذاء سے محفوظ نہیں رہ سکتا جب تک کہ اس کے اطراف وجوانب میں خون نہ بہادیا جائے۔

اسلام تو فقط مجرمین کے قتل کا حکم دیتا ہے لیکن جن حکومتوں کو تہذیب اور تمدن کا دعوئی ہے وہ اپنا دبدبہ قائم کرنے کے خیال میں مجرم اور غیر مجرم کا کوئی فرق نہیں کرتیں۔ بلا کسی استثناء کے قتل عام کا حکم دے ڈالتی ہیں، جس میں بے قصور عورتیں اور بچے سب ہی شامل ہوتے ہیں اور اس مہذب لشکر سے جو حیاء سوز افعال ظہور میں آتے ہیں وہ دنیا سے مخفی نہیں، مشین گنوں اور توپوں اور ہوائی جہازوں سے بمباری کر کے نہایت بے رحمی اور بے دردی کے ساتھ تمام شہر کو چند منٹ میں نذر آتش کردیا جاتا ہے۔

بحمد اللہ اسلام اس قساوت اور بے رحمی اور سنگدلی سے بالکل پاک اور منزہ ہے، اسلام نے جہاد میں جاتے وقت اپنے پیرووں کو بچوں، عورتوں، بوڑھوں، راہبوں کے قتل کی سختی سے ممانعت کی ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

شبہ یہ ہے کہ منجانب اللہ فدیہ اور قتل دونوں کا اختیار دے دیا گیا تھا تو پھر فدیہ لینے پر کیوں عتاب آیا۔ علامہ طیبی طیب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں کہ یہ اختیار فقط ظاہری اور صوری تھا۔ لیکن معنوی اور حقیقی

لحاظ سے وہ اختبار (یعنی امتحان) تھا کہ دیکھیں اعداء اللہ کے قتل کو اختیار کرتے ہیں یا سامان دنیا کو جیسا کہ ازواج مطہرات نے جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مزید نان ونفقہ کا تقاضہ کیا تو یہ آیت اتری:

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَوٰةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا (سورۃ احزاب آیت ۲۸،۲۹)

اے نبی آپ اپنی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور آرائش چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو جوڑا دے کر مناسب طرح سے رخصت کردوں اور اگر اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کو چاہتی ہو تو اللہ تعالیٰ نے عالم آخرت میں تم میں سے جو نیکوکار ہیں ان کیلئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

اس آیت میں ظاہرا اگرچہ ازواج مطہرات کو اختیار دیا گیا کہ خواہ دنیا اور اس کی زینت کو اختیار کریں اور خواہ اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کریں لیکن حقیقت میں یہ اختیار نہیں تھا بلکہ اختبار یعنی امتحان اور آزمائش تھی۔

اور جیسا کہ ہاروت ماروت کا تعلیم سحر کیلئے بابل میں اتارنا محض فتنہ اور امتحان ابتلاء اور آزمائش کے لئے تھا، جادو کے سیکھنے اور نہ سیکھنے کا اختیار دینا مقصود نہ تھا۔

اور جیسا کہ شب معراج میں آپ کے سامنے شراب اور دودھ کے دو برتن پیش کیے گئے اور آپ نے دودھ کو اختیار کیا اس پر جبرئیل نے فرمایا کہ اگر آپ شراب کو اختیار فرماتے تو آپ کی امت گمراہی میں پڑ جاتی۔

خلاصہ کلام

یہ کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام نے جو فدیہ کا مشورہ دیا وہ محض دینی اور اخروی مصلحت کی بناء پر تھا اور بعض نے زیادہ تر مالی فوائد کو پیش نظر رکھ کر فدیہ لینے کا مشورہ دیا اس لیے یہ آیت عتاب نازل ہوئی اور اس عتاب کے اصل مخاطب وہی لوگ ہیں کہ جن کو زیادہ تر مالی فائدہ پیش نظر تھا۔ جیسا کہ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا کے لفظ سے مترشح ہوتا ہے اور مطلب عتاب کا یہ ہے کہ تم اللہ کے رسول کے اصحاب ہو کر دنیا کے فانی مال ومتاع اور حقیر اسباب پر کیوں نظر کرتے ہو۔ اے اصحاب رسول تم جیسے سابقین اور مقربین کی شان جلیل اور منصب عالی کے ہرگز ہرگز مناسب نہیں کہ دنیا کے حلال (مال فدیہ وغنیمت) پر نظر کرو باقی حضور پرنور نے جو فدیہ کی رائے کو پسند فرمایا اس کا منشاء محض صلہ رحمی اور رحم دلی تھا۔ معاذ اللہ حضور پرنور اور صدیق اکبر کے سامنے ذرہ برابر بھی مالی فائدہ پیش نظر نہ تھا، اس لیے وہ اس عتاب میں داخل نہیں بارگاہ رسالت میں تو پوری دنیا ہی کا وجود وعدم برابر تھا، وہاں فدیہ کے دراہم معدودہ پر کیا نظر ہوتی۔

فضائل بدریین

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے قصہ

میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

لعل اللہ اطلع الی اھل بدر فقال اعملوا ماشئتم فقد وجبت لکم الجنۃ

تحقیق اللہ نے اہل بدر کی طرف نظر فرمائی اور یہ کہہ دیا جو چاہے کرو، جنت تمہارے لیے واجب ہو چکی ہے۔ (بخاری شریف باب فضل من شہد بدرا)

معاذ اللہ اعملوا ما شئتم (جو چاہے کرو) سے اہل بدر کو گناہوں کی اجازت دینا مقصود نہیں بلکہ ان کے صدق اور اخلاص کو ظاہر کرنا مقصود ہے کہ بارگاہ خداوندی میں اہل بدر کی مخلصانہ جانبازی اور محبانہ اور والہانہ سرفروشی مسلّم ہو چکی ہے۔ مرتے دم تک ان لوگوں کا قدم جادۂ محبت ووفا سے کبھی ڈگمگانے والا نہیں ان کے قلوب اللہ اور اس کے رسول کی محبت اور اطاعت سے لبریز ہیں۔ معصیت اور نافرمانی کی ان کے دلوں میں کہیں گنجائش نہیں اگر مقتضائے بشریت کسی وقت کوئی معصیت صادر ہو جائے گی تو فوراً توبہ اور استغفار کی طرف رجوع کریں گے۔ بہر حال اہل بدر جو کچھ بھی کریں جنت ان کیلئے واجب ہے اطاعت کریں گے تب جنت واجب ہے اور اگر بالفرض بمقتضائے بشریت معصیت کر بیٹھیں گے تو فوراً توبہ اور استغفار اور تضرع اور ابتہال کریں گے جس سے ان کیلئے جنت اور مغفرت واجب ہو جائے گی بلکہ عجب نہیں کہ اور درجے بلند ہو جائیں جیسا کہ آدم علیہ السلام کے توبہ سے اور درجے بلند ہوئے۔ (تفصیل کیلئے مدارج السالکین کی مراجعت کریں)

بارگاہ خداوندی سے اعملوا ما شئتم کا خطاب انہی حضرات کو ہو سکتا ہے جن کے قلوب حق جل وعلاء کی محبت وعظمت، خوف اور خشیت رغبت اور ہیبت سے لبریز ہوں اور ایسے ہی جنت کی بشارت ان لوگوں کو دی جاتی ہے جن کو ہر وقت اپنے نفس سے نفاق کا اندیشہ رہتا ہو۔ (ہذا توضیح ما قالہ الحافظ ابن قیم فی شرح ہذا الحدیث فی کتاب الفوائد ص ۱۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لن یدخل النار احد شھد بدرا

جو شخص بدر میں حاضر ہوا وہ ہرگز جہنم میں نہ جائے گا۔

یہ حدیث مسند احمد میں ہے سند اس کی شرط مسلم پر ہے۔ (فتح الباری باب فضل من شہد بدرا)

رفاعۃ بن رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جبرئیل علیہ السلام نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ سوال کیا کہ آپ اہل بدر کو کیا سمجھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: سب سے افضل اور بہتر۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا اسی طرح وہ فرشتے جو بدر میں حاضر ہوئے سب فرشتوں سے افضل اور بہتر ہیں۔ (صحیح بخاری باب شہود الملئکۃ بدرا)

تعدادِ بدریّین

حضرات بدریین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی تعداد میں روایتیں مختلف ہیں مشہور تو یہ کہ تین سو تیرہ تھے۔

اشتباہ اور اختلاف کی وجہ سے محدثین کے اقوال مختلف ہیں حافظ ابن سید الناس نے عیون الاثر میں سب کو جمع کردیا اور تین سو تریسٹھ نام شمار کرائے تاکہ کسی قول کی بناء پر بھی کوئی نام رہنے نہ پائے۔احتیاطاً سب کو ذکر کردیا۔ یہ مطلب نہیں کہ بدریین کی تعداد تین سو تریسٹھ ہے۔ مسند احمد اور مسند بزاز اور معجم طبرانی میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اہل بدریین تین سو تیرہ تھے۔

ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بدر کے لئے روانہ ہوئے تو کچھ دور چل کر اصحاب کو شمار کرنے کا حکم دیا۔ جب شمار کیے گئے تو تین سو چودہ تھے آپ نے ارشاد فرمایا پھر شمار کرو۔ دوبارہ شمار کر ہی رہے تھے کہ دور سے دبلے اونٹ پر ایک شخص سوار آتا ہوا نظر آیا۔ اس کو شامل کر کے تین سو پندرہ ہوئے۔ (رواہ الطبرانی والبیہقی)

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بدر کے ارادہ سے روانہ ہوئے تو تین سو پندرہ آدمی آپ کے ہمراہ تھے (رواہ البیہقی واسنادہ حسن)

یہ تین روایتیں ہیں لیکن حقیقت میں سب متفق اور متحد ہیں اس لیے کہ اگر اس آخری شخص اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شمار کیا جائے تو تین سو پندرہ تھے اور اگر اس آخری شخص اور آپ کی ذات بابرکات علیہ افضل الصلوات والتحیات کو اصحاب کے ساتھ شمار نہ کیا جائے تو پھر تعداد تین سو تیرہ ہے اس سفر میں کچھ صغیر السن یعنی کم عمر بچے بھی آپ کے ہمراہ تھے جیسے براء بن عازب، عبداللہ بن عمر، انس بن مالک، جابر بن عبداللہ مگر ان کو قتال کی اجازت نہ تھی۔

اگر ان کم سن بچوں کو بھی بدریین میں شمار کرلیا جائے تو پھر تعداد تین سو انیس ہوجاتی ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل بدر تین سو انیس تھے۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بدر کے دن میں اور ابن عمر چھوٹے سمجھے گئے۔ اس روز مہاجرین ساٹھ سے کچھ اوپر تھے اور انصار دو سو چالیس سے کچھ زائد تھے۔ (بخاری شریف)

براء بن عازب فرماتے ہیں ہم یہ کہا کرتے تھے کہ اصحاب بدر تین سو دس سے کچھ زیادہ تھے جتنے طالوت کے ساتھ تھے جنہوں نے نہر کو پار کیا۔ اور خدا کی قسم نہر سے وہی لوگ پار ہوئے جو بڑے پکے مؤمن اور مخلص تھے۔ (بخاری شریف)

یہ تمام تفصیل فتح الباری باب عدۃ اصحاب بدر میں مذکور ہے۔

علامہ سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جنگ بدر میں مسلمانوں کی امداد کیلئے ستر جن بھی حاضر ہوئے تھے۔)

آٹھ آدمی ایسے تھے کہ جو اس غزوہ میں کسی وجہ سے شریک نہ ہوسکے لیکن اہل بدر میں شمار کیے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت میں سے ان کو حصہ عطا فرمایا:

1. عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت رقیہؓ کی علالت کی وجہ سے مدینہ

چھوڑ گئے تھے۔

۳،۲ طلحہ اور سعید بن زید رضی اللہ عنہما ان دونوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے قافلہ کے تجسس کیلئے بھیجا تھا۔

۴ ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ روماء سے مدینہ پر اپنا قائم مقام بنا کر واپس فرمایا۔

۵ عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کو عوالی مدینہ پر مقرر فرمایا۔

۶ حارث بن حاطب رضی اللہ عنہ، بنی عمرو بن عوف کی طرف سے آپ کو کوئی خبر پہنچی تھی اس لیے آپ نے حارث بن حاطب کو بنی عمرو کی طرف واپس بھیجا۔

۷ حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوٹ آجانے کی وجہ سے مقام روحا سے واپس فرمادیا تھا۔

۸ خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ پنڈلی میں چوٹ آجانے کی وجہ سے مقام صفراء سے واپس کردیئے گئے تھے۔

یہ ابن سعد کا بیان ہے، مستدرک حاکم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا بھی حصہ لگایا جو اس وقت حبشہ میں تھے اور کہا جاتا ہے کہ سعد بن مالک رضی اللہ عنہ یعنی سہل کے والد نے راستہ میں انتقال فرمایا اور صبیح رضی اللہ عنہ مولی احیحہ بیماری کی وجہ سے واپس ہوئے۔

اسماء ملائکہ بدریین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین

جنگ بدر میں فرشتوں کا آسمان سے مسلمانوں کی امداد کیلئے نازل ہونا اور پھر ان کا جہاد وقتال میں شریک ہونا، آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے معلوم ہو چکا ہے لیکن روایات حدیث سے صرف تین فرشتوں کے نام معلوم ہوسکے ہیں جو ہدیۂ ناظرین ہے:

۱ افضل الملائکۃ المکرمین امین اللہ تعالیٰ بینہ وبین الانبیاء والمرسلین سیدنا جبرئیل علیہ الصلاۃ والتسلیم۔ (رواہ البخاری عن ابن عباس رضی اللہ عنہما)

۲ سیدنا میکائیل علیہ الصلاۃ والسلام

۳ سیدنا اسرافیل علیہ الصلاۃ والسلام۔ (اخرجہ احمد والبزاز ابویعلی والحاکم وصححہ والبیہقی عن علی رضی اللہ عنہ وخصائص کبریٰ ص ۲۰۱ ج ۱)

اسماء شہداء بدر رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ

قال اللہ عز وجل وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ

مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

مکن گریہ برگور مقتول دوست

برو خرمی کن کہ مقبول اوست

❶ عبیدۃ بن الحارث بن مطلب مہاجری رضی اللہ عنہ

معرکہ بدر میں پیر کٹ گیا تھا مقام صفراء میں پہنچ کر وفات پائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں دفن فرمایا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کے ساتھ مقام صفراء میں نزول فرمایا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم یہاں مشک کی خوشبو پاتے ہیں، آپ نے فرمایا تعجب کیا ہے یہاں ابو معاویہ کی قبر ہے (ابو معاویہ حضرت عبیدۃ بن الحارث کی کنیت ہے) (استیعاب الحافظ ابن عبد البر ص ۴۲۵ ج ۱) ترجمہ عبیدۃ بن الحارث برحاشیہ اصابہ۔

❷ عمیر بن ابی وقاص مہاجری رضی اللہ عنہ

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی ہیں، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بدر کے لئے لوگ جمع ہوئے تو میں نے بھائی عمیر کو دیکھا کہ ادھر ادھر چھپتا پھرتا ہے۔ میں نے کہا اے بھائی تجھ کو کیا ہوا؟ کہا مجھ کو اندیشہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو دیکھ پائیں اور چھوٹا سمجھ کر واپس فرمادیں اور میں جانا چاہتا ہوں شاید اللہ تعالیٰ مجھ کو شہادت نصیب فرمائے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کا معائنہ فرمایا تو عمیر بھی پیش کیے گئے۔ آپ نے صغیر السن ہونے کی وجہ سے واپسی کا حکم دیا۔ عمیر یہ سن کر رو پڑے، آپ نے ان کا یہ ذوق وشوق دیکھ کر اجازت دیدی۔ بالآخر جنگ میں شریک ہوئے اور جام شہادت نوش فرمایا۔ عمیر رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت سولہ سال کی تھی۔

❸ ذوالشمالین بن عبد عمرو مہاجری رضی اللہ عنہ

امام زہری اور ابن سعد اور ابن سمعانی فرماتے ہیں کہ ذوالیدین اور ذوالشمالین ایک ہی شخص کے دو نام ہیں اور جمہور محدثین کے نزدیک دو شخص ہیں۔ ذوالشمالین تو جنگ بدر میں شہید ہوئے اور ذوالیدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی زندہ رہے۔

❹ عاقل بن البکیر مہاجری رضی اللہ عنہ

سابقین اوّلین میں سے ہیں دار ارقم میں مشرف باسلام ہوئے۔ پہلا نام ان کا غافل تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے غافل کے عاقل نام رکھا۔ اصابہ ترجمہ عاقل بن بکیر رضی اللہ عنہ۔ مشرف باسلام ہونے سے قبل آخرت سے غافل اور بے خبر تھے۔ اسلام لانے سے عاقل اور ہوشیار بنے اس لیے ان کا یہ نام تجویز فرمایا واللہ اعلم۔ غزوہ بدر میں شہید ہوئے۔ عمر اس وقت چونتیس سال کی تھی۔

❺ مہجع بن صالح مولی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما

سعید بن مسیب سے منقول ہے کہ قتال کے وقت حضرت مہجع کی زبان پر یہ الفاظ تھے: انا مهجع والی ربی ارجع میں مہجع ہوں اور اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والا ہوں (رواہ ابن ابی شیبہ)

❻ صفوان بن بیضاء مہاجری رضی اللہ عنہ

بدری ہونا تو ان کا مسلّم ہے لیکن غزوہ بدر میں ان کا شہید ہونا مختلف فیہ ہے۔ ابن اسحاق اور موسیٰ بن عقبہ اور ابن سعد کہتے ہیں غزوہ بدر میں طعیمۃ بن عدی کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ ابن حبان کہتے ہیں: ۳۰ھ میں اور حاکم کہتے ہیں ۳۸ھ میں وفات پائی واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (اصابہ ترجمہ صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ)

❼ سعد بن خیثمہ انصاری رضی اللہ عنہ

صحابی اور صحابی کے بیٹے، شہید اور شہید کے بیٹے، سعد غزوۂ بدر میں شہید ہوئے اور باپ یعنی خیثمہ غزوہ احد میں شہید ہوئے۔

حضرت سعد بیعت عقبہ میں بھی شریک تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عمرو کا ان کو نقیب بنایا تھا۔ (اصابہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عیر ابی سفیان کیلئے خروج کا حکم دیا تو خیثمہ نے سعد سے کہا اے بیٹا ہم میں سے ایک کا بچوں اور عورتوں کی حفاظت کیلئے گھر رہنا ضروری ہے تم ایثار کرو اور مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جانے کی اجازت دو اور تم یہاں ٹھہرو۔ اس پر سعد رضی اللہ عنہ نے صاف انکار کر دیا اور یہ عرض کیا:

لوکان غیر الجنة آثر تك به انی ارجو الشهادة فی وجهی هذا

جنت کے سوا اگر اور کوئی معاملہ ہوتا تو ضرور ایثار کرتا اور آپ کو اپنے نفس پر ترجیح دیتا لیکن میں اس سفر میں اپنے شہید ہونے کی قوی امید رکھتا ہوں۔

بعد ازاں باپ اور بیٹے کے مابین قرعہ اندازی ہوئی، قرعہ سعد کے نام پر نکلا۔ بیٹے باپ سے زیادہ خوش نصیب نکلے اور شاداں وفرحاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بدر کی طرف روانہ ہوئے۔ معرکہ بدر میں عمرو بن عبدو دیا طعیمۃ بن عدی کے ہاتھ سے شہید ہوئے، رضی اللہ عنہ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

❽ مبشر بن عبد المنذر انصاری رضی اللہ عنہ

❾ یزید بن حارث انصاری رضی اللہ عنہ

❿ عمیر بن الحمام انصاری رضی اللہ عنہ

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن یہ ارشاد فرمایا: اے لوگو اٹھو جنت کی طرف جس کا عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے۔ عمیر نے کہا بخ بخ (واہ واہ) آپ نے ارشاد

فرمایا: اے عمیر کس چیز نے تجھ کو بخ بخ کہنے پر آمادہ کیا؟ عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ خدا کی قسم کچھ بھی نہیں مگر صرف یہ امید کہ شاید میں بھی جنت والوں میں سے ہو جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فانك من اهلها پس تحقیق بلاشبہ تو اہل جنت سے ہے۔ بعد ازاں کھجوریں نکال کر کھانا شروع کیں مگر فوراً ہی پھینک دیں اور یہ کہا کہ اگر ان کے کھانے میں مشغول ہو گیا تو پھر زندگی بڑی طویل ہے۔ کھجوریں پھینک کر قتال میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ عمیر نے تلوار ہاتھ میں لی اور یہ کلمات ان کی زبان پر تھے:

رکضا الی اللہ بغیر زاد

الا التقی وعمل المعاد

والصبر فی اللہ علی الجهاد

وکل زاد عرضة النفاد

غیر التقی والبر والرشاد

اللہ کی طرف بغیر توشہ کے دوڑو۔ مگر تقویٰ اور عمل آخرت اور جہاد فی سبیل اللہ پر صبر کا توشہ ضرور ہمراہ لے لو۔ اور ہر توشہ معرض فنا میں ہے۔ مگر تقویٰ اور بھلائی اور رشد کا توشہ کبھی نہ خراب ہو سکتا ہے اور نہ فنا۔ (استیعاب للحافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ ص ۴۸۲ ج ۲۔ حاشیہ اصابہ، واصابہ ص ۳۱ ج ۲۔ ترجمہ عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ زرقانی ص ۴۴ اج ا۔ البدایہ والنہایہ ص ۲۷۷ ج ۳)

⓫ رافع بن معلّی انصاری رضی اللہ عنہ

⓬ حارثہ بن سراقہ انصاری رضی اللہ عنہ

حارثہ بن سراقہ بن حارث رضی اللہ عنہما صحابی اور صحابی کے بیٹے۔ شہید اور شہید کے بیٹے۔ بیٹے یعنی حضرت حارثہ غزوہ بدر میں شہید ہوئے اور حضرت سراقہ غزوہ حنین میں۔ (فتح الباری باب فضل من شهد بدرا) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حارثہ بدر میں شہید ہوئے اور وہ نوجوان تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے واپس تشریف لائے تو حارثہ کی والدہ ربیع بنت نضر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو خوب معلوم ہے کہ مجھ کو حارثہ سے کس قدر محبت تھی۔ پس اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کروں اور اللہ سے ثواب کی امید رکھوں اور اگر دوسری صورت ہے تو پھر آپ دیکھ لیں گے کہ میں کیا کروں گی، یعنی خوب گریہ وزاری کروں گی۔ آپ نے فرمایا: کیا دیوانی ہو گئی؟ ایک جنت نہیں اس کیلئے بہت سی جنتیں ہیں اور تحقیق وہ بلاشبہ جنت الفردوس میں ہے۔ (صحیح بخاری باب فضل من شهد بدراً ص ۵۶۷ ج ۲)

⑬ عوف بن حارث انصاری رضی اللہ عنہ

⑭ معوذ بن حارث انصاری رضی اللہ عنہ

یہ دونوں بھائی ہیں والدہ کا نام عفراء ہے عوف بن حارث کی شہادت کا واقعہ پہلے گزر چکا۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اصحاب بدر میں شہید ہوئے حق جل وعلاء نے ان پر تجلی فرمائی اور اپنے دیدار پُر انوار سے ان کی آنکھوں کو منور فرمایا اور کہا اے میرے بندو کیا چاہتے ہو؟ اصحاب نے عرض کیا: اے پروردگار جن نعمائے جنت سے تو نے ہم کو سرفراز فرمایا کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی نعمت ہے؟ حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا: بتاؤ کیا چاہتے ہو؟ چوتھی مرتبہ اصحاب نے یہ عرض کیا اے پروردگار ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری روحیں پھر ہمارے جسموں میں لوٹا دی جائیں تا کہ پھر تیری راہ میں قتل ہوں جیسے اب قتل ہوئے۔ (رواہ الطبرانی ورجالہ ثقات۔ وہذا موقوف لفظا مرفوع حکما لانہ لا مدخل للرای فیہ واللہ اعلم ۱۲)

اسلام کے مقابلہ میں قوم اور وطن کی حمایت

غزوۂ بدر اسلام اور کفر کا معرکہ تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن کو یوم الفرقان فرمایا ہے کہ حق اور باطل میں فرق ہونے کا دن ہے۔

مکہ میں کچھ لوگ ایسے تھے کہ جو اسلام تو قبول کر چکے تھے مگر جب حضور پرنور نے مکہ سے ہجرت فرمائی تو یہ لوگ اپنی قوم اور قبیلہ کے لحاظ سے مکہ ہی میں رُکے رہے، جب جنگ بدر کا موقع آیا تو ان میں کے کچھ لوگ بدر میں قوم کفار کے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے لڑنے کیلئے آئے اور جنگ بدر میں مارے گئے۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ۝ فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَن يَعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا ۝ (سورۃ النسآء آیت ۹۷،۹۸،۹۹)

تحقیق جن لوگوں کی فرشتوں نے ارواح قبض کیں درآں حالانکہ وہ لوگ اپنی جانوں پر بڑے ظلم کرنے والے تھے۔ فرشتوں نے ان سے کہا کہ تم کس حال میں تھے ان لوگوں نے کہا کہ ہم بیچارہ اور لاچار تھے زمین میں اس لیے ہجرت نہ کر سکے۔ فرشتوں نے کہا کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ قوم اور وطن کو چھوڑ کر وہاں ہجرت کر جاتے پس ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور بہت برا ٹھکانہ ہے مگر جو مرد اور عورتیں اور لڑکے درحقیقت بے چارہ اور بے بس ہیں اور ہجرت کیلئے کوئی چارہ نہیں پاتے پس ایسے لوگوں کے متعلق امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے قصور کو معاف کر دے اور اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔

صحیح بخاری میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

ان ناسا من المسلمین کانوا مع المشرکین یکثرون سوادالمشرکین علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاتی السھم فیرمی بہ فیصیب احدھم فیقتلہ او یضرب فیقتل فانزل اللہ اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ الآیۃ۔ (بخاری شریف ص۶۶۱ ج ۲ کتاب التفسیر سورۃ نساء)

غزوہ بدر میں کچھ مسلمان مشرکین کی تعداد اور جماعت بڑھانے کیلئے کفار مکہ کے ساتھ نکلے تو میدان میں کوئی تیر آ کر اس مسلمان کے لگتا اور اس سے وہ مارا جاتا اور کبھی تلوار کی ضرب سے وہ مارا جاتا۔ پس جو مسلمان بدر میں کافروں کے ساتھ آئے تھے اور مارے گئے ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ الآیۃ۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اسی روایت کو امام بخاری کتاب الفتن ص۱۰۴۹ میں دوبارہ لائے ہیں اور اس پر یہ ترجمہ رکھا (باب من کرہ ان یکثر سواد الفتن اوالظلم) یعنی اہل فتنہ اور اہل کفر اور معصیت کی تعداد بڑھانے کی کراہت کا بیان۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ اپنے ترجمہ قرآن میں: اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ......الخ کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں یعنی بترک ھجرت ازدار الحرب بدار الاسلام وبتکثیر سواد کفار واللہ اعلم۔ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے مقابلہ کیلئے کافروں کی فوج میں جانا تاکہ فقط کافروں کی تعداد زیادہ معلوم ہو یہ بھی ناجائز ہے۔ اگرچہ مسلمانوں سے نہ لڑنے کا ارادہ ہے اور نہ لڑے۔ مسلمانوں کے مقابلہ کیلئے کفار کی فوج میں بھرتی ہونا حرام ہے۔ حضرات اہل علم فتح الباری ص۱۳۲ ج ۱۳ وعمدۃ القاری ص۵۴۵ اور قسطلانی کی مراجعت کریں اور مزید تفصیل اگر درکار ہو تو تفسیر ابن کثیر اور تفسیر قرطبی اور تفسیر درمنثور کی مراجعت کریں۔

اور حدیث میں ہے من کثر سواد قوم فھو منھم۔ یعنی جو شخص کسی قوم کی جماعت اور تعداد کو بڑھائے وہ اس قوم سے ہے۔

غزوۂ بدر پر دوبارہ نظر

غزوۂ بدر کا بیان ختم ہوا اور اس بارے میں آیات اور صحیح اور صریح روایات ناظرین کے سامنے آگئیں۔ جن سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوہ بدر سے مقصد قریش کے اس کاروان تجارت پر یلغار کرنا تھا کہ جو ابوسفیان کی سرکردگی میں شام سے واپس آ رہا تھا۔ قریش مکہ کے کسی حملہ کا دفاع مقصود نہ تھا۔ علامہ شبلی کی سیرۃ النبی میں رائے یہ ہے کہ غزوۂ بدر کا مقصد کاروان تجارت پر حملہ کرنا نہ تھا بلکہ آپ کو مدینہ ہی میں یہ خبر آ گئی تھی کہ قریش ایک عظیم جمعیت لے کر مدینہ پر حملہ کرنے کیلئے نکلے ہیں، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مدافعت کے قصد سے نکلے اور بدر کا معرکہ پیش آیا۔ غزوۂ بدر سے آپ کا مقصود کاروان تجارت پر حملہ کرنا نہ تھا بلکہ قریش کے حملہ کا دفاع مقصود تھا۔ علامہ شبلی کا خیال ختم ہوا۔

علامہ شبلی کا یہ خیال تمام محدثین اور مفسرین کی تصریحات بلکہ تمام صحیح اور صریح روایات کے خلاف ہے۔

❶ روی ابن ابی حاتم عن ابی ایوب قال قال لنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ونحن بالمدینة انی اخبرت عن عیر ابی سفیان فھل لکم ان تخرجوا الیھا لعل اللّٰہ یغنمنا ھا قلنا نعم فخرجنا فلما سرنا یوما او یومین قال قد اخبروا خبرنا فاستعدوا للقتال فقالوا لا واللّٰہ مالنا طاقة بقتال القوم (ولکنا اردنا العیر) فاعادہ فقال لہ المقداد لانقول لک کما قالت بنو اسرائیل۔ الحدیث (فتح الباری ص۲۲۴ ج۷ وزرقانی ص۴۱۳)

ابن ابی حاتم نے ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے مدینہ میں یہ فرمایا کہ مجھ کو یہ خبر دی گئی ہے کہ ابوسفیان کا تجارتی قافلہ آ رہا ہے کیا تم کو یہ مرغوب ہے کہ تم اس تجارتی قافلہ کے لینے کیلئے خروج کرو، عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس قافلہ کے اموال کو بطور غنیمت ہم کو عطا فرمائے۔ صحابہ نے عرض کیا ہاں ہم کو یہ امر مرغوب ہے اس کے بعد ہم روانہ ہو گئے۔ ایک یا دو روز کی منزل قطع کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ کفار مکہ کو ہماری روانگی کی اطلاع مل چکی ہے اور وہ تیار ہو کر ہمارے مقابلہ اور مقاتلہ کیلئے آ رہے ہیں تم بھی ان سے جہاد و قتال کیلئے تیار ہو جاؤ۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ خدا کی قسم (ظاہرا اسباب میں) ہم میں یہ طاقت نہیں کہ ہم مٹھی بھر جماعت قریش کے اس مسلح لشکر جرار کا مقابلہ کر سکیں۔ جز ایں نیست ہم تو ابوسفیان کے کاروان تجارت پر حملہ کرنے کیلئے نکلے تھے یعنی ہمیں اس کا وہم وگمان بھی نہ تھا کہ قریش سے اس طرح مقابلہ کرنا پڑے گا کہ کچھ تیار ہو کر نکلتے۔ آپ نے اسی کلام کا اعادہ فرمایا۔ مقداد رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ہم بنی اسرائیل کی طرح آپ سے یہ نہیں کہیں گے کہ آپ اور آپ کا پروردگار جا کر لڑ لو ہم تو یہیں بیٹھیں ہیں بلکہ ہم آپ کے دائیں اور بائیں اور آگے اور پیچھے ہر طرف سے اور ہر طرح سے لڑیں گے۔

❷ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے:

لما سمع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بابی سفیان مقبلا من الشام ندب المسلمین الیھم وقال ھذہ عیر قریش فیھا اموالھم فاخرجوا الیھا لعل اللّٰہ ان ینفلکموھا فانتدب الناس فخف بعضھم وثقل بعضھم وذلک انھم لم یظنوا ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یلقی حربا وکان ابو سفیان قد استنفر حین دنا من الحجاز یتجسس الاخبار۔ الحدیث

(البدایۃ والنہایۃ ص۲۵۶ ج۳۔ وتفسیر ابن کثیر ص۲۸۸ ج۲ سورۃ انفال وزرقانی ص۴۱۱ ج۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سنا کہ ابوسفیان تجارتی قافلہ کے ساتھ شام سے واپس آ رہا ہے تو آپ نے مسلمانوں کو اس کی طرف خروج کی دعوت دی اور یہ فرمایا کہ یہ قریش کا قافلہ آ رہا ہے جس میں ان کے بے شمار اموال

ہیں پس تم اس پر حملہ کرنے کیلئے نکلو شاید اللہ تعالیٰ وہ تمام اموال تم کو غنیمت میں عطا فرمائے۔ پس کچھ لوگ آپ کے ہمراہ نکلے اور کچھ نہیں نکلے جس کی وجہ یہ تھی کہ لوگوں کو اس کا وہم وگمان بھی نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں سے کوئی جنگ پیش آجائے گی۔ ابوسفیان کو اس کا کھٹکا لگا ہوا تھا اس لیے وہ برابر جستجو میں تھا یہاں تک کہ جب ابوسفیان کو یہ پتہ لگ گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قافلہ پر حملہ کیلئے خروج فرمایا ہے تو فوراً ضمضم غفاری کو قاصد بنا کر مکہ روانہ کیا (الی آخر القصہ)

اس لیے حافظ عسقلانیؒ شرح بخاری میں لکھتے ہیں:

والسبب فی ذلك ان النبی صلی اللہ علیه وسلم ندب الناس الی تلقی ابی سفیان لاخذ ما معه من اموال قریش وکان من معه قلیلا فلم یظن اکثر الانصار انه یقع قتال فلم یجز معه منهم الا القلیل ولم یاخذوا اهبة الاستعداد کما ینبغی بخلاف المشرکین فانهم خرجوا مستعدین ذابین عن اموالهم۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۲۲)

غزوۂ بدر کا سبب یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ابوسفیان کے تجارتی قافلہ کی طرف خروج کی دعوت دی تا کہ اس کے ذخائر اموال پر قبضہ کریں کیونکہ اس قافلہ میں اموال بہت تھے اور آدمی کم تھے۔ (تیس چالیس تھے) اس لیے اکثر انصار کو یہ گمان بھی نہ ہوا کہ نوبت قتال کی آئے گی اس لیے بہت تھوڑے آدمی آپ کے ساتھ نکلے اور لڑائی کی خاص تیاری نہیں کی بخلاف مشرکین کے کہ وہ پوری تیاری کے ساتھ مکہ سے نکلے تا کہ اپنے اموال کی حفاظت اور مدافعت کریں۔

ابوسفیان کو جب یہ خبر ملی کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کاروان تجارت پر حملہ کرنے کیلئے مدینہ سے روانہ ہوئے ہیں تو اس نے فوراً ضمضم غفاری کو پیغام دے کر مکہ روانہ کیا:

یا معشر قریش اللطیمة اللطیمة اموالکم مع ابی سفیان قد عرض لها محمد فی اصحابه لا اری ان تدرکوها الغوث، الغوث۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۳ ص ۲۵۸)

اے گروہ قریش دوڑو اور خبر لو اپنے ان اونٹوں کی جو کپڑوں اور سامان سے لدے ہوئے ہیں اور خبر لو اپنے مالوں کی، محمد اپنے اصحاب کے ساتھ ان سے تعرض کیلئے روانہ ہو گئے ہیں میں گمان نہیں کرتا کہ تم اپنے اموال کو صحیح وسالم پاسکو گے المدد المدد یعنی جلد از جلد قافلہ کی مدد کو پہنچو۔

ابوسفیان نے ضمضم غفاری کے روانہ کرنے کے بعد نہایت احتیاط سے کام لیا اور ساحل کے راستے سے قافلہ کو بچا کر نکل گیا اور جب قافلہ مسلمانوں کی زد سے نکل گیا تو ابوسفیان نے ایک دوسرا پیغام قریش کے نام روانہ کیا وہ پیغام یہ تھا:

قال ابن اسحاق ولما رآی ابوسفیان انه قد احرز عیره ارسل الی قریش انکم انما خرجتم

لتمنعوا عيركم ورجالكم واموالكم فقد نجاها الله فارجعوا۔ (البدایۃ والنہایۃ ج۳ص ۲۶۶)

محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ جب ابوسفیان نے دیکھا کہ آپ اپنے قافلہ کو مسلمانوں سے بچا کر نکال لے گیا تو قریش کی طرف ایک پیغام بھیجا کہ تم فقط اپنے کاروان تجارت اور آدمیوں اور مالوں کی حفاظت کیلئے آئے تھے اللہ نے ان سب کو بچالیا لہٰذا تم اب مکہ لوٹ جاؤ۔

ابوسفیان کا یہ پیغام قریش کو اس وقت پہنچا کہ جب قریش مقام جحفہ میں پہنچ چکے تھے لوگوں نے چاہا کہ لوٹ جائیں مگر ابوجہل نے قسم کھالی کہ ہم اسی شان سے بدر تک جائیں گے اور بغیر لڑے واپس نہ ہوں گے، مگر اخنس بن شریق نے ابوجہل کی بات کو نہ مانا اور بنی زہرہ سے مخاطب ہو کر یہ کہا:

يا بني زهرة قد نجى الله لكم اموالكم وخلص لكم صاحبكم مخرمة بن نوفل وانما نفرتم لتمنعوه وماله فاجعلوا بى جنبها وارجعو فانه لا حاجة لكم بان تخرجوا فى غير صنعة لا مايقول هذا قال فرجعوا فلم يشهدها زهرى واحد۔ (البدایۃ والنہایۃ ج۳ص ۲۶۶)

اے بنی زہرہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے مالوں کو بچالیا اور تمہارے ساتھی مخرمہ کو بھی بچالیا۔ تم تو فقط مالوں کو مسلمانوں کی دست برد سے بچانے کیلئے نکلے تھے سو وہ بچ نکلے، لہٰذا تم سب لوٹ جاؤ بے ضرورت نکلنے سے کیا فائدہ؟ اخنس کے کہتے ہی تمام بنی زہرہ راستہ ہی سے لوٹ گئے اور ایک آدمی بھی بنی زہرہ میں کا بدر کے معرکہ میں شریک نہیں ہوا۔

بنو ہاشم تو اول ہی سے جنگ میں جانا نہیں چاہتے تھے، عاتکہ بنت عبدالمطلب کے خواب کی وجہ سے چلنے پر آمادہ نہ تھے۔ پھر جہیم کے خواب نے اور متردد کر دیا اور پھر جب ابوسفیان کا پیغام آ گیا کہ کاروان تجارت صحیح سالم بچ نکلا تو اور بہت سے تردد میں پڑ گئے چنانچہ طالب بن ابی طالب اور کچھ لوگ ان کے ساتھ مکہ واپس چلے گئے پھر جب اخنس بن شریق بنی زہرہ کو لے کر واپس ہو گیا تو اور تذبذب میں پڑ گئے مگر ابوجہل کی ضد اور ہٹ دھرمی اور اس کے رعب کی وجہ سے بدر کی طرف روانہ ہوئے۔ عتبہ اور شیبہ ابتداء ہی سے چلنے پر تیار نہ تھے اور آخیر وقت تک یہ چاہتے رہے کہ مکہ واپس ہو جائیں، جیسا کہ مفصل گزر چکا۔

کیا اب اس قسم کی صریح اور ناقابل تاویل روایات کے بعد بھی کسی مؤول؟؟؟ کیلئے یہ گنجائش ہے کہ یہ کہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کاروان تجارت پر حملہ کرنے کیلئے نہیں نکلے تھے بلکہ قریش کی جو جمعیت مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کیلئے نکلی تھی حضور پرنور اس کی مدافعت کیلئے بدر میں تشریف لے گئے تھے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو ہمراہ لے کر جب مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تو آپ کا مقصد صرف قریش کا کاروان تجارت تھا ابوجہل اور اس کی جمعیت کا وہم وگمان بھی نہ تھا بلکہ نفس الامر میں کہیں اس کا وجود اور نام ونشان بھی نہ تھا۔

جیسا کہ ابوجہل اور قریش کے کہیں حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ہم کوئی جمعیت لے کر مدینہ پر حملہ آور ہوں بلکہ جب ابوسفیان کے قاصد ضمضم غفاری نے مکہ پہنچ کر یہ خبر سنائی کہ تمہارا کاروان تجارت خطرہ میں ہے مسلمان اس پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تو اس وقت مکہ میں ہلچل پڑ گئی اور قریش ابوجہل کے سرکردگی میں بڑی شان وشوکت سے زرہیں پہن کر اور پوری طرح مسلح ہو کر اپنے کاروان تجارت کو بچانے کیلئے نکلے۔ قریش کو مقام جحفہ میں پہنچ کر ابوسفیان کی طرف سے اطلاع ملی کہ قافلہ صحیح سالم بچ نکلا ہے اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام صفراء میں پہنچ کر اطلاع ملی کہ کاروان تجارت تو نکل گیا ہے اور قریش پوری تیاری کے ساتھ مسلح ہو کر آ رہے ہیں۔ چونکہ مسلمان کسی جنگ کی نیت سے نہیں نکلے تھے اس لیے آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ لہٰذا کسی علامہ کا یہ خیال کرنا کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اوّل سے آخرت تک کسی وقت بھی تجارتی قافلہ پر حملہ کی نیت نہیں کی بلکہ ابتداء ہی سے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سفر شروع فرمایا وہ قریش کے اس فوجی لشکر کے مقابلہ اور دفاع کیلئے تھا جو از خود مدینہ پر حملہ کرنے کیلئے اقدام کرتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ یہ خیال ایک خیالِ خام ہے جو اپنی ایک مزعوم درایت اور خود ساختہ اصول پر مبنی ہے جس پر تمام ذخیرہ احادیث نبویہ اور ارشادات قرآنیہ اور روایات سیرت اور واقعات تاریخیہ کو قربان کرنا چاہتے ہیں۔ افسوس اور صد افسوس کہ جن اعداء اللہ نے اللہ کے نبی اور اس کے متبعین کو جانی اور مالی نقصان پہنچایا ہو اور ان کو ان کے گھروں سے نکالا ہو اور ان کے اموال پر ناجائز قبضے کیے ہوں اور آئندہ کیلئے بھی ان کے یہی عزائم ہوں اور ایک لحہ کیلئے اسلام اور مسلمانوں کے مٹانے کی تدبیر سے غافل نہ ہوں سو اگر مسلمان ان کو جانی یا مالی نقصان پہنچانے کیلئے کوئی اقدام کریں تو اس کو خلاف تہذیب اور خلاف انسانیت سمجھا جائے اور جن روایات میں کچھ تاویل چل سکے وہاں تاویل کر لی جائے اور جہاں تاویل نہ چل سکے ان کا ذکر ہی نہ کیا جائے تاکہ اپنے خود ساختہ اصول پر زد نہ پڑے۔ یہ شان علم اور امانت کے خلاف ہے۔ قَرَاطِيسَ تُبْدُونَهَا وَتُخْفُونَ كَثِيرًا غزوۂ بدر سے پہلے جس قدر مہمیں روانہ کی گئیں وہ اکثر وبیشتر قریش کے تجارتی قافلوں ہی پر حملہ کرنے کیلئے روانہ کی گئیں پھر غزوۂ بدر ہی میں کیوں اشکال پیش آیا۔

رہا یہ دعویٰ کہ مسلمانوں کو کافروں پر ابتداء از خود حملہ کرنا جائز نہیں جب تک کہ کفار از خود حملہ نہ کریں۔ مطلب یہ کہ جہاد کیلئے از خود اقدام جائز نہیں بلکہ جب کافر ابتداء حملہ آور ہوں تو ان کا دفاع کیا جائے۔ سو اس کا جواب ابتداء میں بحث جہاد میں بالتفصیل گزر چکا ہے۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔ کفار مکہ جو مسلمانوں کو تیرہ برس تک جانی اور مالی ہر قسم کا نقصان پہنچا چکے ہوں اور ہر قسم کے مظالم ان پر کر چکے ہوں اور آئندہ کیلئے باقاعدہ دھمکیاں دے رہے ہوں اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں سرگرداں ہوں اور اس بارے میں مراسلتیں جاری کرتے ہوں ان کے جان ومال پر مسلمانوں کیلئے از خود حملہ کرنا جائز نہ ہو عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے۔

خلاصۂ کلام

یہ کہ ان تمام روایات سے روز روشن کی طرح یہ امر واضح ہوگیا کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مدینہ سے کاروان تجارت کے ارادہ سے نکلے تھے اور قریش مکہ اور ابوجہل اسی کاروان تجارت کے بچانے کیلئے نکلے تھے۔ مؤمن وکافر سب کا مطمحِ نظر یہی کاروان تجارت تھا اور ہر دو فریق یہی سمجھے ہوئے تھے، علامہ سمجھیں یا نہ سمجھیں، نیز غزوۂ بدر سے پہلے جو غزوات اور سرایا پیش آئے وہ اکثر وبیشتر اقدامی تھے دفاعی نہ تھے۔ ابتداء حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوئی۔

سُورَةُ الأَنفَالِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۵، ۶

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ

جیسے تیرے رب نے تجھے تیرے گھر سے سچائی کے ساتھ نکالا اور بے شک ایک جماعت

الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝۵ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ

مسلمانوں میں سے ناپسند کرنے والی تھی۔ وہ تجھ سے حق بات میں اس کے ظاہر ہو چکنے کے بعد

كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝۶ ؕ

جھگڑتے تھے گویا وہ آنکھوں سے دیکھتے ہوئے موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں

خلاصہ

جس طرح آپ کے رب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک ”حق کام“ یعنی قتال فی سبیل اللہ کے لئے اپنے گھر سے میدان جہاد کی طرف نکالا۔ جبکہ مسلمانوں میں سے کچھ لوگ قریشی لشکر سے لڑنے پر راضی نہیں تھے۔ وہ ایک حق بات میں جو بالکل واضح اور اٹل تھی آپ سے بحث کر رہے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کھلی آنکھوں سے نظر آنے والی موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں۔

ربط

اوپر مقابلۂ کفار میں کامیاب ہونے کا جو مدار اعظم تھا اس کا بیان تھا آگے کامیابی کے واقعات ذکر کر کے اس بارہ میں اپنے انعامات یاد دلاتے ہیں۔ (بیان القرآن)

غزوۂ بدر کا تذکرہ

ان آیات میں غزوۂ بدر کا ذکر ہے اور رکوع کے ختم تک بلکہ اس کے بعد بھی متعدد آیات میں اس کا تذکرہ فرمایا ہے اور پھر مزید تفصیل اس سورت کے پانچویں اور چھٹے رکوع میں بیان فرمائی ہے، غزوۂ بدر کا کچھ تذکرہ سورۂ آل عمران کے رکوع دوم اور کچھ آل عمران کے رکوع نمبر ۱۲ میں گذر چکا ہے۔ (انوار البیان)

جامع تفسیر

یعنی سوچو کہ اس جنگ بدر میں شروع سے آخر تک کس طرح حق تعالیٰ کی تحریک وتائید اور امداد وتوفیق مسلمانوں کے حق میں کارفرما رہی...... خدا ہی تھا جو نصرت دین اسلام کے حق (سچے) وعدے کر کے اپنے نبی کو ایک امر حق یعنی کفار کے ساتھ جہاد کرانے کے لئے مدینہ سے باہر بدر کے میدان میں اس وقت لے آیا جبکہ ایک جماعت مسلمانوں کی لشکر

قریش سے نبرد آزمائی کرنے پر راضی نہ تھی۔ یہ لوگ ایسی پکی اور طے شدہ چیز میں پس و پیش کر رہے تھے اور حجتیں نکال رہے تھے جس کی نسبت بذریعہ پیغمبر انہیں ظاہر ہو چکا تھا کہ وہ یقیناً خدا کی فرمائی ہوئی اٹل بات ہے (یعنی اسلام و پیروانِ اسلام کا بذریعہ جہاد غالب و منصور ہونا) ابوجہل کے لشکر سے مقابلہ کرنا ان کو اس قدر شاق اور گراں تھا جیسے کسی شخص کو آنکھوں دیکھتے موت کے منہ میں جانا مشکل ہے تاہم خدا اپنی توفیق سے ان کو میدان جنگ میں لے گیا اور اپنی امداد سے مظفر و منصور واپس لایا۔ پس جیسے خدا ہی کی مدد سے از اول تا آخر یہ مہم سر ہوئی مال غنیمت بھی اسی کا سمجھنا چاہیے وہ اپنے پیغمبر کے ذریعہ جہاں بتلائے خرچ کرو (تنبیہ) كَمَآ اَخْرَجَكَ ...... الخ۔ کے کاف کو میں نے اپنی تقریر میں صرف تشبیہ کے لئے نہیں لیا بلکہ ابوحیان کی تحقیق کے موافق معنیٰ تعلیل پر مشتمل رکھا ہے جیسے واذکروہ کما ھداکم میں علماء نے تصریح کی ہے اور كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ الی آخر الآیات کے مضمون کو میں نے اَلْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ کا ایک سبب قرار دیا ہے۔ ابوحیان کی طرح "اعزك الله" وغیرہ مقدر نہیں مانا۔ نیز تقریر آیت میں صاحب "روح المعانی" کی تصریح کے موافق اشارہ کر دیا ہے کہ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ میں صرف آن خروج من البیت مراد نہیں۔ بلکہ خروج من البیت سے دخول فی الجهاد تک کا ممتد اور وسیع زمانہ مراد ہے جس میں اِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ وغیرہ سب احوال کا وقوع ہوا۔ ایک فریق کی کراہیت تو عین خروج من المدینة ہی کے وقت ظاہر ہو گئی جسے ہم صحیح مسلم اور طبری کے حوالہ سے سورۃ الانفال کے پہلے فائدہ میں بیان کر چکے ہیں اور مجادلہ کی صورت غالباً آگے چل کر لشکر کی اطلاع ملنے پر مقام صفراء میں پیش آئی۔ اس کے سمجھ لینے سے بعض مبطلین کے مغالطات کا استیصال ہو جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

ایک وضاحت

مستند عربی تفاسیر میں اس آیت کی وہی تفسیر بیان کی گئی ہے جو تفسیر عثمانی کے حوالے سے ابھی عرض ہوئی ہے۔ جبکہ بعض اردو مؤرخین اور مفسرین کفار و مستشرقین کے اعتراضات سے مغلوب ہو کر مغالطے میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ ان میں سے بعض کو اس بات پر شرم محسوس ہو رہی ہے کہ مشرکین مکہ کے تجارتی قافلے پر مسلمانوں نے حملے کا ارادہ کیوں کیا؟ اور بعض کو اس بات سے انکار ہے کہ ابوجہل کے لشکر کے مقابلے میں بھی خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پہل فرمائی اور اقدام کیا۔ حالانکہ ان دونوں باتوں میں ذرہ برابر اشکال یا اعتراض کی کوئی گنجائش موجود نہیں ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے ابوسفیان کے تجارتی قافلے پر حملے ہی کے لئے تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نکلنا حق تھا اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے جہاد کے عظیم کام کے لئے نکالا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو مالی اور جانی نقصان پہنچانا، انہیں کمزور کرنا اور مسلمانوں کے دفاع کو مضبوط کرنا یہ وہ اہم کام تھا جس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم فکر رکھتے تھے۔ پھر ابوجہل کے لشکر سے مقابلے کا فیصلہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا اور یہ وہ کام تھا جس کی تعریف میں قرآن پاک کی آیات پر آیات نازل ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان عظیم کارناموں پر شرم محسوس کرنا خود باعث شرم

ہے اور ان کارناموں پر تاویل کے پردے ڈالنا اپنی تاریخ کو مسخ کرنا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

جہاد ''حق'' ہے

❶ اپنے نبی کو ایک امر حق یعنی کفار کے ساتھ جہاد کرانے کے لئے مدینہ سے باہر بدر کے میدان میں اس وقت لے آیا۔ (تفسیر عثمانی)

❷ يُجَادِلُوْنَكَ فِى الْحَقِّ القتال۔ (جلالین) یعنی حق سے مراد قتال ہے۔

❸ الحق الذی جادلوا فیه رسول الله صلی الله علیه وسلم تلقی النفیر لایثارهم علیه تلقی العیر۔ (المدارک)

وہ ''حق'' جس میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث کر رہے تھے ابو جہل کے لشکر سے مقابلہ کرنا تھا۔

❹ ومعنیٰ فِى الْحَقِّ ای فی القتال۔ یہاں ''حق'' کا معنیٰ ہے ''قتال'' (القرطبی)

❺ یعنی وہ اس مصلحت کے کام میں یعنی جہاد اور مقابلہ لشکر میں بعد اس کے کہ اس کا ظہور ہو گیا......الخ۔ (بیان القرآن)

ایک شبہ کا جواب

معرکہ (بدر) کے آئینی اور قانونی پہلو پر زمانہ حال کے ایک ماہر فن ''قانون بین الممالک'' (انٹرنیشنل لا) کے خیالات سننے کے قابل ہیں۔ (وہ لکھتے ہیں)

''قریشی قافلوں کو لوٹ لینا ڈاکہ اس وقت سمجھا جائے جب یہ بے قصور ہوں اور لوٹنے والے حکومت نہیں بلکہ خانگی افراد ہوں۔'' (تفسیر ماجدی)

كَمَآ کی ترکیب

كَمَآ اَخْرَجَكَ میں كَمَآ کا کاف تشبیہ کے معنیٰ میں ہے، تعلیل کے معنیٰ میں ہے یا قسم کے معنیٰ میں ہے حضرات مفسرین نے تینوں طرح کے اقوال لکھے ہیں۔ پھر یہ جملہ ''موضع نصب'' میں ہے یا موضع رفع میں اس میں بھی دونوں طرح کے اقوال ہیں۔ پھر اگر کاف تشبیہ کا ہے تو مشبہ کیا ہے اس میں بھی مفسرین کے کئی اقوال ہیں۔ ایک دلچسپ قول ملاحظہ فرمانے سے پہلے چند عبارات طلبۂ علم کے لئے حاضر خدمت ہیں:

❶ قال الزجاج: الکاف فی موضع نصب ای الانفال ثابتةٌ لك كما اخرجك ربك من بيتك بالحق ای مثل اخراجك ربك من بيتك بالحق۔ والمعنیٰ: امض لامرك فی الغنائم ونفّل من شئت وان كرهوا۔ (القرطبی)

حضرت لاہوری رحمہ اللہ نے تقریباً اسی قول کو لیا ہے چنانچہ تحریر فرماتے ہیں کما میں کاف امض سے متعلق ہے

تقدیر یوں ہوگی امض لامر اللہ تعالیٰ فی انفال وان کرھوا کما امضیت امر اللہ فی الخروج من البیت جس طرح ایک گروہ لڑنے کو ناپسند کرتا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پرواہ نہ کی اور اللہ تعالیٰ کا فریضہ بجالائے، اسی طرح اب تقسیم مال غنیمت میں بھی ان کی پرواہ نہ کیجئے۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

❷ قال ابو عبیدۃ: ھو قسم ای والذی اخرجك فالکاف بمعنیٰ الواو وما بمعنیٰ الذی (القرطبی) صاحب البحر المحیط نے اس قول کو رد کیا ہے۔

❸ وکما خبر مبتدأ محذوف ای: ھذہ الحال فی حال کراھتھم لھا مثل اخراجك فی حال کراھتھم، وقد کان خیراً لھم. (جلالین)

صاحب تفسیر حقانی نے بھی اسی ترکیب کو اختیار فرمایا ہے۔

❹ کما کے کاف میں تشبیہ کی طرح تعلیل کا معنیٰ بھی ہے۔ (البحر المحیط)

خلاصۂ کلام

کاف کے معنیٰ اور ترکیب میں کئی اقوال ہیں امام ابوحیان الاندلسی رحمہ اللہ نے البحر المحیط میں پندرہ اقوال نقل کرنے کے بعد اس سلسلے میں اپنا ایک خواب بھی لکھا ہے اور ایک سولھواں قول اختیار فرمایا ہے۔ ان تمام سولہ اقوال کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر کے لئے نکلنے کو بہت سی چیزوں کے لئے بطور مثال کے پیش فرمایا ہے۔ اور غزوہ بدر کو مسلمانوں کی کامیابی اور غلبے کے لئے ایک نمونہ قرار دیا ہے۔

چنانچہ امام ابوحیان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فکان المعنیٰ ان خرجت لاعزاز دین اللہ وقتل اعدائہ نصرك اللہ وامدك بالملئکۃ. (البحر المحیط)

یعنی گویا کہ معنیٰ یہ ہوا کہ جب آپ اللہ تعالیٰ کے دین کے غلبے اور اس کے دشمنوں کو قتل کرنے کے لئے نکلے تو اللہ پاک نے آپکی نصرت فرمائی اور فرشتوں کے ذریعے آپ کو مدد بھیجی۔

بیان القرآن کے حوالے سے اس آیت کا جو ربط ماقبل سے بیان کیا گیا ہے وہ بھی اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ پچھلی آیات میں مسلمانوں کو فتح اور غلبے کا جو نصاب بتایا گیا ہے اب اس آیت سے کچھ واقعات سنا کر اس کی تصدیق کی جارہی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ایک دلچسپ قول

بعض مفسرین حضرات نے اس آیت کو آیت (۱۲) کے فَاضْرِبُوْا کے ساتھ جوڑا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ تمہیں نکالا ہے اور تمہاری ہر طرح سے مدد کی ہے اس لئے تم کافروں کو خوب مارو اور قتل کرو۔

چنانچہ امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

کما اخرجك ربك من بيتك بالحق وغشاكم النعاس امنة منه وانزل من السماء ماء ليطهر كم به، وانزل عليكم من السماء ملئكة مردفين فاضربوا فوق الاعناق واضربوا منهم كل بنان۔ (القرطبی)

یعنی چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک حق کام کے لئے گھر سے نکالا اور اپنی طرف سے اونگھ بھیج کر آپ لوگوں کو امن وسکون دیا اور آسمان سے پانی برسا کر آپ لوگوں کو پاک کیا اور آسمان سے آپ لوگوں کی مدد کے لئے پے در پے فرشتے نازل کئے اس لئے اب آپ لوگ کافروں کی گردنوں اور ان کے جوڑوں پر ماریں۔ (یعنی ان کو خوب قتل کریں)

دفع اشکال

بعض مسلمانوں کا مشرکین کے طاقتور لشکر سے ٹکرانے کو ناپسند کرنا محض طبعی طور پر تھا اور مشورہ میں ان کے اہتمام کو مجادلہ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے جس طرح صاحب مدارک اور صاحب بیان القرآن نے وضاحت فرمائی ہے۔

اور صاحب تفسیر ماجدی لکھتے ہیں:

کہاں تین سو تیرہ اور وہ بھی بے سروسامان کہاں نو سو پچاس اور پھر ہر طرح مسلح وباساز وسامان، خوف واندیشہ بالکل قدرتی تھا اور یہ طبعی کیفیت ہرگز مورد عتاب نہیں، یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی متقی وصالح شخص سانپ یا شیر کا اچانک سامنا ہو جانے پر ڈر جائے خوف، حزن وغیرہ کے طبعی جذبات سے تو حضرات انبیاء علیہم السلام تک مستثنیٰ نہیں رکھے گئے چہ جائیکہ غیر انبیاء اور شرف صحابیت کا جو مرتبہ بھی فرض کیا جائے، بہر حال بشریت کے ماتحت ہی رہے گا پھر ''فریقا'' سے اشارۃً یہ بھی نکل رہا ہے کہ یہ خوف وتردد بھی سب کو نہ تھا۔ (تفسیر ماجدی)

صاحب مدارک لکھتے ہیں:

ويحتمل ان يكونوا مخلصين وان يكون ذلك كراهة طبع لانهم غير متأهبين له۔ (المدارك)

انسان محض اپنی عقل سے جہاد کا مسئلہ نہیں سمجھ سکتا، اس لئے کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث کر رہے تھے۔ اپنے سے کئی گنا طاقتور دشمن سے ٹکرانا، امن اور عافیت کا گھر چھوڑ کر موت کے میدان کی طرف نکلنا، آسان قافلہ چھوڑ کر طاقتور دشمن سے جنگ کو اختیار کرنا یہ سب کچھ عقل سے بہت اونچا ہے، اس لئے حکم دیا گیا کہ بس اطاعت کرو۔ جب انہوں نے اطاعت کی تو جہاد کے فائدے کھل کھل کر سامنے آنے لگے۔ یہ صورتحال قیامت تک قائم ہے جو لوگ صرف عقل کے گھوڑے دوڑاتے ہیں ان کو جہاد کبھی سمجھ میں نہیں آتا اور وہ اس عظیم الشان نعمت سے محروم رہتے ہیں۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم پر لبیک کہتے ہیں اور آخرت کی زندگی کو سامنے رکھ کر اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین رکھتے ہیں ان کو جہاد سمجھ میں آجاتا ہے اور وہی لوگ اللہ تعالیٰ کے مجاہد اور سپاہی بن کر اونچے اونچے کارنامے بھی سرانجام

دیتے ہیں اور خود بھی اونچے درجات کے مستحق بنتے ہیں۔ غزوہ بدر سے لیکر آج تک کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجئے اور پھر ان آیات کو سامنے رکھیئے تو پوری بات سمجھ آجاتی ہے اللہ پاک اپنے پیارے بندوں کو خود گھر سے نکال کر میدان جہاد میں پہنچاتا ہے اور پھر ان پر اپنی رحمتوں اور نصرتوں کی بارش برسا دیتا ہے جبکہ عقل کے ترازو میں جہاد کو تولنے والے موت کے خوف سے کانپتے لرزتے اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں۔ وہ جہاد کی نعمت اور اونچے درجات سے محروم رہتے ہیں اور اس موت سے بھی نہیں بچ سکتے جس سے بچنے کی خاطر وہ جہاد میں نہیں نکلتے۔ غزوہ بدر کے موقع پر بھی کچھ منافقین اسی طرح کے قیل وقال میں پیچھے رہ گئے۔ امام نسفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: قال الشیخ ابو منصور رحمہ اللہ: یحتمل انھم منافقون کرھوا ذالک اعتقاداً۔ (المدارک)

ہاں چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر نکلنے کا تاکیدی حکم نہیں فرمایا تھا اس لئے بعض مخلص ایمان والے بھی نہ جا سکے مگر جن کو اللہ تعالیٰ لے گیا وہ اصحاب بدر کہلائے۔ یعنی تاریخ اسلام کی سب سے اعلیٰ اور ممتاز جماعت جسے آسمان کے فرشتے بھی رشک سے دیکھتے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

جہاد میں نکلنا ایک عظیم الشان نعمت ہے

كَمَآ اَخْرَجَكَ کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ نے اپنا احسان اور انعام بیان فرمایا ہے کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد کے لئے گھر سے نکالا۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

جیسا انعام اول کا حاصل ''اخراج'' تھا۔ (بیان القرآن)

یعنی جہاد کے لئے گھر سے نکالنا اللہ تعالیٰ کا انعام تھا۔

مسلمان اگر اس حقیقت پر غور کریں اور ربک کے الفاظ کو سمجھیں کہ آپ کے رب نے آپ کو جہاد کے لئے نکالا تو انہیں جہاد میں نکلنے کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو جائے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اسباق

غزوہ بدر میں مسلمانوں کے لئے بے شمار اسباق ہیں ان دو آیات سے یہ سبق بھی ملا کہ مسلمانوں کو جہاد کے لئے اپنے گھروں سے نکلتے رہنا چاہئے اور جہاد کے مسئلے کو عقل پر تولنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر پورا کرنا چاہئے۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ — آیت ۷، ۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ

اور جس وقت دو جماعتوں میں سے ایک کا اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ کرتا تھا کہ وہ تمہارے ہاتھ لگے گی اور تم چاہتے تھے

غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ

جس میں کانٹا نہ ہو وہ تمہیں ملے اور اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ اپنے حکم سے حق کو ثابت کردے

بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ

اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔ تاکہ حق کو ثابت کردے اور باطل کو مٹا دے

وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۸

اگرچہ گنہ گار ناراض ہوں

خلاصہ

اللہ تعالیٰ کے اس انعام کو یاد کرو جب اس نے تم سے وعدہ فرمایا کہ وہ مشرکین کے لشکر اور ان کے قافلے میں سے ایک پر تمہیں غالب فرمائے گا۔

تمہاری خواہش تھی کہ تجارتی قافلے کا سامنا ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ تمہیں مشرکین کے لشکر سے جہاد کا حکم دے کر حق کا حق ہونا سب پر ظاہر فرمادے اور باطل کی جڑ کاٹ دے۔ تاکہ مشرکین کے نہ چاہنے کے باوجود دین اسلام غالب آجائے اور کفر وشرک مغلوب ہوجائے۔

اقوال وحوالے

کافروں سے مقابلہ اللہ تعالیٰ کا انعام

اس انعام کا حاصل ''مقابلۂ کفار'' ہے جس کا انجام خیر ہوا جیسا انعام اول کا حاصل ''اخراج'' تھا۔ (بیان القرآن)

یعنی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ انعام ذکر فرمایا ہے کہ اس نے تمہیں طاقتور کافروں کے مقابلے میں لاکھڑا کیا۔ کمزور مسلمانوں کا اتنے طاقتور دشمن سے لڑنے کے لئے آمادہ ہوجانا خود ایک بہت بڑی بات تھی۔ جو اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کے انعام سے ممکن ہوئی مسلمانوں کے اس طرز عمل سے ہی اسلام کا حق اور سچ ہونا ظاہر ہوجاتا ہے ورنہ کون اپنی جان خطرے میں ڈالتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

کلام برکت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یا قافلہ یا مدد (یعنی مشرکین کا لشکر) ہمارے ہاتھ لگے گا، لوگ چاہنے لگے کہ قافلہ ہاتھ لگے اور بہتر ہوا یہی کہ کفر کا زور ٹوٹا۔ (موضح القرآن)

صاحب تفسیر عثمانی لکھتے ہیں:

مسلمان چاہتے تھے کہ ''تجارتی قافلہ'' پر حملہ ہو کہ کانٹا نہ چبھے اور بہت سامال ہاتھ آجائے لیکن خدا کی مرضی یہ تھی کہ اس چھوٹی سی بے سروسامان جماعت کو کثیر التعداد اور مرتب و پرشوکت لشکر سے بھڑا کر اپنی باتوں سے سچ کو سچ کر دکھائے اور کفار مکہ کی جڑ کاٹ ڈالے تاکہ اس طرح اس کے وعدوں کی سچائی حیرت انگیز طریقہ پر ظاہر ہو کر سچ کا سچ اور جھوٹ کا جھوٹ ہونا کفار کے علی الرغم صاف صاف آشکار ہو جائے، چنانچہ یہی ہوا۔ بدر میں قریش کے ستر سردار مارے گئے جن میں ابوجہل بھی تھا اور ستر ہی قید ہوئے اس طرح کفر کی کمر ٹوٹ گئی اور مشرکین مکہ کی بنیادیں ہل گئیں فللّٰہ الحمد و المنہ۔ (تفسیر عثمانی)

حق کا حق ہونا ظاہر فرمادے

غور فرمائیں ان دو آیات میں یہ جملہ دوبار استعمال ہوا ہے پہلے ارشاد فرمایا:

وَيُرِيدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ۝

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ اپنے ''کلمات'' سے حق کو ثابت کردے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔

اس کے فوراً بعد فرمایا:

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ

ترجمہ: تاکہ حق کو ثابت کردے اور باطل کو مٹادے۔

اب یہاں دو سوال ہیں پہلا یہ کہ حق تو حق ہوتا ہے تو اسے ثابت کرنے اور اسکا احقاق کرنے کے کیا معنیٰ ہیں؟ اور دوسرا یہ کہ یہ جملہ دوبار آیا ہے تو کیا دونوں جگہ ایک ہی مطلب ہے یا ہر جگہ الگ مفہوم ہے؟

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

المراد من تحقيق الحق وابطال الباطل، باظهار كون ذلك الحق حقاً واظهار كون ذلك الباطل باطلاً

یعنی ''احقاق حق'' اور ''ابطال باطل'' کا مطلب یہ ہے کہ حق کا حق ہونا بالکل ظاہر کر دیا جائے (کہ دوست دشمن سب کو نظر آجائے) اور باطل کا باطل ہونا بالکل واضح کر دیا جائے (کہ خود اہل باطل بھی محسوس کرنے لگیں)۔ (التفسیر الکبیر)

اور دوسرے سوال کے جواب میں امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لیس ھھنا تکریر لان المراد بالا ول سبب ما وعد به فی ھذہ الواقعة من النصر والظفر بالأعداء والمراد بالثانی تقویة القرآن والدین ونصرۃ ھذہ الشریعة لان الذی وقع من المومنین یوم بدر بالکافرین کان سببا لعزۃ الدین وقوته ولھذا السبب قرنه بقوله ویبطل الباطل الذی ھو الشرك وذلك فی مقابلة الحق الذی ھو الدین والایمان۔ (التفسیر الکبیر)

خلاصہ اس عبارت کا یہ ہے کہ پہلے جملے اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ سے مراد غزوۂ بدر کی فتح ہے اور دوسرے جملے لِیُحِقَّ الْحَقَّ سے دین، قرآن اور اس شریعت کا غلبہ مراد ہے کیونکہ غزوہ بدر کی فتح سے پورے دین کو قوت ملی۔

امام قرطبی رحمہ اللہ کی رائے بھی یہی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

لِیُحِقَّ الْحَقَّ ای یظهر دین الاسلام ویعزہ وَیُبْطِلَ الْبَاطِلَ ای الکفر۔ (القرطبی)

مطلب یہ ہوا کہ جب جہاد میں مسلمانوں کو اپنے سے طاقتور دشمن پر غلبہ ملتا ہے تو اس سے حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا سب کو کھلی نظروں سے دکھائی دینے لگتا ہے اور اہل باطل کو احساس ہوتا ہے کہ وہ غلطی پر ہیں اور حق کے متلاشی لوگوں کو حق کا نور صاف نظر آ جاتا ہے اس کی وجہ سے لوگ کفر چھوڑ کر جوق در جوق اسلام قبول کرتے ہیں اور حق کو قبول کر لینا ان کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ اس لئے اہل حق کا فرض بنتا ہے کہ وہ کفر کو مغلوب کرنے اور اسلام کو غالب کرنے کی بھرپور محنت کریں تا کہ عام انسانوں کے لئے حق کا حق ہونا بالکل واضح اور ظاہر ہو جائے۔

صاحب تفسیر الفرقان لکھتے ہیں:

کلمۂ حق کو بلند و برتر کرنا ارباب ایمان واخلاص کا فرض ہوگا۔ کیونکہ کفر تو پیدا ہی اس لئے ہوا ہے کہ اس کے ابطال میں اہل ایمان اپنی پوری سعی وکوشش کا اظہار کریں تا کہ ان کی صف دوسرے لوگوں سے ممتاز نظر آنے لگے۔ (تفسیر الفرقان)

خلاصہ یہ ہوا کہ حق تو حق ہے مگر اس کا حق ہونا جہاد کے ذریعے ظاہر ہوتا ہے چنانچہ اللہ پاک نے مسلمانوں کو معرکہ بدر میں لا کھڑا کیا ان کو جہاد کی توفیق عطا فرمائی جس کی برکت سے حق کا حق ہونا سب کو سمجھ آ گیا اور باطل کا بطلان بھی ظاہر ہو گیا اور کافروں کی جڑ کٹ گئی۔ مسلمان جب بھی غزوۂ بدر کی ترتیب پر آئیں گے اور جہاد کو زندہ کریں گے تو اسی طرح حق کا بول بالا ہوگا اور باطل کو ذلت اور کمزوری کا سامنا کرنا ہوگا۔ مگر یہ صورتحال اہل باطل کے سرغنوں کو پسند نہیں آئے گی وَلَوْ کَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ میں یہی بتایا گیا ہے چنانچہ وہ جہاد اور مجاہدین کے خلاف خوب شور مچائیں گے یا بالفاظ دیگر انہیں بدنام کرنے کی کوشش کریں گے۔ تو مسلمانوں کو اس سے پریشان نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ان کی عزت یا ذلت کافروں کی زبانوں پر موقوف نہیں ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

کلمات سے کیا مراد ہے؟

آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے: وَیُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِهٖ

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ حق کو اپنے ’’کلمات‘‘ کے ذریعہ ثابت کردے۔

اس آیت میں ’’کلمات‘‘ سے کیا مراد ہے؟

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

بکلماته ای بوعده: یعنی اپنے وعدہ کے مطابق حق کو غالب اور باطل کو مغلوب کردے۔ اور وعدے سے مراد وہ وعدہ ہے جو ان دو آیات میں فرمایا ہے۔

❶ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ○ (الدخان ۱۶)

ترجمہ: جس دن ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے بے شک ہم انتقام لینے والے ہیں۔ یعنی ابوجہل اور اس کے ساتھیوں سے۔

❷ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (التوبہ ۳۳ الفتح ۲۸)

ترجمہ: تا کہ اللہ تعالیٰ دین اسلام کو سب دینوں پر غالب کرے۔ (القرطبی)

دوسرا قول یہ ہے کہ ’’کلمات‘‘ سے مراد جہاد کا حکم ہے چنانچہ امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

بکلماته ای بامره ایاکم ان تجاهدوهم.

یعنی تمہیں کفار کے خلاف جہاد کا حکم دے کر حق کو غالب اور کفر کو مغلوب فرمادے۔ (القرطبی)

امام نسفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

بکلماته بآیاته المنزلة فی محاربة ذات الشوكة وبما امر الملائكة من نزولهم للنصرة وبما قضیٰ من قتلهم وطرحهم فی قلیب بدر. (المدارک)

کلمات سے مراد وہ آیات ہیں جن میں مسلح قریشی لشکر سے لڑنے کا حکم ہے، اور فرشتوں کو نصرت کے لئے نازل فرمانے کا حکم اور مشرکین کے قتل اور ان کو بدر کے کنویں میں ڈالنے کا (تکوینی) حکم۔

وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ: اگرچہ مجرموں کو اسلام کا غلبہ ناپسند ہو۔

ظاہر بات ہے کہ کافر مجرم ہیں اور وہ کبھی بھی حق کے غلبے کو پسند نہیں کرسکتے۔ اگر مسلمان اس حقیقت کو دل میں بٹھالیں تو امت مسلمہ کی جان اس جملے سے چھوٹ جائے گی کہ اسلام کافروں کی نظر میں بدنام ہورہا ہے۔ یقیناً ہر وہ عمل جس سے اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچے گا وہ عمل اسلام دشمنوں کی نظر میں برا اور بدنام ہوگا تو کیا مسلمان اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی بدعقلی اور رائے سے متاثر ہوجائیں گے؟ العیاذ باللہ العیاذ باللہ۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اسباق

غزوہ بدر میں مسلمانوں کے لئے بے شمار اسباق ہیں ان دو آیات سے یہ سبق ملا کہ مسلمانوں کو کفر کی اصل طاقت پر وار کرنا چاہیے اور جہاد کے عمل کو زندہ رکھنا چاہیے تا کہ حق کا حق ہونا دنیا پر ثابت ہوجائے۔ ☆☆☆

سُورَةُ الْأَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۹-۱۰

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ

جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے اس نے جواب میں فرمایا کہ میں تمہاری مدد کیلئے پے در پے ایک ہزار

الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ﴿٩﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ

فرشتے بھیج رہا ہوں۔ اور یہ تو اللہ تعالی نے فقط خوشخبری دی تھی اور تاکہ تمہارے دل اس سے مطمئن

بِهِ قُلُوبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ

ہو جائیں اور مدد تو صرف اللہ تعالی کی طرف سے ہے بے شک اللہ تعالی

عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿١٠﴾

غالب حکمت والا ہے

خلاصہ

غزوۂ بدر کے دن مقابلے سے پہلے تم نے اللہ تعالی سے مدد کی فریاد کی۔ اللہ تعالی نے تمہاری فریاد کو قبول فرمالیا اور ایک ہزار فرشتے پے در پے بھیجنے کا تم سے وعدہ فرمایا۔ فرشتوں کا تمہاری مدد کے لئے اترنا محض اللہ تعالی کی نصرت کی بشارت تھی تاکہ تمہارے دل مضبوط ہو جائیں ورنہ اصل مدد تو اللہ تعالی ہی کی طرف سے ہوتی ہے جو غالب بھی ہے اور حکمت والا بھی ہے۔ (اس لئے تم صرف اسی سے جڑے رہو فرشتوں اور دیگر اسباب پر بھروسہ نہ کرو اصل غلبہ اللہ تعالی دیتا ہے اس کی مرضی جس طرح سے دے اور اصل نصرت اللہ تعالی کی طرف سے ہوتی ہے اس کی مرضی اسباب کے ذریعہ کرے یا ظاہری اسباب کے بغیر۔)

شانِ نزول

اس آیت کے شان نزول میں حضرات مفسرین نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو ذکر فرمایا ہے جو صحیح مسلم میں مذکور ہے۔ روایت کے عربی الفاظ پڑھنے سے پہلے آیت کے شان نزول اور مضمون کے بارے میں تفسیر حقانی کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

''غوث'' (کا معنیٰ) مدد اور ''استغاثہ'' (کا مطلب) مدد طلب کرنا۔ آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ بدر میں جا پہنچے۔ گرمی کے دن تھے اور بدر میں جو پانی تھا اس کو اول آ کر مشرکین مکہ نے اپنے قبضہ میں کر لیا تھا۔ ادھر تو غنیم (یعنی دشمن) کی کثرت کہ وہاں مع ساز و سامان مکہ کے تخمیناً ہزار بہادر جنگ جو تھے۔ ادھر تخمیناً تین سو آدمی بھوکے

پیاسے، بے سروسامان ایسی حالت میں مسلمان اپنے پروردگار سے مدد کے خواہاں ہوئے اور اسی سے فریادرسی کے امیدوار ہوئے چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ اس حالت کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک خیمہ میں گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روبقبلہ (یعنی قبلہ رخ) ہو کر ہاتھ اٹھا کر نہایت عجز وانکساری سے دعاء کرنی شروع کی کہ یاالٰہی تو اپنے وعدہ کو پورا کر، اگر اہل حق کی یہ جماعت ماری گئی تو پھر زمین پر تیرا کوئی نام لینے والا نہ رہے گا دعاء کرتے کرتے آپکی رداء (چادر) مبارک مونڈھوں (یعنی کندھوں) سے گر پڑی ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اٹھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں پر ڈالی اور ہاتھ تھام کر عرض کی۔

یانبی اللہ! بس کیجئے آپ کی دعاء خدا نے قبول کر لی وہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا تب یہ آیت اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ○ لے کر جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے یعنی (اللہ تعالیٰ نے) فریاد قبول کر لی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو یہ جبرئیل گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے مسلح ہو کر آرہے ہیں مُرْدِفِيْنَ کے معنی یکے بعد دیگرے چنانچہ اولاً ہزار فرشتوں کی مدد کا وعدہ ہوا تھا پھر تین ہزار ہوگئے پھر پانچ ہزار جیسا کہ آل عمران میں ہے۔ اس بات پر تو تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ بدر کے روز آسمان سے مسلح ہو کر مسلمانوں کی مدد کو فرشتے نازل ہوئے جو مسلمانوں کو بھی دکھائی دیئے مگر اس میں اختلاف ہے کہ انہوں نے جنگ کی کہ نہیں؟

کتب احادیث سے جنگ کرنا بھی ثابت ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص ایک مشرک پر حملہ کرنے دوڑا تو اس کے مارنے سے پیشتر ہی وہ زمین پر مرا پڑا تھا اور اس کے منہ پر کوڑے کا نشان تھا اور کوڑے کی آواز کے ساتھ یہ آواز بھی سنائی دی تھی اقدم حیزوم بعض کہتے ہیں جنگ نہیں کی صرف مسلمانوں کے اطمینان کے لئے نازل ہوئے تھے جیسا کہ اس جملہ میں وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى ...... الخ۔ سے پایا جاتا ہے کہ یہ صرف تمہارے اطمینان کے لئے تھا ورنہ مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے مگر یہ بات تو جب بھی پائی جاتی ہے کہ جب فرشتوں کا جنگ کرنا تسلیم کر لیا جائے۔ (تفسیر حقانی)

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وروی مسلم عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنه قال:

لماكان يوم بدر نظر رسول الله صلى الله عليه وسلم الى المشركين وهم الف واصحابه ثلثمائة وسبعة عشر رجلاً فاستقبل نبی الله صلى الله عليه وسلم القبلة ثم مد يديه، فجعل يهتف بربه: اللهم انجزلي ماوعدتني، اللهم أتني ما وعدتني، اللهم ان تهلك هذه العصابة من اهل الاسلام لاتعبد فی الارض فما زال يهتف بربه ما دا يديه مستقبل القبلة حتى سقط رداؤه عن منكبيه، فأتاه ابو بكر فأخذ ردائه فالقاه على منكبيه ثم التزمه من

ورائه وقال یا نبی الله: کفاك مناشدتك ربك، فانه سینجز لك ما وعدك فانزل الله تعالیٰ ﴿اِذۡ تَسۡتَغِيۡثُوۡنَ رَبَّكُمۡ﴾ الاية فامده الله بالملئكة. (القرطبی)

اس روایت کا اردو خلاصہ تفسیر حقانی کی عبارت میں گذر چکا ہے اصل عربی روایت ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ امت کے علماء کرام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں مجاہدین کے لئے اسی طرح اور اسی کیفیت میں دعاؤں کا اہتمام فرمائیں جس کیفیت کو اس روایت میں بیان کیا گیا ہے۔ اور خود مجاہدین بھی اسی طرح کی عاجزی، آہ وزاری اور انابت والی دعاؤں کا اہتمام کریں۔

جنگ کا ماحول بنتے ہی فوراً دعا

واستغاثتهم انهم لما علموا انه لابد من القتال طفقوا یدعون الله یقولون ای ربنا انصرنا علی عدوك یا غیاث المستغیثین اغثنا. (المدارك)

یعنی اس آیت میں جس فریاد کا ذکر ہے وہ یہ تھی کہ جب مسلمانوں نے دیکھ لیا کہ اب جنگ یقینی ہے تو فوراً اللہ تعالیٰ کے حضور دعاء کے لئے لپکے وہ کہہ رہے تھے اے ہمارے رب اپنے دشمن کے مقابلے میں ہماری نصرت فرما اے فریاد کرنے والوں کی فریاد کو پہنچنے والے ہماری مدد فرما۔ (المدارک)

معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو جہاد میں دشمن کی کثرت اور طاقت دیکھ کر بھاگنے اور خوف زدہ ہونے کی بجائے فوراً دعاء کی طرف متوجہ ہو جانا چاہیے۔

مجاہدین اپنی نظر صرف اللہ تعالیٰ پر رکھیں

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

﴿وَمَا النَّصۡرُ اِلَّا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ﴾ نبه علی ان النصر من عنده جلّ وعزّ لا من الملائكة، ای لولا نصره لما انتفع بكثرة العدد بالملائكة. یعنی اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمادی کہ اصل مدد اللہ جل شانہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے نہ کہ فرشتوں کی طرف سے یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی مدد نہ ہوتی تو فرشتوں کے ذریعہ تعداد کے بڑھ جانے سے بھی کوئی فائدہ حاصل نہ ہوتا۔

امام نسفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ولا تحسبوا النصر من الملائكة فان الناصر هوا الله لكم وللملائكة. (المدارك)

یعنی یہ خیال نہ کرو کہ نصرت فرشتوں کی طرف سے ہے کیونکہ تمہارا اصل مددگار اللہ تعالیٰ ہے۔

معلوم ہوا کہ مجاہدین کے لئے جب فرشتوں پر بھروسہ کرنا درست نہیں ہے تو پھر کسی اور چیز یا شخصیت پر نظریں جمائے رکھنا کہاں درست ہو سکتا ہے؟ مسلمان اللہ تعالیٰ کے لئے جہاد کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اس کی نصرت فرماتا ہے اور اسے غلبہ اور کامیابی عطاء فرماتا ہے۔ مسلمانوں کے اسی عقیدے اور نظریئے کو درست رکھنے کے لئے حضرت

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا تھا تا کہ کسی مسلمان کا یہ عقیدہ نہ بنے کہ فتوحات ان کی وجہ سے ہو رہی ہیں۔ اسباب اور شخصیات سے فائدہ ضرور پہنچتا ہے مگر ان سے فائدہ پہنچنا بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے اس لئے مجاہد اللہ تعالیٰ کے سوا کسی بھی چیز پر نظر نہ رکھے اور نہ اپنے جہاد کی اللہ تعالیٰ پر توکّل کے علاوہ کوئی اور بنیاد بنائے۔ آج بہت سے لوگ امام مہدی رضی اللہ عنہ کے انتظار میں جہاد چھوڑے بیٹھے ہیں انہیں بھی اس آیت پر غور کرنا چاہیے۔

عَزِيزٌ حَكِيمٌ

چنانچہ بتقاضائے اسم عزیز وہ بالکل براہ راست اور بلا کسی واسطہ کے بھی امداد پر قادر رہے لیکن بتقاضائے اسم حکیم وہ رعایتِ اسباب بھی رکھتا ہے اور اس لئے مدد واسطوں اور ذریعوں سے پہنچاتا ہے۔ (تفسیر ماجدی)

اسباق

غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے لئے بے شمار اسباق ہیں ان دو آیات سے یہ سبق بھی ملا کہ مسلمانوں کو دشمنوں کی کثرت دیکھ کر دل نہیں چھوڑنا چاہیے بلکہ خوب عاجزی، آہ وزاری اور یقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور نصرت اور غلبے کی فریاد کرنی چاہیے اور یہ سبق بھی ملا کہ امت مسلمہ کے خواص کو مجاہدین کے لئے خوب دعائیں کرنی چاہئیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاد ایسا مبارک عمل ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے بھی شریک ہوتے ہیں اور یہ لازمی سبق بھی ملا کہ اصل نصرت اور غلبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے پھر اس کی مرضی وہ جس طرح سے چاہے مدد فرمائے مسلمانوں کو اپنی نظر ''اسبابِ نصرت'' پر نہیں بلکہ ناصرِ حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ پر رکھنی چاہیے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سورۃ الانفال مدنیۃ — آیت ۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ﴿١١﴾

جس وقت اس نے تم پر اپنی طرف سے تسکین کیلئے اونگھ ڈال دی اور تم پر آسمان سے پانی اتارا تاکہ اس سے تمہیں پاک کردے اور شیطان کی نجاست تم سے دور کردے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کردے اور اس سے تمہارے قدم جما دے

خلاصہ

غزوہ بدر کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے جنگ سے پہلے مجاہدین کی مزید دو طرح سے نصرت فرمائی۔ ❶ ان پر سکون والی اونگھ طاری فرمادی ❷ اس سے پہلے خوب زوردار بارش نازل فرمائی۔ ان دو نصرتوں سے مجاہدین کو یہ فائدے عطاء فرمائے۔

❶ اونگھ کی وجہ سے ان کے دماغ اور جسم پرسکون ہوگئے اور ہر طرح کا خوف جاتا رہا۔

❷ بارش کی وجہ سے انہیں طہارت حاصل ہوئی، شیطانی نجاست اور وسوسے دور ہوئے، اور ریتلی زمین چلنے پھرنے کے قابل ہوئی۔

❸ نصرت کے یہ مناظر دیکھ کر ان کے دل مضبوط ہوگئے اور قدم خوب جم گئے۔

اقوال و حوالے

جامع تفسیر

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین حضرات نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اور جن روایات کو ذکر فرمایا ہے ان سب کا خلاصہ درج ذیل جامع عبارت میں آ گیا ہے۔

"بدر کا معرکہ فی الحقیقت مسلمانوں کے لئے بہت ہی سخت آزمائش اور عظیم الشان امتحان کا موقع تھا، وہ تعداد میں تھوڑے تھے، بے سروسامان تھے، فوجی مقابلہ کے لئے تیار ہو کر نہ نکلے تھے مقابلہ میں ان سے تگنی تعداد کا لشکر تھا۔ جو پورے ساز و سامان سے کبر و غرور کے نشہ میں سرشار ہو کر نکلا تھا، مسلمانوں اور کافروں کی یہ پہلی ہی قابل ذکر ٹکر تھی پھر صورت ایسی پیش آئی کہ کفار نے پہلے سے اچھی جگہ اور پانی وغیرہ پر قبضہ کرلیا مسلمان نشیب میں تھے، ریت بہت

زیادہ تھی جس میں چلتے ہوئے پاؤں دھنستے تھے، گردوغبار نے الگ پریشان کر رکھا تھا۔ پانی نہ ملنے سے ایک طرف غسل ووضو کی تکلیف، دوسری طرف تشنگی (یعنی پیاس) ستارہی تھی۔ یہ چیزیں دیکھ کر مسلمان ڈرے کہ بظاہر آثار شکست کے ہیں، شیطان نے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ اگر واقعی تم خدا کے مقبول بندے ہوتے تو ضرور تائید ایزدی (یعنی اللہ تعالیٰ کی نصرت) تمہاری طرف ہوتی اور ایسی پریشان کن اور یاس انگیز صورت حال پیش نہ آتی اس وقت حق تعالیٰ نے قدرت کاملہ سے زور کا مینہ برسایا جس سے میدان کی ریت جم گئی غسل ووضو کرنے اور پینے کے لئے پانی کی افراط ہوگئی، گردوغبار سے نجات ملی۔ کفار کا لشکر جس جگہ تھا وہاں کیچڑ اور پھسلن سے چلنا پھرنا دشوار ہوگیا۔ جب یہ ظاہری پریشانیاں دور ہوئیں تو حق تعالیٰ نے مسلمانوں پر ایک قسم کی غنودگی طاری کردی۔ آنکھ کھلی تو دلوں سے سارا خوف وہراس جاتا رہا۔ بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رات بھر "عریش" میں مشغولِ دعا رہے اخیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر خفیف سی غنودگی طاری ہوئی جب اس سے چونکے تو فرمایا خوش ہوجاؤ کہ جبرئیل علیہ السلام تمہاری مدد کو آرہے ہیں عریش سے باہر تشریف لائے تو سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ۔ زبان مبارک پر جاری تھا بہرحال اس بارانِ رحمت نے بدن کو احداث سے اور دلوں کو شیطان کے وساوس سے پاک کردیا۔ ادھر ریت کے جم جانے سے ظاہری طور پر قدم جم گئے اور اندر سے ڈر نکل کر دل مضبوط ہوگئے۔" (تفسیر عثمانی)

اونگھ کے دو فائدے

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وفی امتنان اللہ علیهم بالنوم فی هذه اللیلة وجهان:احدهما ان قواهم بالا ستراحة علی القتال من الغد.الثانی ان امنهم بزوال الرعب من قلوبهم کما یقال الامن منیمٌ والخوف مسهرٌ.

یعنی جنگ سے پہلی رات اللہ تعالیٰ نے انہیں اونگھ دے کر دو فائدے عطا فرمائے پہلا یہ کہ انہیں آرام دے کر اگلے دن کی لڑائی کے لئے قوت عطاء فرمادی اور دوسرا یہ کہ ان کے دلوں سے رعب دور کرکے انہیں امن وسکون عطاء فرمادیا۔ جیسا کہ کہاوت ہے کہ امن نیند لاتا ہے اور خوف بے خوابی میں مبتلا کرتا ہے۔ (القرطبی)

ایک قول یہ ہے کہ یہ اونگھ عین لڑائی کے وقت طاری ہوئی تھی وقیل غشاهم فی حال التقاء الصفین. (القرطبی)

۱۷ رمضان المبارک کی رات بارش ہوگئی

فانزل اللہ المطر لیلة بدر السابعة عشرة من رمضان حتی سالت الاودیة. (القرطبی)

یعنی اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کی سترہویں رات خوب بارش برسادی۔

طہارت اور جہاد

اس آیت مبارکہ سے یہ نکتہ بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ جہاد اور طہارت کا آپس میں مضبوط جوڑ ہے۔ طہارت کی حالت میں مؤمن مضبوط ہوتا ہے، اس پر خاص رحمت نازل ہوتی ہے، دشمن اس پر حاوی نہیں ہو سکتے اور رحمت کے فرشتے اس کے ساتھ موجود رہتے ہیں۔ پس اشارہ معلوم ہوا کہ مجاہدین کو جہاد کے دوران طہارت یعنی غسل وضو اور لباس کی پاکی کا خاص خیال رکھنا چاہیے کہ اس سے انہیں قوت اور نصرت ملتی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

بارانِ رحمت مشرکین کے لئے زحمت

طبقات ابن سعد میں ہے کہ "وہ وادی پولی تھی" اللہ تعالیٰ نے ابر کو بھیجا، جس نے اسے تر کر دیا، مسلمان چلنے سے نہ رکے، مشرکین کے ہاں اس قدر بارش ہوئی کہ وہ چلنے کے قابل نہ رہے، حالانکہ ان کے درمیان صرف ایک ریت کا ٹیلہ تھا، اس شب کو مسلمانوں پر غنودگی طاری ہوگئی، اور پھر چند صفحہ آگے چل کر ہے "مسلمان اڑتی ہوئی بالو (یعنی ریت) پر اترے تھے، بارش ہوئی جس سے وہ مثل کوہِ صفا کے ہوگئی لوگ اس پر آسانی سے دوڑتے تھے۔ (تفسیر ماجدی)

جہاد سب سے افضل عبادت

امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس آیت کے ذیل میں یہ وجد آفرین نکتہ لکھا ہے: قال مالك بلغني ان جبريل عليه السلام قال للنبي صلى الله عليه وسلم الخ.

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھ تک یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: آپ حضرات میں مجاہدین بدر کا کیا مقام ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ہم میں سب سے بہتر شمار کئے جاتے ہیں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا ہمارے ہاں بھی ایسا ہے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ مخلوقات کی افضلیت ذات کی وجہ سے نہیں اعمال کی وجہ سے ہوتی ہے ملائکہ کے لئے افضل عمل ہمیشہ کی تسبیح کا اہتمام ہے اور ہمارے لئے افضل عمل اخلاص اور عبادت ہے۔ پھر عبادات میں سے وہ عبادات زیادہ اونچی ہیں جن کو شریعت نے افضل قرار دیا ہے۔ پھر امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وافضلها الجهاد وافضل الجهاد يوم بدر لان بناء الاسلام كان عليه. (القرطبی)

اور سب سے افضل عبادت جہاد ہے اور سب سے افضل جہاد بدر کے دن کا جہاد ہے کیونکہ اسلام کی بنیاد اسی پر ہے۔ (القرطبی)

دشمنوں کو اقتصادی نقصان پہنچانے کے لئے حملہ جائز ہے

امام قرطبی رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

ودل خروج النبي صلى الله عليه وسلم لتلقي العير على جواز النفير للغنيمة لانها كسب

حلال الخ.

یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قافلے پر حملہ کرنے کے لئے نکلنا اس بات کی دلیل ہے کہ غنیمت کے لئے حملہ کرنا جائز ہے کیونکہ وہ مال حلال ہے۔ اس سے امام مالک رحمہ اللہ کے مسلک کی تردید ہو گئی جو اسے مکروہ سمجھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ تو دنیا کی خاطر جنگ کرنا ہوا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

وما جاء ان من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا فهو سبيل الله دون من يقاتل للغنيمة يراد به اذا كان قصده وحده وليس للدين فيه حظ. یعنی حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلمے کی بلندی کے لئے لڑے نہ کہ غنیمت کیلئے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ جب کسی کی نیت صرف غنیمت کی ہو اور اس میں دین کا کوئی فائدہ مقصود نہ ہو تو وہ لڑائی جہاد نہیں ہوگی۔ (القرطبی)

قتال میں اونگھ اللہ تعالیٰ کی نعمت

وعن ابن عباس رضی الله عنهما: "النعاس فی القتال امنة من الله تعالیٰ، وفی الصلوٰة وسوسة من الشيطان" انتهى وعن ابن مسعود رضی الله عنه شبيه هذا الكلام وقال: النعاس عند حضور القتال علامة امن من العدو وهو من الله تعالیٰ وهو فی الصلوٰة من الشيطن" قال ابن عطيه: وهذا انما طريقة الوحی فهو لا محالة يسند. (البحر المحيط)

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قتال میں نیند اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور امن کے ہوتی ہے اور نماز میں نیند شیطانی وسوسہ کی وجہ سے ہوتی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کا کلام مروی ہے وہ فرماتے ہیں جنگ کے وقت اونگھ کا آنا دشمن سے امن کی علامت ہوتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور نماز میں اونگھ شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔ ابن عطیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ باتیں وحی سے ہی معلوم ہو سکتی ہیں (عقل سے نہیں) اس لئے یہ روایت یقیناً مرفوع ہے یعنی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے۔ (تفسیر البحر المحیط)

چھ وجوہات

غزوۂ بدر کے موقع پر طاری ہونے والی غنودگی کس طرح سے اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت تھی؟ حضرت امام رازی رحمہ اللہ نے دلچسپ تقریر فرمائی ہے اور اس اونگھ کے خصوصی نعمت ہونے پر چھ وجوہات ذکر فرمائی ہیں شائقین تفسیر کبیر میں ملاحظہ فرمالیں۔

اسباق

غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے لئے بے شمار اسباق ہیں اس آیت مبارکہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ طہارت اور پاکی جہاد کے لئے بے حد مفید ہوتی ہے پس مجاہدین اس کا اہتمام اور التزام کریں۔ آیت سے یہ بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ جنگ

کے دوران مجاہدین کے پاس وافر پانی ہونا چاہیے چنانچہ پانی کے انتظام کا بھی حتی الامکان اہتمام کیا جائے۔اسی طرح ذہنی سکون اور آسودگی، قلبی اطمینان اور ثابت قدمی بھی مجاہدین کے لئے ضروری ہے۔مجاہدین کا اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط ہو تو یہ تمام چیزیں نصیب ہو جاتی ہیں پس تعلق باللہ کو مضبوط کیا جائے اور دورانِ جہاد اس کے مذاکرے کا خوب خوب اہتمام کیا جائے۔(واللہ اعلم بالصواب)

سُورَةُ الْأَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ آیت ١٢

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ

جب تیرے رب نے فرشتوں کو حکم بھیجا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں کے دل ثابت

اٰمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا

رکھو میں کافروں کے دل میں دہشت ڈال دوں گا پس گردنوں پر مارو

فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿١٢﴾

اور ان کے پور پور پر مارو

خلاصہ

غزوۂ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کی نصرت کے لئے فرشتوں کو نازل فرمایا اور ان فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم ایمان والوں کے دل مضبوط کرو۔ میں کافروں کے دلوں پر دہشت طاری کردوں گا۔ اور تم جنگ میں شریک ہو کر کافروں کی گردنوں اور جوڑوں پر مارو۔

تلخیص مضامین

❶ غزوۂ بدر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام کی قیادت میں فرشتوں کو نازل فرمایا۔

❷ اکثر روایات سے ثابت ہے کہ فرشتوں نے جنگ میں بھی حصہ لیا۔

❸ اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کو اپنی معیت کا یقین دلایا کہ تسبیح وتقدیس کی طرح عملِ جہاد میں بھی تمہیں میرا قرب اور معیت نصیب رہے گی۔

❹ فرشتوں کی ذمہ داری لگائی گئی کہ وہ مجاہدین کا حوصلہ بڑھائیں اور ان کے دل مضبوط کریں۔ چنانچہ فرشتوں نے جنگ میں شریک ہوکر، دلوں میں الہام ڈال کر، نصرت کی آوازیں لگا کر اور اپنی روحانی محبت کا اثر دکھا کر یہ ذمہ داری ادا کی۔

❺ اللہ پاک نے فرشتوں کو جنگ کی تربیت دی اور انہیں سمجھایا کہ انسان کے کن اعضاء پر مارنے سے وہ مرتا ہے یا جنگ کے قابل نہیں رہتا۔

ایک سوال کا جواب

اللہ پاک نے ایمان والوں کے دل مضبوط کرنے کا حکم فرشتوں کو دیا اور کافروں کے دلوں میں رعب ڈالنے کی نسبت اپنی طرف فرمائی۔ حضرت شاہ عبد القادر رحمہ اللہ اس میں یہ نکتہ بیان فرماتے ہیں:

کافروں کے دل قابل نہیں فرشتوں کے الہام کے سو رعب ڈالنا اپنی طرف لیا اور (فرشتوں کو) مسلمانوں کے دل ثابت کرنے کو حکم فرمایا۔

اس جنگ میں فرشتے ہاتھوں سے بھی لڑے ہیں۔ (موضح القرآن)

جامع تفسیر

”جنگ بدر کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس معرکہ میں خود ابلیس لعین کنانہ کے سردار اعظم سراقہ بن مالک مدلجی کی صورت میں متمثل ہوکر ابو جہل کے پاس آیا اور مشرکین کے خوب دل بڑھائے کہ آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا، میں اور میرا سارا قبیلہ تمہارے ساتھ ہے۔ ابلیس کے جھنڈے تلے بڑا بھاری لشکر شیاطین کا تھا۔“

یہ واقعہ آگے آئے گا۔ اس کے جواب میں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کی کمک پر شاہی فوج کے دستے جبرئیل علیہ السلام ومیکائیل علیہ السلام کی کمانڈ میں یہ کہہ کر بھیجے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر شیاطین آدمیوں کی صورت میں متشکل ہوکر کفار کے حوصلے بڑھا رہے ہیں اور ان کی طرف سے لڑنے کو تیار ہیں اور مسلمانوں کے قلوب کو وسوسے ڈال کر خوفزدہ کر رہے ہیں تو تم مظلوم وضعیف مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کرو ادھر تم ان کی ہمت بڑھاؤ گے ادھر میں کافروں کے دلوں میں دہشت اور رعب ڈال دوں گا۔ تم مسلمانوں کے ساتھ ہوکر ان ظالموں کی گردنیں مارو اور پور پور کاٹ ڈالو۔ کیونکہ آج ان سب جنی وانسی کافروں نے مل کر خدا اور رسول سے مقابلہ کی ٹھہرائی ہے سوانہیں معلوم ہوجائے کہ خدا کے مخالفوں کو کیسی سزا ملتی ہے۔ آخرت میں جو سزا ملے گی اصل تو وہ ہی ہے لیکن دنیا میں بھی اس کا تھوڑا سا نمونہ دیکھ لیں اور عذاب الٰہی کا کچھ مزہ چکھ لیں۔ روایات میں ہے کہ بدر میں ملائکہ کو لوگ آنکھوں سے دیکھتے تھے اور ان کے مارے ہوئے کفار کو آدمیوں کے قتل کئے ہوئے کفار سے الگ شناخت کرتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے یہ ایک نمونہ دکھا دیا کہ اگر شیاطین الجن والانس ایسے غیر معمولی طور پر حق کے مقابل جمع ہوجائیں تو وہ اہل حق اور مقبول بندوں کو ایسے غیر معمولی طریقہ سے فرشتوں کی کمک پہنچا سکتا ہے۔ باقی ویسے تو فتح وغلبہ بلکہ ہر چھوٹا بڑا کام خدا ہی کی مشیت اور قدرت سے انجام پاتا ہے۔ اسے نہ فرشتوں کی احتیاج ہے نہ آدمیوں کی، اور اگر فرشتوں ہی سے کوئی کام لے تو ان کو وہ طاقت بخشی ہے کہ تنہا ایک فرشتہ بڑی بڑی بستیوں کو اٹھا کر پٹک سکتا ہے یہاں تو عالم تکلیف واسباب میں ذرا سی تنبیہ کے طور پر شیاطین کی غیر معمولی دوڑ دھوپ کا جواب دینا تھا اور بس۔ (تفسیر عثمانی)

فرشتوں کا دلوں کو مضبوط کرنا

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ ایمان والوں کے دلوں کو مضبوط کریں۔ مفسرین نے اس ”حکم الٰہی“ کے

بارے میں کئی اقوال لکھے ہیں:

❶ قال الحسن: بالقتال ای فقاتلوا۔ یعنی حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ قتال کے ذریعہ ان کے دلوں کو مضبوط کرو مطلب یہ کہ تم بھی لڑو۔ (البحر المحیط)

❷ وقال مقاتل بشروهم بالنصر۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی مدد کی خوشخبری سناؤ۔

فکان الملك یسیر امام الصف فی صورة الرجل، فیقول ابشروا فان الله ناصرکم۔

چنانچہ فرشتہ آدمی کی شکل میں مجاہدین کے سامنے سے گذرتا اور کہتا خوش ہوجاؤ یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے۔ (البحر المحیط)

❸ وذکر الزجاج انهم یثبتونهم بأشیاء یلقونها فی قلوبهم تقوی بها۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فرشتے مجاہدین کے دلوں میں ایسی باتوں کا القاء کرتے تھے جن سے ان کے دل مضبوط ہوتے تھے اور ان میں قوت پیدا ہوتی تھی۔ (البحر المحیط)

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ان الشیطان کما یمکنه القاء الوسوسة الی الانسان، فکذلك الملك یمکنه القاء الالهام الیه۔ (التفسیر الکبیر)

یعنی جس طرح شیطان کے لئے انسان کے دل میں وسوسہ ڈالنا ممکن ہے اسی طرح فرشتے کے لئے اس کے دل میں الہام کرنا بھی ممکن ہے۔

❹ وذکر الثعلبی نحوه قال: صححوا عزائمهم ونیاتهم علی الجهاد۔ ثعلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ اے فرشتو! ایمان والوں کے عزائم اور جہاد کے بارے میں ان کی نیتوں کو ٹھیک رکھو۔ (البحر المحیط)

❺ وقال ابن عطیة نحوه، قال: یحتمل ایضاً ان یکون التثبیت الذی امر به ما یلقیه الملك فی قلب الانسان من توهم الظفر، واحتقار الکفار، ویجری علیه من خواطر تشجیعه۔

ابن عطیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک نے دلوں کو مضبوط کرنے کا جو حکم دیا ہے ممکن ہے اس سے مراد وہ الہام ہو جو فرشتہ کسی انسان کے دل میں ڈالتا ہے کہ اسے فتح ملنے والی ہے اور کافر حقیر و کمزور ہیں اور وہ اس الہام سے اس کے بہادری کے جذبات کو ابھارتا ہے۔ (البحر المحیط)

کافروں کے دلوں پر رعب بہت بڑی الٰہی نعمت

ارشاد فرمایا کہ میں کافروں کے دلوں پر رعب اور دہشت ڈال دوں گا جہاد میں کامیابی کے لئے یہ سب سے بڑی نصرت اور نعمت ہے اور ایمان والے جب اللہ تعالیٰ کے لئے جان قربان کرنے کا سچا جذبہ اور ارادہ دل میں بھر لیتے

ہیں تو اللہ پاک ان کا رعب اور دہشت کافروں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔ تب کافران کے سامنے بے بسی محسوس کرتے ہیں۔ امام ابوحیان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ولا معونة اعظم من القاء الرعب فی قلوب الکفرة.

یعنی کافروں کے دلوں پر رعب ڈالنے سے زیادہ بڑی مدد اور کوئی نہیں ہے۔ (البحر المحیط)

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وهذا من النعم الجليلة، وذلك لأن امير النفس هو القلب، فلما بين الله تعالىٰ انه ربط قلوب المومنين بمعنى انه قواها وازال الخوف عنها ذكرانه القى الرعب والخوف فى قلوب الكافرين فكان ذلك من اعظم نعم الله تعالىٰ على المومنين.

یعنی کافروں کے دلوں پر رعب کا ڈالنا بہت بڑی نعمتوں میں سے ہے۔ اس لئے کہ دل انسان کا حکمران ہے جب اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اس نے ایمان والوں کے دلوں کو مضبوط فرمادیا اوران سے خوف کو زائل فرمادیا تو ارشاد فرمایا کہ اس نے کافروں کے دلوں میں رعب اور خوف ڈال دیا ہے پس یہ ایمان والوں پہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام تھا۔ (التفسیر الکبیر)

اسباق

غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے لئے بے شمار اسباق ہیں اس آیت مبارکہ سے ایک طرف تو جہادی تربیت کی اہمیت معلوم ہوتی ہے کیونکہ اللہ پاک نے فرشتوں کو خود یہ تربیت عطا فرمائی۔ اور دوسری طرف یہ نکتہ معلوم ہوتا ہے کہ مجاہدین کو ایسی صفات اپنانی چاہییں جن کی بدولت میدان جہاد میں فرشتے ان کے ساتھ مل کر لڑیں اور اللہ تعالیٰ ان کے دشمنوں کے دلوں میں رعب ڈال دے۔ ظاہر بات ہے کہ جب دل دنیا کی محبت سے پاک ہوں، جہاد کی نیت خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور اس کے لئے جان قربان کرنے کا جذبہ دل میں پختہ ہو تو ایسے مجاہدین کے لئے فرشتے بھی نازل کئے جاتے ہیں اور دشمنوں کے دلوں میں ان کا رعب بھی ڈال دیا جاتا ہے۔ نیز اس میں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ مسلمانوں کو کافروں اور شیطانوں کے اتحاد سے نہیں گھبرانا چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر میدانِ جہاد میں نکلنا چاہیے، اللہ تعالیٰ بہت خاص طریقوں سے مجاہدین کی نصرت فرماتا ہے حتیٰ کہ فرشتوں تک کو نازل فرماتا ہے اور دشمنوں کے دلوں کو رعب میں جکڑ لیتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

☆☆☆

سُورَةُ الأَنفَالِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۳، ۱۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ

یہ اس لیے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے مخالف ہیں اور جو کوئی اللہ تعالیٰ

وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ

اور اس کے رسول کا مخالف ہو تو بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔ یہ تو چکھ لو اور جان

وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾

لو کہ بے شک کافروں کیلئے دوزخ کا عذاب ہے

خلاصہ

کافروں کو یہ سزا اس لئے دی جارہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن، مخالف اور باغی ہیں۔ اور یہ تو صرف سزا کا چکھایا جانا ہے اصل دردناک عذاب تو ان کے لئے آخرت میں تیار ہے۔

سب سے بڑے مجرم

ہر حکومت اپنے مخالفوں، دشمنوں اور باغیوں کو سزا دینا جائز سمجھتی ہے۔ کوئی بھی اسے ظلم قرار نہیں دیتا۔ جن درندوں اور انسانوں سے دوسرے انسانوں کی جانوں کو خطرہ ہو ان کو بھی مار دیا جاتا ہے اور اسے کوئی ظلم قرار نہیں دیتا۔ تو وہ کافر جو اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں، جو قانون الٰہی کو نہیں مانتے، جو مسلمانوں کی جان اور ایمان کے درپے ہیں، جو زمین کو کفر اور فساد سے بھرنا چاہتے ہیں، جو حق کو مٹا کر باطل کا غلبہ چاہتے ہیں ایسے بدترین لوگوں کو مارنا، ان کے مارنے کا حکم دینا اور ان کے مقابلے میں فرشتے نازل کرنا بھی ظلم نہیں بالکل عین انصاف اور عین عدل ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

مجاہدین کی شان

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ کافروں کو یہ سزا اس لئے دی گئی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اولیاء کی مخالفت کی اور ان کے مقابلے میں اترے۔

شَآقُّوا اللّٰهَ ای اولیائه۔ (القرطبی)

پس جو لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے لئے اترتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے مدمقابل کو اپنا دشمن قرار دیتا ہے اور اس کی ہلاکت کے لئے فرشتے اتارتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اصل عذاب باقی ہے

ان ھذا الذی نزل بھم فی ذلک الیوم شیء قلیل مما اعدہ اللہ لھم من العقاب فی القیمۃ۔ (التفسیر الکبیر)

یعنی بدر کے دن ان کافروں پر جو حالات آئے وہ اس عذاب کا بہت تھوڑا سا حصہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے قیامت میں تیار کر رکھا ہے۔

اسباق

اس آیت سے مسلمانوں کو بہت بڑا سبق ملا کہ دنیا میں سب سے بڑا اور سب سے قابل نفرت جرم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت ہے۔ پس جو لوگ کفر کرتے ہیں اور پھر اس کفر کی حمایت میں لڑتے ہیں اور مسلمانوں کو ختم کرنے کیلئے جنگ کرتے ہیں وہ لوگ دنیا کے سب سے بڑے مجرم ہیں۔ اگر ہر مسلمان اس نظریئے کو دل میں اتار لے اور دوستی اور دشمنی کے اس معیار کو سمجھ لے تو امت مسلمہ متحد اور طاقتور ہو جاتی ہے۔ اس آیت میں شَآقُّوا اللّٰہَ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ شِقّ ایک طرف کو کہتے ہیں۔ یعنی جن لوگوں نے ایمان اور مسلمانوں کی شق چھوڑ کر کفر اور دشمنی کی شق اختیار کی ہے وہ سزا کے مستحق ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک شق (طرف) اور ان کے دشمنوں کو دوسری شق (طرف) قرار دے کر مسلمانوں کو ایک امت، ایک ملت اور ایک جماعت بنا دیا اور ان کے لئے دوستی اور دشمنی کا بالکل واضح معیار مقرر فرما دیا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا دشمن ہے وہ مسلمانوں کا دوست نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح یہ آیت مسلمانوں میں جذبہ جہاد کو بھی زندہ کرتی ہے کہ اے مسلمانو! اگر تمہیں اللہ تعالیٰ سے محبت ہے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے تو پھر تم ان لوگوں کا مقابلہ کرو جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں۔ اگر کسی انسان کا محبوب اس کو کسی کے بارے میں بتا دے کہ وہ میرا بدترین دشمن ہے تو اس انسان کے دل میں اپنے محبوب کے دشمن کے لئے خود بخود شدید نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ بشرطیکہ اپنے محبوب کے ساتھ اس کی محبت سچی ہو۔ اسی طرح اس آیت میں جہاد کا عدل وانصاف ہونا بھی سمجھ میں آتا ہے کہ اسلام خواہ مخواہ کسی کی جان نہیں لیتا۔ یہ اسلام دشمن کافر اپنے جرم اور ظلم کی انتہا کو پہنچ گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت پر اتر آئے ہیں اس لئے ان کو مارنا روئے زمین پر اور تمام انسانیت پر احسان ہے۔ اسی طرح اس آیت سے یہ سبق بھی ملا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی خاطر جہاد میں نکلتے ہیں اور اپنی جان پیش کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے اتنے مقرب بن جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے دشمنوں کو اپنا دشمن قرار دیتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

☆☆☆

خلاصہ

مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ جہاد میں جنگ کے دوران دشمن کو پیٹھ دکھائیں یعنی میدان چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ جو مسلمان یہ سخت جرم کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا مستحق ہو جائے گا اور جہنم میں ڈالا جائے گا۔ ہاں جنگی چال چلنے کے لئے یا پیچھے اپنے لشکر میں آ کر قوت حاصل کرنے کے لئے ایسا کرنا جائز ہے۔

یہ حکم قیامت تک کے لئے ہے

بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ آیت میں جو حکم بیان کیا گیا ہے وہ غزوۂ بدر کے ساتھ خاص ہے۔ مگر جمہور کے نزدیک یہ حکم قیامت تک کے لئے ہے۔

ویروی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما وسائر العلماء ان الآیۃ باقیۃ الی یوم القیمۃ۔ (القرطبی)

صاحب تفسیر حقانی لکھتے ہیں:

ضحاک رحمہ اللہ (وغیرہم) کہتے ہیں کہ یہ حکم خاص جنگ بدر کے لئے تھا کیونکہ یہ اول جنگ تھی اور نیز یومئذ کی قید سے یہی سمجھا جاتا ہے۔ جمہور کے نزدیک یہ قول ضعیف ہے اور یومئذ سے مراد یوم الزحف (جنگ کا دن) ہے نہ یوم بدر اور جنگ بدر کے بعد یہ آیت اتری ہے اور اس کے لفظ عام ہیں۔ (تفسیر حقانی)

اس حکم کی مکمل وضاحت

احکام القرآن میں امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ نے اس آیت سے جو مسائل بیان فرمائے ہیں ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

❶ جس جنگ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود موجود ہوتے تھے اس میں مسلمانوں کے لئے کسی بھی حالت میں میدان سے بھاگنا جائز نہیں تھا۔

فهذا كان حكمهم اذا كانوا مع النبى صلى الله عليه وسلم قل عددالعدو أوكثر اذلم يحد الله فيه شيئًا۔

اس مسئلے کی دلیل کے طور پر انہوں نے سورۃ آل عمران آیت (۱۵۵) اور سورۃ توبہ آیت (۲۵) کو ذکر فرمایا ہے۔ (دونوں آیات ملاحظہ فرمالیں)

❷ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ میں موجود نہ ہوں تو مسلمانوں پر لازمی تھا کہ اپنے سے دس گنا دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کریں اور پیٹھ نہ پھیریں ہاں اگر دس گنا سے زائد ہوں تو قوت حاصل کرنے کے لئے پیچھے ہٹ سکتے ہیں جیسا کہ سورۃ الانفال آیت (۶۵) میں ہے۔

فكان على العشرين ان يقاتلوا المائتين ولا يهربوا عنهم، فاذا كان عدد العدو اكثر من ذلك اباح لهم التحيز الى فئة من المسلمين نصرة لمعاودة القتال۔

❸ پھر یہ حکم سورۃ الانفال کی آیت (۶۶) کے ذریعہ منسوخ ہوگیا اور مسلمانوں پر لازم کردیا گیا کہ اپنے سے دوگنا دشمن کے مقابلے سے نہ بھاگیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر ایک آدمی دو افراد کے مقابلے سے بھاگ گیا تو وہ فرار ہونے والا ہے اور اگر تین کے مقابلے سے بھاگ گیا تو وہ فرار ہونے والا نہیں۔ پس اگر مدمقابل لشکر دوگنا سے زائد ہو تو بھاگ کر واپس اپنے لشکر میں آنا تاکہ قوت حاصل کرکے پھر حملہ کرسکے یہ جائز ہے لیکن اگر کوئی اس صورت میں بھی بھاگ کر ایسے لوگوں کے پاس آیا جن سے اسے کوئی مدد نہیں مل سکتی تو وہ بھی آیت کی وعید میں شامل ہوگا۔

فكتب عليكم ان لايفرمائة من مائتين وقال ابن عباس رضى الله عنهما: ان فررجل من رجلين فقد فر وان فر من ثلاثة فلم يفر قال الشيخ يعنى بقوله "فقد فر" الفرارمن الزحف المراد بالآية، والذى فى الآية ايجاب فرض القتال على الواحد لرجلين من الكفار فان زاد عدد الكفار علىٰ اثنين فجائز حينئذٍللواحد التحيز الىٰ فئة من المسلمين فيها نصرة فاما ان اراد الفرار ليلحق بقوم من المسلمين لانصرة معهم فهو من أهل الوعيد المذكورفى قوله تعالىٰ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗ الآية۔

❹ اگر مسلمانوں کا لشکر بارہ ہزار کی تعداد میں ہوتو ان کے لئے میدان چھوڑ کر بھاگنا کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔ مگر یہ کہ وہ جنگی چال چلیں یعنی تحرُّف کے لئے پیچھے ہٹیں۔ تحرُّف یہ ہے کہ دشمن کو دھوکا دینے کے لئے جگہ بدلی جائے، تنگ جگہ سے کشادہ جگہ آیا جائے یا کشادہ جگہ سے ہٹ کر تنگ جگہ دشمن کو گھیرا جائے یا دشمن پر خفیہ گھات لگائی جائے۔ الغرض کوئی بھی جنگی چال اور تدبیر مقصود ہو تو وہ تحرُّف کہلاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب مجاہدین کی تعداد بارہ ہزار ہو تو ان کے لئے دشمن کے مقابلے سے بھاگنا جائز نہیں ہے خواہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہو۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بارہ ہزار کا لشکر قلت کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتا اور ایک روایت میں ہے کہ بارہ ہزار کا لشکر اگر متحد ہو تو اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔

فاذا بلغوا اثنی عشر الفاً فان محمد بن الحسن ذكر ان الجيش اذا بلغوا كذلك فليس لهم ان يفروا من عدوهم وان كثر عددهم، ولم يذكر خلافا بين اصحابنافيه، واحتج بحديث الزهری عن عبيد الله بن عبد الله ان ابن عباس قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم خير الاصحابِ اربعة وخيرالسرايا اربع مائة وخير الجيوش اربعة آلاف، ولن يوتیٰ اثنا عشر الفا من قلة ولن يغلب" وفی بعضها: "ماغلب قوم يبلغون اثنی عشر ألفاًاذا اجتمعت كلمتهم وذكر الطحاوی أن مالكا سئل فقيل له: ايسعنا التخلف عن قتال من خرج عن احكام الله وحكم بغيرها؟ فقال له مالك: ان كان معك اثنا عشر الفا مثلك لم يسعك التخلف والا فأنت فی سعة من التخلف وكان السائل له عبدالله بن عمر بن عبد العزيز بن عبد الله بن عمر وهذا المذهب موافق لماذكر محمد بن الحسن۔ والذی روی عن النبی صلی الله عليه وسلم فی اثنی عشر الفافهو اصل فی هذا الباب وان كثر عددالمشركين، فغير جائز لهم ان يفروا منهم وان كانوا اضعافهم لقوله صلی الله عليه وسلم اذا جتمعت كلمتهم وقد اوجب عليهم بذلك جمع كلمتهم۔ (احكام القرآن)

میدان جنگ سے بھاگنا حرام ہے

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

حرم الله ذلك علی المومنين حين فرض عليهم الجهاد وقتال الكفار۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر مقابلے کے وقت بھاگنا حرام فرما دیا ہے جب ان پر جہاد اور کافروں سے لڑنا فرض ہو۔ (القرطبی)

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اجتنبوا السبع الموبقات۔

یعنی ان سات گناہوں سے بچو جو ہلاک کرنے والے ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان جہاد سے مقابلہ کے وقت بھاگنے کو بھی ان میں سے شمار فرمایا ہے۔ (القرطبی)

وعن ابن عباس رضی اللہ عنهما الفرار من الزحف من اکبر الکبائر۔ یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جہاد میں مقابلے سے بھاگنا بہت بڑا کبیرہ گناہ ہے۔ (البحر المحیط)

دشمنوں کی تعداد اگر دگنی سے زیادہ ہو تو پیچھے ہٹنا اگرچہ جائز ہے مگر اس وقت بھی زیادہ افضل ڈٹ کر لڑنا ہے۔

فمهما كان فی مقابلة مسلم اكثر من اثنين فيجوز الانهزام، والصبر احسن۔ (القرطبی)

یہ عبارت لکھنے کے بعد امام قرطبی رحمہ اللہ نے غزوہ موتہ کا ذکر چھیڑا ہے جس میں تین ہزار مسلمانوں نے دو لاکھ دشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا...... اور طارق بن زیادہ رحمہ اللہ کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے تفسیر قرطبی

زبردست جنگی تدبیر

آیت مبارکہ میں ایک طرف تو مسلمانوں کو مقابلے میں پیٹھ پھیرنے سے سخت نفرت دلائی گئی ہے تاکہ وہ پوری قوت اور استقامت سے ڈٹ کر مقابلہ کریں۔ دوسری طرف انہیں جنگ کے دو اہم اصول سکھائے گئے ہیں۔:

❶ تَحَرُّفْ ❷ تَحَیُّزْ۔

تَحَرُّفْ: یعنی خوب تدبیر، چالبازی اور پینترے بدل بدل کر حملہ کرنا اور ہر آن نئی حکمت عملی سے دشمن کو نقصان پہنچانا۔ اس پورے نظام کو تَحَرُّفْ کے جامع لفظ سے بیان فرمایا ہے۔

التَحَرُّفُ : الزوال عن جهة الاستواء فالمتحرف من جانب الى جانب لمكايد الحرب غير منهزم۔ (القرطبی)

تَحَیُّزْ: یعنی دوسرا کام یہ ہے کہ مجاہدین کی کمر مضبوط رکھنا میدان جنگ کے پیچھے ایسا نظام قائم کرنا کہ مجاہدین وہاں پہنچ کر مضبوط ہو سکیں اور نئی مدد اور کمک حاصل کر کے دشمن پر دوبارہ حملہ کر سکیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات مبارکہ اور پورے مدینہ منورہ کو مجاہدین کا فئة بنا دیا تھا۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی نظام قائم فرمایا تھا۔ اس نظام کی بدولت مسلمانوں کا جہاد کبھی کمزور نہیں ہو سکتا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

قرآنی ماحول

میدان جنگ میں ڈٹ کر لڑنا اور پیٹھ نہ پھیرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ قرآن پاک نے اس مشکل حکم کو آسان بنانے کے لئے اسے بیان کرنے سے پہلے ایک زبردست ماحول قائم فرمایا۔ اس آیت سے پہلے والی آیات پڑھ کر دیکھ لیجئے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا خود اپنے نبی کو جہاد میں نکالنا، جہاد کا مقصد حق کا حق ہونا سب پر آشکارہ کرنا، جہاد میں فرشتوں کا اترنا، کافروں اور مشرکوں کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہونا، ان تمام باتوں کو بیان فرما کر حکم دیا

گیا کہ میدان جہاد سے پیٹھ پھیرنا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرض سے منہ موڑنا، حق کو مغلوب دکھانا، کافروں کا حوصلہ بڑھانا، شہادت کی موت سے بھاگنا، فرشتوں کے سامنے مسلمانوں کو رسوا کرنا اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو مسلمانوں پر ہنسانا کہاں جائز ہوسکتا ہے؟ ابتدا سے تمام آیات کو پڑھتے جائیے ہر آیت مسلمانوں میں جہاد کے لئے ہمت اور ثابت قدمی پیدا کرتی ہے۔ اور اس کے لئے جان دینے کو بھاگنے کی بنسبت آسان بناتی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

جرم پر استغفار

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جس سے یہ جرم سرزد ہوگیا ہو یعنی وہ مقابلے سے بھاگا ہو تو اسے چاہیے کہ استغفار کا اہتمام کرے جیسا کہ حدیث شریف سے ثابت ہے:

فان فر فليستغفر الله عزوجل: روى الترمذى عن بلال بن يسار بن زيد قال: حدثنى ابى عن جدى سمع النبى صلى الله عليه وسلم يقول. من قال استغفرالله الذى لااله الا هوالحى القيوم واتوب اليه غفر الله له وان كان قد فر من الزحف. (القرطبی)

اسباق

آیت مبارکہ میں بہت سے اسباق ہیں مثلاً:

❶ مسلمانوں کی ایسی قلبی، ذہنی، اور جسمانی تربیت کی جائے کہ وہ جہاد میں ڈٹ کر لڑ سکیں اور پیٹھ پھیر کر اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق نہ ہوں۔

❷ ہر مسلمان کی کم از کم اتنی جہادی تربیت ضرور ہو کہ وہ دو افراد کا مقابلہ کر سکے۔ (اشارۃً)

❸ مجاہدین کا تعلق باللہ مضبوط ہو، ان کے مقاصد بلند ہوں، ان کے عزائم اونچے ہوں اور انہیں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شوق ہو تو وہ میدان میں ڈٹ کر لڑ سکتے ہیں۔

❹ جہاد میں پینترے بدل بدل کر حملہ کرنا چاہئے۔

❺ میدان جنگ سے قریب ایسی چھاؤنیاں اور معسکر بنانے چاہییں جو مجاہدین کو پناہ و کمک دے سکیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

الحاق

ملاحظہ فرمائیے یہ مفید عبارت:۔

”جنگ میں کامیابی کے لئے اولین قانون یہ ہے کہ ﴿يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ﴾ کا صحیح نقشہ سامنے آجائے، کوئی سپاہی اپنی جگہ سے نہ ہٹے اور پہاڑ کی طرح جم جائے“۔ دشمن کو پشت دکھانا اور میدان جنگ سے منہ موڑنا یہ معنیٰ رکھتا ہے کہ اپنی جان بچانا مقصود ہے، ایک شخص کے بھاگنے سے تمام فوج بھاگنا شروع کر دے گی، دشمن غالب آجائے گا اور مسلمان دوسروں کے غلام بن جائیں گے، یہی وجہ ہے کہ شریعت

نے اس کو اعظم ترین جرائم میں سے شمار کیا، اس کے ارتکاب پر غضب الٰہی کے نزول سے ڈرایا اور اس کے مرتکب کو دوزخ کی وعید سنائی اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ ایک شخص کے بھاگنے سے فوج کی نظم و ترتیب (ڈسپلن) جاتی رہے گی، رعب میں فرق پڑ جائے گا اور سب کے سب مسلمان مبتلائے آلام و مصائب ہونگے، لسان نبوت نے اس فرار عن الزحف کو اکبر الکبائر میں شمار کیا، چنانچہ بخاری میں آتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ترجمہ) سات مہلک چیزوں سے بچو لوگوں نے پوچھا وہ کون سی چیزیں ہیں آپ نے جواب دیا کہ ❶ شرک باللہ ❷ جادو ❸ نفس انسانی کا قتل جس کو خدا نے حرام قرار دیا ہے البتہ جہاں قانون اس کے قتل کا فیصلہ کر دے تو کوئی گناہ نہیں۔ ❹ سود کا کھانا۔ ❺ یتیم کا مال کھانا۔ ❻ لڑائی کے دن میدان جنگ سے بھاگنا۔ ❼ شریف و پاکدامن مسلمان عورتوں پر تہمت لگانا۔

حافظ ابوالقاسم طبرانی، ثوبان رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ جو شخص ان تین جرائم کا مرتکب ہو اس کا کوئی عمل صالح مفید و نافع نہ ہوگا الشرک باللہ وعقوق الوالدین والفرار من الزحف امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں بشیر بن معبد سے روایت کیا ہے کہ وہ بیعت کی غرض سے دربار رسالت میں حاضر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند شرائط پیش کیں، جن میں سے ایک شرط یہ تھی کہ ان اجاهد فی سبیل اللہ (کہ میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کروں گا) بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے فرار عن الزحف کے خوف سے اس شرط ماننے سے انکار کیا تو آپ نے فرمایا فبم تدخل الجنۃ پھر جنت میں کیسے داخل ہوگے اس پر میں نے اس شرط کو بھی قبول کر لیا اور بیعت سے شرف اندوز ہوا۔ قرآن حکیم نے بھاگنے کی صرف دو صورتوں میں اجازت دی ہے:
(الف) لڑائی کے لئے موجودہ مقام مناسب نہ ہو اور ماہرین فنِ حرب کے مشورہ سے اس کا تبدیل کرنا ضروری معلوم ہو (ب) خیال یہ ہو کہ اور زیادہ فوج لیکر دشمن پر حملہ کیا جائے۔ ان دونوں صورتوں میں بھاگنا جائز ہے لیکن ظاہر ہے کہ اگرچہ اس میں صورت تو بھاگنے کی ہے مگر اس نام سے اس کو تعبیر نہیں کیا جا سکتا، بہرحال اتنی بات معلوم ہوگئی کہ قانونِ جنگ اور ماہرینِ فن کی رائے سے جہاں بھاگنا ضروری ہوگا شریعت اس پر ہرگز مؤاخذہ نہ کرے گی۔ جرم اس صورت میں ہوگا جبکہ اپنی جان بچانے کی فکر ہوگی۔ (تفسیر الفرقان)

☆☆☆

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۷، ۱۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ

سو تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قتل کیا اور تو نے مٹی نہیں پھینکی جب کہ پھینکی تھی

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا اِنَّ

بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھی اور تاکہ ایمان والوں پر اپنی طرف سے خوب احسان کرے بے شک

اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾

اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔ یہ تو ہو چکا اور بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنے والا ہے

خلاصہ

غزوۂ بدر میں جو مشرک قتل ہوئے انہیں حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے قتل فرمایا اور خاک کی وہ مٹھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی طرف پھینکی وہ بھی حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔ یہ سب اس لئے ہوا تاکہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر خوب احسان فرمائے، انہیں عظیم الشان فتح اور غلبے کی نعمت عطاء فرمائے۔ اور دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی قوت اور سازش کو کمزور فرمانے والا ہے۔

عظیم الشان نعمت

ان آیات میں بَلَآءً کے معنیٰ احسان اور نعمت کے ہیں۔

البلاء ههنا النعمة۔ (القرطبی) یعنی بَلَآءً یہاں پر نعمت کے معنیٰ میں ہے والمراد من هذا البلاء الانعام أي ينعم عليهم نعمة عظيمة بالنصرة والغنيمة والا جرو الثواب۔

یعنی یہاں بَلَآءً سے مراد انعام ہے کہ اللہ پاک نے انہیں نصرت، غنیمت، اجر اور ثواب کا بڑا انعام دینا تھا۔ (التفسیر الکبیر)

وقيل بالشهادة لمن استشهد يوم بدر۔

اور ایک قول یہ ہے کہ اس بہترین انعام سے مراد شہادت ہے جو غزوۂ بدر میں چودہ حضرات کو نصیب ہوئی۔ (البحر المحیط)

خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ پاک نے مسلمانوں کی نصرت فرمائی، ان کے دشمنوں کو قتل فرمایا اور خاک کی ایک مٹھی کو پورے لشکر کی آنکھوں تک پہنچایا۔ یہ سب کچھ اس لئے تھا تاکہ مسلمانوں کو بہت بڑی نعمت دی جائے اور ان پر کشش

احسان فرمایا جائے۔ پس مسلمان جب بھی غزوۂ بدر کی ترتیب پر آئیں گے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بلاء حسن اور عطاء جمیل کے امیدوار ہوں گے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

عُجُب اور انانیت کا خاتمہ

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

روی أن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لماصدروا عن بدر ذکر کل واحد منھم مافعل: قتلت کذا، فعلت کذافجاء من ذلک تفاخر ونحو ذلک...... الخ۔ (القرطبی)

صاحب تفسیر حقانی اسی بات کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں ”مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کے نزول کا سبب یہ ہوا کہ بدر کے بعد بعض کہتے تھے کہ میں نے یوں کیا، کوئی کہتا تھا کہ میں نے بہادری کی تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ یہ سب کچھ اُس (یعنی اللہ تعالیٰ) کے فضل سے ہوا بلکہ نبی علیہ السلام نے بھی جو بوقت مقابلہ ایک ریت اور کنکروں کی مٹھی پھینکی تھی کہ جس سے وہ سب آنکھیں ملتے رہ گئے جس سے مسلمانوں نے ان کا کام تمام کیا یہ بھی ہمارے یدِ قدرت کا کام تھا اس جملہ سے ہمیشہ کے لئے عُجُب اور انانیت کا خاتمہ کر دیا۔ (تفسیر حقانی)

جہاد میں فتح کے بعد اگر ذاتی بہادری کے قصے زور پکڑ جائیں اور اللہ تعالیٰ کی نصرت کا تذکرہ کم ہو جائے تو اس سے ”جہادی نظریے“ کو سخت ٹھیس پہنچتی ہے۔ اور مسلمان اللہ تعالیٰ کو بھلا کر افراد کی قوت اور تدبیر پر نظر کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ جب یہ افراد نہیں رہتے یا قوت کمزور ہوتی ہے تو پھر وہ جہاد میں نہیں نکلتے۔ اس لئے ان کو سمجھایا گیا کہ تم نے کچھ بھی نہیں کیا۔ تم تو بس اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے اپنی جان کا نذرانہ لے کر نکلے تب اللہ تعالیٰ نے تم پر اپنے احساناتِ عالیہ کی بوچھاڑ فرما دی۔ اور اس نے ہی تمہیں اجر و ثواب دینے کے لئے کافروں کے قتل اور ہزیمت کا سبب بنایا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کو اس کی کیا ضرورت ہے؟ یہ اس کا احسان ہے کہ اُس نے تم سے وہ کام لیا جو وہ فرشتوں سے لیا کرتا تھا۔ یعنی اپنے دشمنوں کو تمہارے ہاتھوں سے عذاب دیا۔ اور انہیں قتل کروایا۔ اس لئے اپنی ذات اور کارنامے پر نظر نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کو یاد رکھو اور اس بات کا یقین کر لو کہ جہاد میں جو نصرت آتی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ موجود ہے اس لئے اسی پر بھروسہ کر کے ہمیشہ جہاد میں نکلتے رہو۔ (واللہ اعلم بالصواب)

رمی یعنی پھینکنے کے واقعات

رمی کہتے ہیں پھینکنے کو اور پھینک کر مارنے کو۔ اس آیت میں کس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

غزوہ بدر میں کنکریوں کی مٹھی پھینکنے کی طرف؟

غزوہ حنین میں خاک کی مٹھی پھینکنے کی طرف؟

غزوہ اُحد میں ابی بن خلف کو نیزہ مارنے کی طرف؟

غزوہ خیبر میں مارے گئے اس تیر کی طرف جو یہودی سردار ابن ابی الحقیق کو لگا؟

مفسرین نے چاروں اقوال لکھے ہیں اور ترجیح پہلے قول کو دی ہے کہ یہ غزوۂ بدر کا واقعہ ہے۔

وذلك ان جبريل عليه السلام قال للنبى صلى الله عليه وسلم خذ قبضة من التراب فاخذ قبضة من التراب فرمىٰ بها وجوههم فما من المشركين من احد الا واصاب عينيه ومنخريه وفمه تراب من تلك القبضة وقاله ابن عباس۔ (القرطبی)

ایک ایمان افروز اشارہ

حضرت لاہوری رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

تم فقط جم کر کھڑے رہو اور اپنی وسعت کے مطابق کام کرتے جاؤ فتح تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوگی۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

یعنی مسلمان جب جان کی قربانی کے لئے خود کو پیش کر دیتے ہیں۔ اور دشمنان اسلام کے مقابلے میں اتر آتے ہیں تو باقی کام اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ وہی حقیقت میں دشمنوں کو قتل کرتا ہے اور وہی کفار کے لشکروں کو شکست دیتا ہے۔ ظاہری طور پر اگرچہ قتل وغیرہ کی نسبت مجاہدین کی طرف ہوتی ہے مگر حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی مجاہدین کے کمزور اعمال میں قوت اور تاثیر ڈالتا ہے اور وہی ان کی طرف سے جہاد و قتال میں کافی ہو جاتا ہے۔ بس یہ اس کا کتنا بڑا احسان ہے کہ کرتا وہ ہے اور اجر مجاہد کو دیتا ہے۔ اور کرواتا مجاہد سے ہے اور نسبت اپنی طرف کرتا ہے۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ (واللہ اعلم بالصواب)

کلام برکت

جب شدت جنگ ہوئی تب حضرت (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک مٹھی کنکریاں اس لشکر کی طرف پھینکیں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہر کسی کی آنکھ میں خاک پہنچی اس کے بعد شکست کھائی۔ یہ فرمایا کہ مسلمان سمجھیں کہ فتح ہماری قوت سے نہیں سب اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہے تو کسی بات میں اپنا دخل نہ کریں۔ (موضح القرآن)

ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ

ترجمہ: یہ تو ہو چکا اور بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنے والا ہے۔ ذٰلِكُمْ سے مراد وہ عظیم احسان ہے جو مسلمانوں پر فرمایا:

اشارة الى البلاء الحسن۔ (البحر المحيط)

یعنی غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ کی یہ ساری نصرتیں اس لئے ہوئیں تا کہ مسلمانوں پر احسان ہو اور کافروں کی قوت کو توڑ دیا جائے۔

یعنی الغرض ابلاء المؤمنین وتوھین کیدا لکافرین۔ (البحر المحیط)

اللہ تعالیٰ کافروں کو کس طرح سے کمزور فرماتا ہے۔ چند عبارات ملاحظہ فرمائیں:

❶ والمعنیٰ أن اللہ عزوجل یلقی فی قلوبھم الرعب حتی یتشتتوا ویتفرق جمعھم فیضعفوا والکید المکر۔ (القرطبی)

یعنی مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیتا ہے جس سے وہ بکھر جاتے ہیں اوران کی وحدت ٹوٹ جاتی ہے پس وہ کمزور ہوجاتے ہیں یہاں کید سے مراد مکر یعنی سازش وتدبیر ہے۔

❷ توھین اللہ تعالیٰ کیدھم یکون باشیاءَ باطلاع المومنین علیٰ عوراتھم والقاء الرعب فی قلوبھم،وتفریق کلمتھم، ونقض ماابرموا بسبب اختلاف عزائمھم۔ (التفسیر الکبیر)

اللہ تعالیٰ کافروں کی تدبیر کوکئی طریقوں سے کمزور فرماتا ہے۔ (مثلاً) مسلمانوں کوان کی کمزوریوں پر مطلع فرمادیتا ہے ان کے دلوں پر رعب ڈال دیتا ہے ان کے درمیان اختلاف ڈال دیتا ہے۔ ان کے ارادوں میں اختلاف ڈال کر ان کی پوری ترتیب کوتوڑ دیتا ہے۔

نکتہ

مطلب یہ ہوا کہ کافر جس قدر بھی قوت بنالیں اور جس قدر بھی مضبوط سازش تیار کرلیں اللہ تعالیٰ ان کی قوت اورسازش کوتوڑ دیتا ہے۔

تفسیر عثمانی میں ہے:

یعنی اس وقت بھی خدا نے کفارِ مکہ کے سب منصوبے خاک میں ملادیئے اور آئندہ بھی ان کی تدبیروں کو سست کردیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت لاہوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے کہ اعداء اسلام کی قوت پامال ہوجائے۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

ان دونوں آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مسلمان اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر، اس کی رضا کی خاطر دشمنانِ اسلام کے مقابلے میں اترتے ہیں تو اللہ پاک کی نصرت خود میدان میں لڑتی ہے۔ تب مسلمانوں کو فتح اور اجر کا انعام دیا جاتا ہے اور کافروں کی طاقت اور سازش کوتوڑ دیا جاتا ہے۔ پس مسلمانوں کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ کافروں کی طاقت اوران کی سازشوں کارونا روتے رہیں اور گھر بیٹھ کر اعداد وشمار جمع کرکے خوف سے کانپتے رہیں۔ بلکہ ان کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر توکّل کرکے میدان میں اتریں اور اس بات کا یقین رکھیں کہ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ اللہ تعالیٰ کافروں کے مکر اوران کی سازش کو مکڑی کے جالے کی طرح کمزور اور بے وقعت بنادے گا۔ پس وہ مفکرین جو ہر وقت کافروں کی ترقی اور طاقت سے مسلمانوں کو ڈراتے رہتے ہیں اس آیت پر غور فرمائیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

❶ جہاد میں جو کامیابی مسلمانوں کو ملتی ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی نصرت کا نتیجہ ہوتی ہے۔

❷ جہاد اللہ تعالیٰ پر توکّل کے زور پر لڑا جاتا ہے اور اسی کی نصرت سے کامیاب ہوتا ہے پس مسلمان اللہ تعالیٰ پر توکّل کر کے جہاد میں نکلتے رہیں۔

❸ مجاہدین کو فتح کے بعد عُجُب، فخر اور انانیت سے بچنا چاہئے۔

❹ مسلمانوں کو دشمنانِ اسلام کے مدمقابل آنا چاہیے تاکہ انہیں اللہ تعالیٰ کا احسان نصیب ہو اور اللہ تعالیٰ کافروں کی تدبیر اور طاقت کو توڑ دے۔

❺ مجاہدین سے اللہ تعالیٰ اتنی محبت فرماتا ہے کہ کرتا خود ہے اور اجر ان کو دیتا ہے اور کرواتا ان سے ہے اور نسبت اپنی طرف فرماتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

حوالہ

کرتا خود ہے اور اجر مجاہدین کو دیتا ہے۔ اس جملے کا پورا مطلب سمجھنے کے لئے اس آیت پر تفسیر بیان القرآن کی تقریر ملاحظہ فرمائیں۔ اور کرواتا ان سے ہے اور نسبت اپنی طرف فرماتا ہے۔ اس جملے کی وضاحت کے لئے اس آیت پر تفسیر الفرقان کی تقریر ملاحظہ فرمائیں۔

سُوْرَةُ الْاَنْفَال مَدَنِيَّة آیت ۱۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ

اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو تمہارا فیصلہ آچکا اور اگر باز آؤ تو تمہارے لیے

خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ

بہتر ہے اور اگر پھر بھی کرو گے تو ہم بھی پھر بھی کریں گے اور تمہاری جمعیت تمہارے ذرا بھی کام نہ آئے گی

شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾

اگرچہ وہ بہت ہوں اور بے شک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے

خلاصہ

غزوۂ بدر کی وجہ سے مشرکین کا گھمنڈ اور مغالطہ ٹوٹ گیا۔ وہ خود کو حق پر سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے فیصلہ مانگتے تھے۔ اب غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا ہے اور جو حق ہے اس کو غالب فرمادیا ہے۔ اب مشرکین کو چاہیے کہ کفر و شرک سے باز آ کر اسلام قبول کریں اور خیر پائیں لیکن اگر وہ باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ پھر ایمان والوں کی نصرت فرمائے گا اور انہیں غلبہ دے گا۔ اور مشرکین کے بڑے لشکر اور جتھے ان کے کچھ کام نہ آئیں گے۔ اس لئے کہ یہ قانون اٹل ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔

شانِ نزول

بعض حضرات کے نزدیک اس آیت میں خطاب مسلمانوں سے ہے لیکن زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ خطاب مشرکین سے ہے۔

والصحیح انه خطاب للکفار۔ (القرطبی)

القول الاول وهو قول الحسن ومجاهد والسدی انه خطاب للکفار۔ (التفسیر الکبیر)

❶ فانهم لما نفروا الی نصرة العیر تعلقوا باستار الکعبة وقالوا اللهم انصرا هدی الطائفتین، وافضل الدینین۔ (القرطبی)

یعنی مشرکین مکہ جب اپنے قافلے کی مدد کے لئے لشکر بنا کر نکلنے لگے تو کعبہ شریف کے پردوں سے چمٹ کر یہ دعاء کرنے لگے اے ہمارے پروردگار دونوں جماعتوں میں سے جو ہدایت یافتہ جماعت ہے اور دونوں دینوں میں سے جو افضل دین ہے اس کی نصرت فرما۔

(آیت میں بتایا گیا کہ تمہاری دعاء قبول ہوئی اور ہدایت یافتہ جماعت اور افضل دین کو فتح مل گئی)

❷ وروی انه قال اللهم اینا کان اقطع للرحم وافجر فاهلکه الغداة۔ (التفسیر الکبیر)

روایت ہے کہ ابوجہل نے ان الفاظ میں دعاء کی۔ اے ہمارے پروردگار ہم (مشرکوں اور مسلمانوں) میں سے جو قطع رحمی کرنے والا اور زیادہ نافرمان ہو اسے کل ہلاک کر دے۔

❸ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

مکے کی سورتوں میں ہر جگہ کافروں کا کلام نقل فرمایا کہ ہر گھڑی کہتے ہیں متیٰ ھذا الفتح یعنی کب ہوگا یہ فیصلہ؟ سو اب فرمایا کہ یہ فیصلہ آ پہنچا اور اگر باز آؤ یعنی کفر سے (تو تمہارے لئے بہتر ہے) اور اگر پھر کرو گے یعنی لڑائی تو ہم پھر کریں گے یعنی مدد۔ (موضح القرآن)

اب تم نے دلیل دیکھ لی ہے

جہاد میں فتح کے بعد کافروں کو آسانی سے اسلام کی دعوت دی جا سکتی ہے کیونکہ اگر وہ پہلے خود کو حق پر سمجھتے تھے تو اب ان کا مغالطہ دور ہو گیا ہے اور اگر وہ اسلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تائید دیکھنا چاہتے تھے تو وہ بھی ان کو نظر آ چکی ہے۔ حضرت لاہوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

کفار سے کہہ دو کہ اگر تم اسلام کے حق میں تائید الٰہی دیکھنا چاہتے تھے تو دیکھ چکے اگر پھر سر اٹھاؤ گے تو اسی طرح کچلے جاؤ گے تمہاری مادی طاقت اللہ تعالیٰ کی طاقتوں کے مقابلے میں بے کار ہے اللہ تعالیٰ مؤمنوں کی حمایت میں ہے۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

''یہ خطاب کفار مکہ کو ہے، وہ ہجرت سے پہلے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کرتے تھے مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ یعنی ہمارے تمہارے درمیان یہ فیصلہ کب ہوگا؟ سو پورا فیصلہ تو قیامت کے دن ہوگا مگر ایک طرح کا فیصلہ آج میدان بدر میں بھی تم نے دیکھ لیا کہ کیسے خارق عادت طریق سے تم کو کمزور مسلمانوں کے ہاتھوں سے سزا ملی۔ اب اگر نبی علیہ السلام کی مخالفت اور کفر و شرک سے باز آ جاؤ تو تمہارے لئے دنیا و آخرت کی بہتری ہے۔ ورنہ اگر پھر اسی طرح لڑائی کرو گے تو ہم بھی پھر اسی طرح مسلمانوں کی مدد کریں گے اور انجام کار تم ذلیل و خوار ہو گے۔ جب خدا کی تائید مسلمانوں کے ساتھ ہے تو تمہارے جتھے اور جماعتیں خواہ کتنی ہی تعداد میں ہوں کچھ کام نہ آئیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے

آیت کے آخر میں ایک ''اٹل قانون'' ارشاد فرما دیا کہ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ای من کان اللہ فی نصرہ لم تغلبہ فئۃ وان کثرت۔

یعنی اللہ تعالیٰ جس کا مددگار ہو اس پر کوئی جماعت غالب نہیں آسکتی خواہ وہ بہت بڑی جماعت ہو۔ (القرطبی)

یہ آیات غزوہ بدر کے بعد نازل ہوئیں اور اس میں مستقبل کا پورا نقشہ بیان فرما دیا گیا۔ حالانکہ ابھی مشرکین کی طاقت کافی حد تک باقی تھی۔ اُحد، خندق اور حنین میں انہوں نے اس طاقت کا بھرپور مظاہرہ بھی کیا۔ جبکہ مسلمان ابھی تک کمزور تھے ان حالات میں تمام مشرکین کو اسلام کی دعوت اور دوبارہ جنگ کرنے کی صورت میں تباہی کی دھمکی دی جارہی ہے۔ اور اعلان کیا جارہا ہے کہ اب مسلمان غالب ہو کر رہیں گے۔ غزوہ بدر کے بعد کئی مرحلے اور اتار چڑھاؤ آئے مگر پھر ساری دنیا نے دیکھ لیا کہ اسلام غالب آگیا۔ مسلمان جزیرہ عرب پر چھا گئے اور شرک اور مشرکین مٹ کر رہ گئے۔ غزوہ بدر کے ساتھ اس آیت کو جوڑنے سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ مسلمان جب بھی جہاد کا احیاء کریں گے اور غزوہ بدر کی ترتیب پر آئیں گے تو ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اسباق

❶ مسلمان اگر کمزور ہوں تو کافروں کو یہ شبہ ہونے لگتا ہے کہ وہ (کافر) حق پر ہیں اس لئے جہاد کے ذریعے ان کی قوت توڑی جائے تاکہ ان کا مغالطہ دور ہو اور وہ کفر و شرک سے باز آجائیں۔

❷ جہاد میں مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی نصرت والی معیت نصیب ہوتی ہے۔ مجاہدین اگر ''اللہ تعالیٰ کے ساتھ'' ہونے کا یقین دل میں رکھ کر جہاد کریں تو عجیب و غریب قوت، برکت اور نصرت اپنے ساتھ محسوس کریں۔

........ان اللہ معنا........ان معی ربی........اللہ معنا........

بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے...... یقیناً میرا رب میرے ساتھ ہے...... اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے......

یہ بہت نفع مند اور اہم ترین سبق ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۲۰:۲۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حکم مانو

وَ اَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ

اور سن کر اس سے مت پھرو۔ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جنہوں نے کہا ہم نے سن لیا

لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور وہ سنتے نہیں

خلاصہ

ایمان والوں پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد کا حکم سن کر منہ نہ موڑیں (بلکہ حکم جہاد اور تمام احکامات کو پورا کریں) اور ان مشرکوں، منافقوں اور یہودیوں کی طرح نہ بنیں جو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا ہے حالانکہ وہ نہیں سنتے یعنی عمل نہیں کرتے۔

ربط

ان آیات کا پچھلے مضمون سے ربط کئی طریقے پر ہو سکتا ہے۔

❶ پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے تو اس آیت میں سمجھایا گیا کہ صرف ایمان کا دعویٰ کرنے سے اللہ تعالیٰ کی نصرت اور معیت نہیں ملتی اس کے لئے ضروری ہے کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بھرپور اطاعت کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جہاد کا حکم دیں تو فوراً نکل پڑو۔ اور کافروں اور منافقوں کی طرح نہ بنو کہ کانوں سے سن تو لو مگر عمل نہ کرو۔

❷ پچھلی آیات میں کافروں کا برا انجام بتایا گیا اور ان کی صفت یہ بیان ہوئی کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نافرمان ہیں۔ تو اب مسلمانوں کو بتایا جا رہا ہے کہ تم اگر کافروں کی طرح ذلیل ورسوا اور مغلوب ہونے سے بچنا چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بھرپور اطاعت کرو اور کافروں کے طریقے پر نہ چلو۔

❸ پچھلی آیات میں فرمایا گیا کہ جب تم نے میدان جہاد میں اللہ تعالیٰ کو پکارا تو اس نے تمہاری پکار سنی اور تمہاری دعاء کو قبول فرمایا اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اب تمہارا بھی فرض بنتا ہے کہ تم اس کے احکامات کو سنو اور ان پر عمل کرو۔

جہادی معارف

❶ امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس آیت میں فرمایا گیا وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ اَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ کہ تم سن کر روگردانی نہ کرو۔ تو اس سننے سے کس بات کا سننا مراد ہے؟ فرماتے ہیں:

ان الکلام من اول السورة الی هنا لما کان واقعافی الجهاد علم ان المراد وانتم تسمعون دعائه الی الجهاد.

یعنی سورۃ کی ابتداء سے چونکہ جہاد کی بات چل رہی ہے تو اس لئے وَ اَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ کا معنیٰ یہ ہے کہ تم ان کے جہاد کی طرف بلانے کی پکار سن کر روگردانی نہ کرو۔

کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ آیت کا معنیٰ یوں ہے: اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فی الاجابة الی الجهاد، و فی الاجابة الی ترك المال اذا امره الله بترکه.

یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو جہاد کا حکم پورا کرنے میں اور اموال غنیمت چھوڑنے میں جب اللہ تعالیٰ انہیں چھوڑنے کا حکم دے۔ (التفسیر الکبیر)

❷ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ اور روگردانی نہ کرو۔ اس سے، یعنی اطاعت سے، ضمیر حکم جہاد کی جانب ہے۔

الضمیر للجهاد اوالامر الذی دل علیه الطاعة. (بیضاوی) وقیل الضمیر للجهاد (روح المعانی، تفسیر ماجدی)

❸ حضرت لاہوری رحمہ اللہ ان دو آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

میدانِ جنگ میں قانون الٰہی کو دستور العمل بناؤ اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ مبارکہ کے مطابق کاربند رہو۔ اطاعت میں زبانی جمع خرچ ہی نہ ہو بلکہ عمل کر کے دکھاؤ۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

❹ امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَلَا تَوَلَّوْا لان التولی انما یصح فی حق الرسول بأن یعرضوا عنه وعن قبول قوله و عن معونته فی الجهاد.

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روگردانی کا مطلب آپ کی بات نہ ماننا اور جہاد میں آپ کے ساتھ تعاون نہ کرنا ہے۔ (التفسیر الکبیر)

❺ امام ابو حیان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ولما کانت الایة قبلها مسوقة فی امر الجهاد قیل: معنیٰ اطیعوه فیما یدعوکم الیه من الجهاد. یعنی سیاق کو دیکھتے ہوئے آیت کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ جہاد پر لبیک کہو۔ (البحر المحیط)

ربط کے بارے میں دو حوالے

❶ اوپر آیت بانہم شاقوا اللہ...... الخ اور آیت اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا ...... الخ میں اللہ ورسول کی مخالفت کرنے والے کفار کی مذمت تھی آگے مومنین کو اللہ تعالیٰ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وموافقت کا حکم اَطِیْعُوْا ...... الخ میں اور مخالفت کرنے کی ممانعت وَلَا تَوَلَّوْا میں (ہے)۔(بیان القرآن)

❷ پہلے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے اب ایمان والوں کو ہدایت فرماتے ہیں کہ ان کا معاملہ خدا ورسول کے ساتھ کیسا ہونا چاہیے؟ جس سے وہ خدا کی نصرت وحمایت کے مستحق ہوں۔ سو بتلا دیا کہ ایک مؤمن صادق کا کام یہ ہے کہ وہ ہمہ تن خدا اور رسول کا فرنبردار ہو۔ احوال وحوادث خواہ کتنا ہی اس کا منہ پھیرنا چاہیں مگر خدا کی باتوں کو جب وہ سن کر سمجھ چکا اور تسلیم کر چکا تو قولاً وفعلاً کسی حال ان سے منہ نہ پھیرے۔(تفسیر عثمانی)

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ

ترجمہ: اور ان جیسے مت بنو جنہوں نے کہا ہم نے سن لیا اور وہ نہیں سنتے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ای کالیهود او المنافقین او المشرکین وهو من سماع الاذن ...... الخ۔

یعنی یہودیوں، منافقوں اور مشرکوں کی طرح نہ بنو جو کانوں سے سننے کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر جو کچھ سنتے ہیں اس میں تدبر اور فکر نہیں کرتے، پس یہ سننا نہ سننے جیسا ہے۔(القرطبی)

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والمعنیٰ: ولا تكونوا كالذين يقولون بالسنتهم انا قبلنا تكاليف الله تعالیٰ ثم انهم بقلوبهم لايقبلونها۔ وهو صفة المنافقين۔

یعنی مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کی طرح مت بنو جو اپنی زبانوں سے تو کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو سن لیا ہے مگر وہ اپنے دلوں سے ان احکامات کو قبول نہیں کرتے اور یہ منافقین کی صفت ہے۔(التفسیر الکبیر)

یعنی مسلمانوں کو سمع وطاعت پر مضبوط کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے کان اور دل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کے لئے کھلے رکھیں اور جو حکم سنیں اسے دل سے قبول کریں اور اپنے عمل میں لائیں۔ پس جو ایسا کرے گا وہی سچا مؤمن ہوگا اور اسے اللہ تعالیٰ کی نصرت حاصل ہوگی اور اسے غلبہ اور کامیابی ملے گی۔

نکتہ

اللہ تعالیٰ کافروں کے مقابلے میں ایمان والوں کی مدد اس لئے فرماتا ہے کہ ایمان والے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانبردار ہوتے ہیں۔ پس ایمان والوں کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنی اس صفت اور خوبی کو برقرار رکھیں۔ کیونکہ اگر انہوں نے بھی کافروں اور منافقوں کی طرح صرف کان سے دین کی بات سنی اور دل سے اسے

قبول نہ کیا تو پھر وہ کفار کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی مدد کے مستحق کس طرح سے بن سکتے ہیں؟ (واللہ اعلم بالصواب)

نکتہ

یہودیوں نے حکمِ جہاد کا انکار کیا جب انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا حکمِ جہاد سنایا۔ منافقین بھی جہاد سے روگردانی کرتے تھے۔ مسلمانوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ تم ایسا نہ کرنا کہ یہ مؤمن کی شان نہیں ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اسباق

مسلمانوں پر ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت لازم ہے جیسا کہ اس آیت کے عموم سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی خاص نصرت ایمان والوں پر میدان جہاد میں نازل ہوتی ہے، پس مسلمانوں کو چاہیے کہ جہاد کا حکم سنتے ہی عمل کے میدان میں نکل کھڑے ہوں اور پھر جہاد کے دوران بھی سمع وطاعۃ کے نظام کو مضبوط رکھیں یعنی خوب سنیں اور فوراً عمل کریں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

بے شک سب جانوروں میں بدتر اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی بہرے گونگے ہیں جو نہیں سمجھتے۔

اور اگر اللہ تعالیٰ ان میں کچھ بھلائی جانتا تو انہیں سنا دیتا اور اگر انہیں اب سنا دے تو

منہ پھیر کر بھاگیں

خلاصہ

ایسے لوگ جانوروں سے بدتر ہیں جو نہ کانوں سے حق کی آواز سنتے ہیں، نہ زبان سے حق بولتے ہیں اور نہ دل ودماغ سے حق کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے برے اعمال کی وجہ سے اب ان میں حق قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رہی چنانچہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو حق سنا بھی دے تو یہ اس سے منہ پھیر کر بھاگ جائیں گے اور اسے قبول نہیں کریں گے۔

ان آیات کے اوّلین مصداق

یہ دونوں آیات اپنے مفہوم ومعنیٰ کے اعتبار سے تو عام ہیں مگر مفسرین حضرات نے ان کا اولین مصداق قریش کے قبیلہ ”بنی عبدالدار“ کے ایک گروہ کو قرار دیا ہے۔ روی البخاری رحمہ اللہ وغیرہ عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما قال ان هذه الاية،نزلت فی نفر من بنی عبدالدار، من قریش، کانوا یقولون:نحن صم بکم عمی عما جاء به محمد وتو جهوا مع ابی جهل لقتال النبی صلی اللہ علیه وسلم واصحابه ببدر فقتلوا جمیعاً ولم یومن منهم الا مصعب بن عمیر وسویبط بن حر ملة۔ (قرة العینین)

یعنی امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ آیت قریش کے قبیلہ بنو عبدالدار کے ایک گروہ کے متعلق نازل ہوئی یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ جو دین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لائے ہیں ہم اس سے بہرے، گونگے اور اندھے ہیں۔ یہ پورا گروہ ابوجہل کے ساتھ ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لڑنے کے لئے بدر پہنچا یہ سب لوگ بدر میں مارے گئے اس قبیلے

میں سے صرف مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور سویبط بن حرملہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تھے باقی تمام کافر مرے۔

جانوروں سے بدتر

''سننے کے بعد سمجھ کر عمل نہ کرنا انسانیت نہیں ہے یہ حیوانیت ہے بلکہ حیوانوں سے بھی بدتر۔ کیونکہ وہ بھی کچھ نہ کچھ حکم کی تعمیل کر ہی دیتے ہیں یہ معاندینِ حق تو اندھے اور بہرے ہیں۔ ان مخالفین میں اللہ پاک صلاحیت کے آثار پاتا تو انہیں حق ذہن نشین کراتا لیکن شامتِ اعمال کے باعث یہ اس قدر گر چکے ہیں کہ اگر ان کو کوئی بات سمجھا دی جائے تو بھی منہ پھیر کر چل دیں۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

ترک جہاد پر سخت وعید

ان آیات میں ''ترک جہاد'' پر سخت وعید ہے۔ اس سے پہلے حکم دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔ یہ حکم اگرچہ عام ہے مگر اس میں زیادہ زور جہاد پر ہے جیسا کہ حوالے گذر چکے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب جہاد کا حکم دیں تو فوراً تعمیل کرو اور منہ پھیر کر منافقوں اور کافروں کی طرح نہ بنو۔ اب ان آیات میں اس حکم کو مزید سختی سے بیان فرمایا جا رہا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کو توڑتے ہیں، ان کے بجالانے میں کاہلی اور سستی کرتے ہیں اور ان احکامات کو ضد کی وجہ سے قبول نہیں کرتے تو ایک مقام ایسا آتا ہے کہ اللہ پاک ان سے توفیق اور حق قبول کرنے کی صلاحیت تک چھین لیتا ہے۔ تب وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بے عقل جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتے ہیں اور ان کے دلوں پر ایسی مہر لگ جاتی ہے کہ پھر حق بات ان کی سمجھ میں آ ہی نہیں سکتی۔ العیاذ باللہ کفر کا یہ خطرناک درجہ مسلسل نافرمانی کی وجہ سے مسلط ہو جاتا ہے۔ اس لئے اے مسلمانو! اطاعت کرو اور نافرمانی سے بچو۔ اور جہاد کے معاملے میں سستی اور ضد سے کام نہ لو۔ سستی اور ضد ہی محرومی کی جڑ ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ یہ عجیب نکتہ تحریر فرماتے ہیں:

دل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ (میں) ہے اور اللہ تعالیٰ اول کسی کے دل کو روکتا نہیں اور مہر نہیں کرتا جب بندہ کاہلی کرے تو اس کی جزا میں روک دیتا ہے یا ضد کرے حق پرستی نہ کرے تو مہر کر دیتا ہے۔ (موضح القرآن)

نکتہ

ان آیات سے اشارۃً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جہاد میں جن کافروں کو مارا جاتا ہے وہ گمراہی اور ظلم میں حیوانوں سے بدتر ہوتے ہیں اسی لئے تو حق قبول نہیں کرتے بلکہ حق کو مٹانے کے لئے میدان جنگ میں اترتے ہیں تو جب موذی جانوروں کے مارے جانے پر کوئی افسوس نہیں کیا جاتا تو حیوانوں سے بدتر ان کافروں کے مارے جانے پر کیا افسوس ہے؟ یہ لوگ تو انسانیت کے لئے خطرہ اور روئے زمین کے لئے ناسور ہوتے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

دیگر اقوال

اس آیت کے مصداق کے بارے میں ایک روایت گذر چکی ہے جبکہ کئی مفسرین حضرات کے نزدیک آیت کا

مصداق منافقین ہیں اور بعض کے نزدیک اہل کتاب (یہود و نصاریٰ)۔ بہر حال آیت کا مفہوم عام ہے جس میں بھی یہ بری صفات ہونگی وہ ان آیات کا مصداق ہوگا۔

وظاھر ھذہ الاخبار العموم۔ (البحر المحیط)

چاروں آیات کا خلاصہ تفسیر

سورۃ انفال کی ان چاروں آیات (۲۰ تا ۲۳) کی تفسیر کا ایک خلاصہ اس عبارت میں ملاحظہ فرمائیں:

" فرمایا تھا وَاَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ کہ اللہ مسلمانوں کے ساتھ ہے، یہاں یہ بات بتلاتا ہے کہ خدا کا تمہارے ساتھ ہونا کچھ تمہارے نام کے مسلمان کہلانے سے نہیں بلکہ ان (دو) شرائط سے ہے:

❶ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ کہ اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کرو۔ ❷ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْہُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ کہ رسول کا حکم سن کر روگردانی نہ کرو۔ حقیقت میں جب تک مسلمانوں میں یہ دو باتیں رہیں خدا کا سایہ ان پر رہا دنیا کی سرسبز سلطنتیں باوجود بے سروسامانی کے ان کے ہاتھ میں دے دیں۔ پھر اسی مضمون کی تاکید فرماتا ہے کہ تم ان منافقوں جیسے نہ ہو جاؤ کہ جو زبان سے تو سمعنا کہتے ہیں (کہ ہم نے سن لیا) اور دل سے نہیں سنتے، قضاوقدر نے ان میں حق کے سننے اور ماننے کا مادہ ہی نہیں دیا جیسا کہ چارپایوں میں نہیں جو زمین پر چلنے والوں میں مذموم سمجھے جاتے ہیں وہ (منافق) حق کے سننے سے بہرے اور حق کے بولنے سے گونگے ہیں اس کے سوا عقل بھی نہیں جو باعثِ شرف ہے اور خدا نے جو ان میں یہ قابلیت نہیں رکھی تو اس لئے کہ وہ ازلی گمراہ ہیں اگر سنتے بھی تو اعراض کر جاتے۔" (تفسیر حقانی)

سبق عبرت

جہاد اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ جہاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے یہ آیات بھی جہاد کے حکم کے ساتھ نازل ہوئی ہیں، ان سے پہلے بھی جہاد کا بیان ہے اور ان کے بعد بھی جہاد کا بیان ہے اور خود ان میں بھی غالب مفہوم جہاد کا ہے۔ پس وہ لوگ جو مسلمان کہلاتے ہیں مگر نہ جہاد کی بات سنتے ہیں، نہ جہاد کی بات بولتے ہیں اور نہ جہاد کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں وہ ان آیات سے عبرت حاصل کریں۔

اللھم انا نعوذبک من الشقاق والنفاق وسوٓء الاخلاق۔

(آمین یارب العٰلمین)

●●●

سُورَةُ الْأَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ اور رسول کا حکم مانو جس وقت تمہیں اس کام کی طرف بلائے جس میں تمہاری

يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَ

زندگی ہے اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے دل کے درمیان آڑ بن جاتا ہے اور

اَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

بے شک تم اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے

خلاصہ

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کا حکم دیتے ہیں مسلمانوں کے لئے اسی میں زندگی ہے۔ مثلاً جہاد کا حکم فرماتے ہیں تو جہاد میں مسلمانوں کی اصل زندگی ہے۔ اس لئے حکم ماننے میں دیر نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر حائل ہو جائے اور تم عمل سے محروم رہ جاؤ۔ چونکہ قیامت کے دن سب نے اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہونا ہے اس لئے آخرت کے لئے عمل کرنے والے اپنے اعمال کا پورا بدلہ پائیں گے۔

پچھلے مضمون کی تاکید

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا گیا تھا، اسی حکم کی تاکید چل رہی ہے، اس آیت میں سمجھایا گیا کہ ہر انسان زندہ رہنے کا خواہشمند ہے تو اصل زندگی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات میں ہے۔ مثلاً جہاد کا حکم لے لو کہ اس میں کتنی زبردست قسم کی زندگی ہے...... اور عمل کرنے میں دیر نہ کرو ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر حائل ہو جائے اور تم محروم رہ جاؤ...... اور عمل کرنے میں تم جو قربانی بھی دو گے وہ ضائع نہیں جائے گی اس لئے کہ سب انسانوں نے مرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور جمع ہونا ہے۔

حیات والا عمل کون سا؟

ارشاد فرمایا:

اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ

ترجمہ: حکم مانو اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول کا جس وقت تمہیں اس کام کی طرف بلائے جس میں تمہاری زندگی ہے۔

تمام مفسرین کے نزدیک اَسْتَجِیْبُوْا، اجیبوا کے معنیٰ میں ہے کہ حکم مانو۔

والا ستجابة الاجابة۔ (القرطبی)

قال ابو عبید والزجاج استجیبوا معناہ اجیبوا۔ (التفسیر الکبیر)

جب تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جس میں زندگی ہے۔تو اس چیز سے کیا مراد ہے؟ حضرات مفسرین کے کئی اقوال ہیں مثلاً:

❶ قال السدی ھوالایمان والاسلام

یعنی مراد ایمان اور اسلام ہے۔(التفسیر الکبیر)

❷ وقال مجاھد والجمھور المعنیٰ استجیبوا للطاعة وما تضمنه القرآن من اوامر ونواھی۔ (القرطبی)

یعنی مراد قرآن پاک کے تمام احکامات (اوامر اور نواہی) ہیں۔

❸ قال قتادة یعنی القرآن۔ (التفسیر الکبیر)

یعنی مراد قرآن پاک ہے۔

❹ لکل حق وصواب۔ (التفسیر الکبیر)

مراد ہر حق اور سچ کام ہے۔

امام ابوحیان رحمہ اللہ نے تفسیر البحر المحیط میں کئی مزید اقوال بھی لکھے ہیں۔حضرت امام رازی رحمہ اللہ ان اقوال کو جمع کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔قال الا کثرون لِمَا یُحْیِیْکُمْ ھو الجھاد۔

یعنی اکثر مفسرین کے نزدیک وہ چیز جس میں زندگی ہے وہ جہاد ہے۔(التفسیر الکبیر)

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقیل المراد بقوله لما یحییکم الجھاد، فانه سبب الحیاة فی الظاھر لأن العدو اذا لم یغز غزا وفی غزوہ الموت والموت فی الجھاد الحیاة الأبدیة ،قال اللّٰہ عزوجل:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ (آل عمران ١٦٩)

یعنی ایک قول یہ ہے کہ آیت لِمَا یُحْیِیْکُمْ میں زندگی والے عمل سے مراد ’’جہاد‘‘ ہے کیونکہ وہ بالکل واضح طور پر زندگی کا ذریعہ ہے اس لئے کہ اگر دشمن سے جنگ نہ کی جائے تو وہ حملہ آور ہو جاتا ہے اور اگر اس سے جنگ کی جائے تو اس میں اس کے لئے موت (اور مسلمانوں کے لئے زندگی) ہے اور جہاد میں مسلمان کو جو موت ملتی ہے وہ ہمیشہ کی زندگی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ترجمہ: اور ان لوگوں کو مردہ گمان نہ کرو جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل کئے جاتے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں۔(القرطبی)

صاحب تفسیر ماجدی لکھتے ہیں:

''یہاں صاف صاف بتادیا کہ حیات ابدی اور زندگی وجاودانی بخشنے والی چیز یہی نظامِ دین ہے۔ خصوصیت کے ساتھ مراد جہاد سے ہے۔ (تفسیر ماجدی)

صاحب تفسیر حقانی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم کو کسی عبث (بے کار) اور ضرر رساں (یعنی نقصان دہ) بات کی طرف نہیں (بلاتے بلکہ اس کی طرف بلاتے ہیں) جس میں تمہاری زندگانی ہے یعنی قرآن کیونکہ یہ حیاتِ روحانی کا باعث ہے اور ممکن ہے کہ جہاد خصوصاً مراد ہو کیونکہ اس میں شہادت ملتی ہے جو حیات ابدی کا باعث ہے کما قال: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ اور نیز اس میں دشمن پر فتح یابی اور ثروت حاصل ہوتی ہے جو اصل زندگانی دنیا ہے۔ مغلوب اور مقہور قوم کی زندگی کیا؟ بلکہ (وہ تو) موت ہے۔

برے حال جیا تو میں خاک جیا
مرے جینے کا کچھ بھی مزا ہی نہیں

(تفسیر حقانی)

تفسیر حقانی کی عبارت امام رازی رحمہ اللہ کے اس علمی کلام کا خلاصہ ہے۔

قال الاکثرون لما یحییکم هوا لجهاد ثم فی سبب تسمیة الجهاد بالحیاة وجوه، احدها: هو وهن أحد العدوین حیاة للعدو الثانی فأمر المسلمین انما یقوی ویعظم بسبب الجهاد مع الکفار. وثانیها أن الجهاد سبب لحصول الشهادة وهی توجب الحیاة الدائمة قال تعالیٰ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ وثالثها ان الجهاد قد یفضی الی القتل، والقتل یوصل الی الدار الاخرة والدار الآخرة، معدن الحیاة قال تعالیٰ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ای الحیاة الدائمة. (التفسیر الکبیر)

یعنی اکثر مفسرین کے نزدیک لِمَا يُحْيِيْكُمْ سے مراد جہاد ہے۔ پھر جہاد کو حیات یعنی زندگی قرار دینے کی کئی وجوہات ہیں:

پہلی یہ کہ دو دشمنوں میں سے ایک کا کمزور ہونا دوسرے کے لئے زندگی ہوتا ہے پس مسلمان کفار سے جہاد کی بدولت قوت اور عظمت پاتے ہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ جہاد شہادت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور شہادت سے ہمیشہ کی زندگی ملتی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ ...... الآیة اور تیسری وجہ یہ ہے کہ جہاد بعض اوقات انسان کو قتل تک لے جاتا ہے اور قتل اس کو دنیا سے نکال کر آخرت تک پہنچا دیتا ہے اور آخرت کا گھر ہی زندگی کا اصل خزانہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے یعنی ہمیشہ والی زندگی ہے۔

مسئلہ حل ہو گیا

جو مسلمان جہاد سے بھاگتے ہیں اور اپنی اولاد کو بھی جہاد میں نہیں جانے دیتے تو اکثر اس کی وجہ موت کا خوف ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت میں واضح فرمادیا کہ جہاد میں موت نہیں زندگی ہے۔

بس مسئلہ ہی ختم ہو گیا اب جو بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والا ہے وہ اس بات کو مانے گا کہ جہاد میں زندگی ہے اور پھر اس زندگی کو پانے کے لئے محنت کرے گا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

حائل ہونے کا معنیٰ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ آڑ بن جاتا ہے آدمی اور اس کے دل کے درمیان۔ اس آیت کا مفہوم متعین کرنے میں حضرات مفسرین کے کئی اقوال ہیں ان میں سے چند ایک ملاحظہ فرمائیں:

❶ ان اللہ تعالیٰ یحول بین المرء وبین الانتفاع بقلبه بسبب الموت یعنی بذلك أن تبادروا فی الاستجابة فیما الزمکم من الجهاد وغیره قبل ان یاتیکم الموت. (التفسیر الکبیر)

اللہ تعالیٰ بندے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے یعنی موت دے کر اسے اپنی زندگی سے نفع نہیں اٹھانے دیتا۔ تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر جہاد وغیرہ کے جو احکامات لازم کئے ہیں انہیں جلدی جلدی پورا کرلو اس سے پہلے کہ تم پر موت آجائے۔

❷ ان المراد انه تعالیٰ یحول بین المرء وبین مایتمناه ویریده بقلبه.

یعنی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے اور اس کے ارادے کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ (اور بندہ اپنا ارادہ پورا نہیں کرسکتا) (التفسیر الکبیر)

❸ أن المومنین کانوا خائفین من القتال یوم بدر فکانه قیل لهم سارعوا الی الطاعة ولا تمنعوا عنها بسبب ماتجدون فی قلوبکم من الضعف والجبن، فان اللہ تعالیٰ یغیر تلك الاحوال فیبدل الضعف بالقوة، والجبن بالشجاعة لانه تعالیٰ مقلب القلوب. یعنی مسلمان غزوہ بدر کے دن لڑائی سے گھبرا رہے تھے تو گویا کہ اس آیت میں ان سے کہا گیا کہ جہاد کا حکم ماننے میں جلدی کرو اور تمہارے دل میں جو کمزوری اور بزدلی آرہی ہے اس کی وجہ سے جہاد سے نہ رکو کیونکہ اللہ تعالیٰ ان احوال کو بدل دے گا اور وہ کمزوری کی جگہ طاقت اور بزدلی کی جگہ بہادری تمہارے دلوں میں ڈال دے گا کیونکہ وہ دلوں کو پھیرنے والا ہے۔ (التفسیر الکبیر)

❹ ”بعض نے يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ کو بیانِ قرب کے لئے لیا ہے یعنی حق تعالیٰ بندہ سے اس قدر قریب ہے کہ اس کا دل بھی (اس سے) اتنا قریب نہیں ہے وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (ق ۱۶) تو خدا کی حکم برداری سچے دل سے کرو خدا تم سے بڑھ کر تمہارے دلوں کے احوال و اسرار پر مطلع ہے خیانت اس کے آگے نہیں چل سکے گی۔ اسی کے پاس سب کو جمع ہونا ہے وہاں سارے مکنونات و اسرار کھول کر رکھ دیئے جائیں گے۔“ (تفسیر عثمانی)

❺ ”انسان اور اس کے قلب کے درمیان آڑ آ جانا دو طرح سے ہوتا ہے ایک یہ کہ مومن کے قلب میں طاعت کی برکت سے کفر و معصیت کو نہیں آنے دیتا، دوسرے یوں کہ کافر کے قلب میں مخالفت کی نحوست سے ایمان و طاعت کو آنے نہیں دیتا اور انسان اور اس کے عمل کے درمیان اسباب عادی، مادی و طبعی و ظاہری کے علاوہ اور ان سے بالاتر ایک اور علاقہ جو ایک برتر و اعلیٰ قوت ارادی کا رہتا ہے اس کی طرف بھی اشارہ اسی آیت میں آ گیا۔“ (تفسیر ماجدی)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ یہی معنیٰ لکھنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:

اس سے معلوم ہوا کہ طاعت کی مداومت بڑی نافع چیز ہے اور مخالفت کی مواظبت بڑی مضر چیز ہے۔ (بیان القرآن)

❻ اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے ارادہ میں حائل ہو جاتا ہے کہ انسان کو اپنے ارادہ پر مضبوطی نہیں رہتی۔ حاصل یہ ہوگا کہ اگر تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی طرف توجہ نہ کی تو اس کی پہلی سزا یہ ہوگی کہ ہمتیں پست ہو جائیں گی۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

اسباق

❶ جہاد میں زندگی اور ترکِ جہاد میں موت ہے۔

❷ جہاد کا حکم پورا کرنے میں جلدی کرنی چاہئے۔

❸ اگر جہاد کے لئے ذہن بن جائے اور جان و مال کی قربانی پر دل آمادہ ہو جائے تو فوراً عمل کرے۔ اگر تاخیر کی تو ہمت سست ہو جائے گی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ موت آ جائے اور انسان جہاد سے محروم رہے۔

❹ آخرت کے حشر اور پیشی کو یاد رکھا جائے تو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی خاطر قربانی دینا آسان ہو جاتا ہے۔

❺ اس دعاء کا اہتمام کیا جائے جو مفسرین نے اس آیت کے ذیل میں حدیث پاک کے حوالے سے لکھی ہے۔

اَللّٰهُمَّ يَامُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ

اے میرے پروردگار دلوں کو پھیرنے والے۔ میرے دل کو دین پر مضبوط فرما۔

(آمین یارب العالمین)

☆☆☆

سُوْرَةُ الْأَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۲۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاۗصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا

اور تم اس فتنے سے بچتے رہو جو تم میں سے خاص ظالموں پر ہی نہ پڑے گا اور جان لو کہ

اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۲۵

بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب کرنے والا ہے

خلاصہ

اس فتنہ سے بچو جس کا وبال عام ہوگا، گناہگاروں پر بھی اور انہیں نہ روکنے والوں پر بھی۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے۔

ربط

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ اس آیت کا پچھلی آیات سے ربط یہ بیان فرماتے ہیں کہ پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فوری اطاعت کا حکم تھا کہ اس میں ذرہ برابر بھی تاخیر اور سستی نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تاخیر اور سستی کرنے کی وجہ سے دل ہٹ جائے اور توفیق چھن جائے اب اس آیت میں تنبیہ فرماتے ہیں کہ اگر نیک لوگ حکم ماننے میں سستی کریں گے تو عام لوگ بالکل چھوڑ دیں گے اور ہر طرف برائی پھیل جائے گی مثلاً بہادر لوگ اگر جہاد کے بارے میں سستی کریں گے تو بزدل تو بالکل ہی اسے چھوڑ دیں گے پھر جب کفار کا حملہ ہوگا اور شکست ہوگی تو بہادر بھی اس شکست کو نہیں روک سکیں گے اور سب مغلوب و ہلاک ہو جائیں گے۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

یعنی حکم میں کاہلی (سستی) کرنے سے ایک تو دل ہٹتا ہے (یعنی ہمت کمزور ہوتی ہے) دم بدم زیادہ مشکل پڑتا ہے (یعنی ہر آنے والے لمحے وہ کام زیادہ مشکل ہوتا چلا جاتا ہے) دوسرے (یہ کہ) نیکوں کی کاہلی سے گناہگار بالکل چھوڑ دیں گے تو رسم بد پھیلے گی اس کا وبال سب پر پڑے گا جیسے جنگ میں دلیر سستی کریں تو نامرد (یعنی بزدل) بھاگ ہی جاویں پھر شکست پڑے تو دلیر بھی نہ تھام سکیں (موضح القرآن)

خلاصہ اس پورے ربط کا یہ ہوا کہ پچھلی آیات میں خود عمل کرنے کی تاکید تھی اور اس آیت میں دوسروں کو دعوت دینے کی ترغیب ہے۔

اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی عام ہو جائے تو پھر اس کا وبال اور عذاب بھی عام ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فتنہ کے معنیٰ

اس آیت میں جولفظ فتنہ استعمال ہوا ہے بعض مفسرین کے نزدیک اس کے معنیٰ عذاب کے ہیں ملاحظہ فرمایئے تفسیر المدارک۔ جبکہ بعض مفسرین نے اس کے معنیٰ گناہ کے لئے ہیں علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والمراد بالفتنة الذنب وفسربنحو اقرار المنكر والمداهنة فی الامر بالمعروف والنهی عن المنكر وافتراق الكلمةوظهور البدع والتكاسل في الجهاد حسبما يقتضيه المعنىٰ۔ (روح المعانی)

یعنی فتنہ سے مراد گناہ ہے اور اس گناہ کی تفسیر موقع کے اعتبار سے کی جاتی ہے مثلاً گناہوں پر رضا مند ہونا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں مداہنت کرنا، آپس میں نزاع ڈالنا، بدعات کا ظہور، اور جہاد میں سستی۔

کسی گناہ کا جڑ پکڑ لینا

اکثر مفسرین حضرات کے نزدیک آیت میں فتنہ سے مراد مسلمانوں میں کسی بڑے منکر یعنی گناہ کا جڑ پکڑ لینا ہے کہ وہ گناہ عام ہو جائے اور کوئی اس سے روکنے کی کوشش بھی نہ کرے۔ قيل هو اقرار المنكر بين اظهرهم۔ (کشاف)

قال ابن عباس:امرالله المومنين الايقروا المنكر بين اظهر هم فيعمهم الله العذاب۔ (القرطبی)

دوآیات کی مختصر تفسیر

سورۃ الانفال کی ان دو آیات (۲۴،۲۵) کی ایک مختصر تفسیر اس عبارت میں ملاحظہ فرمایئے:

جہاد ہی میں زندگی ہے دنیا میں تنازع للبقاء کے اصول کے مطابق ہر چیز جنگ میں مصروف ہے، مگر زندگی صرف اسی کو نوازش (یعنی عطاء) ہوگی جو اصلح و امثل ہے، اس لئے فرمایا کہ جس وقت اللہ اور اس کا رسول مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیں تو فوراً میدان میں آموجود ہوں کہ انفرادی اور اجتماعی حیات (زندگی) کا رازِ سربستہ اسی جہاد فی سبیل اللہ میں پنہاں ہے، یہی چیز تم کو دائمی زندگی بخشے گی اس لئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا ای الناس افضل (کہ لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: مومن يجاهدفی سبيل الله بنفسه وماله (وہ مومن جو اپنی جان و مال سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتا ہے) ایک جگہ ارشاد فرمایا لغدوة فی سبيل الله اوروحة خير من الدنيا ومافيها (جہاد میں ایک صبح یا ایک شام کا لگانا دنیا ومافیہا سے بہتر ہے) ترمذی میں ہے: من رابط ليلة كانت له كالف ليلة صيامها وقيامها (جو ایک رات کی پہرے داری کرے گا اسے ایک ہزار رات کے قیام اور روزوں کا اجر ملے گا) لیکن اگر جہاد کا ارادہ بھی نہ کیا تو ان مصائب کا شکار رہنا پڑے گا (الف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا ایک ایک حرف تمہارے لئے زندگی بخش ہے، اس کی خلاف ورزی سے تمہاری قوتِ ارادی کمزور ہو جائے گی، تم مضبوط و ثابت قدم نہ رہ سکو گے، ارادہ کرتے ہی فسخ کر دیا کرو گے اور لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً کی کیفیت تم پر طاری ہوگی۔

(ب) اعمال انسانی کی حالت مختلف ہے، بعض اوقات اس کے اعمال کا اثر صرف اس کی ذات تک محدود رہتا ہے، اس لئے صرف مجرم ہی گرفتار ہوتا ہے اور کبھی ان کا اثر قوم پر بھی پڑتا ہے، پھر سب کے سب مبتلائے آلام ومصائب ہوتے ہیں، اگر تم نے جہاد سے انکار کیا تو یاد رہے صرف انکار کرنے والے ہی گرفتار مصیبت نہ ہونگے، بلکہ پوری قوم کی قوم دوسروں کی غلام بن جائے گی۔

حدیث میں آتا ہے اذا ضن الناس بالدینار، والدرهم وتبایعوا بالعین واتبعوا اذناب البقر وترکو الجهاد فی سبیل الله انزل الله بهم بلاء فلم یر فعه حتی یراجعوا (جب لوگ سونے چاندی یعنی مال میں بخل کرنے لگیں گے اور غیر شرعی تجارت میں لگ جائیں گے اور کھیتی باڑی میں مشغول ہو جائیں گے اور جہاد فی سبیل اللہ کو چھوڑ دیں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر مصیبت نازل فرمائے گا اور جب تک وہ جہاد کی طرف نہیں لوٹیں گے اس مصیبت کو ان سے نہیں ہٹائے گا) اور یہی وجہ ہے کہ اس شخص کو منافق کہا گیا جو جہاد فی سبیل اللہ کی آرزو ہی کو دل سے نکال دے: من مات ولم یغز ولم یحدث به نفسه مات علی شعبة من النفاق اللہ تعالیٰ کا عذاب نہایت ہی سخت ہے، اس لئے سوچ سمجھ کر مخالفت کریں۔ (تفسیر الفرقان)

فتنہ سے مراد ترک جہاد

صاحب انوار البیان لکھتے ہیں:

بعض حضرات نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس میں اس فتنہ کا ذکر ہے جو ترکِ جہاد کی وجہ سے عوام وخواص سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ دین اور شعائر دین کی حفاظت اور عامۃ المسلمین کی حفاظت جہاد قائم رکھنے میں ہے، مسلمانوں پر (عام حالات میں) فرض کفایہ ہے کہ جہاد کرتے ہی رہیں اگر چہ کافر حملہ آور نہ ہوں اور اگر وہ حملہ آور ہو جائیں تو پھر کوئی گنجائش کسی کو جہاد سے پیچھے ہٹنے کی ہے ہی نہیں جہاد کا سلسلہ جاری نہ رکھنے کی ہی وجہ سے دشمن کو آگے بڑھنے کی جرأت ہوتی ہے اور جب دشمن چڑھ آتے ہیں تو بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کی حفاظت کے لئے فکر مند ہونا پڑتا ہے لہٰذا جہاد جاری رکھا جائے اور اس سے پہلو تہی نہ کریں ورنہ عوام و خواص مصیبت میں گھر جائیں گے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو بھی کوئی قوم جہاد چھوڑ دے گی اللہ تعالیٰ ان پر عذاب بھیج دے گا۔ (مجمع الزوائد ص ۲۸۴، ج ۵ عن الطبرانی فی الاوسط) (تفسیر انوار البیان)

صاحب تفسیر مظہری نے بھی اس آیت میں فتنہ سے ترک جہاد کا گناہ مراد لیا ہے اور دلیل یہ بیان فرمائی ہے کہ پچھلی آیات میں بھی ترک جہاد کرنے والوں پہ ملامت کی گئی ہے۔ (ملخص از معارف القرآن)

☆☆☆

خلاصہ

اپنی کمزوری اور قلت کا خیال کر کے اللہ تعالیٰ کا حکم جہاد ماننے میں سستی مت دکھلاؤ، دیکھو! ہجرت سے پہلے بلکہ اس کے بعد بھی تمہاری تعداد تھوڑی تھی، سامان بھی نہ تھا، تمہاری کمزوری کو دیکھ کر دشمنوں کو لالچ ہوتی تھی کہ تم کو ہضم کر جائیں، تمہیں ہر وقت یہ خدشہ رہتا تھا کہ دشمنان اسلام کہیں نوچ کھسوٹ کر نہ لے جائیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے تم کو مدینہ میں ٹھکانا دیا، انصار و مہاجرین میں مثالی بھائی چارے کا رشتہ قائم کر دیا۔ پھر معرکہ بدر میں کیسی کھلی ہوئی غیبی امداد پہنچائی۔ کفار کی جڑ کاٹ دی، تم کو فتح الگ دی، مال غنیمت اور قیدیوں کا فدیہ الگ دیا۔ غرض حلال طیب ستھری چیزیں اور طرح طرح کی نعمتیں عطاء فرمائیں تاکہ تم اس کے شکر گزار بندے بنے رہو۔ (مفہوم تفسیر عثمانی)

تفسیر الفاظ

فِی الْاَرْضِ ای ارض مکة النَّاسُ ھم مشرکوا قریش او فارس والروم۔ فَاٰوٰکُمْ قال ابن عباس الی الانصار السدی الی المدینة والمعنی واحد وَاَیَّدَکُمْ قواکم بِنَصْرِہٖ ای بعونه وقیل بالانصار وقیل بالملائکة یوم بدر وَرَزَقَکُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ای الغنائم۔ (القرطبی)

تفسیر جلالین میں ہے:

اَنْ یَّتَخَطَّفَکُمُ النَّاسُ یاخذکم الکفار بسرعة. یَتَخَطَّفَکُمْ قید ہونا، قتل ہونا، محکوم بن کر رہنا سب تَخَطُّفٌ میں آ گیا۔ (تفسیر ماجدی)

حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اَلطَّیِّبٰتِ ستھری چیزیں یعنی مال غنیمت (موضح القرآن)

ایک دلچسپ عبارت

اگر تم کہو کہ خلیفۂ اسلام کا حکمِ جہاد تو سر آنکھوں پر، مگر تعداد کی قلت اور سامان حرب کے فقدان کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس وقت لڑنا خلاف مصلحت ہے تو یہ عذر بھی مسموع نہیں اس لئے کہ تم مکہ کی حالت پر غور کرو جب مسلمانوں کی تعداد اقل قلیل تھی ہر شخص تم کو کمزور و ناتواں خیال کرتا تھا اور خود تمہیں بھی ہر وقت اس امر کا خوف دامن گیر تھا کہ کہیں دشمن ہم کو فنا نہ کردے، مگر باوجود ان باتوں کے اللہ تعالیٰ نے تم کو پناہ دی اپنی نصرت و دستگیری سے تائید کی اور بہترین چیزیں کھانے کو نوازش کیں، اور یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ تم آئندہ چل کر قلتِ تعداد اور فقدانِ اسباب کا عذر پیش کر کے جہاد فی سبیل اللہ سے منہ نہ موڑ لو جنگ میں کامیابی کے لئے قلت و کثرت پر نظر نہ ہونی چاہیے حنین کی لڑائی میں تمہیں اپنی کثرتِ تعداد پر ناز تھا مگر شکست کھائی: وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ (التوبۃ:۲۵) مدینہ کی زندگی پر نظر ڈالو ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے پیٹ میں بھوک کے مارے بل پڑے جاتے ہیں اور کئی دفعہ غشی کی نوبت آتی ہے، پھر یہ وہی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں جو دیوار کعبہ کے ساتھ تکیہ لگائے ہوئے کسریٰ کے رومال سے ناک صاف کرتے ہیں اور عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم قیصر و کسریٰ کے خزائن کو اپنے پاؤں سے ٹھکراتے ہیں۔ (تفسیر الفرقان)

سبق

آیت مبارکہ سے یہ اہم سبق سمجھا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کو اپنی ذمہ داری ادا کرتے ہوئے ”عمل“ کرنا چاہیے اور اسباب اور نتائج کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینا چاہیے۔ مکہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر جو حضرات مسلمان ہوئے انہوں نے اسباب اور ظاہری انجام کی پروا نہیں کی اگر وہ ان چیزوں کی فکر کرتے تو کبھی ایمان قبول نہ کرتے کیونکہ ظاہری طور پر ہر طرف ظلم اور اندھیرا نظر آ رہا تھا۔ پھر ہجرت کا حکم ملا تو انہوں نے آگے کے انتظامات کا نہیں پوچھا بس اللہ تعالیٰ کے حکم پر نکل کھڑے ہوئے۔ پھر انہیں جہاد کا حکم ملا تو انہوں نے ظاہری قوت اور طاقت نہ ہونے اور اسباب کی کمی کا رونا نہیں رویا جو ٹوٹی ہوئی تلواریں، لاٹھیاں، پتھر ہاتھ آئے ان کو لے کر میدان میں اتر آئے۔ ان کے اس توکّل کا نتیجہ کیا نکلا جس مکہ میں انہوں نے خوف اور دہشت کی راتیں گزاری تھیں اس میں وہ فاتح بن کر داخل ہوئے۔ ہجرت کے لئے وہ نکل پڑے تو انصار مدینہ نے ان کے لئے دل و جان نچھاور کر کے ان کو اجنبی ہونے کا احساس تک نہ ہونے دیا۔ اسباب کی کمی کو انہوں نے بہانہ نہیں بنایا تو مالِ غنیمت جیسا پاکیزہ مال ان کے قدموں میں ڈھیر ہوتا گیا۔ پس اے مسلمانو! کام کرنے سے پہلے ان چیزوں کی فکر میں نہ پڑا کرو جو اللہ تعالیٰ کام شروع کرنے کے بعد عطاء فرماتا ہے۔ بس اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر کام شروع کرو اور پھر اس آیت کے تمام مناظر کو دیکھتے چلے جاؤ۔ (واللہ اعلم بالصواب)

☆☆☆

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے خیانت نہ کرو اور آپس کی امانتوں

وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾

میں خیانت نہ کرو حالانکہ تم جانتے ہو

خلاصہ

ایمان والوں کے ذمہ ہے کہ وہ امانت کو لازم پکڑیں اور خیانت کی ہر قسم سے بچیں۔ نہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیانت کریں، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیانت کریں۔ نہ اپنے فرائضِ منصبی ادا کرنے میں خیانت کریں اور نہ آپس میں جان بوجھ کر خیانت میں مبتلا ہوں۔

ربط

❶ پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر "طیبات" پاکیزہ رزق کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ مالِ غنیمت کا تمہیں مالک بنایا ہے اب فرمایا گیا کہ تم پر لازم ہے کہ ہر طرح کی خیانت سے بچو۔

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اعلم انه تعالیٰ لماذکر انه رزقهم من الطیبت فههنا منعهم من الخیانة۔

❷ پچھلی آیت میں مسلمانوں کی سابقہ حالت اور پھر ان پر اپنے انعامات کا ذکر فرمایا جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی ترغیب ملتی ہے۔ اب اس آیت میں خیانت سے منع کیا جا رہا ہے کیونکہ خیانت مسلمانوں کی باہمی محبت کو ختم کرتی ہے اور ان کی جماعت کو توڑتی ہے۔ (مفہوم تفسیر حقانی)

❸ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تاکید چل رہی ہے، اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ کی نصرت اور فتوحات اور غنیموں کا تذکرہ بھی آ گیا۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ اس نصرت اور فتوحات کے مستحق تم اس وقت تک رہو گے جب تک تم میں خیانت پیدا نہیں ہوگی۔ جب تم اپنے فرائض منصبی کے ادا کرنے میں اور اموال میں خیانت کرنے لگو گے تو نصرت کے مستحق نہیں رہ سکو گے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

دلنشیں تفسیر

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

چوری (یعنی خیانت) اللہ و رسول کی یہ بھی ہے کہ چھپ کر کافروں سے ملیں اپنے مال اور اولاد کے بچاؤ کو۔ جیسے

مہاجرین میں اکثروں کے گھر مکے میں تھے۔اور یہ بھی ہے کہ مال غنیمت چھپا کر رکھیں سردار (یعنی امیر) کے پاس ظاہر نہ کریں۔(موضح القرآن)

شانِ نزول

آیت میں خیانت سے کیا مراد ہے؟امام رازی رحمہ اللہ نے چھ اقوال لکھے ہیں۔چونکہ ہر قول میں الگ جہادی سبق ہے اس لئے ذیل میں ان کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیں:

❶ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آیت حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔انہوں نے یہود بنی قریظہ کو اشارۃً بتادیا کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم ماننے کی صورت میں ان کا انجام ''قتل'' ہوگا۔حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے ایسا اپنے اہل وعیال کی حفاظت کے لئے کیا تھا جو بنی قریظہ کے ساتھ رہتے تھے۔(خیانت سے مراد جہادی وجنگی راز کا افشاء)

❷ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سن کر مشرکین کو جا کر بتاتے تھے آیت میں اس حرکت سے منع کیا گیا (خیانت سے مراد جماعتی وقومی رازوں اور خبروں کا افشاء)۔

❸ ابن زید فرماتے ہیں کہ خیانت سے مراد نفاق ہے کہ منافقین کی طرح نہ بنو کہ اوپر سے مسلمان اندر سے کافر۔(خیانت نفاق کے ہم معنیٰ ہے)

❹ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ابوسفیان جب مکہ سے نکلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوگیا اور آپ نے حملے کا ارادہ فرمایا۔مدینہ منورہ سے ایک منافق نے ابوسفیان کو خط لکھ کر ہوشیار کردیا۔(خیانت کا معنیٰ کافروں کے لئے جاسوسی کرنا)

❺ زہری رحمہ اللہ اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے اہل مکہ کو مسلمانوں کے حملے کی اطلاع دینے کی کوشش کی۔(بدنیتی کے بغیر اپنے آل اولاد کی خاطر کافروں کے کام آنا یہ بھی خیانت ہے)

❻ قاضی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خیانت سے مراد اموال غنیمت میں خیانت ہے۔(التفسیر الکبیر)

امام رازی رحمہ اللہ یہ چھ اقوال لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

واماالوجوہ المذکورۃ فی سبب نزول الایۃ فھی داخلۃ فیھا،لکن لایجب قصرالایۃ علیھا لان العبرۃ بعموم اللفظ لابخصوص السبب.

امام رازی رحمہ اللہ کی اسی بات کو صاحب تفسیر حقانی ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

لَاتَخُونُوا اللّٰہَ میں کسی خاص خیانت اور کسی شخص کا نام نہیں بلکہ عموماً ہر قسم کی خیانت کی ممانعت ہے خواہ مال کی

ہو، خواہ غنیمت کے مال کی، خواہ آبرو اور کسی راز کی۔ مگر مفسرین نے اسکو بعض اشخاص کی خیانت اور ان کے واقعہ کی طرف بھی لگایا ہے چنانچہ سدی رحمہ اللہ نے کہا کہ اس میں منافقوں اور بعض دیگر شخصوں کی طرف اشارہ ہے جو مشرکین سے میل ومحبت رکھتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں جو جنگ سے متعلق ہوتی تھیں ان کے پاس پہنچادیتے تھے...... الیٰ آخرہ (تفسیر حقانی)

جامع تفسیر

’’خدا اور رسول کی خیانت یہ ہے کہ ان کے احکام کی خلاف ورزی کی جائے۔ زبان سے اپنے کو مسلمان کہیں اور کام کفار کے کریں، یا جس کام پر خدا اور رسول نے مامور کیا اس میں دغل فصل کیا جائے۔ یا مال غنیمت میں چوری کی جائے ونحو ذلك. بہرحال ان تمام امانتوں میں جو خدا اور رسول یا بندوں کی طرف سے تمہارے سپرد کی جائیں خیانت سے بچو، اس میں ہر قسم کے حقوق اللہ وحقوق العباد آ گئے۔ روایات میں ہے یہود ’’بنی قریظہ‘‘ نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کی درخواست کی اور یہ کہ ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو ’’بنی النضیر‘‘ کے ساتھ ہوا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نہیں، میں تم کو اتنا حق دیتا ہوں کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حَکم بنالو، جو فیصلہ وہ تمہاری نسبت کردیں وہ منظور ہونا چاہیے انہوں نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لیکر اپنے یہاں بلایا اور دریافت کیا کہ تمہاری اس معاملہ میں کیا رائے ہے؟ ہم سعد بن معاذ کی تحکیم منظور کریں یا نہ کریں؟ ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے اموال اور اہل وعیال بنی قریظہ کے یہاں تھے۔ اس لئے وہ ان کی خیر خواہی کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے حلقوم (یعنی گلے) کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا یعنی اگر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تحکیم قبول کی تو ذبح ہوجاؤ گے۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ اشارہ تو کر گزرے مگر معاً متنبہ ہوا کہ میں نے خدا اور رسول کی خیانت کی۔ واپس آکر اپنے کو ایک ستون سے باندھ دیا اور عہد کیا کہ نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا حتیٰ کہ موت آجائے یا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمالے۔ سات آٹھ دن یونہی بندھے رہے فاقہ سے غشی طاری ہوگئی۔ آخر بشارت پہنچی کہ حق تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کی۔ کہا خدا کی قسم میں اپنے کو نہ کھولوں گا جب تک خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے میری رسی نہ کھولیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اپنے ہاتھ سے اپنے قیدی کو آزاد کیا...... الی آخر القصہ (ابن عبدالبر کا دعویٰ ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کرنے کی بناء پر پیش آیا تھا۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

خیانت کا ایک اور معنیٰ

واخرج ابو الشيخ عن يزيد بن ابی حبيب رضیَ اللّٰہ عنه ان المراد بها الاخلال بالسلاح فی المغازی. (روح المعانی)

یعنی خیانت سے مراد جہاد کے دوران اسلحے میں کوتاہی کرنا ہے۔

خیانت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ

امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر کے دوران سنن نسائی کے حوالے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعاء نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

اللھم انی اعوذبك من الجوع فانه بئس الضجیع ومن الخیانة فانها بئست البطانة۔

اے میرے پروردگار میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں بھوک سے کہ وہ برا ساتھی ہے اور خیانت سے کہ وہ برا ہمنشین ہے۔(القرطبی)

اسباق

جہاد میں کامیابی کیلئے ضروری ہے کہ ہر مجاہد اپنے اندر صفتِ ''امانت'' کو مضبوط کرے......اور ہر طرح کی خیانت سے بچے۔ فرائض کی پابندی کرے سنتوں کا اہتمام کرے، اپنے امیر کی اطاعت کرے، اجتماعی اموال میں پوری احتیاط رکھے......اور جو ذمہ داری اسے دی جائے اسے پوری طرح سے نبھائے، عسکری اور اجتماعی رازوں کی حفاظت کرے، کافروں اور منافقوں سے دوستانہ تعلقات نہ رکھے...... اور کسی بھی طرح دشمنان اسلام کے کام نہ آئے۔ امانت انسان کو قیمتی بناتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کا مستحق ہو جاتا ہے جبکہ خیانت انسان کو بے کار، نا قابل اعتبار اور حقیر بنا دیتی ہے۔

حدیث کا مفہوم ہے کہ قربِ قیامت میں امانت اٹھالی جائے گی تب امانت پر قائم رہنا مشکل ہوگا۔ اس زمانے کے آثار واضح ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ سے امانت کی توفیق مانگی جائے اور خیانت سے اس کی پناہ لینی چاہئے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ایک نکتہ

''آیت میں خیانت سے مقصود وہ تمام خیانتیں ہیں جو اسلام کے احکام کی تعمیل وتبلیغ اور امت کے مصالح ومقاصد میں کی جائیں، لیکن خصوصیت کے ساتھ جس بات کی طرف اشارہ کیا وہ یہ تھی کہ اہل مکہ کے ساتھ نامہ وپیام نہ رکھو جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ہے، اگرچہ یہ نامہ وپیام اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کے خیال ہی سے کیوں نہ ہو، بعض مہاجرین نے اپنے اہل وعیال کو جو مکہ میں تھے خطوط لکھے تھے اس میں کچھ اشارہ جنگ کی نسبت بھی آ گیا تھا فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کی، رسول کی اور مسلمانوں کی خیانت ہے۔ اگر صرف اتنی سی بات اللہ اور رسول کی خیانت تھی تو غور کروان مسلمانوں کے لئے کیا حکم ہونا چاہیے جو اپنی ساری زندگی اعداءِ ملت (یعنی مسلمانوں کے دشمنوں) کی سیاسی خدمات میں صرف کر ڈالتے ہیں اور جو ڈیڑھ سو برس سے بے شمار اسلامی حکومتوں کے زوال وانقراض (یعنی خاتمے) کا باعث ہوئے ہیں؟'' (ترجمان القرآن)

نکتہ

خیانت ایک بری خصلت ہے، دل میں کچھ اور زبان پر کچھ۔ یہ بری خصلت انسان کی انفرادی زندگی کو بھی برباد کرتی ہے اور اس کی اجتماعی زندگی کو بھی۔ اور افسوس یہ ہے کہ شیطان اس کو ''حکمت عملی'' اور ''عقلمندی'' قرار دیکر انسان کو اس پر پکا کرتا ہے۔ چنانچہ آج عقلمند آدمی وہی کہلاتا ہے جو ہر حال میں اپنے ''ذاتی مفادات'' کا تحفظ کرتا ہے خواہ اس کی خاطر اسے مسلمانوں کو یا جماعت کو جتنا بڑا نقصان پہنچانا پڑے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے اسلام کی خاطر، جہاد کی خاطر، جماعت کی خاطر اپنے تمام ''ذاتی مفادات'' کو قربان کیا اور جو کچھ زبان سے کہا اسی کے مطابق اپنا دل اور عمل بھی رکھا۔ تب ان پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بوچھاڑ ہوئی۔ پھر ان میں سے بعض افراد نے اپنے بعض ذاتی فوائد کے لئے تھوڑی سی لغزش کی۔ حالانکہ ان کے عمل سے مسلمانوں کی جماعت یا جہاد کو کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا تھا۔ مگر وہ اللہ تعالیٰ کے پیارے تھے اور آئندہ آنے والے تمام انسانوں کے لئے مثال تھے اس لئے ان کو سختی سے روکا گیا اور اس عمل کو خیانت کا نام دیا گیا۔

پس مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ ذاتی، اجتماعی، جہادی، جماعتی اور معاشرتی تمام معاملات میں ''امانت'' پر قائم رہیں اور خیانت سے دور رہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سورۃ الانفال مدنیۃ آیت ۲۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾

اور جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایک امتحان کی چیز ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا اجر ہے

خلاصہ

خوب جان لو مسلمانو! کہ مال واولاد میں تمہارا امتحان ہے۔ (کہ کون ان پر جہاد کو ترجیح دے کر اللہ تعالیٰ کو راضی کرتا ہے اور کون مال واولاد کو جہاد پر ترجیح دے کر اپنا نقصان کرتا ہے) اور اللہ تعالیٰ کے پاس جو اجر ہے وہ بہت بڑا ہے۔

ربط

❶ آدمی اکثر مال واولاد کی خاطر خدا کی اور بندوں کی چوری کرتا ہے۔ اس لئے متنبہ فرمایا کہ امانتداری کی جو قیمت خدا کے یہاں ہے وہ یہاں کے مال واولاد وغیرہ سب چیزوں سے بڑھ کر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

❷ اکثر اوقات مال واولاد کی محبت مُخِلِّ طاعت ہوجاتی ہے اس لئے تم کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ تم اس بات کو جان رکھو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایک امتحان کی چیز ہے کہ دیکھیں کون ان کی محبت کو ترجیح دیتا ہے اور کون اللہ تعالیٰ کی محبت کو ترجیح دیتا ہے سو تم ان کی محبت کو ترجیح مت دینا۔ (بیان القرآن)

اطاعت کا جو مضمون چل رہا ہے اس میں جہاد خاص طور پر مراد ہے جیسا کہ معتبر حوالہ جات کے ساتھ گذر چکا ہے۔ اور جہاد کیلئے مال واولاد کی محبت بعض اوقات مخل ہوتی ہے جو اس محبت کو قربان کر کے جہاد میں نکلتا ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا اجر عظیم ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

مال واولاد کی دو قسمیں

"فتنہ (کے معنی) آزمائش، ذریعہ، امتحان۔ مال واولاد دونوں میں یہ علامت رکھ دی گئی ہے کہ یہ ذریعہ راحتِ ابدی وسرمدی کا بھی ہوسکتی ہیں اور انتہائی اسبابِ عذاب کے بھی ہوسکتی ہیں۔ یہ مال واولاد کی محبت ہی ایسی چیز ہے جس سے امتحان ہوتا رہتا ہے کہ کون ان کی محبت میں حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ اور رسول کے احکام کو بھلا دیتا ہے۔ مال واولاد کی محبت تو فطری وطبعی ہے اور اگر اپنی حدود کے اندر ہے تو ہرگز قابلِ گرفت نہیں لیکن اکثر ہوتا یہی ہے کہ انسان ان حدود

سے تجاوز کر کے اس سے اپنا بھی ذاتی نقصان آخرت کا کر لیتا ہے اور یا دنیا میں مصالح ملی کو بھی ضرر پہنچا دیتا ہے

مال را اگر بہر دیں باشد حمول
نعم مال صالح گفتہ رسول

ایک زر و مال ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے رفیقوں طلحہ و زبیر، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم اور خود بعض پیغمبروں سلیمان علیہ السلام کا اور داود علیہ السلام کا ہوا ہے اور ایک زر و مال قارون کا بھی ہوا ہے۔ جس نے بدنصیب کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا؟ اور یہی حال اولاد یا قوم کی کثرتِ تعداد کا بھی ہوا ہے۔" (تفسیر ماجدی)

فتنہ یا سببِ فتنہ؟

امام ابو حیان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ای سبب الوقوع فی الفتنة وهی الاثم او العذاب. (البحر المحیط)

یعنی مال و اولاد فتنہ میں پڑنے کا سبب ہیں۔ اور فتنہ سے مراد گناہ یا عذاب ہے۔ آگے انہوں نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی مثال ذکر کی ہے کہ وہ مال و اولاد کی وجہ سے اس خطا میں مبتلا ہوئے تھے۔

معلوم ہوا کہ مال و اولاد جہادی مقاصد میں خلل کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ پس مجاہد کو چاہیے کہ ان کی محبت میں زیادہ مبتلا نہ ہو۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اسباق

مجاہد کو چاہیے کہ اپنے ذاتی مفادات کو اپنا مقصود نہ بنالے اور نہ ان عارضی مفادات کی خاطر آخرت کے اجرِ عظیم سے محروم ہو۔ مال و اولاد کی محبت دل کو دنیا میں مشغول کر دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے کاموں سے غافل کر دیتی ہے۔

لانها تشغل القلب بالدنیا وتصیر حجابا عن خدمة المولیٰ. (التفسیر الکبیر)

اور اولاد کی محبت انسان کو بزدل اور بخیل بھی بنا دیتی ہے، جیسا کہ حدیثِ شریف میں وارد ہوا ہے۔ مگر یہ مال بھی فانی ہے اور اولاد بھی فانی ہے۔ اور دنیا کی زندگی میں مال و اولاد سے نفع اٹھانا بھی فانی ہے۔ پس انسان کو چاہیے کہ وہ مال و اولاد کو جہاد کے راستے کی رکاوٹ نہ بننے دے بلکہ مال و اولاد کو بھی جہاد میں لگا کر دنیا کی ان فانی نعمتوں کو آخرت کی دائمی نعمتوں میں بدل دے۔ مسلمان ساری دنیا میں اسلام پھیلانے اور اسے غالب کرنے کے لئے آیا ہے وہ اگر مال و اولاد کی محبت میں برف کی طرح جم گیا تو یہ بات دینی دعوت کے لئے، امت مسلمہ کے لئے اور خود اس مسلمان کے لئے سخت نقصان دہ ہوگی۔ پس اس آزمائش اور فتنے میں کامیابی کی دعاء اللہ تعالیٰ سے مانگنی چاہئے۔

اللهم انا نعوذبك من مضلات الفتن. (آمین یا ارحم الراحمین)

نکتہ

پچھلی آیت میں خیانت سے روکا گیا تھا اس آیت میں خیانت سے بچنے کا طریقہ ارشاد ہوا کہ خیانت انسان اپنے

دنیاوی مفادات کی وجہ سے کرتا ہے، یا مال اور اولاد کی خاطر اس سے یہ جرم صادر ہوتا ہے۔ پس مال اور اولاد کو مقصود نہ بناؤ یہ تو امتحان اور آزمائش کی چیزیں ہیں اور اپنی نظر اللہ تعالیٰ کے اجرِ عظیم پر رکھو جو ہمیشہ کی نعمت ہے۔ اور یہ اجرِ عظیم امانتداری اور قربانی سے نصیب ہوتا ہے نہ کہ خیانت سے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

نکتہ

مال اور اولاد کی زیادہ محبت انسان کے پاؤں کی زنجیر بن جاتی ہے جو اسے جہاد اور دیگر اجتماعی کاموں سے روک دیتی ہے اور اسے صرف کھانے کمانے والا ایک عام اور معمولی فرد بنا دیتی ہے۔ ایسے انسان کا دل اونچے جذبات اور بلند عزائم سے محروم ہوتا ہے۔ اور وہ امت مسلمہ کے کسی کام نہیں آسکتا۔ قرآن پاک نے مال اور اولاد کو فتنہ قرار دے کر انسان کی اصلاح فرمائی ہے اور اس کے پاؤں کی زنجیر کاٹ کر اسے بلند پرواز مؤمن بنا دیا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا وَ

اے ایمان والو اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ایک فیصلہ

يُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٢٩﴾

کی چیز دے گا اور تم سے تمہارے گناہ دور کرے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے

خلاصہ

مسلمان اگر اللہ تعالیٰ سے ڈریں گے، مال واولاد کی خاطر خیانت نہیں کریں گے، مال واولاد کو جہاد کے راستے کی رکاوٹ نہیں بنائیں گے۔ تو اللہ پاک انہیں ''فرقان'' عطاء فرمائے گا۔ یعنی انہیں غالب فرمائے گا، انہیں قوتِ فیصلہ عطاء فرمائے گا، انہیں امتیازی شان بخشے گا، ان کے دلوں میں نور اور روشنی پیدا فرمادے گا۔ اور ان کی غلطیوں اور گناہوں پر اپنی بخشش اور رحمت کے پردے ڈال دے گا۔ اور مزید بھی بہت کچھ اپنے فضل سے عطاء فرمائے گا۔

تفسیری اقوال

''فرقان'' سے مراد غلبے کی بشارت ہے

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک اس آیت میں لفظ ''فُرْقَانًا'' سے مراد مسلمانوں کا غلبہ ہے اور آیت کا ربط اس طرح سے ہے کہ اے مسلمانو! اپنے مال واولاد کو بچانے کے لئے کافروں سے ساز باز نہ کرو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ سے وفادار رہو اور جہاد کرتے رہو۔ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہیں ایسا غلبہ عطاء فرمادے گا کہ یہ کافر تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے اور نہ تمہارے مال واولاد کو نقصان پہنچا سکیں گے پس مال واولاد کی حفاظت بھی کافروں کی یاری سے نہیں اللہ تعالیٰ کی دوستی اور جہاد فی سبیل اللہ پر استقامت سے حاصل ہوگی۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''شاید فتح بدر میں مسلمانوں کے دل میں آیا ہو کہ یہ فتح اتفاقی ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مخفی (یعنی چھپا کر) کافروں پر احسان کریں کہ ہمارے گھر بار کو نہ ستاویں، سو پہلی آیت میں چوری (یعنی خیانت) سے منع فرمایا اور دوسری آیت میں تسلی دی کہ آگے فیصلہ ہو جائے گا، تمہارے گھر بار کافروں میں گرفتار نہ رہیں گے۔ (موضح القرآن)

تفسیر جلالین کے الفاظ بھی اسی معنیٰ کی طرف اشارہ کرتے ہیں: يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا بينكم وبين ماتخافون فتنجوا۔ (جلالين)

فرقان کے تین مفہوم

❶ دنیا میں غلبہ ❷ آخرت میں کامیابی ❸ دل کا نور۔

حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

یعنی اگر خدا سے ڈر کر راہ تقویٰ اختیار کرو گے تو خدا تم میں اور تمہارے مخالفوں میں فیصلہ کر دے گا۔ دنیا میں بھی تم کو عزت دے گا اور ان کو ذلیل یا ہلاک کرے گا جیسے بدر میں کیا اور آخرت میں بھی کہ تم نعیم دائم میں رہو گے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ (یٰسین ۵۹) هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ (المرسلات ۳۸) دوسری بات یہ ہے کہ تقویٰ کی برکت سے حق تعالیٰ تمہارے دل میں ایک نور ڈال دے گا جس سے تم ذوقاً و وجداناً حق و باطل اور نیک و بد کا فیصلہ کر سکو گے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت لاہوری رحمہ اللہ کا رجحان بھی اسی آخری معنیٰ کی طرف ہے وہ لکھتے ہیں:

اگر تقویٰ اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ ایسی تمیز عطاء فرمائے گا جس سے تم ہر معاملہ میں مفید اور مضر کو سمجھ سکو گے۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

اسی معنیٰ کی مزید وضاحت اس عبارت میں ہے:

اگر تم نے قانونِ الٰہی کی پابندی کی اور اللہ کا تقویٰ اختیار کیا تو حسب ذیل نتائج رونما ہوں گے......

(الف) يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا فرقان کی قوت نوازش (یعنی عطاء) ہوگی جس سے تم نیک و بد، غث و سمین، اچھے اور برے، دوست اور دشمن اور حق و باطل میں تمیز کر سکو گے، جنگ میں اس قوت کی خاص طور پر ضرورت ہوتی ہے تا کہ دشمن کا مکر و فریب کامیاب نہ ہو سکے۔ (تفسیر الفرقان)

مومن کو نصیب ہونے والے اس قلبی نور کا تذکرہ قرآنِ پاک کی دیگر آیات میں بھی ہے مثلاً الزمر آیت (۲۲) الحدید (۲۸) الانعام (۱۲۲)

صاحبِ تفسیر ماجدی نے بھی یہی معنیٰ اختیار کئے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

”فرقان کی تشریح اہل تفسیر نے اپنے اپنے مذاق (یعنی ذوق) کے مطابق کی ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ اس کی تعبیر اس اندرونی نور سے کی جائے جو ہر مومن میں تقویٰ اختیار کرنے کے بعد پیدا ہو جاتا ہے اور جو حق و باطل کے درمیان خود ہی فرق و امتیاز کرنے لگتا ہے۔

ای نوراً و توفیقاً علیٰ قلوبکم یفرق به بین الحق والباطل فکان الفرقان ھھنا کالسکینة والروح فی غیرہ (راغب) ای ھدایةً ونوراً فی قلوبکم تفرقون به بین الحق والباطل کما روی عن ابن جریج وابن زید (روح)۔ (تفسیر ماجدی)

صاحب ترجمان القرآن لکھتے ہیں:

معلوم ہوا جو جماعت متقی ہوگی اس میں حق و باطل اور خیر و شر کے امتیاز کی ایک خاص قوت پیدا ہو جائے گی اور اس

لئے کبھی باطل وشر کی طرف قدم نہیں اٹھائے گی۔ چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ اس اعتبار سے صدر اول کے مسلمانوں کا کیا حال تھا؟ عرب کے صحرانشین جن کی ساری زندگیاں اونٹ چرانے میں بسر ہوئی تھیں، یکا یک ایرانیوں اور رومیوں جیسی متمدن قوموں کی قسمتوں کے مالک ہو گئے، لیکن خیر وشر میں امتیاز کی ایک ایسی قوت ان کے قبضہ میں آ گئی تھی کہ جو کچھ کرتے تھے اور جس طرح کرتے تھے وہ حق وعدالت اور خیر وسعادت کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔

وہ زمانہ کیا ہوا جب مری آہ میں اثر تھا

یہی چشم خوں فشاں تھی یہی دل یہی جگر تھا (ترجمان القرآن)

اگر چہ ان تمام حضرات نے فرقان کی تفسیر ''قوت فیصلہ'' اور قلبی نور سے کی ہے مگر ان کی عبارتوں میں الگ الگ معارفِ جہاد کا بیان ہے اس لئے تمام عبارتوں کو یہاں جمع کر دیا گیا ہے۔

فرقان کے معنیٰ علمی فیصلہ اور عملی فیصلہ

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ آیت بھی پچھلے مضمون یعنی اطاعت (جس میں جہاد خاص طور سے شامل ہے) کی تاکید ہے اور فرقان سے مراد ''علمی فیصلہ'' اور ''عملی فیصلہ'' ہے۔ علمی فیصلہ کا مطلب ہدایت اور قلبی نور اور عملی فیصلہ کا مطلب مسلمانوں کا ان کے دشمنوں پر غالب آنا اور آخرت میں نجات پانا ہے۔ چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

طاعت کی اور برکات سنو وہ یہ کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اطاعت کرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو ایک فیصلہ کی چیز دے گا۔ اس میں ہدایت اور نور قلب جس سے حق وباطل میں علمی فیصلہ ہوتا ہے اور غلبۂ اعداء اور نجاتِ آخرت جس سے حق وباطل میں عملی فیصلہ ہوتا ہے سب آ گیا۔ اور تم سے تمہارے گناہ دور کر دے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے خدا جانے اپنے فضل سے کیا کیا دے گا جو قیاس وگمان میں بھی نہ آتا ہو۔ (بیان القرآن)

بیان القرآن کی اس عبارت کو بنیاد بنا کر اس آیت کا پچھلے رکوع سے پورا ربط اس طرح سے بیان کیا جا سکتا ہے۔

پچھلی آیات کا مفہوم تھا کہ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو اور جہاد میں تعاون سے روگردانی نہ کرو، اس حال میں کہ تم ان کی دعوتِ جہاد کو سنتے ہو اور ان لوگوں کی طرح نہ بنو جو ظاہری کانوں سے تو سنتے ہیں مگر قبول نہیں کرتے۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکامات خصوصاً جہاد میں تمہاری زندگی ہے۔ اگر تم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی دعوت کو نہ مانا تو تمہاری ہمتیں پست ہو جائیں گی اور اگر تم نے دوسروں کو بھی عمل پر نہ لگایا تو ترکِ جہاد اور ترکِ نہی عن المنکر کا عمومی وبال تم سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ تم جہاد چھوڑنے کے لئے اپنی قلت وکمزوری کو عذر نہ بناؤ ماضی میں بھی تم کمزور تھے مگر اللہ تعالیٰ نے تمہاری نصرت فرمائی اور غنیمتوں کے انبار تمہیں عطاء فرمائے۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی نصرت کو اپنے اوپر جاری رکھنا چاہتے ہو تو خیانت سے بچو اور مال واولاد کی محبت کو اپنے لئے جہاد چھوڑنے کا فتنہ نہ بننے دو۔ اگر تم نے مال واولاد کی محبت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت

اور جہاد فی سبیل اللہ پر غالب نہ آنے دیا۔ تو اللہ تعالیٰ تمہیں فرقان عطاء فرمادے گا۔

یعنی غلبہ، حفاظت، قوتِ فیصلہ، قلبی نور، امتیازی شان اور آخرت کی کامیابی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اور ایک ربط یوں بھی ہو سکتا ہے

اَسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ جہاد کی طرف بلایا جائے تو فوراً نکلو کہ اس میں تمہاری زندگی ہے۔ اپنی کمزوری اور کم تعداد کو عذر نہ بناؤ اللہ تعالیٰ اپنی تائید سے نصرت فرماتا ہے۔ اور یہ تائید تب ملتی ہے جب خیانت نہیں ہوتی۔ اور خیانت کی وجہ مال واولاد ہیں۔ پس جو اپنے فرض منصبی میں خیانت نہیں کرے گا اور مال واولاد کی قربانی دے کر جہاد میں نکلے گا وہ متقی ہوگا اور ایسے متقی کو اللہ تعالیٰ فرقان عطاء فرمائیں گے۔ گویا کہ جہاد کے آغاز سے لے کر جہاد میں کامیابی اور غلبے تک کا پورا نصاب بیان ہو گیا۔ مسلمانوں کی زندگی جہاد میں ہے۔ اور جہاد میں کامیابی تقویٰ سے ہے اور تقویٰ کا حصول مال واولاد کی محبت پر اللہ تعالیٰ کی محبت کو ترجیح دینے یعنی اللہ تعالیٰ کی خاطر مال واولاد کی محبت قربان کرنے میں ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فرقان سے مراد غزوہ بدر ہے

صاحب تفسیر حقانی لکھتے ہیں:

فرقان سے اس جگہ مراد یوم بدر ہے کیونکہ یوم بدر کو یوم فرقان بھی کہتے ہیں۔ (تفسیر حقانی)

اس عجیب تشریح میں مجاہدین کے لئے عظیم بشارت ہے کہ جب وہ خیانت سے بچیں گے، مال واولاد کو جہاد کے راستے کا فتنہ اور رکاوٹ نہیں بننے دیں گے اور تقویٰ اختیار کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو ''یوم بدر'' جیسے حالات اور فتوحات عطاء فرمائے گا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

تفسیر حقانی میں اس آیت کی ایک اور تقریر بھی درج ہے جو ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

''اس کے بعد مسلمانوں سے خطاب کر کے فرماتا ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے، کفر و شرک و کبائر سے بچو گے تو ہم تمہارے لئے تین باتیں کریں گے۔ اول تم میں اور کافروں میں فرق کر دیں گے دنیا میں بھی اور آخرت میں (بھی) دنیا میں تمہارے دل منور، چہرے روشن، مکارم اخلاق، فتح مندی (اور) غلبہ دیں گے آخرت میں نجات (اور) جنت (دیں گے) اور ان (کافروں) کے لئے اس کے برخلاف۔ فرقان کے معنیٰ مجاہد رحمہ اللہ نے ''دنیا اور آخرت کی رستگاری'' اور مقاتل بن حیان رحمہ اللہ نے ''دینی شبہات سے چھٹکارا'' اور عکرمہ رحمہ اللہ نے ''نجات پانا خوفناک چیزوں سے'' بیان کئے ہیں۔ (تفسیر حقانی)

فرقان کا مطلب اللہ تعالیٰ کی مدد

''اللہ تعالیٰ کی مدد کو بھی فرقان کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے ذریعہ اہل حق کو فتح اور ان کے مخالف کو شکست ہو کر حق

وباطل کا فرق واضح ہوجاتا ہے قرآن کریم میں اسی معنٰی کے لئے غزوہ بدر کو ''یوم الفرقان'' کے نام سے موسوم کیا ہے اس آیت میں تقویٰ اختیار کرنے والوں کو فرقان عطا ہونے کا اکثر مفسرین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے نزدیک یہی مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت وامداد اور حفاظت ان کے ساتھ ہوتی ہے کوئی دشمن ان کو گزند نہیں پہنچا سکتا اور تمام مقاصد میں کامیابی ان کی رفیق ہوتی ہے۔

ہر کہ ترسید از حق وتقویٰ گزید

ترسید ازوے جن وانس وہر کہ دید (معارف القرآن)

فرقان کے معنٰی خلاصی کی صورت

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قال ابن وهب سألت مالكاً عن قوله سبحانه وتعالىٰ ان تتقوا الله يجعل لكم فرقانا قال مخرجا۔ (القرطبی)

یعنی ابن وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام مالک رحمہ اللہ سے اس آیت میں فرقاناً کے معنٰی پوچھے تو فرمایا خلاصی کی صورت۔ (یا راستہ)

فرقان کے معنٰی فتح ونصرت

عندالفراء فتحاً ونصراً

امام فراء رحمہ اللہ کے نزدیک فرقاناً کا معنٰی ہے فتح اور نصرت (عربی میں نصرت غلبے کو بھی کہتے ہیں) (القرطبی)

فرقان کے معنٰی میں امام رازی رح کی تحقیق

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولما كان اللفظ مطلقا وجب حمله على جميع الفروق الحاصلة بين المومنين وبين الكفار۔

یعنی جب ''فرقان'' کا لفظ مطلق بولا گیا ہے تو لازم ہے کہ اس سے وہ تمام امتیازات مراد لئے جائیں جو اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو کافروں کے مقابلے میں عطاء فرماتا ہے۔ اس کے بعد امام رازی رحمہ اللہ کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے۔

احوال دو قسم کے ہیں: ❶ دنیا کے احوال ❷ آخرت کے احوال۔ پھر دنیا کے احوال دو قسم کے ہیں: ❶ قلبی احوال ❷ ظاہری احوال۔

احوال دنیا میں قلبی طور پر اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو تین امتیازات عطاء فرماتا ہے:

❶ انہیں ہدایت ومعرفت عطاء فرماتا ہے ❷ انہیں شرح صدر کی نعمت نصیب کرتا ہے ❸ ان کے دلوں سے

کینہ، بغض، حسد دور کرتا ہے اور ان کے سینے کو دھوکے اور مکاری سے پاک فرماتا ہے۔

احوالِ دنیا میں ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو یہ امتیازات عطاء فرماتا ہے ❶ غلبہ ❷ فتح ❸ نصرت ❹ کامیابی۔

جبکہ احوالِ آخرت میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو یہ خصوصیات عطاء فرماتا ہے۔

❶ اجر و ثواب ❷ دائمی نعمتیں ❸ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی طرف سے اکرام کا معاملہ۔ (التفسیر الکبیر)

یعنی ایمان والے اگر تقویٰ اختیار کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں یہ ”جامع فرقان“ دنیا و آخرت میں عطاء فرماتا ہے۔ امام نسفی رحمہ اللہ نے ”فرقان“ کے اسی جامع معنیٰ کو بہت مختصر الفاظ میں بیان فرمایا ہے اور زیادہ ترجیح اس کو دی ہے کہ اس سے اسلام اور مسلمانوں کا غلبہ اور پورے عالم میں دین اسلام کا پھیلنا اور کفر و اہل کفر کا ذلیل و رسوا ہونا مراد ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

فرقاناً نصراً لانه يفرق بين الحق والباطل وبين الكفر باذلال حزبه والاسلام باعزاز اهله اوبياناً وظهوراً يشهرامركم ويبث صيتكم وآثاركم فى اقطار الارض من قولهم "سطع الفرقان" اى طلع الفجر أو مخرجا من الشبهات وشرحاً للصدور، او تفرقة بينكم وبين غيركم من اهل الاديان وفضلاً ومزيةً فى الدنيا والآخرة۔ (المدارك. كشاف)

عبرت

ان عبارتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر مسلمان جہاد اختیار کریں اور مجاہدین تقویٰ اختیار کریں تو اسلام غالب ہو جاتا ہے اور اس کی عزت و رعب کے سامنے کفر ذلیل و خوار ہو جاتا ہے۔

نکتہ

بعض اکابر علماء (مولانا ابوالحسن ندویؒ وغیرہم) فرماتے ہیں کہ آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ پاک مسلمانوں کے لئے ”امتیازی شان“ پسند فرماتا ہے۔ پس مسلمانوں کو چاہیے کہ اسلام پر عمل کرتے ہوئے۔ ہر معاملے میں اپنی ”امتیازی شان“ برقرار رکھیں اور کافروں کے رنگ میں نہ رنگے جائیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

گناہوں کا کفارہ اور معافی

اس آیت میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو تقوے کی برکت سے فرقان عطاء فرماتا ہے اور ان کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور انہیں بخش دیتا ہے۔ اس کے معنیٰ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ یوں فرماتے ہیں:

وتكفير ذنوبه وهو محوها وغفرها سترها عن الناس۔

گناہوں کی تکفیر کا معنیٰ گناہوں کو مٹانا اور مغفرت کا معنیٰ ان کو لوگوں سے چھپانا ہے۔ (روح المعانی میں اس کے

برعکس ہے)(ابن کثیر)

بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بھی لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کے برے اثرات سے خود ان کو، ان کی تحریک کو اور ان کی جماعت کو محفوظ فرما دیتا ہے۔

''ہر کام کرنے والے سے ضرور کچھ نہ کچھ فروگذاشتیں (یعنی غلطیاں) ہو جاتی ہیں ان کا جبرِ نقصان (یعنی تلافی) محض تائید الٰہی پر موقوف ہے جس کو یہاں بتایا گیا ہے کہ تمہاری غلطیاں تمہاری راہِ ترقی میں رکاوٹ کا باعث نہ بنیں گی (تفسیر الفرقان)

''متقی انسان معصوم نہ ہو جائے گا سیئات کا صدور باقی رہے گا، البتہ تقویٰ اختیار کر لینے سے ان کا کفارہ برابر ہوتا رہے گا'' (تفسیر ماجدی)

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو جہاد، تقویٰ اور فرقان کی نعمت عطاء فرمائے کہ آج امت مسلمہ کو اس کی بے حد ضرورت ہے۔(آمین یا ارحم الراحمین)

اسباق

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو ''فرقان'' قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر کے دن کو ''یوم الفرقان'' قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ مجاہد کو تقویٰ کی برکت سے جو نعمت عطاء فرماتا ہے وہ بھی ''فرقان'' ہے۔ قرآن پاک حق و باطل میں فرق کر دیتا ہے اور باطل قرآنِ پاک کے قریب بھی نہیں آسکتا۔ غزوہ بدر کے دن حق و باطل میں ایسا فرق اور ایسا فیصلہ کر دیا گیا کہ حق کا حق ہونا ہر کسی کو سمجھ آ گیا۔ پس جس مومن کو صفتِ ''فرقان'' نصیب ہوتی ہے تو وہ بھی حق کی پہچان بن جاتا ہے باطل اس سے دور بھاگتا ہے۔ اور اس مومن کو قوتِ فیصلہ، امتیازی شان، اللہ تعالیٰ کی نصرت اور قلبی نور نصیب ہو جاتا ہے۔ پھر جب ایسے مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے تو پوری امت مسلمہ کو فتح، غلبہ اور امتیازی شان عطاء ہو جاتی ہے۔ پس تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ ''فرقان'' نام کی اس عظیم الشان نعمت کو حاصل کرنے کے لئے اپنے اموال اور اولاد کی قربانی دیں، خوب تقویٰ اختیار کریں اور خوب جہاد کریں۔ اور مجاہدین کو چاہیے کہ ذاتی مفادات اور ذاتی اغراض کو پس پشت ڈال کر جہاد کریں۔ تب ان شاء اللہ نعمتِ ''فرقان'' نصیب ہو جائے گی۔(واللہ اعلم بالصواب)

☆☆☆

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۳۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ

اور جب کافر تیرے متعلق تدبیریں سوچ رہے تھے کہ تمہیں قید کردیں یا تمہیں قتل کردیں یا تمہیں دیس

يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝۳۰

بدر کردیں وہ اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ تعالیٰ بہترین تدبیر کرنے والا ہے

خلاصہ

فرقان نصیب ہونے کا عجیب واقعہ

جب مشرکین مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازش کی کہ آپ کو قید کرلیں، یا قتل کردیں یا جلاوطن کردیں۔ پھر قتل کی سازش پر ان کا اتفاق ہوگیا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنی تدبیر کے ذریعہ ان کی تدبیروں کو توڑ رہا تھا اور اللہ تعالیٰ بہت مضبوط، مستحکم اور بہترین تدبیر فرمانے والا ہے۔

ربط

آیت کا ربط بالکل واضح ہے۔ مال واولاد کو اللہ تعالیٰ کی خاطر قربان کرنے والوں اور اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو پورا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ فرقان یعنی اپنی خاص نصرت اور غلبہ عطاء فرماتا ہے۔ اس کی ایک مثال بیان فرمادی کہ ہجرت کی رات اللہ تعالیٰ نے کیسی مضبوط اور شاندار نصرت فرمائی۔ مشرکین آپ ﷺ کے گھر کے باہر تلواریں لیکر کھڑے رہے اور آپ ان کے بیچ سے گذر کر غار ثور اور پھر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ بدر کے میدان میں لے آیا جہاں وہ سب مارے گئے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کی شان اور یہ ہے فرقان۔ حضرت لاہوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

چنانچہ تقویٰ ہی کی برکت تھی کہ جب کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مصیبتوں میں مبتلا کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے ایسی تدبیر بتلائی جس سے آپ ان کی زد سے بچ نکلے۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جیسے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کو بچالیا چاہے تو تمہارے گھربار کو بچا رکھے۔ (موضح القرآن)

یعنی کافروں سے سازباز نہ کرو اور نہ اپنے گھربار کی فکر میں پڑ کر جہاد یا احکام جہاد میں کوتاہی کرو۔ جو اللہ تعالیٰ کے لئے قربانی پیش کرتے ہیں اللہ پاک ان کی نصرت فرماتا ہے اور ان کو دشمنوں سے بچاتا ہے۔ مکہ مکرمہ کا یہ واقعہ اس

موقع پر یاد دلایا گیا تا کہ جہاد کی خوب ترغیب ہو، اللہ تعالیٰ پر توکّل پیدا ہو اس کی نصرت پر یقین ہو اور کفار کی طاقتوں اور سازشوں کا رعب دل سے نکل جائے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

مختصر واقعہ

"اس آیت میں سفر ہجرت کا سبب اور ابتدائی واقعہ مذکور ہے معالم التنزیل (ص ۲۴۳، ج ۲) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب مدینہ منورہ میں حضرات انصار ﷺ نے اسلام قبول کر لیا تو قریش مکہ خائف ہوئے اور مشورے کے لئے دارالندوۃ (پنچایت گھر) میں جمع ہوئے، تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں غور کریں کہ آپ ﷺ کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ اس موقعہ پر ابلیس ملعون بھی ایک بڑے میاں کی صورت میں ظاہر ہو گیا، ان لوگوں نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ کہنے لگا کہ میں شیخ نجدی ہوں۔ مجھے آپ لوگوں کے جمع ہونے کا پتہ چلا تو میں نے چاہا کہ تمہارے پاس حاضر ہو جاؤں۔ اور اپنی خیر خواہانہ رائے سے تم لوگوں کو محروم نہ کروں، ان لوگوں نے اسے اپنے مشورے میں شریک کر لیا۔ مکہ والوں میں سے جو لوگ حاضر تھے ان میں سے ایک شخص ابوالبختری ابن ہشام بھی تھا، اس نے اپنی رائے ظاہر کی اور کہنے لگا کہ میری رائے یہ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کسی گھر میں محبوس کر کے دروازہ بند کر دو، صرف تھوڑا سا روشن دان کھلا رہے جس سے دانہ پانی ڈالتے رہو اور اس کی موت کا انتظار کرو، جیسے اس سے پہلے دوسرے شعراء ہلاک ہو گئے یہ بھی ہلاک ہو جائے گا۔ یہ سنتے ہی شیخ نجدی ابلیس چیخ اٹھا، اور اس نے کہا یہ تو بری رائے ہے۔ اگر اس پر عمل کرو گے تو اس کے ماننے والے میدان میں آ جائیں گے اور تم سے جنگ کر کے تمہارے ہاتھوں سے چھڑا لیں گے، یہ سن کر سب کہنے لگے شیخ نجدی نے صحیح کہا یہ رائے مصلحت کے خلاف ہے۔ اس کے بعد ہشام بن عمرو نے رائے دی اور کہنے لگا کہ میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ اس شخص کو کسی اونٹ پر بٹھا کر اپنے درمیان سے نکال دو آگے کہاں جائے؟ کیا بنے؟ تمہیں کوئی نقصان نہ ہوگا۔ جب تمہارے ہاں سے چلا گیا تو تمہیں تو آرام مل ہی جائے گا یہ سن کر ابلیس ملعون بولا یہ رائے بھی صحیح نہیں تم اس شخص کو جانتے ہو تمہیں پتہ ہے کہ اس شخص کی گفتگو کتنی شیریں ہے اور زبان میں کتنی مٹھاس ہے، یہ بھی جانتے ہو کہ اس کی باتیں سن کر لوگ گرویدہ ہو جاتے ہیں اللہ کی قسم اگر تم نے اس رائے پر عمل کیا تو باہر جا کر بہت سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کر کے حملہ آور ہوگا اور تمہیں وطن سے نکال دے گا۔ یہ سن کر اہل مجلس کہنے لگے شیخ نجدی نے ٹھیک کہا۔ اس کے بعد ابوجہل بولا اور کہنے لگا کہ اللہ کی قسم میں تمہیں ایک ایسی رائے دوں گا کہ اس کے علاوہ کوئی رائے ہے ہی نہیں۔ میری سمجھ میں تو یوں آتا ہے کہ قریش کے جتنے قبیلے ہیں ہر قبیلے میں سے ایک ایک خوب تگڑا نوجوان لیا جائے اور ہر ایک کو تلوار دے دی جائے پھر یہ نوجوانوں کی جماعت یکبارگی مل کر حملہ کر کے قتل کر دے۔ ایسا کرنے سے تمام قبیلوں پر ان کے خون کی ذمہ داری آ جائے گی اور میرے خیال میں بنی ہاشم قصاص لینے کے لئے مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ لہٰذا دیت قبول کر لیں گے اور سارے قریش مل کر دیت ادا کر دیں گے۔ یہ سن کر ابلیس بولا اس جوان آدمی نے صحیح رائے دی ہے۔" (انوار البیان)

اسی رائے کے مطابق مشرکین مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر مبارک کا گھیراؤ کرلیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر لٹایا اور خود ہجرت کے سفر پر روانہ ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنے سخت گھیراؤ سے نکال کر مدینہ منورہ لے گیا۔

فتح کی خوشی کو بڑھانے والی آیت

بعض مفسرین حضرات نے اس آیت کا ماقبل سے ربط یوں بیان فرمایا ہے: لما فتح اللہ علیہ ذکرہ مکر قریش بہ حین کان بمکۃ لیشکر نعمۃ اللہ فی نجاتہ من مکرھم واستیلائہ علیھم۔

یعنی جب اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدر میں فتح عطاء فرمائی تو اس آیت میں آپ کو قریش مکہ کی وہ سازش یاد دلائی جو انہوں نے اس وقت کی تھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں تھے۔ یہ یاددہانی اس لئے کرائی گئی تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کریں کہ اس نے آپ کو ان کی سازش سے بچایا اور پھر ان پر غالب فرمادیا۔ (المدارک، کشاف)

تنبیہ

بعض مفسرین نے ہجرت کی رات کے اس قصے میں ابلیس کی بصورت شیخ نجدی کی موجودگی کا انکار کیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے تفسیر کبیر

دو نکتے

❶ ترغیبِ جہاد کی آیات چل رہی ہیں تو اس آیت میں کفار کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دشمنی اور انتہائی بدسلوکی کو بیان فرمایا گیا۔ یہ چیز مسلمانوں کو اس بات پر ابھارتی ہے کہ وہ ایسے ظالم اور بدطینت افراد کے خلاف جہاد کریں جو ان کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے سخت دشمن ہیں۔

❷ مشرکین اور کفار کی ذہنیت کا علم ہوا کہ وہ مسلمانوں کی قیادت کو ختم کرنے کے درپے رہتے ہیں، ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ اسلام کو اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے مسلمانوں کی اعلیٰ قیادت کو ختم کردیا جائے، ابوجہل کی یہی ذہنیت تھی جو اس امت کا فرعون تھا اور یہی ذہنیت ہر زمانے میں دشمنان اسلام کی رہتی ہے۔ پس مسلمانوں کو اس بارے میں ہوشیار اور بیدار رہنا چاہیے۔

فائدہ

حضرات مفسرین نے وَيَمْكُرُ اللَّهُ اور اللہ تعالیٰ تدبیر فرمارہا تھا وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ اور اللہ تعالیٰ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔ ان جملوں پر بہت خوبصورت عبارتیں لکھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کتنی پختہ، کتنی مستحکم، کتنی خفیہ اور کتنی اچانک سامنے آنے والی ہوتی ہے۔ پس وہ حضرات جو کافروں کی طاقت اور ان کی سازشوں کو خوب مبالغے کے ساتھ بیان کرکر کے مسلمانوں کو ڈراتے رہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی قوت، تدبیر اور طاقت کو بھی مدنظر رکھا کریں۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں نے اپنے سے بہت طاقتور شیر کو زخمی کردیا تھا عرب کا یہ خطرناک زخمی شیر غصے اور انتقام کی آگ میں جل

رہا تھا اب اس بات کا یقینی خطرہ تھا کہ انتقام پرست عرب قبائل مسلمانوں پر چڑھ دوڑیں گے اور ان کا مکمل خاتمہ کر دیں گے۔ ظاہری صورتحال کے اعتبار سے یہ بالکل ممکن اور آسان تھا۔ ان حالات میں مسلمانوں کو ہجرت کا واقعہ یاد دلایا جا رہا ہے کہ کافروں کے جوشِ انتقام، ان کے لشکروں اور ان کی سازشوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم قربانی پیش کر کے میدانوں میں نکلو اور اللہ تعالیٰ کے بن جاؤ باقی سب کچھ اللہ تعالیٰ خود کرے گا اس لئے کہ دشمنوں کی سازشیں بہت سخت سہی مگر اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیروں کے سامنے ان کی کیا حقیقت ہے۔ اللہ تعالیٰ تو خیر الماکرین ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ خیر الماکرین کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

المراد اقوی الماکرین۔لینبہ بذلک علیٰ ان کل مکر فھو یبطل فی مقابلۃ فعل اللہ تعالیٰ۔

یعنی مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام تدبیریں کرنے والوں سے زیادہ قوت والا ہے اس میں تنبیہ کر دی گئی کہ ہر سازش اللہ تعالیٰ کے سامنے بے حیثیت ہے۔

امام نسفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ای مکرہ انفذ من مکر غیرہ وابلغ تاثیرا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تدبیر دوسروں کی تدبیر کے مقابلے میں بہت زیادہ نافذ ہونے والی اور بہت زیادہ قوت وتاثیر والی ہے۔

دنیا چونکہ دار الاسباب ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے دوسروں کی سازش اور تدبیر میں بھی تاثیر اور قوت رکھی ہے۔ مگر اتنی نہیں کہ (نعوذ باللہ) وہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے سامنے ٹھہر سکے۔ امریکہ ہو یا اسرائیل، روس ہو یا یورپ ان سب کی قوت، طاقت اور سازش اللہ تعالیٰ کی طاقت کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ قرآن پاک کا یہ پیغام مسلمانوں کے دلوں میں اتارنے کی ضرورت ہے نہ کہ انہیں کافروں کی طاقت سے مرعوب وخوفزدہ کرنے کی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

بعض الفاظ کی تفسیر

لِيُثْبِتُوْكَ کا معنیٰ قید کرنا، باندھنا یا زخمی کرنا۔

قال ابن عباس ومجاھد لیثبتوک ای لیقیدوک وقال عطاء والسدی لیثخنوک بالجرح والضرب۔ (البحر المحیط)

وَيَمْكُرُوْنَ خفیہ سازشیں کرتے تھے۔ **ویخفون المکایدلہ۔ (المدارک)**

نکتہ

مشرکین اور کفار سے اس لئے جنگ کی جاتی ہے کہ وہ ذاتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی دشمن ہوتے ہیں، جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے اور وہ قرآن پاک اور دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی دشمن ہوتے ہیں جیسا کہ اس کے بعد والی آیات سے معلوم ہوتا ہے۔ جب وہ ذاتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک کے خلاف سازشیں، تدبیریں اور جنگیں کرتے ہیں تو ان کے خلاف جنگ کیوں نہیں کی جائے گی؟ (واللہ اعلم بالصواب)

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِیَّۃٌ آیت ۳۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا

اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اگر ہم چاہیں تو

مِثْلَ هٰذَآ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾

اس کے برابر ہم بھی کہہ دیں اس میں پہلوں کے قصوں کے سوا اور کچھ نہیں

خلاصہ

یہ مشرکین قرآن پاک کے منکر اور مخالف ہیں وہ قرآنی آیات سن کر کہتے ہیں کہ اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا ہی کلام لاسکتے ہیں اور (نعوذ باللہ) قرآن تو پرانے بے سند قصوں کا مجموعہ ہے۔

ربط

❶ غزوہ بدر سے پہلے بہت سے مشرکین اپنے باطل مذہب کو برحق اور قرآن پاک کو بے سند کہانیوں کا مجموعہ سمجھا کرتے تھے مگر جب جہاد شروع ہوا اور قرآن پاک کے وعدے پورے ہونے لگے تو ان کو پتہ چل گیا کہ ان کا دعویٰ جھوٹا تھا۔ حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمہ اللہ یہی ربط بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

یعنی (وہ مشرکین قرآن پاک کے بارے میں) ہمیشہ یہ کہتے تھے (کہ یہ بے سند کہانیاں ہیں) اب (غزوۂ بدر میں) تو دیکھ لیا کہ یہ قصے نہ تھے وعدہ عذاب تم پر بھی آیا جیسے پہلوں پر آیا تھا۔ (موضح القرآن)

❷ ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کی برکت سے "فرقان" نصیب فرمایا کہ وہ حق کو پہچانتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ سے منہ موڑنے والے کافر اس "فرقان" سے محروم رہے اور قرآن پاک تک کو نہ پہچان سکے حضرت لاہوری رحمہ اللہ یہ ربط بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

کفار کو ترکِ تقویٰ ہی کی یہ سزا مل رہی ہے کہ آیاتِ ربانی کو پہچان نہیں سکتے اور ان کو پرانے قصے سمجھتے ہیں۔

(حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

❸ اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے مقابلے میں مسلمانوں کی نصرت فرمائی، انہیں مشرکین پر غالب فرمایا، مشرکین کی ہلاکت کے لئے فرشتے نازل فرمائے اس لئے کہ کفار و مشرکین اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہیں ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اب ان کافروں کی مزید خرابیاں بیان کی جارہی ہیں کہ وہ اس لئے اس ذلت کے مستحق ہیں کہ وہ قرآن پاک کے بھی سخت مخالف اور گستاخ ہیں۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ ربط بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

اوپر ترغیب اطاعت وترہیب معصیت سے پہلے آیت ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ ...الخ اور آیت إِنْ تَسْتَفْتِحُوا ...... الخ میں کفار کی مذمت تھی اوران کا اپنے ذمائم پر مستحق عذاب ہونا۔ آگے بھی ختم رکوع هُمُ الْخٰسِرُونَ تک اسی مضمون کی کسی قدر تفصیل ہے۔ (بیان القرآن)

❹ قرآن پاک ''کتاب ہدایت'' ہے مشرکین وکفار اس ''پیغام ہدایت'' کے خلاف سازشیں کرتے ہیں اور یہ دعویٰ کر کے کہ ہم بھی ایسا کلام لاسکتے ہیں عام لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور قرآن پاک کی دعوت سے روکتے ہیں، پس ایسے لوگوں کے خلاف جہاد کیا جائے تا کہ ''پیغام ہدایت'' کے راستے کے یہ پتھر ہٹ جائیں اور عام لوگ قرآن پاک کے نور سے فائدہ اٹھا کر ہدایت پاسکیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

❺ امام رازی رحمہ اللہ آیت کا ربط ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

اعلم انه تعالیٰ لما حکی مکر هم فی ذات محمد صلی الله علیه وسلم حکی مکر هم فی دین محمد صلی الله علیه وسلم (التفسیر الکبیر).

یعنی پچھلی آیت میں ان کی اس سازش کا ذکر تھا جو انہوں نے ذاتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کی تھی اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ان کی سازش کو بیان فرما رہا ہے۔

شانِ نزول

امام ابو حیان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قائل ذلك هو: النضر بن الحارث واتبعه قائلون کثیرون وکان من مردة قریش، سافر الی فارس والحیر ة وسمع من قصص الرهبان ،والا ناجیل،واخبار رستم، واسفند یار. (البحرا لمحیط)

یعنی یہ جملہ (کہ اگر ہم چاہیں تو ایسا کلام لے آئیں ...... الی آخرہ) نضر بن حارث نے کہا تھا اور پھر اس کی پیروی میں اور بھی بہت سے لوگ کہنے لگے نضر بن حارث قریش کے سرکش لوگوں میں سے تھا اُس نے فارس اور حیرہ کا سفر کیا تھا اور وہ وہاں سے راہبوں، سابقہ کتابوں اور رستم واسفندیار کے قصے سن کر آیا تھا۔

یہ نضر بن حارث بدر میں قید ہوا تھا اور بدر سے مدینہ منورہ واپسی کے راستے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم صادر فرمایا تھا۔ (البحر المحیط)

اگر ہم چاہیں

''نضر بن حارث کہا کرتا تھا کہ ہم چاہیں تو قرآن جیسا کلام بنالائیں اس میں قصے کہانیوں کے سوا کیا رکھا ہے مگر قرآن تو سب جھگڑوں کا فیصلہ اسی بات پر رکھتا تھا (کہ اگر تم سچے ہو تو قرآن پاک جیسا کلام بنالاؤ) پھر چاہا کیوں

نہیں؟ (یعنی وہ کہتے تھے کہ لَوْ نَشَآءُ اگر ہم چاہیں تو ایسا کلام لے آئیں تو پھر چاہا کیوں نہیں؟) کسی نے کہا تھا میرا گھوڑا اگر چلے تو ایک دن میں لندن پہنچے مگر چلتا نہیں۔ بہر حال (یہ مشرکین) پچھلی قوموں کے احوال سن کر کہا کرتے تھے کہ سب قصے کہانیاں ہیں۔ اب بدر میں دیکھ لیا کہ محض افسانے نہ تھے اور وعدہ عذاب تم پر بھی آیا جیسے پہلوں پر آیا تھا'' (تفسیر عثمانی)

دور حاضر اور یہ آیات، قرآن پاک کا عجیب اعجاز

پچھلی آیت اور اس آیت مبارکہ کو دیکھیں اور اس کے بعد والی چند آیات کو پڑھیں تو کفار ومشرکین کی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پوری جنگی ترتیب سامنے آجاتی ہے، آیت [۳۰] میں بتایا گیا کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازش کی کہ آپ ﷺ کو (نعوذ باللہ) پکڑیں، زخمی کریں اور شہید کریں، آیت [۳۱] میں بتایا گیا کہ وہ قرآن پاک کے دشمن ہیں اور اس کی تعلیم کو روکنا چاہتے ہیں، آیت [۳۵] میں بتایا گیا کہ وہ عبادت کی جگہ سیٹیاں، تالیاں بجاتے ہیں، آیت [۳۶] میں بتایا گیا کہ وہ اسلام سے روکنے کے لئے اقتصادی اور معاشی جنگ کرتے ہیں، آیت [۳۷] میں ان کے مسلمانوں کے خلاف اتحاد کی طرف اشارہ ہے اور آیت [۳۹] میں ان کی جنگی ترتیب کو توڑنے کا طریقہ مسلمانوں کو بتا دیا گیا ہے۔

اب اس زمانے کے اسلام دشمن کافروں کو دیکھیں ان کی پہلی کوشش مسلمانوں کی جہادی قیادت کو ختم کرنے کی ہے، دوسرا کام وہ لوگوں کو قرآن پاک کی تعلیم سے روکنے کا کر رہے ہیں، دینی مدارس کے خلاف چلائی جانے والی مہم کا اس کے علاوہ اور کیا مقصد ہے، ماضی کے مشرک وکافر قرآن پاک کو پرانی کہانیاں کہا کرتے تھے اور موجودہ مشرک وکافر اسے ''قدامت پسندی'' کا نصاب قرار دے رہے ہیں۔ اس کے بعد وہ ثقافتی جنگ کے ذریعہ مسلمانوں کو عبادت سے دور کرتے ہیں تاکہ لوگ مسجد سے کٹ کر تالیوں، سیٹیوں اور ناچ گانے میں مشغول ہو جائیں۔ اسی طرح انہوں نے اقتصادی جنگ بھی شروع کر رکھی ہے اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے مال کو بطور ہتھیار استعمال کر رہے ہیں۔ اور انہوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگی اور اقتصادی اتحاد بھی قائم کر لئے ہیں۔ قرآن پاک کی بیان فرمودہ ترتیب کے مطابق اب مسلمانوں کا فرض بنتا ہے کہ وہ آیت [۳۹] کے مفہوم پر عمل کر کے کافروں کی اس پوری جنگی ترتیب کو توڑ دیں وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ

ان تمام آیات اور موجودہ زمانے کے حالات پر غور کیا جائے کافروں کی جنگی ترتیب اور پھر لفظ فتنہ کو سمجھا جائے تو قرآن پاک کا لازوال اعجاز دیکھ کر دل عش عش کر اٹھتا ہے۔ صدق اللہ مولانا العظیم ومن اصدق من اللہ حدیثا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ایک دلچسپ عبارت

''یہ کہنے والا کون تھا؟ اہل تاریخ وسیر کا بیان ہے کہ یہ کہنے والا النضر بن حارث بن کلدہ تھا، جس کا شمار زنادقۂ قریش

میں تھا، اپنے زمانہ کا بڑا جہاندیدہ اور روشن خیال، ایران جیسے مہذب و متمدن ملک کی سیر کیے ہوئے۔ جیسے چند روز قبل کا ولایت پلٹ ہندوستانی۔ (یعنی یورپ سے واپس آنے والا ہندوستانی)۔ (تفسیر ماجدی)

یعنی جس طرح ہندوستان کا کوئی شخص یورپ چلا جاتا ہے اور پھر اپنے احساس کمتری اور حب دنیا کی وجہ سے وہاں کے حالات سے شدید متاثر ہو جاتا ہے تو ایسا شخص جب واپس اپنے ملک میں آتا ہے تو ناک چڑھا کر ہر چیز پر اعتراض کرتا ہے۔

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ — آیت ۳۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ

اور جب انہوں نے کہا کہ اے اللہ تعالیٰ اگر یہ دین تیری طرف سے

فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾

حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر دردناک عذاب لا

خلاصہ

غزوۂ بدر سے پہلے یہ مشرکین کہا کرتے تھے کہ اگر دینِ اسلام واقعی سچا دین ہے تو پھر اے اللہ! ہم پر پتھروں کی بارش برسا یا ہمیں کوئی دردناک عذاب دے۔

ربط

پچھلی آیت کے ربط کو ملاحظہ فرمائیں:

مختصر تفسیر

”اس آیت میں مشرکین مکہ کے انتہائی جہل اور شقاوت وعناد کا اظہار ہے۔ یعنی وہ کہتے تھے کہ خداوندا! اگر واقعی یہ ہی دین حق ہے جس کی ہم اتنی دیر سے اور اس قدر شدّومد سے تکذیب کر رہے ہیں تو پھر دیر کیوں ہے؟ گذشتہ اقوام کی طرح ہم پر بھی پتھروں کا مینہ برسا دیا جاتا یا اسی طرح کے کسی دوسرے عذاب میں مبتلا کر کے ہمارا استیصال کیوں نہیں کر دیا جاتا؟ کہتے ہیں کہ یہ دعا ابوجہل نے مکہ سے (بدر کی طرف) نکلتے وقت کعبہ کے سامنے کی۔ آخر جو کچھ مانگا تھا اس کا ایک نمونہ بدر میں دیکھ لیا وہ خود مع ۶۹ سرداروں کے کمزور بے سروسامان مسلمانوں کے ہاتھوں سے مارا گیا ستر سردار اسیری کی ذلت میں گرفتار ہوئے۔ اس طرح خدا نے ان کی جڑ کاٹ دی۔ بے شک قوم لوط علیہ السلام کی طرح ان پر آسمان سے پتھر نہیں برسے لیکن ایک مٹھی سنگریزے جو خدا تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے پھینکے تھے وہ آسمانی سنگباری کا چھوٹا سا نمونہ تھا فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (تفسیر عثمانی)

کلام برکت

ابوجہل جب مکے سے نکلنے لگا تو یہی دعاء کی کعبہ کے سامنے، وہی پیش آئی۔ (موضح القرآن)

وهو ابو جهل كما رواه البخاري والبيهقي عن انس بن مالك. (قرة العينين) قال شعبة عن عبدالحميد صاحب الزيادي عن انس بن مالك قال هو ابوجهل بن هشام. (تفسير

ابن کثیر)

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ بات بھی نضر بن حارث نے کہی تھی ملاحظہ فرمائے تفسیر ابن کثیر وتفسیر جلالین وغیرہما۔صاحب مدارک لکھتے ہیں:

روی ان النضر لماقال إِنْ هٰذَآ إِلَّآ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ قال له النبی علیه الصلوٰة والسلام ویلك هذا کلام الله فرفع النضر راسه الی السماء وقال إِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ ای ان کان القرآن هو الحق فعا قبنا علیٰ انکاره بالسجیل کما فعلت با صحاب الفیل۔ (المدارک)

یعنی جب نضر بن حارث نے کہا کہ (نعوذ باللہ) قرآن تو پرانے قصوں کا مجموعہ ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا تجھ پر ہلاکت ہو یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے یہ سن کر نضر نے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا اے اللہ اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یعنی اگر قرآن حق ہے تو ہمیں اس کے انکار پر ویسی سزا دے جس طرح تو نے ہاتھی والوں پر کنکر برسائے۔

کافروں کا غرور

غزوۂ بدر سے پہلے کافروں کے غرور اور تکبر کا یہ عالم تھا مگر جب غزوۂ بدر ہوا تو ان کا غرور ٹوٹ گیا اور پھر ٹوٹتا چلا گیا۔غزوۂ بدر کے بیان میں ان باتوں کے تذکرے سے یہ اشارہ سمجھا جا سکتا ہے کہ کافروں کے غرور کو جہاد کے ذریعہ توڑا جاتا ہے۔(واللہ اعلم بالصواب)

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قالوه لشبهة کانت فی صدورهم اوعلی وجه العناد والا بهام علی الناس انهم علیٰ بصیرة ثم حل بهم یوم بدر ما سئلوا۔ (القرطبی)

یعنی مشرکین قرآن پاک کے بارے میں یہ بات یا تو اس شبہے کی بنا پر کرتے تھے جو واقعی ان کے دل میں تھا یا صرف ضد اور عناد کی وجہ سے اور عام لوگوں کو مغالطے میں ڈالنے کے لئے کہتے تھے پھر غزوہ بدر کے دن ان پر وہ چیز آپڑی جو وہ مانگا کرتے تھے۔(القرطبی)

☆☆☆

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرے گا کہ انہیں تیرے ہوتے ہوئے عذاب دے اور اللہ تعالیٰ انہیں عذاب کرنے والا نہیں درآں حالیکہ وہ بخشش مانگتے ہوں

خلاصہ

جب وہ مشرکین عذاب مانگ رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب اس لئے نہیں بھیجا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں موجود تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو غزوہ بدر میں ان پر عذاب آ گیا۔ اب ان کے باقی افراد کے لئے عذاب سے بچنے کی یہ صورت ہے کہ وہ اسلام قبول کرلیں اور توبہ استغفار میں لگے رہیں۔ (ماخوذ از تفسیر المدارک)

اقوال وحوالے

کلام برکت

یعنی کے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم (مبارک کی برکت سے) عذاب اٹک (یعنی رک) رہا تھا اب (غزوہ بدر میں) ان پر عذاب آیا۔ اسی طرح جب تک گناہگار نادم رہے اور توبہ کرتا رہے تو پکڑا نہیں جاتا اگرچہ بڑے سے بڑا گناہ ہو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گناہگاروں کو دو چیز پناہ ہیں ایک میرا وجود اور دوسرے استغفار۔ (موضح القرآن)

چند مزید اقوال

اوپر خلاصہ تفسیر میں جو معنیٰ اختیار کیے گئے ہیں وہ تفسیر المدارک اور تفسیر موضح القرآن کی تحقیق کے مطابق ہیں۔

جب کہ دیگر کئی مفسرین حضرات نے مطلب یہ بیان کیا ہے کہ مشرکین جس خلافِ عادت عذاب کو مانگ رہے تھے یا جس مکمل خاتمے والے عذاب کو مانگ رہے تھے وہ دو وجوہات کی وجہ سے ان پر نہیں آیا ایک تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا موجود ہونا کہ آپ ''رحمۃ للعالمین'' ہیں اور دوسرا مشرکین کا طواف کے دوران استغفار کرنا۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے آیت کی تفسیر میں جو اقوال ذکر فرمائے ہیں وہ اس آیت کے تقریباً تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیے

امام قرطبی رحمہ اللہ کی تحقیق کا خلاصہ:

جب ابوجہل نے کہا اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ ھٰذَا ھُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِکَ الایۃ (اے اللہ اگر یہ دین (یا قرآن) آپ کی طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا) تو یہ آیت نازل ہوئی وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَاَنْتَ فِیْھِمْ اسی طرح صحیح مسلم میں ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کسی بستی پر عذاب نازل نہیں کیا جاتا جب تک نبی اور ایمان والے وہاں سے نکل کر اس جگہ نہ پہنچ جائیں جہاں جانے کا حکم دیا جاتا ہے۔ وَمَا کَانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَھُمْ وَھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مشرکین طواف میں کہا کرتے تھے غفرانک (اے اللہ ہمیں بخش دے) نافرمان بھی اگر استغفار کریں تو ان سے کچھ نہ کچھ نقصان اور شر ہٹا دیا جاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ استغفار سے مراد مسلمانوں کا ان میں موجود ہونا ہے کیونکہ مسلمان استغفار کرتے تھے۔ جب مسلمان مکہ سے نکل گئے تو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو بدر کے دن عذاب دیا یہ ضحاکؒ وغیرہ کا قول ہے اور ایک قول یہ ہے کہ استغفار سے مراد اسلام قبول کرنا ہے یعنی ان پر عذاب نہیں آئے گا اگر وہ اسلام قبول کرلیں۔ یہ مجاہد اور عکرمہ رحمہما اللہ کا قول ہے۔ اور ایک قول کے مطابق استغفار کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ ان کے اصلاب (نسل) میں ایسے (ایمان والے) لوگوں نے پیدا ہونا تھا جنہوں نے استغفار کرنا تھا اس لئے ان پر عذاب نہیں آیا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یَسْتَغْفِرُوْنَ کا معنیٰ ہے ای لو استغفروا لم یعذبوا کہ اگر وہ استغفار کر لیتے تو عذاب نہ دیئے جاتے یعنی اس میں استغفار کی طرف دعوت ہے (کہ کفر و شرک اور تمام گناہوں سے توبہ کرلیں) (تفسیر القرطبی)

روایت ترمذی

اس آیت کی تفسیر میں کئی مفسرین حضرات نے ترمذی کی یہ روایت بیان کی ہے:

أنزل علی امانین لا متی، وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَاَنْتَ فِیْھِمْ وَمَا کَانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَھُمْ وَھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ فاذا مضیت ترکت فیھم الاستغفار الی یوم القیامۃ۔

یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھ پر میری امت کے لئے دو چیزیں عذاب سے بچانے والی نازل کی گئی ہیں، میرا وجود اور استغفار جب میں چلا جاؤں گا تو ان میں قیامت تک استغفار کو چھوڑ جاؤں گا۔ (ترمذی)

عجیب نکتہ

امام نسفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وفیہ اشعار بانھم مرصدون بالعذاب اذا ھاجر عنھم۔ (المدارک)

یعنی آیت میں تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب مشرکین مکہ کی (تاک اور) گھات میں ہے بس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا انتظار ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ ہجرت جہاد کی ابتدا ہے، ہجرت کے بعد جہاد، کفر کی شکست اور اسلام کے غلبے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

☆☆☆

سُورَۃُ الْاَنْفَالِ مَدَنِیَّۃٌ آیت ۳۴

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ

اور اللہ تعالیٰ انہیں عذاب کیوں نہ دیں حالانکہ وہ مسجد حرام

الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَهُ ۚ إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ

سے روکتے ہیں اور وہ اس کے اہل نہیں ہیں اس کے اہل تو پرہیزگار ہی ہیں

وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۴﴾

لیکن ان میں سے اکثر نہیں سمجھتے

خلاصہ

یہ مشرکین اللہ تعالیٰ کے عذاب کے اس لئے مستحق ہیں کہ وہ لوگوں کو مسجد حرام بیت اللہ شریف سے روکتے ہیں۔ حالانکہ اس بات کا حق ان کو ہرگز حاصل نہیں ہے۔ یہ لوگ تو بیت اللہ کے متولی بننے کے بھی اہل نہیں۔ بیت اللہ کے اصل متولی تو متقی مسلمان ہیں۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جائیں گے

ای وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنتَ فِيهِمْ وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وهو معذبهم اذا فارقتهم، وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وكيف لايعذبون وحالهم انهم يصدون عن المسجد الحرام۔ (المدارک)

یعنی جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں موجود ہیں اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نہیں لائے گا اور جب آپ ان سے تشریف لے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دے گا اور ان پر عذاب کیوں نہ آئے جب کہ ان کی حالت یہ ہے کہ یہ لوگوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں۔

دوسرا قول

آیت کی تفسیر میں دوسرے قول کے مطابق مطلب یہ ہوگا:

”یعنی عذاب کا نہ آنا ان دو سبب سے ہے جو اوپر مذکور ہوئے ورنہ تمہاری شرارتیں اور ظلم وشقاوت تو ایسی چیزیں ہیں کہ فوراً عذاب آ جانا چاہئے۔ اس سے زیادہ ظلم کیا ہوگا کہ موحدین کو حرم شریف میں آنے یا عبادت کرنے سے طرح طرح کے حیلے تراش کر روکا جائے بلکہ ان کے وطن (مکہ معظمہ) سے نکال کر ہمیشہ کے لئے کوشش کی

جائے کہ یہ خدا کے پاکباز اور عبادت گذار بندے یہاں نہ آنے پائیں۔ اور ستم ظریفی یہ ہے کہ اس ظلم کے جواز کے لئے یہ سند پیش کی جاتی ہے کہ ہم حرم شریف کے متولی با اختیار ہیں جس کو چاہیں آنے دیں، جس کو چاہیں روک دیں۔ یہ ہمارا حق ہے حالانکہ اول تو یہ حق متولی کو بھی نہیں کہ مسجد میں لوگوں کو نماز و عبادت سے روکے دوسرے ”حق تولیت“ ان کو پہنچتا بھی نہیں۔ حرم شریف کے متولی صرف متقی اور پرہیزگار بندے ہو سکتے ہیں مشرک اور بدمعاش اس کے حقدار نہیں ہو سکتے لیکن ان میں سے اکثر اپنی جہالت سے یوں سمجھ رہے ہیں کہ ہم اولادِ ابراہیم علیہ السلام ہیں اور فلاں قبیلہ سے ہیں تولیتِ کعبہ ہمارا موروثی حق ہے جس کے لئے کوئی خاص شرط وقید نہیں، سو بتلا دیا کہ اولادِ ابراہیم علیہ السلام میں جو پرہیزگار ہو اسی کا حق ہے۔ ایسے بے انصافوں کو حق نہیں کہ جس سے وہ آپ (یعنی خود) ناخوش ہوئے نہ آنے دیا“ (تفسیر عثمانی)

کعبۃ اللہ کے آزاد ہونے کی بشارت ہے

”بیت اللہ کے وارث تو صرف اربابِ صلاح وتقویٰ ہی ہو سکتے ہیں، اس آیت میں پیشین گوئی کے طور پر فرما دیا کہ کفار قریش عنقریب اس وراثت سے محروم کردیے جائیں گے اور فرزندان اسلام ان کی جگہ لیں گے سورہ توبہ میں اس کو اور زیادہ وضاحت سے بیان کیا مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ (التوبہ آیت ۱۷، ۱۸) (تفسیر الفرقان)

وہ وجوہات جن کی وجہ سے کفار سے جہاد کیا جاتا ہے ان میں سے ایک مساجد اللہ کی آزادی بھی ہے۔ مسلمانوں کو بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مسجد پر غیر اہل اور ظالم لوگ قابض ہیں۔ اس بات سے مساجد کی آزادی کے لئے جہاد کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فائدہ

پچھلی آیات میں مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیا گیا تھا اور انہیں مال واولاد کی محبت کو قربان کر کے تقویٰ اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی تھی۔ اور وعدہ یہ تھا کہ اگر تم نے ایسا کیا تو تمہیں فرقان یعنی اللہ تعالیٰ کی نصرت اور غلبہ نصیب ہوگا۔ اور اس آیت میں بتایا گیا کہ مسجد حرام کے اصل متولی بھی متقی لوگ ہیں دونوں آیات کو ملایا جائے تو مطلب صاف نکلتا ہے کہ جہاد کی برکت سے مسجدِ حرام آزاد ہوگی۔ چنانچہ الحمدللہ ایسا ہی ہوا اور مرکز ہدایت مسلمانوں کو مل گیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

عذاب کا مقتضا موجود ہے

” آیت کا مطلب یہ ہوا کہ عذاب خارقِ عادت کے لئے تو موانع موجود ہیں لیکن نفسِ عذاب سے مانع تو کوئی بھی نہیں، بلکہ اس کا تو عین مقتضا موجود ہے“ (کہ وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں) (تفسیر ماجدی)

عذاب کا مطلب

اس آیت میں عذاب سے کیا مراد ہے امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ثم اختلفوا فی هذا العذاب فقال بعضهم : لحقهم هذا العذاب المتوعد به يوم بدر ،وقيل بل يوم فتح مكة وقال ابن عباس هذا العذاب هو عذاب الآخرة.(التفسير الكبير)

یعنی تین قول ہیں: ❶ غزوۂ بدر کا عذاب ❷ فتح مکہ کی صورت میں ان مشرکین کو جو عذاب ملا ❸ آخرت کا عذاب۔

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً فَذُوقُوا

اور کعبہ کے پاس ان کی نماز سوائے سیٹیاں اور اور تالیاں بجانے کے اور کچھ نہیں تھی پس عذاب چکھو

الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۳۵﴾

سبب اس کے کہ تم کفر کرتے تھے

خلاصہ

یہ لوگ مسجد حرام کے حقدار نہیں ہیں کیونکہ یہ عبادت کے نام پر اس کی بے حرمتی کرتے ہیں، وہاں سیٹیاں اور تالیاں بجاتے ہیں۔ اب ان کو عذاب کا مزہ اپنے کفر کی وجہ سے چکھنا ہی پڑے گا۔

یہ جہاد کی بشارت ہے

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والمقصود بيان ان من كانت هذه حاله لم يكن وليا للمسجد الحرام فهم اذن اهل لان يقتلوا بالسيف ويحاربوا فقتلهم الله يوم بدر واعز الاسلام بذلك (التفسير الكبير)

یعنی مقصود اس بات کا بیان ہے کہ جن لوگوں کی یہ حالت ہو (کہ مسجد حرام میں سیٹیاں اور تالیاں بجاتے ہیں اور عبادت گزاروں کو وہاں سے روکتے ہیں) تو اس بات کے حقدار ہیں کہ انہیں تلواروں سے کاٹا جائے اور ان کے خلاف جنگ کی جائے پس اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن انہیں ہلاک فرمایا اور اس سے اسلام کو عزت عطاء فرمائی۔

غزوات نبوی کی طرف اشارہ ہے

"فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ پس اپنے کفر کی وجہ سے عذاب کا مزا چکھو۔

چنانچہ اس وعید کے مطابق عذاب غیر خارق عادت، غزوات نبوی کی شکل میں مسلمانوں کے ہاتھوں ان کافروں پر نازل ہو کر رہا۔" (تفسیر ماجدی)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

چنانچہ غزوات متعددہ میں سزا واقع ہوئی جیسا اس سورۃ کے رکوع دوم میں بھی ہے۔ (بیان القرآن)

امام نسفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فذوقوا العذاب عذاب القتل والاسر يوم بدر

یعنی بدر کے دن قتل اور قید کا عذاب چکھو۔ (المدارک)

کفار کی ثقافتی جنگ

پچھلی آیت میں فرمایا تھا کہ یہ کفار مسجد حرام کے متولی بننے کے حقدار نہیں ہیں اس آیت میں اس کی تاکید فرمادی۔

لما نفی عنهم ان یکونوا ولاة البیت ذکر من فعلهم القبیح مایؤکد ذلك وان من کانت صلوته ما ذکر لا یستأهل ان یکونوا اولیائه۔(البحر المحیط)

یہ لوگ کعبہ شریف میں سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے۔ حضرات مفسرین نے ان کے اس عمل کی دو وجوہات لکھی ہیں:

❶ وہ اس کام کو عبادت سمجھتے تھے، وقال ابن عباس: کان ذلك عبادة فی ظنهم۔(البحر المحیط)

❷ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی نماز اور تلاوت میں خلل ڈالنے کے لئے ایسا کرتے تھے۔

یریدون ان یشغلوا بذلك الرسول عن الصلوٰة. (البحر المحیط)

وکانوا یفعلون نحوذلك اذا قرأ رسول الله صلی الله علیه وسلم فی صلوته یخلطون علیه۔ (المدارك)

لیشغلوه، وامته عن القراءة والصلوٰة. (البحر المحیط)

اس دوسرے مقصد سے کفار کی ان کوششوں کی طرف اشارہ سمجھا جاسکتا ہے جو وہ لہو ولعب اور تفریح وموسیقی کے نام پر مسلمانوں کو نماز، قرآن اور دین سے غافل کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ کفار کی یہ ثقافتی جنگ ہر زمانے میں مسلمانوں کے خلاف جاری رہتی ہے اور موجودہ دور میں اس جنگ نے کافی زور اور اثر پکڑ لیا ہے اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کی حفاظت فرمائے۔ آمین یا ارحم الراحمین۔

سُورَةُ الأَنفَال مَدَنِيَّة آیت ۳۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ

بے شک جو لوگ کافر ہیں وہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی راہ

اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ۬ؕ

سے روکیں سو ابھی اور بھی خرچ کریں گے پھر وہ ان کیلئے حسرت ہوگا پھر مغلوب کیے جائیں گے

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾

اور جو کافر ہیں وہ دوزخ کی طرف جمع کیے جائیں گے

خلاصہ

یہ کفار و مشرکین لوگوں کو "دین اسلام" سے روکنے کے لئے مال خرچ کرتے ہیں یہ ابھی اور خرچ کریں گے۔ پھر انہیں اپنے اس خرچ کیے ہوئے مال پر حسرت ہوگی اور وہ مسلمانوں کے ہاتھوں مغلوب ہوں گے اور جو ان میں سے کفر پر مریں گے وہ جہنم میں ہانکے جائیں گے۔

شانِ نزول

❶ قال مقاتل والکلبی رحمهما الله: نزلت فی المطعمین یوم بدر وکانوا اثنی عشر رجلا من کبار قریش۔ (التفسیر الکبیر)

یعنی یہ آیت بدر میں مشرکین کے لشکر کو کھانا کھلانے والے قریش کے بارہ بڑے سرداروں کے بارے میں نازل ہوئی۔

❷ نزلت فی ابی سفیان بن حرب استأجر یوم احد الفین من الاحابیش یقاتل بهم النبی صلی الله علیه وسلم

یعنی یہ آیت ابوسفیان کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے احد کے موقع پر مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے حبشہ کے دو ہزار جنگجو کرائے پر بھرتی کئے۔

❸ لما رجع فل قریش الی مکة من بدر الی آخره۔ (البحر المحیط)

یعنی بدر کا شکست خوردہ لشکر جب واپس مکہ پہنچا اور ابوسفیان کا قافلہ بھی مکہ پہنچا تو انہوں نے طے کیا کہ تجارتی قافلے کا تمام مال مسلمانوں سے انتقام لینے کیلئے صرف کریں گے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

مختصر تفسیر

’’بدر میں بارہ سرداروں نے ایک ایک دن اپنے ذمہ لیا تھا کہ ہر روز ایک شخص لشکر کو کھانا کھلائے گا، چنانچہ دس اونٹ روزانہ کسی ایک کی طرف سے ذبح کیے جاتے تھے، پھر جب شکست ہوگئی تو ہزیمت خوردہ مجمع نے مکہ پہنچ کر ابوسفیان وغیرہ سے کہا کہ جو مال تجارتی قافلہ لایا ہے وہ سب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے انتقام لینے میں صرف کیا جائے چنانچہ سب اس پر راضی ہوگئے۔ اس طرح کے خرچ کرنے کا یہاں ذکر ہے۔ (یہ کفار ومشرکین) جب دنیا میں مغلوب ومقہور اور آخرت میں معذب ہوں گے تب افسوس وحسرت سے ہاتھ کاٹیں گے کہ مال بھی گیا اور کامیابی بھی نہ ہوئی، چنانچہ اول بدر میں پھر احد وغیرہ میں سب مالی اور جسمانی طاقتیں خرچ کر دیکھیں کچھ نہ کر سکے آخر ہلاک ورسوا ہوئے یا نادم ہو کر کفر سے توبہ کی۔‘‘ (تفسیر عثمانی)

غلبہ اسلام کو روکنے کیلئے مال لگائیں گے

والمعنیٰ ان الکفار یقصدون بنفقتهم الصد عن سبيل الله وغلبة المومنين (البحر المحيط)

یعنی مطلب یہ ہے کہ کافر اسلام سے روکنے اور مسلمانوں کے غلبے کو روکنے کیلئے مال خرچ کرتے ہیں۔

فائدہ

جہاد کی ترغیب کے بیان میں کافروں کا یہ خطرناک طرز عمل بتایا جا رہا ہے کہ وہ تو ایسے ظالم اور ایسے دشمن ہیں کہ اپنا مال اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں پس ایسے کافروں سے لڑنا چاہیے اور ان کے اموال کو بھی ختم کرنا چاہیے تاکہ اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت رہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اقتصادی جنگ

آیت میں کفار کی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اقتصادی جنگ کا بیان ہے کہ وہ اپنا مال اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور خرچ کرتے رہیں گے۔ دور حاضر میں یہ جنگ مسلمانوں کے خلاف پورے زور وشور سے مختلف شکلوں میں جاری ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ایک بے حد اہم نکتہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے ابوسفیان کے قافلے پر حملے کیلئے نکلے تھے بعض مسلمان مؤرخین اس بات کو تسلیم کرنے سے شرم محسوس کرتے ہیں اور طرح طرح کی تاویلیں کرتے ہیں۔ اس آیت مبارکہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل مبارک کی اصل وجہ بیان کردی کہ کفار ومشرکین کا مال ان کا اسلام کے خلاف سب سے طاقتور ہتھیار ہے۔ اسی مال کے ذریعہ وہ اسلحہ خریدتے ہیں، اسی مال سے وہ مسلمانوں کے خلاف لشکر اور فوجیں منظم کرتے ہیں، اسی مال سے وہ مسلمانوں کے خلاف کرائے کے سپاہی بھرتی کرتے ہیں، اسی مال کے ذریعہ وہ مسلمانوں میں سے منافقین کو خریدتے ہیں اور اسی مال کے ذریعہ وہ اسلام اور مسلمانوں کو تباہ کرنے کی ہر کوشش کرتے ہیں۔ پس اسلام دشمن قوتوں کا

مال اسی طرح ہے جس طرح موذی سانپ کے منہ کا زہر۔اب اگر کوئی شخص اپنے دشمن سانپ کو پکڑ کر اس کے منہ کا زہر نکال دے تو کیا یہ اس کا حق نہیں بنتا؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام مال کی محبت سے بہت دور تھے اگر مال کی چاہت ہوتی تو احد پہاڑ کو سونا بنانے کی پیشکش قبول فرمالیتے۔اگر مال کی چاہت ہوتی تو مشرکین مکہ نے مکہ مکرمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت بڑے مال کی پیشکش کی تھی۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی اور آپ کی تعلیمات کو سرسری نظر سے بھی دیکھا جائے تو ہر دوست اور دشمن اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ دنیا پرستی اور مال کی محبت کا دور دور تک نشان بھی نہیں ملتا۔اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے ابوسفیان کے تجارتی قافلے کا قصد فرمایا تو اس کا اصل مقصد دشمنان اسلام کی اس اقتصادی قوت کو توڑنا تھا جس اقتصادی قوت کے بل بوتے پر وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کارروائیاں کررہے تھے۔قرآن پاک کی یہ آیت بالکل صاف الفاظ میں بتارہی ہے کہ دشمنان اسلام کا مالدار ہونا مسلمانوں کے لئے کس قدر خطرناک ہے۔اگر شرمساری محسوس فرمانے والے مورخین صرف اسی ایک آیت پر غور کرلیں تو وہ بھی بے ساختہ پکار اٹھیں گے کہ بے شک اسلام دشمن کافروں کے مال پر حملہ کرنا دین کا تقاضا تھا اور ان کے عام افراد کی جانوں سے زیادہ ان کا مال مسلمانوں کے لئے خطرناک ہے۔اس لیے جان سے بھی پہلے مال پر حملہ کرنا چاہیے اور اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کا بندوبست کرنا چاہیے۔(واللہ اعلم بالصواب)

اس آیت میں مسلمانوں کے لئے یہ اشارہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ کفار و مشرکین کی مالی طاقت کو توڑ دیں اور کمزور کردیں۔(واللہ اعلم بالصواب)

آیت کا مضمون عام ہے

’’مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ سبب نزول اگرچہ خاص ہے مگر مضمون عام ہے۔جب کبھی بھی اہل کفر حق سے روکنے کے لئے اپنا مال خرچ کریں گے دنیا و آخرت میں ناکام ہوں گے اور ذلیل ہوں گے۔اللہ تعالیٰ کا دین کامل ہوگا، پھیلے گا، پورا ہوگا کافر اس کے بجھانے کے لئے مال خرچ کریں گے پھر نادم ہوں گے ان کو حسرت ہوگی کہ ہم نے اپنا مال خرچ کیا لیکن فائدہ اور مقصود حاصل نہ ہوا۔یہ لوگ دنیا میں مغلوب ہوں گے اور آخرت میں بھی دوزخ میں داخل ہوں گے۔(تفسیر انوار البیان)

فائدہ

غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے اسلامی لشکر کا رخ ابوسفیان کے قافلے سے ابوجہل کے لشکر کی طرف موڑ دیا کیونکہ اس وقت شرک کے سرداروں کا خاتمہ وقت کی اہم ترین ضرورت تھی۔اور چونکہ غلبہ اسلام کی بنیاد غزوہ بدر میں رکھی جارہی تھی اس لیے مسلمانوں کو طاقتور دشمن سے لڑا کر انہیں جہاد کی حقیقت سمجھا دی گئی اور جہاد کا ہر پہلو ان پر واضح کردیا گیا۔(واللہ اعلم بالصواب)

☆☆☆

سُوْرَۃُ الْاَنْفَالِ مَدَنِیَّۃٌ آیت ۳۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ

تاکہ اللہ تعالیٰ ناپاک کو پاک سے جدا کردے اور پھر ناپاکوں کو ایک دوسرے

عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ

پر رکھ کر ان سب کا ایک ڈھیر بنائے پھر اسے جہنم میں ڈال دے وہی لوگ

الْخٰسِرُوْنَ ۝۳۷

نقصان اٹھانے والے ہیں

خلاصہ

کافروں کا اسلام کے خلاف مال خرچ کرنا اس لیے ہے تاکہ دنیا میں خبیث اور طیب یعنی کافر اور مومن میں امتیاز ہوجائے یا پاک اور ناپاک مال میں امتیاز ہوجائے کہ پاک مال رحمانی کاموں میں اور ناپاک مال شیطانی کاموں میں صرف ہوا کرتا ہے پھر اس کل ناپاک (گروہ یا مال) کا ڈھیر بنا کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور کافروں کے لئے خسارہ ہی خسارہ ہے۔ (تفسیر حقانی)

کلام برکت

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

یعنی آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ اسلام کو غالب کرے گا اس بیچ میں کافر اپنا زور جان اور مال کا (اسلام اور مسلمانوں کے خلاف) خرچ کرلیں گے تاکہ نیک اور بد جدا ہوجائے یعنی جن کی قسمت میں اسلام لکھا ہے وہ سب مسلمان ہو چکیں اور جن کو کفر پر مرنا ہے وہی اکٹھے دوزخ میں جاویں۔ (موضح القرآن)

یعنی کافر مسلمانوں کے خلاف مال خرچ کر کے جنگ برپا کرتے ہیں اور اس مال کے بل بوتے پر اپنے حامیوں کو اکٹھا کرتے ہیں۔ مال کے لالچی لوگ اس مال کی وجہ سے کافروں سے جا ملتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں مخلص مسلمان میدان میں اترتے ہیں یوں کافر ٹولہ الگ اور مسلمان جماعت الگ ہوجاتی ہے۔ آخرت میں اللہ تعالیٰ کافروں کو اکٹھا جہنم میں ڈال دے گا۔

کلام رازیؒ

امام رازی رحمہ اللہ نے آیت کے دو مطلب بیان فرمائے ہیں:

❶ لیمیز اللّٰہ الفریق الخبیث من الکفار من الفریق الطیب من المومنین
تاکہ اللہ تعالیٰ کافروں کے گندے گروہ کو مسلمانوں کی پاک جماعت سے الگ فرمادے۔ اس تفسیر کے مطابق لیمیز کے لام کا تعلق یحشرون کے ساتھ ہوگا۔ والمعنیٰ انھم یحشرون لیمیز اللّٰہ الفریق الخبیث من الفریق الطیب مطلب یہ کہ کافروں کو جہنم میں جمع کیا جائے گا تاکہ اللہ تعالیٰ ناپاک گروہ کو پاک جماعت سے الگ فرمادے۔

❷ المراد بالخبیث نفقة الکافر علی عداوة محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم وبالطیب نفقة المومن فی جھاد الکفار کا نفاق ابی بکر و عثمان رضی اللّٰہ عنھما فی نصرة الرسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم
یعنی مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ناپاک مال کو پاک مال سے جدا کردے ناپاک مال وہ ہے جسے کافر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں خرچ کرتے ہیں اور پاک مال وہ ہے جسے مسلمان کافروں کے خلاف جہاد میں خرچ کرتے ہیں۔ جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت میں خرچ کیا ہوا مال۔ پھر اللہ تعالیٰ ناپاک مال کو جمع کرکے جہنم میں ڈال دے اور اس مال سے ان کافروں کو عذاب دے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے فتکوی بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم کہ جہنم میں سونے چاندی کو گرم کرکے اس سے ان کے چہرے پہلو اور پیٹھ کو داغا جائے گا۔ اس تفسیر کے مطابق لیمیز کے لام کا تعلق تکون سے ہوگا۔ وعلی القول الثانی متعلق بقولہ ثم تکون علیھم حسرةً۔ (التفسیر الکبیر)

فائدہ

آیت مبارکہ میں کافروں کے اس اتحاد کی طرف واضح اشارہ ہے جو وہ مال کے زور پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہر زمانے میں بناتے رہتے ہیں۔ پس مسلمانوں کو اس سے گھبرانا نہیں چاہیے البتہ کافروں سے الگ رہنا چاہیے اور اس طرح کے ”اتحادوں“ کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے کہ یہ سب جہنم کے ایندھن ہیں۔ سوائے ان کے جو اسلام قبول کرلیں۔ واللہ اعلم بالصواب

نکتہ

جہاد پر خرچ کیا جانے والا مال اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت طیب اور پاک مال ہے پس ہر مسلمان کو اپنی آخرت کے لئے ایسا طیب یعنی پاکیزہ ذخیرہ زیادہ سے زیادہ تیار کرنا چاہیے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

دنیا کے اتحادی آخرت میں اکٹھے

صاحب انوار البیان تحریر فرماتے ہیں:

دنیا میں تمام اہل کفار آپس میں ایک دوسرے کے مددگار تھے۔ اسلام کے خلاف اموال خرچ کرنے میں ایک

دوسرے کا تعاون کرتے تھے آخرت میں بھی سب ایک جگہ جمع ہو جائیں گے۔ دنیا میں جو اسلام کی دشمنی کے لئے سوچتے اور خرچ کرتے تھے۔ اس کی وجہ سے دار العذاب میں اکٹھے ہو کر اس کی سزا بھگتیں گے۔ (انوار البیان)

جہاد کرنے والے پاک اور چھوڑنے والے برعکس

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کا ایک مطلب یہ بیان فرمایا ہے:

ای انما اقدرناهم علی ذلك لیمیز الله الخبیث من الطیب ای من یطیعه بقتال اعدائه الکافرین او یعصیه بالنکول علی ذلك کقوله وما اصابکم یوم التقی الجمعان فباذن الله ولیعلم المومنین ولیعلم الذین نافقوا وقیل لهم تعالوا قاتلوا فی سبیل الله او ادفعوا قالوا لونعلم قتالاً لاتبعناکم. (آل عمران ۱۶۶۔۱۶۷)

یعنی ہم نے کافروں کو مسلمانوں کے خلاف مال خرچ کرنے کی طاقت اس لیے دی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ناپاک اور پاک لوگوں کو الگ الگ کردے۔ یعنی ان کو جو اس کا حکم مان کر کافروں سے جہاد کرتے ہیں اور ان کو جو اس حکم کو نہیں مانتے اسی طرح کا مضمون اس آیت میں ہے **وما اصابکم یوم التقی الجمعان الآیة**۔ (تفسیر ابن کثیر)

یعنی منافق بھی خود کو مسلمان ظاہر کر کے مسلمانوں میں گھسے رہتے ہیں لیکن جب کافر اپنا مال خرچ کر کے مسلمانوں کے خلاف جنگ برپا کرتے ہیں تو یہ منافق مسلمانوں کے ساتھ مل کر کافروں کے خلاف جہاد میں نہیں نکلتے یوں مسلمان اور منافق میں امتیاز اور چھانٹی ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی امتیاز کو ظاہر فرمانے کے لئے کافروں کو مسلمانوں کیخلاف مال خرچ کرنے کی قوت اور قدرت دیتا ہے۔

اسباق

❶ اسلام دشمن کافروں کا مال مسلمانوں کے خلاف خطرناک جنگی ہتھیار ہے۔ چنانچہ اس ہتھیار کو توڑنا چاہیے۔

❷ جہاد کے خلاف خرچ کیا جانے والا مال ناپاک ہے۔

❸ جہاد میں خرچ کیا جانے والا مال پاک ہے۔ مسلمانوں کو جہاد میں مال خرچ کر کے اپنی آخرت کے لئے پاک ذخیرہ جمع کرنا چاہیے۔

❹ کافر مال کے زور پر مسلمانوں کے خلاف اتحاد بناتے ہیں مسلمانوں کو بھی ان کے خلاف متحد ہونا چاہیے مگر یہ اتحاد مال پر نہ ہو ایمان، ہجرت، نصرت اور جہاد کی بنیادوں پر ہو۔

❺ جہاد کرنے والے مسلمان طیب اور پاک ہیں اور فرض جہاد سے روگردانی کرنے والے ایسے نہیں ہیں۔

❻ کفار مسلمانوں کے خلاف اقتصادی جنگ برپا کرتے ہیں اور مال کے زور پر مسلمانوں کی صفوں میں دراڑ ڈالتے ہیں اور ان میں سے اپنے کام کے افراد خریدتے ہیں۔ اس جنگ کے مقابلے کا طریقہ یہ ہے کہ مسلمان خود کو مال کا لالچی اور

حریص نہ بننے دیں اوا پنی زندگی سادہ رکھیں اور دنیا کی زیب وزینت کو مقصود نہ بنائیں اور مال کی محبت میں گرفتار نہ ہوں۔ جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے شوقین اور شہادت کے طلبگار رہوں گے تو کافروں کی اقتصادی جنگ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی اوران کے اموال مسلمانوں کے لئے مال غنیمت بن جائیں گے جیسا کہ غزوہ بدر میں ہوااور صحابہ کرام کے زمانے میں بار بار ہوتا رہااور قرآن پاک بھی اس آیت کے بعد پھر جہاد کی دعوت دیتا ہےاور اموال غنیمت کی تقسیم کا مسئلہ سمجھاتا ہے جس میں کافروں کی اقتصادی جنگ کوتوڑنے کے طریقے کی طرف واضح اشارہ ہے۔(واللہ اعلم بالصواب)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ

کافروں سے کہہ دو کہ اگر وہ باز آجائیں تو جو کچھ گزر چکا وہ انہیں معاف کردیا جائے گا اور اگر

يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾

لوٹیں گے تو پہلے کافروں کے حق میں قانون نافذ ہو چکا ہے

خلاصہ

کافروں کو بتادیا جائے کہ ان کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اگر وہ اسلام قبول کرلیں اور مسلمانوں کے خلاف جنگ سے باز آجائیں تو ان کے پچھلے تمام گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔ اور انہیں یہ بھی بتادیا جائے کہ اگر وہ دوبارہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں اتریں گے تو پھر اللہ تعالیٰ کا قانون نافذ چلا آرہا ہے کہ وہ اپنے لوگوں یعنی مسلمانوں کی مدد فرماتا ہے اور اپنے دشمنوں کو ہلاک فرماتا ہے۔

اسلام پچھلے سب گناہ مٹادیتا ہے

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وفی الصحیح ایضاً ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: الاسلام یجب ما قبلہ والتوبۃ تجب ماکان قبلھا (ابن کثیر)

یعنی حدیث صحیح میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسلام پچھلے تمام گناہوں کو مٹادیتا ہے اور توبہ پچھلے تمام گناہوں کو مٹادیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عظیم رحمت

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ھذہ لطیفۃ من اللہ سبحانہ...... الخ

یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا خاص لطف و کرم ہے جس کے ذریعہ اس نے اپنی مخلوق پر احسان عظیم فرمایا ہے اور وہ یہ کہ کفار اپنے کفر اور جرائم میں غرق ہوتے ہیں اور ہر طرح کے گناہ اور برائیاں کرتے ہیں۔ اگر ان سے ان سب چیزوں کا حساب ہوتو وہ کبھی بھی توبہ اور بخشش نہ پاسکیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے آسانی فرمادی کہ وہ رجوع کریں اور اسلام لے آئیں تو ان کی توبہ بھی قبول اور انہیں بخشش بھی نصیب اور پچھلا سب کچھ معاف۔ یہ احسان اس لیے فرمایا

تاکہ انہیں اسلام میں داخل ہونے کی طرف زیادہ رغبت اور میلان ہو اور وہ مسلمانوں کا کلمہ قبول کرلیں۔ اگر ان سے کہا جاتا کہ ان کے پچھلے تمام اعمال کا حساب ہوگا تو وہ نہ توبہ کرتے اور نہ اسلام قبول کرتے۔ (القرطبی)

اگر پھر لڑیں گے

وان یعودوا یرید الی القتال

یعنی اگر وہ دوبارہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں اتریں گے۔ (القرطبی)

کافروں کو بدر کی یاددہانی

فقد مضت سنة الاولین...... قال مجاهد: ای فی قریش یوم بدر وغیرها من الامم وقال السدی ومحمد بن اسحاق ای یوم بدر

یعنی اگر کافر دوبارہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں اتریں گے تو اللہ تعالیٰ کا قانون غزوہ بدر میں ظاہر ہو چکا ہے۔ (ابن کثیر)

بعض مفسرین فرماتے ہیں:

فقد مضت سنة الاولین فی نصرالله وانبیائه واولیائه واهلاك اعدائه

یعنی ماضی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے انبیاء اور اولیاء کی مدد اور دشمنوں کو ہلاک کرنے کا اصول واضح ہو چکا ہے۔ (معالم التنزیل، انوار البیان)

امام ابوحیان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وتخویفهم بقصة بدر اشدّ (البحر المحیط)

یعنی (آیت میں بدر کا قصہ مراد لینا زیادہ مناسب ہے کیونکہ) انہیں بدر کے قصہ سے دھمکی دینا زیادہ مضبوط بات ہے اس لیے کہ یہ واقعہ ان کے سامنے تھا۔

الغرض اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بھی بار بار غزوہ بدر یاد دلاتا ہے کہ وہ اس کو زندہ کریں اور کافروں کو بھی غزوہ بدر یاد دلا کر ڈراتا ہے اور اسلام کی دعوت دیتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

دشمنی معاف کردی جائے گی

امام نسفی رحمہ اللہ نے اس آیت کا معنیٰ یوں بیان فرمایا ہے:

قل للذین کفروا ای ابوسفیان واصحابه ان ینتهوا عماهم علیه من عداوة رسول الله صلی الله علیه وسلم وقتاله بالدخول فی الاسلام یغفر لهم ماقد سلف لهم من العداوة وان یعودوا لقتاله فقد مضت سنة الاولین بالإهلاك فی الدنیا والعذاب فی العقبیٰ۔ (المدارک)

یعنی ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کو کہہ دیجئے کہ اگر تم اسلام قبول کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی اور آپ کے خلاف جنگ کرنے سے باز آجاؤ تو تمہاری سابقہ دشمنی کو معاف کر دیا جائے گا اور اگر تم جنگ کے لئے لوٹو گے تو دنیا میں ہلاکت اور آخرت میں عذاب تمہارا مقدر بنے گا۔

مطلب یہ کہ مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ فتح کے بعد جنگجو کافروں کو اسلام کی دعوت اور آئندہ جنگ کرنے کی صورت میں سابقہ انجام کی دھمکی دیا کریں۔ اس طرح سے بہت سے کافروں کو اسلام قبول کرنے کی توفیق ملے گی۔ کیونکہ اسلام اور مسلمانوں کی فتح کے بعد دعوت اسلام کی راہ بہت ہموار ہو جاتی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ

اور تم ان سے اس حد تک لڑو کہ شرک کا غلبہ نہ رہنے پائے اور سارا دین اللہ تعالیٰ ہی کا ہو جائے

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾

پھر اگر یہ باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو دیکھنے والا ہے

خلاصہ

اے مسلمانو! تم کافروں سے برابر لڑتے رہو یہاں تک کہ ان کا زور ٹوٹ جائے ان کی قوت اور شوکت ختم ہوجائے اور دین اسلام کو سب ادیان پر غلبہ مل جائے۔ پھر اگر وہ کفر سے باز آجائیں تو جنگ روک دو۔ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔

اقوال

۱ کلام برکت:

لڑو! جب تک فساد رہے یعنی کافروں کا زور نہ رہے کہ ایمان سے روک سکیں۔ (موضح القرآن)

۲ کافروں کی قوت پاش پاش ہوجائے:

وفاداران مملکت الٰہی (مومنین) اس وقت تک تلوار نیام میں نہیں ڈالیں گے جب تک باغیوں (کفار) کی قوت کو پاش پاش نہ کرلیں اور توحید کا پھریرا (یعنی پرچم) ساری دنیا میں لہرانے نہ لگ جائے۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

۳ حضرات صحابہ کرام نے آیت کا کیا معنیٰ سمجھا؟

”بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ آیت کے یہ معنیٰ ہیں کہ برابر کافروں سے لڑتے رہو۔ وہ جہاں کہیں بھی ہوں یہاں تک کہ اسلام کا غلبہ ہوجائے۔ غلبہ کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اسلام قبول کرلیں اور دوم یہ کہ جزیہ دینا منظور کرلیں۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم تو برابر جہاد کرتے رہے۔ ان کے بعد بھی بہت سے امراء اور ملوک نے جہاد جاری رکھا، دور حاضر کے مسلمانوں نے جہادِ شرعی چھوڑ دیا تو اب خود مقہور اور مغلوب ہو رہے ہیں؟“ (تفسیر انوار البیان)

۴ جب تک زمین پر حق وسچ قائم نہ ہوجائے:

پھر مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ تم ان سے جنگ کیے چلے جاؤ یہاں تک کہ فتنہ کفر ومعاصی نہ مٹ جائے اور زمین پر راستی نہ قائم ہوجائے۔ (تفسیر حقانی)

۵ قرآن پاک کو اعلیٰ قانون کے درجے پر تسلیم کرلیا جائے:

’’گذشتہ رکوع میں بتایا گیا کہ اس قسم کے لوگ مسلمانوں کو تباہ کرنے کی فکر میں رہیں گے۔ ان کے مقابلہ میں ارباب اخلاص وتوحید کی ضرور مدد ہوگی لیکن اس نصرت واعانت کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان اس قرآن کو اپنا دستور العمل بنالیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے اور کفار کے ساتھ برابر جنگ کرتے رہیں، دنیا میں نور اور ظلمت، حق اور باطل، اسلام اور کفر کے سلاسل مختلفہ ہمیشہ رہیں گے۔ دونوں ایک دوسرے کو فنا کرنے کی کوشش کریں گے، کفر و باطل پرستی کے ہوتے ہوئے دنیا میں امن وسلامتی کا قیام ناممکن ہے، پس اگر چاہتے ہو کہ کرۂ ارض امن وامان کا گہوارہ بن جائے تو دائمی طور پر جنگ کے لئے تیار رہو یہاں تک کہ قانونِ الٰہی رائج ونافذ ہو۔ کوئی انسانی طاقت اس کی تقبیح وتنقیص نہ کرسکے، فتنہ فرو ہوجائے، چاروں طرف اسلام کی حکومت ہو اور جملہ مذاہب واقوام اس کے ماتحت امن کی زندگی بسر کریں۔ اسی کو کہا گیا حتی تضع الحرب اوزارھا یعنی جب تک دنیا میں جنگ کی صورت باقی ہے مسلمان اس کے لئے تیار رہیں گے، یہی حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ہے اسی کی نسبت حدیث میں آیا:

امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ فاذا قالوھا عصموا منی دماء ھم واموالھم الا بحقھا وحسابھم علی اللہ۔ اسلام دنیا میں خون بہانے اور انسان کو ذبح کرنے کے لئے نہیں آیا، اس کا مقصدِ اصلی قانونِ الٰہی کی نشر واشاعت اور امن وسلامتی کا قیام ہے، اس لیے جس وقت بھی کفار اسلام کی مخالفت ترک کردیں صحیح تعلیم دنیا میں رائج ہوجائے اور شہنشائی قانون کے درجہ پر قرآن کو تسلیم کرلیا جائے تو پھر تلوار کو نیام میں کرلیا جائے گا اس کے بعد وہ جو کچھ کریں گے اللہ تعالیٰ کی نظر سے مخفی نہیں رہ سکتا لیکن اگر انہوں نے سرتابی کی تو تمہاری ولایت ونصرت کے لئے اللہ کافی ہے، وہ ضرور تمہاری مدد کرے گا پس صرف اعلائے کلمۃ اللہ کو اپنی غایت الغایات اور مقصدِ حیات بنالو اور مالِ غنیمت کی پروانہ کرو۔ (تفسیر الفرقان)

۶ آیت کی جامع تفسیر:

یعنی کافروں کا زور نہ رہے کہ ایمان سے روک سکیں یا مذہبِ حق کو موت کی دھمکی دے سکیں، جیسا کہ تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی کفار کو غلبہ ہوا مسلمانوں کا ایمان اور مذہب خطرہ میں پڑ گیا۔ اسپین کی مثال دنیا کے سامنے ہے کہ کس طرح قوت اور موقع ہاتھ آنے پر مسلمانوں کو تباہ کیا گیا یا مرتد بنایا گیا۔ بہرحال جہاد وقتال کا اولین مقصد یہ ہے کہ اہل اسلام مامون ومطمئن ہوکر خدا کی عبادت کرسکیں اور دولت ایمان وتوحید کفار کے ہاتھوں سے محفوظ ہو چنانچہ فتنہ کی یہی تفسیر ابن عمر وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے کتب حدیث میں منقول ہے۔ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (اور ہوجائے حکم سب اللہ کا) یہ ’’جہاد‘‘ کا آخری مقصد ہے کہ کفر کی شوکت نہ رہے حکم اکیلے خدا کا چلے۔ دین حق سب ادیان پر غالب آجائے (لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ) خواہ دوسرے باطل ادیان کی موجودگی میں جیسے خلفاء راشدین وغیرہم کے

عہد میں ہوا یا سب باطل مذاہب ختم کر کے جیسے نزول مسیح کے وقت ہوگا۔ بہرحال یہ آیت اس کی واضح دلیل ہے کہ جہاد وقتال خواہ ہجومی ہو یا دفاعی مسلمانوں کے حق میں اس وقت تک برابر مشروع ہے جب تک یہ دونوں مقصد حاصل نہ ہو جائیں۔ اسی لیے حدیث میں آ گیا الجہاد ماضٍ الی یوم القیمة جہاد کے احکام وشرائط وغیرہ کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کی جائے۔ فان انتھوا یعنی جو ظاہر میں اپنی شرارت اور کفر سے باز آ جائیں ان سے قتال نہیں۔ ان کے دلوں کا حال اور مستقبل کی کیفیات کو خدا کے سپرد کیا جائے گا جیسا کام وہ کریں گے خدا کی آنکھ سے غائب ہو کر نہیں کر سکتے۔ مسلمان صرف ظاہر حال کے موافق عمل کرنے کے مکلف ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

۷ جہاد کا حکم قیامت تک جاری وباقی ہے:

"خلاصہ اس تفسیر کا یہ ہے کہ مسلمانوں پر اعداء اسلام کے خلاف جہاد وقتال اس وقت تک واجب ہے جب تک کہ مسلمانوں پر ان کے مظالم کا فتنہ ختم نہ ہو جائے اور اسلام کو سب ادیان پر غلبہ حاصل نہ ہو جائے اور یہ صورت صرف قرب قیامت میں ہوگی اس لیے جہاد کا حکم قیامت تک جاری وباقی ہے۔" (معارف القرآن)

ان چند عبارات سے آیت مبارکہ کے کئی پہلو واضح ہو گئے اب ملاحظہ فرمایئے عربی تفاسیر کے چند حوالے:

۱ امام قرطبی رحمہ اللہ کی یہ عبارت سورۃ البقرۃ آیت ۱۹۳ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ وقاتلوھم امر بالقتال لکل مشرك فی کل موضع یعنی اس آیت میں ہر مشرک سے ہر جگہ پر قتال کا حکم ہے۔ (القرطبی سورۃ البقرۃ ۱۹۳)

۲ امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر قاتلوھم حتی لا تکون فتنة کے معنیٰ قاتلوھم لاجل ان یحصل ھذہ المعنیٰ ہو تو پھر آیت جزیرۃ العرب کے بارے میں ہوگی اور اگر اس کے معنیٰ قاتلوھم لغرض ان یحصل ھذاا لمعنی ہو تو ساری دنیا کے کفر سے قتال کا حکم ہوگا۔ (التفسیر الکبیر)

۳ امام ابوبکر جصاص الحنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقوله تعالیٰ ویکون الدین کله لله یدل علی وجوب قتال سائر اصناف الکفر

یعنی اللہ تعالیٰ کا فرمان ویکون الدین کله لله ہر قسم کے کافروں سے قتال کے واجب ہونے کی دلیل ہے۔

اور آیت میں مذکور لفظ الفتنة کے متعلق لکھتے ہیں:

قال ابن عباس والحسن حتی لا یکون شرك وقال محمد بن اسحاق حتی لا یفتتن مومن عن دینه والفتنة ھھنا جائز ان یرید بھا الکفر وجائز ان یرید بھا البغی والفساد، لان الکفر انما سمی فتنةً لما فیه من الفساد فتنتظم الآیة قتال الکفار واھل البغی واھل العیث والفساد وھی تدل علی وجوب قتال الفئة الباغیه۔ (احکام القرآن)

۴ علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قیل: لم یجیء تأویل ھذہ الایة بعد وسیتحقق مضمونھا اذا ظھر المھدی فانه لا یبقی

علی ظھر الارض مشرك اصلاً علی ماروی عن ابی عبداللّٰہ۔ (روح المعانی)

یعنی اس آیت کا مکمل مصداق تب نظر آئے گا جب مہدی کا ظہور ہوگا اور روئے زمین پر شرک باقی نہیں رہے گا

نکتہ

حضرات صحابہ کرام سے دونوں طرح کی تفاسیر منقول ہیں، جہاد کا مسئلہ عمومی طور پر سینکڑوں آیات قرآنی میں موجود ہے، اس آیت سے پہلے والی آیات کو پڑھا جائے تو فتنہ کے معنی بالکل واضح ہوجاتے ہیں کہ کافروں کا ایسی حالت اور طاقت میں ہونا کہ وہ مسلمانوں کو دین اسلام سے ہٹا سکیں یا مسلمان ہونے کی وجہ سے انہیں تکالیف پہنچا سکیں یہ ''فتنہ'' ہے۔ کافروں کی جنگی طاقت اور ان کی مالی طاقت جب اسلام اور مسلمانوں کے خلاف استعمال ہوگی تو ''فتنہ'' برپا ہوگا۔ اسی فتنے کو مسلمان قتال فی سبیل اللہ کے ذریعے ختم کردیں۔ اور دینِ اسلام صرف ملک عرب کے لئے نہیں آیا بلکہ پورے عالم کے لئے آیا ہے۔ جیسا کہ پچھلی عبارتوں میں بالکل واضح طور پر آچکا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

فائدہ

کفار مسلمانوں کے خلاف ہر حربہ اور ہر جنگی طریقہ استعمال کرتے ہیں تاکہ انہیں دینِ اسلام سے روک دیں۔ وہ ان کی قیادت کو ختم کرنے کی سازش کرتے ہیں۔ وہ قرآن پاک کے خلاف اور قرآن پاک کی تعلیم کے خلاف سازش کرتے ہیں وہ مسلمانوں کیخلاف اتحاد بناتے ہیں وہ مسلمانوں کو دین اور نماز سے غافل کرنے کے لئے ثقافتی جنگ چھیڑتے ہیں۔ وہ اپنے اموال اسلام اور مسلمانوں کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ کافروں کا اس حالت میں ہونا کہ وہ یہ سب کچھ آزادی سے کرسکیں ''فتنہ'' ہے کیونکہ اس کی وجہ سے وہ مسلمانوں کو گمراہ اور کمزور کرتے ہیں اور اسلام کو نافذ نہیں ہونے دیتے۔ اور قرآن پاک کے نظام کو زمین پر جاری نہیں ہونے دیتے۔ نیز ان کی یہ طاقت، شوکت اور ظاہری شان دیکھ کر کمزور دل مسلمان بھی ان کی طرف لپکتے ہیں اور گمراہ ہوجاتے ہیں۔

پس کافروں کا قوت، طاقت اور شوکت میں ہونا ایک ''فتنہ'' ہے اور اس فتنے کو توڑنے کے لئے ''قتال فی سبیل اللہ'' کا حکم ہے۔ مثال غزوہ بدر سے سامنے آگئی۔ مشرکین اس قدر طاقتور تھے کہ انہوں نے مکہ مکرمہ کے مظلوم مسلمانوں کو ستایا اور اُنہیں اذیتیں دیں اور ان میں سے بعض کو کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا اور بعض کو دین سے پھیر دیا۔ پھر انہوں نے اپنی اسی طاقت کے بل بوتے پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی تدبیر بنائی اور کوشش کی۔ انہوں نے اسی طاقت کے بل بوتے پر کئی مسلمانوں کو ہجرت سے روکا اور بعض کمزور دل مسلمانوں کو ڈرا دھمکا کر اور لالچ دے کر اپنے لشکر میں بھی شامل کرلیا۔ اسی طاقت کے غرور میں وہ مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکتے تھے اور وہاں نازیبا حرکتیں کرتے تھے۔ اچانک مسلمانوں کو قتال کا حکم ملا اور مشرکین کی یہ طاقت جو فتنہ بن چکی تھی ختم ہوتی گئی اور پگھلتی گئی اور کچھ عرصہ بعد جزیرہ عرب سے شرک کا نام ہی مٹ گیا۔ اب اس مثال کو سامنے رکھ کر دنیا بھر کے مسلمانوں کو یہی

بات سمجھائی جارہی ہے۔ پھر جن مسلمانوں نے اس حکم کو سمجھ لیا انہوں نے روئے زمین کو اسلام کے نور سے بھر دیا اور جنہوں نے نہیں سمجھا وہ جہاد سے بھی محروم رہے اور اعلاء کلمۃ اللہ کے اجر وثواب سے بھی۔ چنانچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ آیت مسلمانوں کے عروج وزوال کا معیار اور نصاب بیان فرماتی ہے۔ مسلمان قَاتِلُوْهُمْ کے حکم پر عمل کریں گے تو فتنہ ٹوٹے گا اور کمزور ہوگا۔ اور زمین پر اللہ تعالیٰ کا دین غالب ہوگا اور جب مسلمان قَاتِلُوْهُمْ کے حکم پر عمل چھوڑ دیں گے تو فتنہ ہر میدان میں انہیں تڑپائے گا ستائے گا اور مغلوب بنائے گا۔ مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام دنیا میں نافذ ہونے اور غالب ہونے کے لئے آیا ہے۔ چنانچہ اس بات کو کافی نہ سمجھا جائے کہ کوئی کافر ہمیں مسلمان ہونے اور نماز پڑھنے سے نہیں روکتا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۴۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝۴۰

اور اگر وہ پھر جائیں تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا دوست ہے اور وہ بہت اچھا دوست ہے اور بہت اچھا مدد گار ہے

خلاصہ

اگر وہ کافر اپنے کفر اور جنگ سے باز نہیں آتے اور مسلمانوں کی دعوت اسلام کو قبول نہیں کرتے تو مسلمانوں کو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کا حامی اور مددگار ہے اور وہ بہت خوب حامی اور بہت خوب مددگار ہے۔

جہاد اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر ہے

"یعنی مسلمانوں کو چاہیے کہ خدا کی مدد اور حمایت پر بھروسہ کر کے جہاد کریں کفار کی کثرت اور ساز و سامان سے مرعوب نہ ہوں جیسے "جنگ بدر" میں دیکھ چکے کہ خدا نے مسلمانوں کی کیا خوب امداد و حمایت کی۔" (تفسیر عثمانی)

اگر وہ باز نہ آئیں

"اگر وہ اپنی شرارت، بغاوت سے باز نہ آئیں تو تم مومنین پیچھے نہ ہٹو خدا تعالیٰ تمہارا حامی و مددگار ہے۔" (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

یہ فتح کا صریح وعدہ ہے

وھذا وعد صریح بالظفر والنصر (البحر المحیط)

اس آیت میں فتح اور نصرت کا بالکل صریح وعدہ ہے۔

اگر وہ جنگ کرتے رہے

ای وان استمروا علی خلافکم ومحاربتکم فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ وسیدکم وناصرکم علی اعداء کم نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ (ابن کثیر)

یعنی اگر وہ برابر تمہاری مخالفت میں لگے رہے اور تم سے جنگ کرتے رہے تو تم یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا حامی تمہارا مالک اور دشمنوں کے خلاف تمہارا مددگار ہے۔

تم کسی کی پروانہ کرو

”اگر اس میں وہ باز آگئے تو خیر ورنہ تم اطمینان رکھو خدا تمہارا حامی و مددگار ہے اور وہ سب سے اچھا حامی و مددگار ہے کسی کی پروانہ کرو۔“ (تفسیر حقانی)

بزدلی اور جہاد چھوڑنے کی کوئی گنجائش نہیں

” فرمایا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ کہ کافر اگر روگردانی کریں، اسلام قبول نہ کریں اور تمہاری مخالفت و محاربت (یعنی تم سے جنگ کرنے پر) کمر باندھے رہیں تو ان سے لڑتے رہو اور بزدل نہ بنو۔ اللہ تعالیٰ تمہارا مولیٰ ہے تمہاری مدد فرمائے گا۔

نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ وہ اچھا مولیٰ اور اچھا مددگار ہے۔ جب اس کی مدد شامل حال ہوگی تو تمہارے لیے بزدل بننے اور جہاد چھوڑ کر بیٹھ رہنے کا کوئی موقع نہیں۔“ (انوار البیان)

تمہارا اسلحہ کم مگر مددگار بڑا ہے

”اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر وہ ظلم و جور اور کفر و شرک سے باز نہ آئیں تو مسلمانوں کے ذمہ وہی حکم ہے جو اوپر مذکور ہوا کہ ان سے قتال جاری رکھیں اور جہاد و قتال چونکہ بڑے لشکر اور بہت سے اسلحہ اور ساز و سامان پر عادۃً موقوف ہے اور مسلمانوں کو عام طور پر یہ چیزیں کم حاصل تھیں، اس لیے ہوسکتا تھا کہ مسلمانوں کو حکم قتال بھاری معلوم ہو یا وہ اپنی قلتِ تعداد اور قلتِ سامان کی وجہ سے یہ محسوس کرنے لگیں کہ ہم مقابلہ میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔ اس لیے اس کا علاج اس طرح کیا گیا کہ مسلمانوں کو بتلایا گیا کہ اگرچہ تعداد اور سامان ان لوگوں کے پاس مسلمانوں سے زائد سہی مگر وہ اللہ تعالیٰ کی غیبی نصرت و حمایت کہاں سے لائیں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہے جس کا وہ ہر میدان میں اپنے ساتھ مشاہدہ کرتے رہے ہیں اور فرمایا کہ یوں تو امداد و حمایت دنیا میں ہر فریق کسی نہ کسی سے حاصل کر ہی لیتا ہے مگر مدارِ کار اس مددگار کی قوت و طاقت اور علم و تجربہ پر ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طاقت و قوت اور علم و بصر سے زیادہ کیا، برابر بھی سارے جہاں کو حاصل نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ سب سے بہتر حمایتی اور مددگار ہے۔ (معارف القرآن)

دعوتِ جہاد کا دلنشین اختتام

پچھلی آیات میں مسلمانوں کو مختلف طریقوں سے جہاد کی دعوت دی جارہی تھی اور انہیں کافروں کی وہ خرابیاں سمجھائی جارہی تھیں جن کی وجہ سے ان کے خلاف جنگ کی جاتی ہے۔ اس دعوت جہاد کے آخر میں مسلمانوں کو واضح الفاظ میں حکم دیا گیا کہ وہ دنیا سے کافروں کی طاقت و شوکت ختم کرنے اور دین اسلام کو غالب کرنے کے لئے ہمیشہ جہاد کرتے رہیں۔ یہ بہت ہی مشکل حکم ہے کیونکہ پوری دنیا کے کفر سے لڑنا اور پوری دنیا میں اسلام کو غالب کرنا کون سا آسان کام ہے۔ تب فرمادیا کہ گھبرانے کی کیا بات ہے؟ ہم تمہارے مولیٰ ہیں۔

تم نے صرف عزم کرنا ہے اور نکلنا ہے باقی سارے کام اور ساری مدد تو مولیٰ کریم خود فرماتا ہے۔ کیا تم نے غزوہ بدر میں نہیں دیکھا کہ مولیٰ کریم نے کیسی عظیم الشان نصرت فرمائی۔ پس جہاد کو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسے پر جاری رکھو۔ (واللہ اعلم بالصواب)

نکتہ

جب اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد اور حمایت مسلمانوں کے پلڑے میں ڈال دی ہے تو پھر ہر وقت جہاد سے بچنے کے لئے کافروں کی طاقت کو تولتے رہنا اور خود کو کمزور سمجھ کر گھر بیٹھے رہنا مسلمانوں کو زیب نہیں دیتا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُورَةُ الْأَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۴۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ

اور جان لو کہ جو کچھ تمہیں بطور غنیمت ملے خواہ کوئی چیز ہو تو اس میں سے پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا ہے

وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ

اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کیلئے ہے اگر تمہیں اللہ تعالیٰ

اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ

پر یقین ہے اور اس چیز پر جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلہ کے دن اتاری جس دن دونوں جماعتیں ملیں

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۱﴾

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے

خلاصہ

اللہ تعالیٰ نے دنیا سے فتنے کے خاتمے اور اسلام کے غلبے کے لئے جہاد کا حکم دیا۔ اور اپنی حمایت اور نصرت کا وعدہ فرمایا۔ جب جہاد ہوتا ہے تو مالِ غنیمت بھی ملتا ہے۔ اس مال غنیمت کی تقسیم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی سے ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ کا حکم اور مرضی یہ ہے کہ جو کچھ بھی غنیمت میں ملے اس کے پانچ حصے کیے جائیں۔ چار حصے تو مجاہدین میں تقسیم ہوں گے جبکہ پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ کی نذر ہوگا۔ اس پانچویں حصے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی نیابت میں ان پانچ مصارف میں خرچ فرما سکتے ہیں: ❶ اپنی ذات مبارکہ پر ❷ اپنے اقربا (بنو ہاشم اور بنو المطلب) پر ❸ یتیموں پر ❹ حاجت مند مسلمانوں پر ❺ مسافروں پر۔ اے مسلمانو! اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کی اس نصرت پر جو اس نے ''یوم الفرقان'' یعنی غزوہ بدر کے دن اپنے بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی یقین رکھتے ہو تو پھر تمہیں مال غنیمت اسی طرح تقسیم کرنا ہوگا۔ اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ قادر ہے کہ آئندہ بھی تم کو غلبہ اور فتوحات عطاء فرمائے۔

کلام برکت

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر فتح ونصرت اتاری جس سے تم غالب ہوئے اور اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ آگے (یعنی آئندہ) اور فتحیں دیوے۔ جو مال کافروں سے لڑ کر لیں وہ غنیمت ہے اس میں پانچواں حصہ نیاز

اللہ کی ہے واسطے خرچ رسول کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خرچ ہے (یعنی آپ پر خرچہ ہے) اپنی ذات کا اور قرابت والوں کا اور حاجت مند مسلمانوں کا اور بعد حضرت کے بھی خرچ ہوتے ہیں سردار (یعنی امیر المومنین) کو اور جو مال صلح سے لیا (یعنی مال فئے) وہ سارا خرچ مسلمانوں کا (یعنی بیت المال میں جمع ہوگا) پھر غنیمت میں (باقی) چار حصے رہے سو لشکر کو تقسیم کرنا سوار کو دو حصے پیادہ کو ایک۔ (موضح القرآن)

تقریر عثمانیؒ

"آغاز سورۃ میں فرمایا تھا قل الانفال للہ والرسول یہاں اس کی قدرے تفصیل بیان فرمائی ہے کہ جو مال غنیمت کافروں سے لڑ کر ہاتھ آئے اس میں کا پانچواں حصہ خدا کی نیاز ہے، جسے خدا کی نیابت کے طور پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام وصول کر کے پانچ جگہ خرچ کر سکتے ہیں: ❶ اپنی ذات پر، ❷ اپنے ان قرابتداروں (بنی ہاشم و بنی المطلب) پر جنہوں نے قدیم (یعنی شروع) سے خدا کے کام میں آپ کی نصرت و امداد کی اور اسلام کی خاطر یا محض قرابت کی وجہ سے آپ کا ساتھ دیا اور مد زکوٰۃ وغیرہ سے لینا ان کے لئے حرام ہوا۔ ❸ یتیموں پر ❹ حاجتمند مسلمانوں پر ❺ مسافروں پر۔ پھر غنیمت میں جو چار حصے باقی رہے وہ لشکر پر تقسیم کیے جائیں۔ سوار کو دو حصے اور پیدل کو ایک۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خمس کے پانچ مصارف میں سے "حنفیہ" کے نزدیک صرف تین اخیر کے باقی رہ گئے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا خرچ نہیں رہا اور نہ اہل قرابت کا وہ حصہ رہا جو ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت قدیمہ کی بنا پر ملتا تھا البتہ مساکین اور حاجتمندوں کا جو حصہ ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابتدار، مساکین اور اہل حاجت کو مقدم رکھا جانا چاہیے۔ بعض علماء کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امیر المومنین کو اپنے مصارف کے لئے خمس الخمس (یعنی خمس کا پانچواں حصہ) ملنا چاہیے۔ واللہ اعلم۔ بعض روایات میں ہے کہ جب "غنیمت" میں سے خمس (اللہ کے نام کا پانچواں حصہ) نکالا جاتا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں کا کچھ حصہ بیت اللہ (کعبہ) کے لئے نکالتے تھے۔ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ جہاں سے کعبہ بعید (یعنی دور) ہے وہاں مساجد کے لئے نکالنا چاہیے۔ یوم الفرقان "فیصلہ کے دن" سے مراد "یوم بدر" ہے جس میں حق و باطل کی کشمکش کا کھلا ہوا فیصلہ ہو گیا۔ اس دن حق تعالیٰ نے اپنے کامل ترین بندے پر فتح و نصرت اتاری۔ فرشتوں کی امدادی کمک بھیجی اور سکون و اطمینان کی کیفیت نازل فرمائی تو جو لوگ خدا پر اور اس کی تائید غیبی (یعنی غیبی مدد و نصرت) پر ایمان رکھتے ہیں ان کو غنیمت میں سے خدا کے نام کا پانچواں حصہ نکالنا بھاری نہیں ہو سکتا"۔ (تفسیر عثمانی)

فائدہ

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں حضرات مفسرین نے عربی تفاسیر میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا نچوڑ اور خلاصہ ان دو عبارتوں میں آ گیا ہے اب ملاحظہ فرمائیے آیت سے متعلق دیگر فوائد اور احکام۔

آیت مبارکہ کا ربط

❶ امام ابوحیان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ومناسبة هذه الآية لما قبلها: انه لما امر تعالیٰ بقتال الکفار حتی لا تکون فتنة، اقتضی ذلك وقائع وحروباً، فذکر بعض احکام الغنائم۔

یعنی اس آیت کا ماقبل سے ربط یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں سے فتنے کے خاتمے تک لڑنے کا حکم دیا تو لازمی بات ہے کہ اس حکم کو پورا کرنے کیلئے جنگیں اور معرکے ہوں گے (اور ان میں غنیمت بھی مل سکتی ہے) تو اس آیت میں مال غنیمت کے بعض احکام ذکر فرمادیئے۔ اس کے بعد امام ابوحیان یہ وجدآفرین جملہ لکھتے ہیں:

وکان فی ذلك تبشير للمومنين بغلبتهم للکفار

اور اس میں مسلمانوں کے لئے کافروں پر غالب آنے کی خوشخبری اور بشارت ہے (کیونکہ مال غنیمت غلبے کی صورت میں ملتا ہے)۔ (البحر المحیط)

معلوم ہوا کہ آیت کا تعلق وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ والی آیت کے ساتھ ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ بھی اس کی تائید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اوپر آیت وَ قَاتِلُوْهُمْ میں قتال کا حکم تھا چونکہ گاہے (یعنی کبھی) قتال میں غنیمت بھی حاصل ہوتی ہے اس لیے آگے اس کا حکم بیان فرماتے ہیں۔ (بیان القرآن)

امام رازی رحمہ اللہ نے بھی اس آیت کو وَ قَاتِلُوْهُمْ والی آیت سے جوڑا ہے۔ اب اگر غور کیا جائے تو اس آیت کو وَ قَاتِلُوْهُمْ والی آیت کے ساتھ جوڑنے سے چند باتیں آسانی سے سمجھی جاسکتی ہیں:

مالِ غنیمت کی تقسیم کا یہ قانون قیامت تک کے لئے ہے پس اس سے وَ قَاتِلُوْهُمْ والی آیت کے حکم کا بھی ہمیشہ کے لئے ہونا معلوم ہوگیا۔ وَ قَاتِلُوْهُمْ والی آیت میں ایک طویل جہاد کا حکم تھا کہ جب تک فتنہ ختم نہ ہوجائے اور اسلام غالب نہ ہوجائے اس وقت تک لڑتے رہو۔ ظاہر بات ہے فتنے کا مکمل خاتمہ اور اسلام کا مکمل غلبہ تو قرب قیامت ہی میں حاصل ہوگا اب سوال یہ تھا کہ اتنی لمبی جنگ کے لئے اسباب کہاں سے آئیں گے تو حکم کے فوراً بعد غنیمت کا مسئلہ بیان فرما کر مسلمانوں کو تسلی دے دی گئی کہ اللہ تعالیٰ کفار کے اموال اور ان کی سلطنتیں انہیں عطاء فرمائے گا تب ان اموال واسباب کے ذریعہ جہاد کے عمل کو جاری رکھنے میں آسانی ہوجائے گی۔

وَ قَاتِلُوْهُمْ والی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ قتال اس لیے ہے تاکہ فتنے کا خاتمہ ہوجائے جبکہ خود اس امت کے لئے سب سے بڑا فتنہ مال ہے جب جہاد میں اموال ملیں گے تو مسلمان فتنے میں پڑجائیں گے تو انہیں فتنے سے بچانے کے لئے مال غنیمت کی تقسیم کا قانون بتادیا گیا کہ جب تم اس مال کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تقسیم کروگے تو فتنے سے بچ جاؤ گے اور تم پر لازم ہے کہ تم اس تقسیم کو قبول کرکے فتنے سے بچو کیونکہ تمہارا جہاد تو ہر طرح کے فتنے کے خاتمے کے لئے ہے۔ غنیمت ملتے ہی پہلا حصہ اللہ تعالیٰ کا نکالو، پھر مجاہدین میں شرعی قانون کے مطابق تقسیم کرو۔

وَقَاتِلُوْهُمْ والی آیت مسلمانوں پر جہاد کو فرض کرتی ہے، جب مسلمان اس فریضے کے لئے نکلیں گے تو خود ان کی روزی کا کیا ہوگا آخر انسان کے ذاتی اور گھریلو تقاضے بھی اس کے ساتھ لگے ہوئے ہیں چنانچہ فرضیت جہاد کے حکم کے فوراً بعد مال غنیمت کا تذکرہ آگیا کہ اللہ تعالیٰ جہاد کرنے والے مسلمانوں کو یہ پاکیزہ مال عطا فرمائے گا اور اس کے ذریعے ان کی ضرورتیں پوری فرمائے گا چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری روزی میرے نیزے کے سائے میں رکھی گئی ہے۔ او کما قال

وَقَاتِلُوْهُمْ والی آیت میں کفار کے زور کو توڑنے کا حکم تھا اور اس سے پہلے بتایا گیا تھا کہ کفار کا زور ان کے اموال کے بل بوتے پر ہے اور وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنے اموال خرچ کر کے جنگ کرتے ہیں اور اتحاد بناتے ہیں، پس کافروں کے ہاتھ میں زیادہ مالی قوت کا ہونا تمام انسانوں کے لئے موت سے زیادہ خطرناک ہے تو وَقَاتِلُوْهُمْ کے بعد غنیمت کا تذکرہ چھیڑ کر اشارہ دیا گیا کہ تمہارے جہاد کی وجہ سے کفار کی مالی طاقت ٹوٹ جائے گی اور ان کے وہ اموال واسباب جنہیں وہ انسانوں کی گمراہی اور بربادی کے لئے خرچ کرتے ہیں ''اموالِ غنیمت'' بن جائیں گے اور ان اموالِ غنیمت سے فقیروں، مسکینوں، یتیموں کی کفالت ہوگی اور اسلامی خلافت اور جہادی تحریک مضبوط ہوگی، گویا کہ اس میں بشارت بھی ہے اور ترغیب بھی کہ مسلمان اس طرف توجہ کریں کہ دشمنان اسلام کی مالی قوت کو زیادہ طاقتور نہ ہونے دیں یعنی موذی سانپ کے زہر اور دانتوں کو نہ بڑھنے دیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

❷ آیت کا ماقبل کے ساتھ دوسرا ربط یہ ہے کہ اس آیت کا تعلق سورۃ الانفال کی پہلی آیت قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ کے ساتھ ہے اور یہ آیت اس آیت کی تفصیل ہے۔ تفسیر عثمانی کی عبارت میں اسی ربط کو اختیار کیا گیا ہے۔

اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ بھی لکھتے ہیں:

اور اگر ان آیتوں کا نزول غزوہ بدر میں ہو جیسا کہ اکثر کا قول ہے تو یہ آیت شروع سورت کی آیت قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ کی من وجہ تفصیل ہو جائے گی۔ (بیان القرآن)

ابو حیان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قال الكلبي نزلت ببدر، وقال الواقدي كان الخمس في غزوة بني قينقاع بعد بدر بشهر وثلاثة ايام للنصف من شوال على رأس عشرين شهرا من الهجرة.

یعنی کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت بدر کے موقع پر نازل ہوئی جبکہ واقدی رحمہ اللہ کے نزدیک بدر کے ایک مہینہ تین دن بعد غزوہ بنی قینقاع کے موقع پر خمس نکالا گیا۔ (البحر المحیط)

اب سوال یہ ہے کہ یہ آیت قل الانفال للہ والرسول والی آیت کو منسوخ کرتی ہے یا نہیں۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے دونوں اقوال ذکر کیے ہیں۔ حضرات اکابر کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ ترجیح اس قول کو ہے کہ وہ

آیت بھی منسوخ نہیں ہوئی بلکہ جب بدر کی غنیمت میں حضرات صحابہ کرام کا اختلاف ہوا تو انہیں دنیا کی محبت سے بے غرض کرنے اور باہمی اختلاف سے بچانے کے لئے فرمایا گیا کہ مال غنیمت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اس بارے میں آپ لوگوں کو رائے دینے اور اختلاف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح چاہیں گے اس مال کا فیصلہ فرمائیں گے۔ یہ اعلان سن کر صحابہ کرام کے قلوب بالکل ٹھیک ہو گئے اور ان کی توجہ مال غنیمت سے ہٹ گئی اور وہ دوبارہ بے غرض مجاہد بن گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر مال غنیمت کے چار حصے انہیں واپس لوٹا دیئے اور قیامت تک کے لئے تقسیم غنائم کا قانون نازل فرما دیا۔ گویا کہ پہلی آیت میں مختصر فیصلہ تھا کہ غنیمت کی تقسیم اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوگی اور اس آیت میں اس حکم کی تفصیل آ گئی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

غنیمت کے لغوی اور اصطلاحی معنیٰ

غنیمت کے لغوی معنیٰ الفوز بالشیء یعنی کسی چیز کو پالینا، کسی چیز کو لینے میں کامیاب ہو جانا۔ (التفسیر الکبیر)

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

الغنیمة فی اللغة ماینالہ الرجل او الجماعة بسعی

غنیمت لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جسے کوئی فرد یا جماعت کوشش کر کے حاصل کرے۔

جبکہ شریعت کی اصطلاح میں غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو قوت کے زور پر جنگ میں کافروں سے حاصل کیا جاتا ہے۔

مال الکفار اذا ظفر بہ المسلمون علی وجہ الغلبة والقهر (القرطبی)

والغنیمة فی الشریعة ما دخلت فی ایدی المسلمین من اموال المشرکین علی سبیل القهر بالخیل والرکاب (التفسیر الکبر)

جبکہ فئے وہ مال کہلاتا ہے جو کفار سے جنگ کے بغیر حاصل ہو جائے۔ یعنی جب وہ ہتھیار ڈال دیں اور صلح کی درخواست کریں۔

بعض الفاظ کے معانی

واعلموا انّما میں ما بمعنیٰ الذی ہے اور اس اسم موصول کا صلہ غنمتم ہے اس میں ضمیر محذوف ہے تقدیر یوں ہوگی واعلموا ان الذی غنمتموہ (المدارک)

من شیء میں من بیان کے لئے ہے اور تنوین سے معلوم ہوا کہ جو چیز بھی غنیمت میں ملے حتی کہ سوئی اور دھاگہ وہ سب اس حکم کے مطابق تقسیم ہوگا۔

من شیء بیانہ قیل حتی الخیط والمخیط (المدارک)

حضرات فقہاء کرام نے احادیث مبارکہ کی روشنی میں دوران جنگ کچھ چیزوں کے استعمال کو اس حکم سے مستثنیٰ

فرمایا ہے مثلاً کھانے پینے کی اشیاء اور ایمونیشن (اسلحہ) وغیرہ۔

فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ "فقہاء حنفیہ نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام مصارف خمس کی ابتداء میں محض برکت کے لئے آیا ہے کہ حقیقۃً تو اللہ کی ملک و مملوک دنیا کی ہر چیز ہے۔ذکرہ تعالیٰ للتبرک باسمہ فی ابتداء الکلام اذالکل للّٰہ" (درمختار)۔ (تفسیر ماجدی)

ایک مسلمان مجاہد کا فرض بنتا ہے کہ جب اسے فتح اور مال غنیمت ملے تو وہ اس میں بھی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کو یاد رکھے جس کی خاطر اس نے جہاد کیا ہے اور جس کی نصرت سے اسے فتح ملی ہے اس لیے مصارف کا آغاز اللہ تعالیٰ کے نام سے کیا گیا کہ وہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا حصہ نکالے۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دینا ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کو دیا (کماھو مصرح فی التفاسیر) اور اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے بیت المال میں جمع کرانا اور غریبوں مسکینوں کو دینا بھی ایسا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کو دیا۔یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے ورنہ وہ تو غنی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

" یعنی کل مال غنیمت کا ۵/۴ حصہ تو غازیوں میں تقسیم ہو جائے گا اور باقی ۵/۱ اللہ کی نذر ہو گا یعنی خالص رضائے الٰہی کے کاموں میں اور اشاعت و اعانت دین میں صرف ہو گا۔

آجکل کی اصطلاح میں یہ حصہ اسلامی اسٹیٹ کا ہو گا اور اسلامی سرکاری خزانہ میں جمع ہو گا۔" (تفسیر ماجدی)

وَلِلرَّسُوْلِ "اللہ اور رسول کے یہ دو حصے الگ الگ نہیں کل ایک ہی حصہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زمانہ حیات میں ملتا تھا، نائبِ الٰہی اور خلیفۃ اللہ کی خدمت میں اسے پیش کر دینا اللہ ہی کے حضور پیش کرنا تھا۔سرکاری ۵/۱ کا یہ پانچواں حصہ یعنی کل کا محض ۲۵/۱ اس کو مل رہا ہے جو ایک ہی وقت میں آمرِ حکومت بھی تھا امیرِ لشکر بھی تھا حاملِ رسالت بھی تھا۔وفات شریف کے بعد یہ حصہ ساقط ہو گیا۔

وسھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم سقط بموتہ (ھدایۃ) وسھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما کان لہ مادام حیا فلما توفی سقط سھمہ (جصاص)

شافعیہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کو یہ حصہ ملے گا لیکن حنفیہ کا استدلال یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حصہ تو منصب رسالت کی بنا پر تھا اور رسالت آپ کے بعد رہی نہیں۔

لانہ علیہ السلام کان یستحقہ برسالتہ ولا رسالۃ بعدہ (ھدایۃ)

خود خلفاء راشدین کا تعامل بھی حنفیہ ہی کی تائید میں ہے کہ انہوں نے کبھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ اپنی جانب منتقل نہیں کیا۔" (تفسیر ماجدی)

یوم الفرقان

جمعہ کا دن سترہ رمضان ۲ھ مطابق ۶۲۴ء......غزوہ بدر کا دن جس دن حق و باطل کا ایسا فیصلہ ہوا کہ سب کو کھلی آنکھوں سے نظر آ گیا اور قیامت تک کے لئے ایک مثال قائم ہو گئی۔

والمراد منه ما انزل علیه من الآیات، والملئکة والفتح ذلك الیوم (التفسیر الکبر)

یعنی اس دن نازل ہونے والی چیزوں سے مراد آیات، فرشتے اور فتح وغیرہ ہیں۔

وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ ای یقدر علی نصرکم وانتم قلیلون ذلیلون (تفسیر الکبیر)

یعنی وہ اس حال میں بھی تمہیں غالب کرنے پر قادر ہے جب تم تھوڑے اور کمزور ہو۔

فائدہ

اللہ تعالیٰ مال غنیمت کی تقسیم کا قانون بیان فرماتے ہوئے پھر غزوہ بدر کی یاد دلاتا ہے کہ اگر چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور فتوحات کا سلسلہ جاری رہے تو پھر ''اموال غنیمت'' میں بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کو نافذ کرو۔ (واللہ اعلم بالصواب)

عجیب نکتہ

مال غنیمت کی تقسیم کے اس قانون کو باریکی سے دیکھیں اور پھر اندازہ لگائیں کہ جہاد کا عمل کتنا عظیم، اونچا اور مبارک عمل ہے۔ مجاہد نے جہاد کیا اور غنیمت لے آیا۔ اب اللہ پاک نے محبت سے فرمایا کہ پہلا حصہ میرا۔ سبحان اللہ! کتنی محبت کا اظہار ہے ورنہ اللہ تعالیٰ تو غنی ہے۔

پھر اسی مال غنیمت میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ مقرر فرما دیا۔ اپنے محبوب اور آخری نبی ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ جس مال کو مقرر فرما رہا ہے خود اندازہ لگالیں کہ وہ مال کتنا پاکیزہ اور مبارک ہوگا۔ پھر یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا حصہ کہ جہاد اور مجاہد کے فیض سے امت مسلمہ کے محروم طبقے بھی راحت اور سکون حاصل کریں۔ روایات میں کعبہ شریف اور مساجد کے لئے مال غنیمت میں سے حصہ نکالنے کا تذکرہ موجود ہے تو جہاد کا فیض کعبہ شریف کی خدمت میں اور مساجد کی آبادی میں بھی پہنچا۔ خود اندازہ لگائیں جہاد کتنا عظیم، اونچا اور مبارک عمل ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُوْرَۃُ الْاَنْفَالِ مَدَنِیَّۃٌ آیت ۴۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ

جس وقت تم ورلے کنارے پر تھے اور وہ پرلے کنارے اور قافلہ تم سے

اَسْفَلَ مِنْكُمْ ۭ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ

نیچے اتر گیا تھا اور اگر تم آپس میں وعدہ کرتے تو ایک ساتھ وعدے پر نہ پہنچتے لیکن

لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ڏ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ

اللہ تعالیٰ کو ایک کام کرنا تھا جو مقرر ہو چکا تھا تاکہ جو ہلاک ہو وہ اتمام حجت کے بعد ہلاک ہو

وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾

اور جو زندہ رہے وہ اتمام حجت کے بعد زندہ رہے اور بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے

خلاصہ

یوم الفرقان یعنی فیصلے والا دن، خاص مدد والا دن۔ یہ وہ وقت تھا جب مسلمان ابوسفیان کے قافلے کو پانے کے لئے اور مشرکین مکہ اس قافلے کو بچانے کے لئے اچانک آمنے سامنے آ گئے۔ مسلمان میدانِ بدر کے مدینہ منورہ کی جانب والے کنارے پر تھے۔ یہ جگہ جنگ کے لئے مناسب نہیں تھی اور مشرکین میدان کے اس کنارے پر تھے جو مدینہ سے دور تھا یہ جگہ صاف زمین تھی اور پانی کے قریب تھی۔ ادھر ابوسفیان کا قافلہ مسلمانوں سے ہٹ کر نیچے کی طرف ساحل سمندر والے راستے پر نکل چکا تھا۔ دونوں لشکر مقابلے کے لئے خود بخود آمنے سامنے آ گئے حالانکہ اگر یہ جنگ پہلے سے طے شدہ ہوتی تو دونوں فریق مقررہ وعدہ پر میدان میں نہ پہنچتے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے دونوں لشکروں کو آمنے سامنے کر دیا تاکہ مسلمانوں کی فتح اور دین کے غلبے کا جو فیصلہ ہو چکا تھا اسے پورا کر دیا جائے۔ غزوہ بدر کے موقع پر اسلام کی حقانیت اور کفر و شرک کے باطل ہونے کو اس لیے بالکل واضح کر دیا گیا تاکہ اتمام حجت ہو جائے اور جو کفر پر رہے اس کو پتہ ہو کہ وہ باطل پر ہے اور حق دیکھنے کے باوجود ہلاکت کی طرف جا رہا ہے اور جو ایمان اختیار کرے اسے کھلی آنکھوں سے نظر آئے کہ وہ حق و کامیابی کے راستے پر ہے۔ گویا کہ مغالطے کا دروازہ بند ہو جائے باقی اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز اور کوئی حالت چھپ نہیں سکتی وہ خوب سننے والا خوب علم والا ہے۔

کلام برکت

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

یعنی قریش اپنے قافلہ کی مدد کو آئے تھے اور تم قافلہ کی غارت کو (نکلے تھے) قافلہ بچ گیا اور دونوں فوجیں ایک میدان کے دو کناروں پر آپڑیں ایک کو دوسرے کی خبر نہیں۔ یہ تدبیر اللہ کی تھی اگر تم قصداً جاتے تو ایسا بروقت نہ پہنچتے اور اس فتح کے بعد کافروں پر صدقِ پیغمبر کا کھل گیا۔ جو مرا وہ بھی یقین جان کر مرا اور جو جیتا رہا وہ بھی حق پہچان کر (تا کہ) اللہ کا الزام پورا ہو (یعنی حجت پوری ہو جائے)۔ (موضح القرآن)

بعض الفاظ کی ترکیب اور معنی

اِذْ اَنْتُمْ میں اذ بدل ہے "یوم" سے (جلالین)

یعنی یوم الفرقان وہ دن ہے جب تم اِدھر والے کنارے پر تھے۔

دوسری ترکیب یہ ہے کہ یہ بدل ہے وما انزلنا سے۔

ای انزلنا اذانتم علی هذه الصفة. (قرطبی)

تیسری ترکیب یہ ہے کہ یہاں اذکروا مضمر ہے۔ یعنی اذکروا اذ انتم۔ انه متعلق بمضمره معناه واذکروا اذ انتم۔ (تفسیر کبیر)

اَلْعُدْوَةِ کنارے کو کہتے ہیں۔ والعدوة جانب الوادی۔ (القرطبی)

قال ابن السکیت عدوة الوادی وعدوته جانبه۔ (تفسیر کبیر)

الدُّنْیَا یہ الادنیٰ کی تانیث ہے، معنیٰ ہے قریب

والدنیا: تانیث الادنیٰ من دنا یدنوا۔ (القرطبی)

وَالْقُصْوٰی یہ الاقصیٰ کی تانیث ہے معنیٰ ہے دور

والقصویٰ تانیث الاقصیٰ من قصا یقصو۔ (القرطبی)

فالدنیا کان مما یلی المدینة والقصویٰ مما یلی مکة۔ (القرطبی)

"اَلْعُدْوَةِ الدُّنْیَا یعنی مدینہ سے قریب تر حصہ میں شام سے جو شاہراہ مکہ کو آتی تھی اسی سے متصل قصبہ بدر کی حدود سے ذرا پہلے شمال ومغرب کی سمت میں یہ پہاڑی پڑتی تھی (مسلمان یہاں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے)"۔ (تفسیر ماجدی)

اَلْعُدْوَةِ الْقُصْوٰی یعنی مدینہ سے بعید تر حصہ میں یہ پہاڑی قصبہ بدر کے جنوب ومشرق میں تھی سالار قریش ابوجہل مخزومی اپنی فوج لے کر یہیں مقیم تھا۔ (تفسیر ماجدی)

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وکان الماء فی العدوة التی نزل بها المشرکون۔

یعنی پانی اس جانب تھا جہاں مشرکین نے پڑاؤ ڈالا ہوا تھا۔ (تفسیر کبیر)

جنگ بدر کا نقشہ بتانے کا مقصد

امام نسفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لیعلم الخلق ان النصر والغلبة لاتکون بالکثرة والاسباب بل باللہ تعالیٰ...... الخ

(اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دونوں لشکروں کے پڑاؤ کی جگہ اور مراکز بتائے حالانکہ اس زمانے کے لوگوں نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوا تھا یہ اس لیے بیان فرمایا) تاکہ تمام انسانوں کو معلوم ہو جائے کہ فتح وغلبہ زیادہ تعداد اور زیادہ اسباب سے نہیں ملتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم (اور اس کی نصرت سے) ملتا ہے۔ آگے جنگ بدر کے اس نقشے کا حال بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

وذلك ان العدوة القصوىٰ التى اناخ بها المشركون كان فيها الماء وكان ارضا لا بأس بها ولا ماء بالعدوة الدنيا وهى خبار تسوخ فيها الارجل ولا يمشى فيها الا بتعب ومشقة وكان العير وراء ظهور العدو مع كثرة عددهم وعدتهم وقلة المسلمين وضعفهم ثم كان ماكان۔ (المدارك)

(ظاہری اسباب کے تحت فتح مشرکین کو ملنی چاہیے تھی۔ مگر فتح اور غلبہ اسباب سے نہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ملتا ہے) وہ اس طرح کہ مشرکین نے جس دور والے کنارے پر پڑاؤ ڈالا تھا وہاں پانی موجود تھا اور زمین اچھی تھی جبکہ ادھر (مسلمانوں) والی جانب پانی بھی نہیں تھا اور زمین نرم تھی، اس میں پاؤں دھنستے تھے اور اس میں بلا مشقت چلنا ممکن نہیں تھا اور قافلہ بھی دشمنوں کے لشکر کی پشت پر تھا (یعنی ان کی مدد کو آ سکتا تھا) اور اس کے ساتھ ساتھ دشمن کے لشکر کی تعداد اور تیاری بہت زیادہ تھی جبکہ مسلمان کم اور کمزور تھے۔ اس سب کے باوجود وہی ہوا جو ہونا تھا۔ (المدارک)

وَإِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ

"یعنی اللہ تعالیٰ کمزور مظلوموں کی فریاد سننے والا ہے اور جانتا ہے کہ کس طریقہ سے ان کی مدد کی جائے، دیکھو بدر میں مسلمانوں کی فریاد کیسی سنی اور کیسی مدد فرمائی۔" (تفسیر عثمانی)

غزوۂ بدر کی کیفیات

قرآن پاک مسلمانوں کو بار بار غزوہ بدر یاد دلاتا ہے تاکہ وہ غزوہ بدر کی ترتیب کو بار بار زندہ کریں اور دنیا میں اسلام کو غلبہ نصیب ہو۔ غزوہ بدر کی اس یاد دہانی میں اس کی ایک ایک کیفیت یاد دلائی جاتی ہے تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی نصرت کا یقین پیدا ہو جائے اور وہ جہاد کے مختلف مراحل میں غزوہ بدر کی ترتیب کو زندہ کر سکیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوہ بدر میں نکلنا، اللہ تعالیٰ کا دو جماعتوں میں سے ایک عطا فرمانے کا وعدہ کرنا، بعض مسلمانوں کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی کمزوری کی وجہ سے بحث کرنا، جنگ کی رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ

تعالیٰ کو پکارنا اور اس کے حضور فریاد کرنا، آسمان سے بارش کا برسنا، اونگھ اور غنودگی کے ذریعہ مسلمانوں کو سکون ملنا، فرشتوں کا اترنا، فرشتوں کا لڑنا، الغرض ایک ایک کیفیت اور ایک ایک ادا قرآن پاک نے محفوظ فرمائی۔ اور قیامت تک کے مسلمانوں کو سنائی۔ اب اس آیت میں میدان جنگ کا وہ نقشہ بیان فرمایا جس کی رو سے کافروں کی فتح یقینی تھی مگر انہیں عبرتناک شکست ملی۔

ناہموار حالات میں حق کو غالب کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے کون سا مشکل ہے۔ مسلمان اللہ تعالیٰ کی نصرت کو نہیں دیکھتے، اس کے حکم کو مان کر میدان جہاد میں نہیں نکلتے، بس حالات کی ناہمواری کا رونا روتے رہتے ہیں اور گھر بیٹھے رہتے ہیں۔ غزوہ بدر کے دن مسلمانوں کے لئے کون سے حالات درست، موافق یا ہموار تھے۔ وہ پوری جنگ اللہ تعالیٰ کی مدد کے سہارے لڑی گئی۔ اللہ تعالیٰ کی مدد آج بھی ایمان والوں کے ساتھ ہے مگر اُس وقت جب وہ جہاد میں نکل کر اور جان و مال کی قربانی پیش کر کے اپنے ’’مومن‘‘ ہونے کا ثبوت دیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

جہاد سے دلیل واضح ہوتی ہے

اس آیت میں بالکل صاف الفاظ میں بتا دیا گیا کہ یہ معرکہ کیوں ہوا؟ تاکہ اللہ تعالیٰ حق کا حق ہونا ایسا ظاہر فرما دے کہ دوست دشمن سب پہچان لیں۔ پھر جس کی مرضی حق پر جئے اور جس کی مرضی باطل پر مرے۔ پس جہاد ہی وہ عمل ہے جس میں مسلمان جب اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر اپنی قلت و کمزوری کے باوجود نکلتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی نصرت فرماتا ہے۔ اور انہیں ایسی فتح اور ایسی شان عطا فرماتا ہے کہ دشمنان اسلام بھی اسلام کی حقانیت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ پھر ان میں سے جس کی فطرت بالکل مسخ نہیں ہوئی ہوتی وہ اسلام قبول کر لیتا ہے۔ اور جس کی فطرت مسخ ہو چکی ہوتی ہے وہ کفر پر تو ضرور رہتا ہے مگر وہ جان لیتا ہے کہ وہ باطل پر ہے۔ لیکن جب جہاد نہیں ہوتا اور کافروں کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ خود کو حق پر سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کی کمزوری اور غلامی دیکھ کر ان کی غلط فہمی یقین کی حد تک پہنچ جاتی ہے جبکہ مسلمانوں میں سے کمزور ایمان والے افراد کافروں کی ظاہری ترقی اور قوت دیکھ کر اسلام کے بارے میں شک کرنے لگتے ہیں۔ گویا کہ معاملہ الٹا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اجتماعی طور پر فریضہ جہاد کو غزوہ بدر کی ترتیب پر زندہ کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین یا ارحم الراحمین

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قال محمد بن اسحاق: ليكفر من كفر بعد الحجة لما رأى من الآية والعبرة، ويومن من آمن على مثل ذلك، وهذا تفسير جيد وبسط ذلك انه تعالىٰ يقول: انما جمعكم مع عدوكم فى مكان واحد، على غير ميعاد، لينصركم عليهم ويرفع كلمة الحق على الباطل، ليصير الامر ظاهرا والحجة قاطعة والبراهين ساطعة، ولا يبقى لأحد حجة، ولا شبهة، وحينئذٍ يهلك من هلك اى

یستمر فی الکفر من استمر فیه علی بصیرة من امره انه مبطل لقیام الحجة علیه، ویحیٰ من حی ای یومن من آمن عن بینة ای حجة وبصیرة والایمان هو حیاة القلوب، قال اللّٰہ تعالیٰ:

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ (الانعام ۱۲۲) (تفسیر ابن کثیر)

سبحان اللہ! جہاد کی کیا شان ہے کہ مومن کے ایمان کو بصیرت والا بنا دیتا ہے اور کافر کے کفر کو خود کافر پر واضح کر دیتا ہے چونکہ سب سے بڑا جہاد بدر کے دن ہوا ہے اس لیے اس کا نام "یوم الفرقان" پڑ گیا۔

طے شدہ جنگ کیوں نہ ہوتی

اس آیت میں فرمایا گیا ہے وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ یعنی اگر دونوں فریق یہ جنگ پہلے سے طے کرتے تو اس جنگ کی نوبت ہی نہ آتی لَاخْتَلَفْتُمْ کے بارے میں مفسرین نے دو قول لکھے ہیں:

❶ مسلمان اپنی کمزوری، قلت اور بے سروسامانی کی وجہ سے میدان میں آنے سے ہچکچاتے اور کافر مسلمانوں کی جرأت، ہمت اور فدائی جذبے کے ڈر سے میدان کا رخ نہ کرتے۔ ❷ یہ اختلاف خود مسلمانوں میں ہو جاتا کہ کچھ لڑنے پر آمادہ ہوتے اور کچھ راضی نہ ہوتے اس لیے کہ جہاد کا معاملہ ابھی نیا تھا اور مسلمان کمزور اور بے سروسامان تھے۔ (ملخص از بیان القرآن)

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۴۳،۴۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ؕ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا

جب کہ اللہ تعالیٰ نے وہ کافر تجھے تیرے خواب میں تھوڑے کر کے دکھلائے اور اگر تجھے بہت

لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ

دکھلا دیتا تو تم لوگ نامردی کرتے اور کام میں جھگڑا ڈالتے لیکن اللہ تعالیٰ نے بچا لیا جو بات دلوں

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ

میں ہے وہ اسے خوب معلوم ہے۔ اور جب تمہیں وہ فوج مقابلہ کے وقت تمہاری آنکھوں میں تھوڑی کرکے دکھائی

قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ

اور تمہیں ان کی آنکھوں میں تھوڑا کرکے دکھایا تاکہ اللہ تعالیٰ ایک کام پورا کردے جو مقرر ہو چکا تھا

وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾

اور ہر کام اللہ تعالیٰ تک ہی پہنچتا ہے

خلاصہ

غزوۂ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مزید دو طرح سے نصرت فرمائی پہلی یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ سے پہلے خواب میں دکھایا کہ مشرکین کا لشکر کم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خواب اپنے صحابہ کرام کو بتایا تو ان کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اگر ان کی تعداد زیادہ دکھائی جاتی تو مسلمانوں میں کم ہمتی پیدا ہو جاتی اور ان کی صفوں میں ایسا اضطراب پیدا ہو جاتا کہ وہ دشمنوں سے لڑنے کے معاملے میں باہم اختلاف کرنے لگتے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں کم ہمتی اور اختلاف سے محفوظ رکھا کیونکہ وہ دلوں کے حالات جانتا ہے اس لیے اس نے دلوں کی مضبوطی کا سامان کر دیا۔ دوسری نصرت یہ ہوئی کہ جنگ کے وقت ابتداء میں دونوں لشکر ایک دوسرے کو کم تعداد والا دیکھ رہے تھے۔ اس سے بھی مسلمانوں کو کئی طرح کے جنگی فائدے حاصل ہوئے۔ اور اس تدبیر کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے کفار کی مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کا اپنا فیصلہ نافذ فرما دیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں سارے معاملات ہیں جو کچھ وہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور ہر معاملہ حقیقت میں اسی کی طرف لوٹتا ہے۔

دو سوال

آیت مبارکہ تو بالکل واضح ہے مگر اس میں دو سوال پیدا ہو سکتے ہیں: ❶ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب تو سچا ہوتا ہے

جبکہ مشرکین کا لشکر تو حقیقت میں مسلمانوں کے لشکر سے بہت بڑا تھا پھر خواب میں چھوٹا دیکھنے کے کیا معنیٰ ہیں؟ ❷ اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ ہر لشکر اپنے مدمقابل لشکر کو کم اور تھوڑا دیکھ رہا تھا جبکہ اٰلِ عمران کی آیت یرونھم مثلیھم میں گزر چکا ہے کہ دونوں لشکر اپنے مدمقابل کو اپنے سے دگنا (دو چند) دیکھ رہے تھے تو دونوں آیتوں کو کس طرح سے جوڑا جائے گا؟

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب سچا ہوتا ہے۔ مگر خواب میں خود وہ خواب مراد نہیں ہوتا بلکہ اس کی تعبیر مراد ہوتی ہے اور تعبیر کے اعتبار سے یہ خواب بالکل سچا تھا کیونکہ اس کی کئی سچی تعبیریں تھیں مثلاً:

❶ کافروں کے کم ہونے کا مطلب ان کی شکست تھی۔ چنانچہ ان کو اس جنگ میں عبرتناک شکست ہوئی۔

❷ کافروں کے کم ہونے کا مطلب جنگ میں ان کی کمزوری تھی چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ باوجود مسلح اور بہادر ہونے کے ہمت کے ساتھ نہ لڑ سکے ان کے دلوں پر رعب چھا گیا ان کی صفیں منتشر ہو گئیں ان کا حوصلہ ٹوٹ گیا اور مسلمانوں نے ان کو ایسے مارا اور پکڑا جس طرح وہ مسلح لشکر نہیں بکریوں اور دُنبوں کا ریوڑ ہو۔

❸ کافروں کے کم ہونے کا مطلب یہ تھا کہ ان میں سے اکثر بعد میں مسلمان ہو گئے تو خواب میں صرف وہی کافر دکھائے گئے جو حالت کفر پر مرے۔

❹ بزدل افراد جتنے بھی زیادہ ہوں وہ کم ہوتے ہیں اور بہادر جتنے کم ہوں وہ زیادہ ہوتے ہیں۔ خواب میں ان کی تعداد کم دکھانے کا مطلب ان کی بزدلی تھی کہ یہ میدان جنگ میں بزدلی دکھائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

الغرض خواب میں کوئی منظر دکھا کر اس کے نتیجے کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ اہل تعبیر نے لکھا ہے کہ سردیوں میں اپنے گھر میں آگ لگی دیکھنا مال اور سونا ملنے کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ اب کوئی آدمی خواب میں آگ دیکھے اور اس کو سونا مل جائے تو یہی کہا جائے گا کہ اس کا خواب سچا ہے۔ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کی تعبیر ''علم'' اور قمیص کی تعبیر ''دین'' بیان فرمائی ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خواب بالکل سچا تھا۔ اور اس کی تعبیر سب نے کھلی آنکھوں سے دیکھ لی۔ خواب کی تعبیر کیا تھی اس پر مفسرین کی چند عبارات ملاحظہ فرمائیں:

کلام برکت

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں کافر تھوڑے نظر آئے اور مسلمانوں کو مقابلے کے وقت (تھوڑے نظر آئے) (تاکہ) جرأت سے لڑیں، پیغمبر کا خواب غلط نہیں ان میں کافر رہنے والے کم ہی تھے اکثر وہ تھے جو پیچھے (یعنی بعد میں) مسلمان ہوئے۔ (موضح القرآن)

تقریر عثمانیؒ

اور خواب کی تعبیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تھوڑی تعداد سے مقصود ان کی مغلوبیت کا اظہار ہو۔ (تفسیر عثمانی)

کلامِ رازیؒ

قلنا: مذهبنا انه تعالیٰ یفعل ما یشاء ویحکم ما یرید. وایضا لعله تعالیٰ اراه البعض دون البعض. (تفسیر کبیر)

ہمارا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی جو چاہے کرے اور جس چیز کا چاہے فیصلہ فرمائے۔ (اس کی مرضی وہ زیادہ کو کم اور کم کو زیادہ قرار دے) اور یہ جواب بھی ہوسکتا ہے کہ ممکن ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ لوگ دکھائے گئے ہوں اور کچھ نہ۔ (التفسیر الکبیر)

امام رازی رحمہ اللہ کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں بعینہ وہ چیز دکھائی جاتی ہے جو اصل ہوتی ہے ایسا نہیں ہوتا کہ خواب کچھ ہو اور تعبیر کچھ اور۔

تحقیقِ حقانیؒ

جواب: یہ رویت باعتبار ان کی قوت و دلیری کے تھی سو اس لحاظ سے وہ اسی قدر تھے یہ جہل مرکب نہیں نہ غلطی ہے۔ بلکہ چشم حقیقت بین کو نفس الامر (یعنی اصل حقیقت) پر مطلع کیا۔ دنیا میں حس غلطی کرتی ہے خدا تعالیٰ قادر مطلق ہے انسان کے جمیع قویٰ اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ رات دن دنیا میں یہی ہو رہا ہے کسی کو کوئی چیز اچھی کر کے دکھاتا ہے اسی (چیز) کو دوسرے کی نظر میں مکروہ (یعنی ناپسندیدہ) بناتا ہے جس قوم اور دولت (یعنی حکومت) کا خاتمہ کرنا چاہتا ہے ان کی نظر میں مخالف کو کمزور دکھاتا ہے مخالف کو ان پر جرأت دلا کر مقابلہ کرا دیتا ہے ان کا کام تمام ہوجاتا ہے، "مسبب اسباب" کی ہر روز نئی شان ہے آنکھ ہو تو دیکھ لو۔ (تفسیر حقانی)

تقریرِ اندلسیؒ

امام ابوحیان الاندلسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وتظاهرت الروايات انها رؤيا منام رأى الرسول صلى الله عليه وسلم فيها الكفار قليلاً فأخبربها اصحابه، فقويت نفوسهم وشجعت على اعدائهم وقال النبى صلى الله عليه وسلم لاصحابه حين انتبه "ابشروا لقد نظرت الى مصارع القوم" والمراد بالقلة هنا: قلة القدرة والبأس والنجدة وانهم مهزومون، مصروعون، ولا يحمل على قلة العدد لانه صلى الله عليه وسلم. رؤياه حق وقد كان علم انهم مابين تسعمائةالى الف، (البحر المحيط)

یعنی اکثر روایات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا جانا خواب میں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں کفار کو کم دیکھا تو آپ نے اپنے صحابہ کرام کو بیان فرمایا جس سے ان میں اپنے دشمنوں کے خلاف قوت اور بہادری بڑھ گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیدار ہو کر اپنے صحابہ سے فرمایا: خوشخبری سنو کہ میں نے مشرکین

کے قتل ہو کر گرنے کی جگہوں کو دیکھ لیا ہے۔ خواب میں کم دیکھنے سے مراد ان کی مضبوطی، بہادری اور ہمت کو کم دیکھنا ہے اور یہ کہ وہ شکست کھائیں گے اور پچھاڑے جائیں گے۔ اس سے مراد تعداد کی کمی نہیں ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب سچا ہوتا ہے اور آپ کو معلوم تھا کہ مشرکین کی تعداد نو سو سے ایک ہزار کے درمیان ہے۔ (البحر المحیط)

دوسرے سوال کا جواب

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا تعلق جنگ کے آغاز سے ہے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی آنکھوں میں اپنی نصرت کا ایسا سرمہ لگا دیا کہ ان کے دل قوت اور بہادری سے بھر گئے اور ان کو کفار کا لشکر کم، کمزور اور حقیر نظر آنے لگا دوسری طرف کفار کی آنکھوں میں غرور اور غفلت کا ایسا نمک ڈالا کہ وہ مسلمانوں کو ان کی اصل تعداد سے بھی کم دیکھنے لگے۔ چنانچہ مسلمان تو بہادری سے لڑے کہ انہوں نے کفار کے لشکر کی طاقت کی خبریں سن رکھی تھیں مگر جب انہیں یہ لشکر کم اور کمزور نظر آیا تو وہ بلند مقصد کی خاطر ان پر ٹوٹ پڑے جبکہ مشرکین نے آسان شکار سمجھ کر جرأت و بے پروائی اور تکبر کے جذبات سے ملی جلی جنگ شروع کی۔

یہ تو ہوا جنگ کے آغاز کا حال۔ جبکہ سورۃ آل عمران کی آیت (۱۳) میں جنگ کے درمیان کی حالت کا بیان ہے کہ مسلمانوں نے کافروں کو دوگنا دیکھا اس سے ان پر کوئی فرق نہیں پڑا کیونکہ وہ میدان پر چھا چکے تھے جبکہ کافروں نے مسلمانوں کو اپنے سے دگنا دیکھا تو ان کے اوسان مزید خطا ہو گئے اور ان کی بدحواسی میں اضافہ ہو گیا۔ مسلمانوں کا کافروں سے دگنا ہونا یا تو فرشتوں کی وجہ سے نظر آ رہا تھا یا میدان جنگ پر چھا جانے کی وجہ سے۔

ملاحظہ فرمایئے چند عبارتیں:

تفسیر ابن کثیرؒ

فلما التحم القتال وايد الله المومنين بالف من الملئكة مردفين، بقي حزب الكفار يرى حزب الايمان ضِعْفَيهِ كما قال تعالىٰ: قد كان لكم...... الآية

پھر جب لڑائی گرم ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار فرشتوں سے مسلمانوں کی مدد بھیجی تو کفار کا لشکر مسلمانوں کو اپنے سے دوگنا دیکھ رہا تھا جیسا کہ اس آیت میں ہے: قد كان لكم...... الآية (ابن کثیر رحمہ اللہ)

تفسیر عثمانیؒ

پھر جب مسلمانوں نے دلیرانہ حملے کیے اور فرشتوں کا لشکر مدد کو پہنچا اس وقت کفار کو مسلمان دگنے نظر آنے لگے کمافی آل عمران۔ (تفسیر عثمانی)

تفسیر قرطبیؒ

كان هذا في ابتداء القتال حتى قال ابوجهل في ذلك اليوم: انما هم اكلة جزور خذوهم

اخـذا واربـطـوهم بالحبال فلما اخذوا فی القتال عظم المسلمون فی اعينهم فكثروا كما قال يرونهم مثليهم رأى العين۔ (آل عمران ۱۳)

یعنی مسلمانوں کا کافروں کی نظر میں تھوڑا نظر آنا جنگ کے آغاز میں تھا یہاں تک کہ ابوجہل نے اس دن کہا یہ لوگ تو ایک اونٹ کھانے والے ہیں۔ (یعنی جتنے لوگ مل کر ایک اونٹ کھاتے ہیں یہ اتنے ہیں) تم ان کو آرام سے پکڑ کر رسیوں سے باندھ دو پھر جب انہوں نے لڑائی شروع کی تو مسلمان ان کی آنکھوں پر چھا گئے اور زیادہ نظر آنے لگے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: یرونہم مثلیہم...... (القرطبی)

تحقیقِ نسفیؒ

قيل قد قللهم فی اعينهم قبل اللقاء ثم كثرهم فيما بعده ليجترئوا عليهم قلة مبالاة بهم ثم تفجأهم الكثرة فيبهتوا ويهابوا۔

جنگ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں کی آنکھوں میں تھوڑا دکھایا پھر بعد میں زیادہ دکھایا تا کہ کفار بے پروائی کے ساتھ ان پر چڑھ دوڑیں پھر اچانک انہیں زیادہ تعداد نظر آئی تو ہکے بکے رہ گئے اور ڈر گئے۔ (المدارک)

ایک قول

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا کافروں کی آنکھوں میں تھوڑا نظر آنا اس لیے تھا کہ حقیقت میں مسلمان تھوڑے تھے۔

عجیب نصرت

قال ابن مسعود رضی الله عنه: قلت لانسان كان بجانبی يوم بدر! اتراهم سبعين؟ فقال: هم نحو مائة۔ (القرطبی)

یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بدر کے دن میں نے اپنے پہلو میں کھڑے ساتھی سے پوچھا: کیا خیال ہے یہ مشرکین ستر آدمی ہوں گے؟ انہوں نے فرمایا سو تک ہوں گے۔ پھر ہم نے ایک مشرک کو قید کیا اور تعداد پوچھی تو اس نے کہا ہم ایک ہزار تھے۔

بے شک جب نظر اللہ تعالیٰ پر ہو، دل موت کے خوف سے پاک ہو اور مقصد اور حوصلہ بلند ہو تو دشمنانِ اسلام کی طاقت اور تعداد مسلمانوں کو کم، حقیر اور بے وقعت نظر آتی ہے اور ایسا اللہ تعالیٰ کی نصرت سے ہوتا ہے کہ وہ دلوں میں ایک خاص قوت عطا فرما دیتا ہے۔

تفسیر الفرقان میں ہے:

’’جس وقت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ طرطوس پہنچے ہیں اور ابراہیم بن مصعب کوتوال ان کے پاس گیا تو وہ کہتا ہے کہ میں نے کسی انسان کو بادشاہوں کے آگے احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے بڑھ کر بے خوف نہیں پایا:

یومئذ ما نحن فی عینیه الا کامثال الذباب

ہم عُمّالِ حکومت ان کی نظروں میں مکھیوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے تھے اور یہ بالکل حق ہے جن لوگوں کی نظروں میں جلال الٰہی سمایا ہو وہ مٹی کے ان پتلوں کو کیا چیز سمجھتے ہیں جنہوں نے لوہا تیز کر کے (یعنی اسلحہ بنا کے) کندھے پر ڈال رکھا ہے یا بہت سا چاندی سونا اپنے جسم پر لپیٹ لیا ہے۔ (تفسیر الفرقان)

مجاہدین کے لئے خاص نظام قدرت

اللہ تعالیٰ غزوہ بدر کو بطور مثال پیش فرماتا ہے کہ مسلمان جب بھی اسلام کے غلبے اور کفر کی سرکشی توڑنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر جہاد میں نکلتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے لئے ایک خاص نظام قائم فرما دیتا ہے۔

عام قانون یہی ہے کہ انسان کی آنکھ ایک کو ایک اور دو کو دو دیکھتی ہے مگر جہاد میں خصوصی نظام آ گیا اب آنکھیں ایک ہزار کو ستر اور تین سو کو دو ہزار دیکھ رہی ہیں۔ فرشتوں کا کام ہے تسبیح و تقدیس اور تکوینی امور کی انجام دہی۔ مگر جہاد میں فرشتے پگڑیاں باندھ کر جنگ کر رہے ہیں۔ عام نظام یہی ہے کہ خوف کے وقت نیند نہیں آتی مگر جہاد میں سخت جنگ کے دوران مجاہدین نیند میں جھوم رہے ہیں اور ان کے دماغ تازہ ہو رہے ہیں۔ الغرض ہر چیز کو اللہ تعالیٰ اپنے مجاہد بندوں کے کام میں لگا دیتا ہے اور زمین سے آسمان تک ایک نیا نظام قائم کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام نے اپنے گھوڑے دریاؤں میں ڈال دیئے تو ان کے سم تک نہ بھیگے۔

اے مسلمان! اب تو جہاد کو سمجھ لے اب تو جہاد پر آ جا!

(واللہ اعلم بالصواب)

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ　آیت ۴۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ

اے ایمان والو جب کسی فوج سے ملو تو ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ کو

كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾

بہت یاد کرو تاکہ تم نجات پاؤ

خلاصہ

جہاد میں جب دشمن سے مقابلہ ہو تو ثابت قدمی سے لڑو اور خوب زیادہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو یہ کامیابی کا یقینی نسخہ ہے۔

اقوال وحوالے

کلام برکت

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

یعنی مدد اللہ کی چاہو تو اسباب ظاہر سے نہیں دل کی استقامت اور یاد اللہ کی اور حکم برداری سردار کی اور ایک مصلحت چاہئی۔ (موضح القرآن)

حضرت کے اس کلام میں آیت کریمہ کے تمام مضامین کا تقریباً خلاصہ آ گیا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ جہاد میں کامیابی اللہ تعالیٰ کی مدد سے ملتی ہے اب اگر مجاہدین اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد کو ساتھ لینا چاہتے ہیں تو انہیں چار کام کرنے ہوں گے:

❶ دل کی استقامت یعنی دل اللہ تعالیٰ کی ملاقات...... اعلاء کلمۃ اللہ کے جذبے اور جہاد کے شوق سے مضبوط ہوں اور ان میں دنیا کی محبت اور موت کا خوف نہ ہو۔ جب دل مضبوط ہوں گے تو ثابت قدمی سے لڑنا ممکن ہوگا۔

❷ یاد اللہ کی...... یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر زبان سے بھی، دل سے بھی اور اطاعت کے ذریعہ بھی کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم نہ ٹوٹے اور دعاء کے ذریعہ بھی، اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین کے ذریعہ بھی۔ الغرض اللہ تعالیٰ کی یاد مجاہد کے دل ودماغ اور اعضاء پر حاوی ہو یہ سچی یاد اسے ہر برائی سے بچائے اور ہر نیکی پر لائے اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا ایسا نور بھر جائے کہ اسکے سامنے کفر کے لشکروں کی کوئی حیثیت باقی نہ رہے۔

❸ حکم برداری سردار کی...... یعنی امیر کی اطاعت اس سے دل مضبوط ہوتا ہے اور اسلامی لشکر کی صفوں میں اتحاد باقی رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت جماعت پر اترتی ہے اور جماعت اطاعت امیر سے وجود میں آتی ہے۔

❹ ایک مصلحت چاہتی ...... یعنی اسلامی لشکر کے تمام مجاہدین کا مقصد ایک ہو سب اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے لڑنے والے اور اسلام کی خاطر جنگ کرنے والے ہوں ان میں دولت، شہرت اور نام ونمود کے پجاری نہ ہوں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

آیت کا ربط

پچھلی آیات میں جہاد کرنے کا حکم تھا اب جہاد کرنے کا طریقہ سکھایا جا رہا ہے۔ پچھلی آیات میں غزوۂ بدر کا ذکر تھا اب غزوۂ بدر کی ترتیب پر جہاد کرنے کے طریقے اور آداب بتائے جا رہے ہیں۔

پچھلی آیات میں مجاہدین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نصرت کا ذکر تھا اب نصرت الٰہی حاصل کرنے کا نسخہ بتایا جا رہا ہے۔ یہ آخری ربط تو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی عبارت میں موجود ہے دیگر کے لئے چند عبارتیں ملاحظہ فرمائیں:

❶ امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اعلم انه تعالیٰ لما ذکر انواع نعمه علی الرسول وعلی المومنین یوم بدر علمهم اذالتقوا بالفئة وهی الجماعة من المحاربین نوعین من الأدب: الاول: الثبات وهو ان یوطنوا انفسهم علی اللقاء ولا یحدثوها بالتولی والثانی: ان یذکرو الله کثیرا. (التفسیر الکبیر)

یعنی جب اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن اپنے ان احسانات کا ذکر فرمایا جو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمان والوں پر فرمائے تو اس آیت میں انہیں دشمنوں کے لشکر سے لڑائی کے وقت کے دو آداب سکھائے۔ پہلا ثابت قدمی کہ اپنے دل کو جنگ کا عادی بنائیں اور اس میں پیٹھ پھیر کر بھاگ جانے کی عادت نہ پیدا ہونے دیں اور دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ ذکر کریں۔

❷ حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اوپر بدر کے واقعات تھے آگے ایسے مواقع قتال کے آدابِ ظاہری وباطنی کی مسلمان کو تعلیم ہے۔ (بیان القرآن)

❸ امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

هذا تعلیم من الله تعالیٰ لعباده المومنین آداب اللقاء وطریق الشجاعة عند مواجهة الاعداء

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے ایمان والے بندوں کو دشمنوں سے لڑائی کے وقت جنگ کے آداب اور بہادری کا طریقہ تعلیم فرما رہا ہے۔ (ابن کثیر)

ثابت قدمی سے لڑو

پہلا حکم ثابت قدمی سے لڑنے کا ہے اس لئے کہ جن حالات میں جہاد کو فرض عین قرار دیا گیا ہے ان میں سے ایک حالت یہ ہے۔ **اذ التقی الصفان.**

جب مسلمانوں اور کافروں کا لشکر مقابلے کے لئے آمنے سامنے آجائے۔ اکثر مفسرین حضرات نے اس حکم کی تاکید سمجھانے کے لئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔

یا ایها الناس لاتتمنوا لقاء العدو، واسئلو الله العافية فاذا لقيتموهم فاصبروا واعلموا ان الجنة تحت ظلال السيوف. (بخاری، مسلم)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض جنگوں کے دوران انتظار فرمایا جب سورج ڈھل گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے درمیان کھڑے ہوئے اور آپ نے ارشاد فرمایا:

اے لوگو! دشمن سے جنگ کی تمنا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو پھر جب دشمن سے جنگ ہو جائے تو ثابت قدمی کا مظاہرہ کرو اور خوب یقین رکھو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر یہ دعاء فرمائی:

اللهم منزل الكتاب، ومجرى السحاب، وهازم الأحزاب، اهزمهم وانصرنا عليهم.

اے ہمارے پروردگار کتاب کے نازل کرنے والے، بادلوں کو چلانے والے، لشکروں کو شکست دینے والے ان کافروں کو شکست دے اور ہمیں ان پر غالب فرما۔ (تفسیر ابن کثیر)

امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ نے ''احکام القرآن'' میں فاثبتوا کے شرعی احکامات بیان فرمائے ہیں وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

جنگ کے دوران کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو

ثابت قدمی کے لئے، اللہ تعالیٰ کی نصرت پانے کے لئے اور اوپر کے جہان سے اپنا تعلق جوڑے رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بڑھ کر کوئی چیز کارآمد نہیں ہوسکتی اس آیت میں ذکر اللہ سے کیا مراد ہے حضرات مفسرین کے ایمان افروز اقوال ذکر کرنے سے پہلے تین اہم نکتے۔

❶ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص مومن بندوں کو جہاد میں بلایا وہ اپنی قلت اور بے سروسامانی کے باوجود سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر دشمن کے مقابلے میں اتر آئے یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بلاوے پر لبیک کہی اور میدان میں آگئے اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہوا پھر گویا کہ اس کی طرف سے فرمایا گیا۔ اے میرے بندو! تم میرے بلانے پر آگئے اب تم میدان میں مجھے بلاؤ میں آجاؤں گا۔ یعنی میری نصرت تمہارے ساتھ اتر کر تمہارے دشمنوں کے خلاف کافی ہو جائے گی۔

وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ - فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ (والله اعلم بالصواب)

❷ جنگ بہت خوفناک چیز ہے اس میں انسان کے حواس خطاء ہو جاتے ہیں اور اُسے ہر طرف صرف موت

اور مصیبت نظر آتی ہے۔ایسے وقت میں انسان اپنی ذات کے سوا سب کچھ بھول جاتا ہے۔ بندۂ مومن کو سمجھایا جارہا ہے کہ تم ایسے وقت میں بھی اللہ تعالیٰ کو نہ بھولو۔ یہ تمہاری وفاداری کا اعلیٰ درجہ ہوگا جس کے نتیجے میں تمہیں بہت کچھ نصیب ہوگا۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

افترض اللّٰہ ذکرہ عند اشغل مایکون عندالضراب بالسیوف۔ (قرطبی ،ابن کثیر)

اللہ تعالیٰ نے بندے کے مشغول ترین لحات یعنی تلواروں کے ٹکرانے کے وقت بھی لازم کیا کہ وہ اس کا ذکر کرے۔

صاحب انوار البیان لکھتے ہیں:

مومن بندہ لڑتا ہی اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اس کا مرنا اور جینا اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ پھر جنگ کے وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہونے کا تو کوئی موقع ہی نہیں اس موقع پر ذکر کا ثواب بہت زیادہ ہے۔ بظاہر جنگ کی طرف پوری مشغولیت ہو اور باطن اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو اور زبان پر اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری ہو یہ مومن کی خاص شان ہے۔(انوار البیان)

امام ابوحیان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وامر ھم بذکرہ تعالیٰ کثیرا فی ھذا الموطن العظیم من مصابرۃ العدو،والتلاحم بالرماح وبالسیوف......الخ۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے اس مشکل موقع پر بھی اپنے زیادہ ذکر کا حکم دیا جب دشمن سے آمنا سامنا ہوتا ہے تلواریں اور نیزے خون ریزی کرتے ہیں یہ ایسی حالت ہے کہ اس میں انسان سب کچھ بھول جاتا ہے،تو مجاہدین کو حکم دیا گیا کہ وہ اس حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کو یاد کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف مشکل حالات میں رجوع کیا جاتا ہے اور اس کی یاد سے وحشت دور ہوتی ہے اور اسی کو پکار کر مدد مانگی جاتی ہے پس جس کا اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط ہوگا وہ ہر موقع پر اس کی یاد میں لگا رہے گا۔ یہاں تک کہ جنگ کے اس موقع پر بھی جس میں سب کچھ بھول جاتا ہے اور حواس کام نہیں کرتے الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب۔ (الرعد ۲۸) مجھے بعض بہادروں نے بتایا ہے کہ: خونریز جنگ میں بہادر آدمی بھی لرز کر رہ جاتا ہے اور اس پر جنگ کے ہول کی وجہ سے نشے (مدہوشی) جیسی حالت طاری ہوجاتی ہے۔

بعض شعراء نے اس مفہوم میں اشعار نظم کئے ہیں کہ انہوں نے جنگ کے مشکل وقت میں بھی اپنے محبوب کو نہیں بھلایا۔(البحر المحیط)

❸ مصیبت اور خوف کے وقت انسان شدید تنہائی محسوس کرتا ہے اور تنہائی کا یہ احساس اسے فرار کے راستے پر ڈال دیتا ہے۔چنانچہ بندۂ مومن کو جنگ کے خوفناک حالات میں ذکر کا حکم دیا جارہا ہے کیونکہ جب وہ دل سے

اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو تنہائی کا احساس اس کے دل سے نکل جاتا ہے اور اسے محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معیت کا یہ احساس اسے بے پناہ قوت عطاء کرتا ہے۔ چنانچہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے غار ثور میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا لاتحزن ان اللہ معنا۔ کہ غم نہ کرو اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی خوفزدہ قوم کو فرعون کے لشکر اور سمندر کے درمیان یہی بات یاد دلائی کہ کلا ان معی ربی. فرعون نہیں پکڑ سکتا کیونکہ میرا رب میرے ساتھ ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

آیت میں ذکر سے کیا مراد ہے؟

حضرات مفسرین نے اس بارے میں کئی اقوال جمع فرمائے ہیں۔ چونکہ ان اقوال میں مجاہدین کے لئے بہت اعلیٰ نصیحتیں اور بہت عمدہ نسخے موجود ہیں اس لئے یہاں ان اقوال کو قدرے تفصیل سے بیان کیا جارہا ہے۔

تقریرِ عثمانیؒ

اس میں نماز، دعا، تکبیر اور ہر قسم کا ذکر اللہ شامل ہے۔ "ذکر اللہ" کی تاثیر یہ ہے کہ ذاکر کا دل مضبوط اور مطمئن ہوتا ہے، جس کی جہاد میں سب سے زیادہ ضرورت ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا سب سے بڑا ہتھیار یہ ہی تھا

الذین آمنوا وتطمئن قلوبهم بذکر الله الا بذکر الله تطمئن القلوب۔ (الرعد)۔ (تفسیر عثمانی)

تقریرِ نسفیؒ

واذکر واللہ کثیر ا فی مواطن الحرب مستظهرین بذکر ہ مستنصرین به داعین له علی عدوکم: اللهم اخذ لهم اللهم اقطع دابر هم.

یعنی جنگ کے مواقع میں اللہ تعالیٰ کا خوب زیادہ ذکر کرو اور اس کے ذکر کے ذریعے غلبہ حاصل کرو اور ذکر کے ذریعے اس سے مدد مانگو اور ان الفاظ میں اس سے دشمنوں کے لئے بددعاء کرو۔

اللهم اخذلهم اللهم اقطع دابرهم.

اے ہمارے پروردگار! انہیں رسوا فرما دے۔ اے ہمارے پروردگار ان کی جڑ کاٹ دے۔ (المدارک)

تحقیقِ رازیؒ

وفی تفسیر هذا الذکر قولان. یعنی اس ذکر کی تفسیر میں دو قول ہیں:

❶ مطلب یہ ہے کہ جہاد کے دوران مجاہدین زبان سے بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں اور دل سے بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

امر الله اولیاء ہ بذکر ہ فی اشد احوالهم تنبیهاً علی ان الانسان لایجوز ان یخلی قلبه ولسانه عن ذکر الله.

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو اپنے ذکر کا ان کے مشکل ترین حالات میں بھی حکم دیا۔ اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے کہ انسان کے لئے جائز نہیں کہ اس کا دل اور اس کی زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خالی ہو۔

۲ ان المراد من هذا الذكر الدعاء بالنصر و الظفر، لان ذلك لايحصل الا بمعونة الله.

دوسرا قول یہ ہے کہ اس ذکر سے مراد نصرت اور کامیابی کی دعاء ہے کیونکہ یہ چیز اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ (التفسیر الکبیر)

تقریر جصاص رح

وقوله تعالىٰ واذكروا الله كثيرا يحتمل وجهين. احدهما: ذكر الله تعالىٰ باللسان والآخره بالقلب، وذلك على وجهين...... الخ.

اس آیت میں، جس ذکر کا حکم دیا جا رہا ہے اس میں دو احتمال ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ کا زبان سے ذکر کرنا۔ (۲) دل سے ذکر کرنا۔

پھر دل سے ذکر کی دو صورتیں ہیں:

۱ جہاد میں ڈٹ کر لڑنے کا ثواب اور بھاگ جانے کا گناہ یاد کرنا۔

۲ اللہ تعالیٰ کے ان انعامات اور دلائل کو یاد کرنا جو اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے خلاف فریضۂ جہاد کو ادا کرنے کے بارے میں آئے ہیں۔

ذکر کی یہ تمام قسمیں جہاد میں ثابت قدمی اور مضبوطی میں مددگار ثابت ہوتی ہیں ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور دشمنوں کے مقابلے میں جرأت اور دشمنوں کی رسوائی کی دعاء کی جاتی ہے۔ اور یہ بات ممکن ہے کہ آیت مبارکہ میں ذکر سے مراد تمام اذکار ہوں کیونکہ ذکر کی تمام قسموں پر لفظ ذکر کا اطلاق ہوتا ہے۔ (احکام القرآن)

تحقیق قرطبی رح

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

للعلماء فى هذا الذكر ثلاثة اقوال.

یعنی اس ذکر کے بارے میں علماء کے تین اقوال ہیں:

۱ اذكروا الله عند جزعِ قلوبكم، فان ذكره يعين على الثبات فى الشدائد.

اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو دلوں کے خوفزدہ ہونے کے وقت۔ بے شک اللہ تعالیٰ کا ذکر سخت حالات میں ثابت قدم رہنے میں مددگار رہتا ہے (یعنی آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب دشمن سے مقابلہ ہو اور تم اپنے دلوں میں خوف محسوس کرو تو اس وقت اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرو)۔

❷ اثبتو بقلوبکم، واذکروہ بألسنتکم......الخ

یعنی لڑائی میں دل مضبوط رکھو اور زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کیونکہ جنگ کے دوران دل لرزتا ہے اور زبان لڑکھڑاتی ہے اس لئے ذکر کا حکم دیا تاکہ دل یقین پر اور زبان ذکر پر جم جائے۔ اور مجاہد وہ کہے جو حضرت طالوت کے مجاہدین نے کہا تھا۔

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (البقرۃ ۲۵۰)

❸ اذکروما عندکم من وعد اللہ لکم فی ابتیاعه انفسکم ومثامنته لکم.

یعنی ذکر سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کو یاد رکھو کہ اس نے تم سے تمہاری جانوں کو خرید لیا ہے اور ان کی قیمت جنت مقرر فرمائی ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ یہ تین اقوال لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں قلت والأظهر انه ذکر اللسان الموافق للجنان.

میں کہتا ہوں کہ زیادہ واضح بات یہ ہے کہ اس سے مراد زبان کا وہ ذکر ہے جو دل کے ساتھ مل کر ادا ہو۔ (القرطبی)

یعنی زبان اور دل دونوں اللہ تعالیٰ کے ذکر یعنی اس کی یاد میں مشغول ہوں۔

تقریر اندلسیؒ

امام ابوحیان رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اس ذکر کے بارے میں بہت سے اقوال نقل فرمائے ہیں مگر ان اقوال سے پہلے اپنی رائے ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ وذکر ان الثبات وذکر اللہ سببا الفلاح وهو الظفر بالعدو فی الدنیا، والفوز فی الآخرۃ بالثواب. والظاهر ان لا یعین ذکر.

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ثابت قدمی اور ذکر اللہ یہ دو ذریعے ہیں فلاح کے اور فلاح کا معنیٰ ہے دنیا میں دشمن پر فتح پانا اور آخرت میں اجر کا مستحق ہونا۔ اور زیادہ درست بات یہ ہے کہ اس سے کوئی معین ذکر مراد نہیں ہے۔

اپنی ترجیح بتانے کے بعد یہ چند اقوال نقل فرماتے ہیں:

❶ ایک قول یہ ہے کہ ذکر سے مراد مجاہدین کا کفار سے جنگ کے وقت اللہ اکبر کہنا ہے۔

❷ ایک قول یہ ہے کہ ذکر سے مراد دشمنوں کے لئے بددعا کرنا ہے اللهم اخذلهم اللهم دمرهم اے ہمارے پروردگار ان کو رسوا فرما اے ہمارے پروردگار ان کو تباہ فرما۔

❸ ایک قول یہ ہے کہ ذکر سے مراد خود اپنے لئے نصرت اور فتح کی دعا مانگنا ہے جس طرح حضرت طالوت کے لشکر نے مانگی تھی ربنا افرغ الایة.

❹ ایک قول یہ ہے کہ ذکر سے مراد یہ جملہ ہے وهم لا ینصرون

یہ جنگ میں مسلمانوں کا علامتی جملہ (کوڈ) ہوتا تھا۔

یہ ذکر آہستہ ہو یا بلند آواز سے امام ابوحیان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اس ذکر کا حکم یہ ہے کہ آہستہ آواز سے ہو یعنی ذکر خفی ہو۔ مگر حملے کے وقت اگر پورا لشکر مل کر ذکر کرے تو اس وقت آواز کو بلند کرنا اچھا ہے کیونکہ اس سے کفار کے دل ڈر جاتے ہیں۔ ابوداؤد میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم جنگ اور جنازہ میں آواز بلند کرنے کو مکروہ یعنی برا سمجھتے تھے۔ (البحر المحیط)

خلاصہ

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ جب مسلمانوں کا کفار سے مقابلہ ہو تو وہ ثابت قدمی دکھائیں اور خوب زیادہ اللہ تعالیٰ کو یاد کریں۔ تب انہیں کامیابی ملے گی۔ ذکر اللہ کا معنیٰ ہے ’’اللہ تعالیٰ کی یاد‘‘ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو اپنا نام لینے کی اجازت دی ہے اور ان کے دلوں میں اپنی یاد کی صلاحیت رکھی ہے۔ پس اگر مسلمان اپنے دشمنوں پر غلبہ چاہتے ہیں اور دنیا اور آخرت کی کامیابی چاہتے ہیں تو وہ اپنے اندر ذکر اللہ کو مضبوط کریں۔ جنگ کے دوران بھی ان کی زبانیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے، ان کے دل اللہ تعالیٰ کی عظمت اور یاد سے اور ان کے دماغ اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے یقین سے زندہ ہوں۔ تب کافر ان پر غالب نہیں آسکیں گے کیونکہ کافر ذکر اللہ سے محرومی کی وجہ سے مردہ ہیں اور مردے جتنے بھی آجائیں زندہ افراد کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ لیکن اگر مسلمان بھی ذکر سے غافل ہوں گے تو پھر مقابلہ اسلحے اور تعداد کا ہوگا اور اس میں کافروں کا پلہ اکثر بھاری ہی رہتا ہے۔ اس وقت مجاہدین میں ذکر اللہ کو جاری کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ ’’ذکر اللہ‘‘ چھوڑنے کی وجہ سے مسلمان جہاد سے دور ہیں اور ذکر اللہ میں سستی اور کمزوری کی وجہ سے مجاہدین نصرت فتح، باہمی اتفاق اور اپنی منزل سے دور ہیں۔ مسلمانوں میں ذکر اللہ کی حقیقت آگئی تو ان کے دلوں سے دشمنوں کی طاقت کا رعب مٹ جائے گا۔ دنیا میں زندہ رہنے کا شوق ہلکا پڑ جائے گا اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا جذبہ پیدا ہو جائے گا۔ تب وہ اپنے اندر ایک خاص غیرت محسوس کریں گے اور یہ غیرت انہیں اللہ تعالیٰ کے کلمے کی سربلندی کے لئے میدان جہاد میں لے آئے گی۔ اسی طرح جب مجاہدین میں ’’ذکر اللہ‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ کی سچی یاد مضبوط ہوگئی تو ان کے جہاد میں بے پناہ قوت اور جان پڑ جائے گی وہ آپس کے اختلافات اور حب دنیا کے فتنے سے بچے رہیں گے اور ان کا ہر قدم آگے کی طرف بڑھے گا اور فتح پائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر ایک عظیم الشان نعمت ہے اور بندوں پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ عظیم الشان نعمت عطا فرمائے اور ہمارے دل، ہماری زبان، ہماری کھال، ہمارے بال، ہماری ہڈیاں اور ہمارا گوشت سب ذکر میں لگ جائیں۔

یا اللہ ہمارے دلوں کو اپنے ذکر سے زندہ فرما اور اپنا ذکر ہر دم ہمیں نصیب فرما۔

اللهم أعنا علیٰ ذكرك وشكرك وحسنِ عبادتك. (آمین یا ارحم الراحمین)

☆☆☆

سُوْرَةُ الْأَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۴۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ

اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا کہا مانو اور آپس میں نہ جھگڑو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا

رِيْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾

اکھڑ جائے گی اور صبر کرو بے شک اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہے

خلاصہ

جہاد میں کامیابی کے لئے دو کام پچھلی آیت میں آگئے: ❶ ثابت قدمی ❷ کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر۔

اس آیت میں مزید تین کام بتائے جارہے ہیں:

❸ جہاد فی سبیل اللہ کے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کالحاظ رکھو کہ کوئی کاروائی خلافِ شریعت نہ ہو۔

❹ اپنے امیر سے اور ایک دوسرے سے نزاع نہ کرو ورنہ باہمی نااتفاقی کی وجہ سے بزدل اور کم ہمت ہو جاؤ گے کیونکہ قوتیں منتشر ہو جائیں گی ایک دوسرے پر اعتماد نہ ہوگا اور اکیلا آدمی کیا کرسکتا ہے؟ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی یعنی تمہارا رعب ختم ہو جائے گا

❺ اگر کوئی ناگوار معاملہ پیش آجائے تو اس پر صبر کرو بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ کی معیت یعنی اس کا ساتھ ہونا ہی تم پر نصرت کو لاسکتا ہے۔ (تلخیص از بیان القرآن)

اقوال

آپس کے جھگڑے سے رحمتِ الٰہی رک جاتی ہے

حضرت لاہوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اور آپس میں نہ جھگڑو تا کہ رحمتِ الٰہی رک نہ جائے اور ہر مصیبت کا صبر سے مقابلہ کرو خدا تعالیٰ تمہارا پشت پناہ ہے۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

حضرت کی اس عبارت میں اس حدیث پاک کی طرف اشارہ ہے جس میں فرمایا گیا کہ یــد الله عــلــی الـجـمـاعـة کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اور اس کی مدد جماعت پر ہوتی ہے۔ پس جب نزاع ہوا اور جماعت نہ رہی اور ہر شخص گویا کہ الگ الگ ہو گیا اگرچہ بظاہر اکٹھے ہی کیوں نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اٹھ جاتا ہے اور اس کی مدد اور

رحمت رک جاتی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

کامیابی کی کنجی

''جو سختیاں اور شدائد جہاد کے وقت پیش آئیں ان کو صبر و استقامت سے برداشت کرو، مثل ہے کہ ہمت کا حامی خدا ہے اس آیت میں مسلمانوں کو بتلا دیا گیا کہ کامیابی کی کنجی کیا ہے؟ معلوم ہوا کہ دولت لشکر اور میگزین وغیرہ سے فتح ونصرت حاصل نہیں ہوتی۔ ثابت قدمی صبر و استقلال، قوت وطمانیتِ قلب ، یادالٰہی، خدا ور سول اور ان کے قائم مقام سرداروں کی اطاعت وفرمانبرداری اور باہمی اتفاق واتحاد سے حاصل ہوتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تمام الفاظ کی جامع تفسیر

''وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ'' اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اطاعت تو ہمیشہ اور ہر حال میں واجب ہے۔ اس سیاق (یعنی اس مقام) میں اس کی تاکید سے مراد یہ ہے کہ حالت جہاد میں بھی احکام شریعت کے دائرۂ حدود سے قدم ذرا بھی باہر نہ نکلے یہ نہ ہو کہ جوش میں آکر یا کسی اور جذبہ سے متاثر ہو کر خود رائی شروع کر دو یا پیروی (اپنے) نفس کی یا اپنی محدود عقل کی شروع کر دو۔

وَ رَسُوْلَهٗ اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے معنی اس سیاق میں یہ ہیں کہ احکام قتال وتدابیرِ جنگ میں بھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم واجب التعمیل سمجھو کہ رسول ہی کا تو ایک واسطہ ہے تم لوگوں تک مرضیاتِ الٰہی کے پہنچنے کا اور احکام الٰہی کی تشریح وتفہیم کا۔

واطیعوا رسوله فی ما امر به ونهیٰ عنه من شؤن القتال وغیرها من حیث انه هو المبین لکلام الله۔ (المنار)

وَ لَا تَنَازَعُوْا کوئی نزاع نہ افرادِ امت کے درمیان ہو نہ امام یا امیرِ قوم سے ہو یہ اندرونی کشمکش ڈسپلن (نظم واطاعت) کے حق میں زہر قاتل ہے۔

فَتَفْشَلُوْا یہاں گویا یہ اشارہ کر دیا کہ انتشارِ قوت کا لازمی نتیجہ پست ہمتی ہے۔

تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ یعنی جو رعب تمہاری یک دلی، یک جہتی، یک رنگی کی بنا پر چھایا ہوا ہے وہ جاتا رہے گا۔

ای قوتکم ونصرکم، کما تقول، الریح لفلان اذا کان غالباً فی الامر۔ (قرطبی)

وَ اصْبِرُوْا یعنی حالت جہاد میں جو ناگوار حالات گردوپیش میں پیدا ہوتے رہنے لازمی ہیں ان پر بہر حال صبر سے کام لیتے رہو، صبر محمود (یعنی پسندیدہ کام) تو ہر حال میں ہے موقع قتال پر اور زیادہ۔ (پسندیدہ ہے)

امر بالصبر وهو محمود فی کل المواطن وخاصة موطن الحرب۔ (قرطبی)

صبر کی اصطلاح قرآنیات میں بڑی وسیع وجامع ہے ''ڈسپلن'' سے آج کل جو کچھ سمجھا جاتا ہے وہ سب اس کے

اندر آجاتا ہے اور روحانی قوت اور اللہ تعالیٰ پر تسکین وہ بھروسہ اس کے علاوہ۔
اس آیت میں جتنے بھی احکام بیان ہوئے سب مستقل و مستمر ہیں ،غزوہ بدر کے ساتھ مخصوص ومحدود نہیں۔(تفسیر ماجدی)

اختلاف کی نحوست سے پسپائی

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ وتذهب ريحكم کی تفسیر میں لکھتے ہیں یعنی اقبال سے ادبار آوے گا۔ (موضح القرآن)
مطلب یہ ہے کہ پیش قدمی اور فتوحات رک جائیں گی اور پسپائی اور شکست شروع ہوجائے گی۔ تفسیر الفرقان میں ہے:
حقیقت یہ ہے کہ چند ضعیف وناتواں انسانوں کا آپس میں متحد ہوجانا وہ اثر رکھتا ہے کہ عظیم الشان لشکر بھی اس کا نمونہ پیش کرنے سے عاجز ہیں یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے بار بار اتحاد واجتماع پر زور دیا ہے۔(تفسیر الفرقان)
پس جو لوگ مسلمانوں میں افتراق وانتشار کے ذمہ دار ہوتے ہیں وہ پوری اسلامی جماعت پر ظلم کرتے ہیں اور کافروں کے کام آتے ہیں۔(واللہ اعلم بالصواب)
بعض مفسرین کے نزدیک ہوا اُکھڑنے سے مراد اس ہوا کا بند ہوجانا ہے جو اللہ تعالیٰ جہاد میں اس امت کی نصرت کے لئے بھیجتا ہے۔ پس جب مسلمان نزاع کرتے ہیں تو اس اختلاف کی نحوست سے نصرت والی وہ ہوا بند ہوجاتی ہے۔
امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:
وقال قتادة وابن زيد:انه لم يكن نصرقط الا بريح تهب فتضرب في وجوه الكفار ومنه قوله عليه السلام۔
نصرت بالصبا واهلكت عاد بالدبور قال الحكم وتذهب ريحكم یعنی الصبا اذ بها نصر محمد صلى الله عليه وسلم وامته وقال مجاهد: وذهبت ريح ا صحاب محمد صلى الله عليه وسلم حين نازعوه يوم احد. یعنی قتادہ رحمہ اللہ اور ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہے کہ مسلمانوں کی نصرت اور فتح ہمیشہ اس ہوا سے ہوتی تھی جو کافروں کے منہ پر تھپیڑے مارتی تھی۔اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ۔
اللہ تعالیٰ نے "صبا" (یعنی مشرقی ہوا) کے ذریعہ میری نصرت فرمائی ہے اور قوم عاد "دبور" (یعنی غربی ہوا) سے ہلاک کی گئی۔
حکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تذهب ريحكم کا مطلب یہ ہے کہ نصرت والی ہوا "صبا" جاتی رہے گی کیونکہ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کی نصرت اسی سے ہے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ غزوہ احد میں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نزاع کیا گیا یعنی آپ کی نافرمانی کی گئی تو ہوا جاتی رہی۔ (القرطبی)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وتذھب ریحکم ای قوتکم وحدتکم وما کنتم فیه من الإقبال۔

یعنی تمہاری قوت، تمہاری تیزی اور تمہاری پیش قدمی سب جاتی رہے گی۔ (تفسیر ابن کثیر)

نزاع اور اختلاف سے بچنے کا طریقہ صبر ہے

صاحب انوار البیان لکھتے ہیں:

آپس کے نزاع سے بچنے کا حکم دینے کے بعد ساتھ ہی صبر کا حکم دینے میں اس بات کی طرف رہنمائی ہے کہ آپس کا اتحاد صبر اختیار کرنے سے باقی رہ سکتا ہے۔ جب کچھ آدمی آپس میں مل کر رہتے ہوں، خواہ ایک ہی گھر کے افراد ہوں آپس میں کچھ نہ کچھ ایک دوسرے کی جانب سے قول یا فعل کے اعتبار سے ناگواری پیش آجاتی ہے ایک جماعت جہاد کے لئے نکلے یا نکلنے کا ارادہ کرے تو باہمی مشوروں میں اختلاف رائے ہونے کا امکان رہتا ہے بلکہ اختلاف واقع ہوجاتا ہے، طبائع بھی مختلف ہوتے ہیں۔ جب تک برداشت نہ ہو اتحاد قائم نہیں رہ سکتا اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مشورہ کرنے بیٹھیں تو اپنی اپنی رائے دے کر فارغ ہوجائیں۔ کوئی شخص اپنی رائے پر اصرار نہ کرے، اگر اصرار کرنے لگیں تو وہیں لڑائی ہوجائے گی، اور مشورے کا مقصد فوت ہوجائے گا۔

ایک کی رائے دوسرے کے خلاف ہو تو صبر کرے اور پھر جو امیر کسی کی رائے یا اپنی رائے کو ترجیح دے دے تو اپنی رائے کے مخالف ہونے کی وجہ سے دل گیر نہ ہو بلکہ صبر کرے حتیٰ کہ اگر کسی کی رائے کے خلاف اختیار کرلینے سے کوئی نقصان پہنچ جائے تب بھی امیر کو طعنہ نہ دے کہ دیکھا ہم نے کیا کہا تھا۔ اتحاد کے لئے بڑے صبر اور ثبات کی ضرورت ہوتی ہے ناگواریوں کو بشاشت کے ساتھ برداشت کیا جاتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کے عہدہ سے معزول کردیا انہوں نے بشاشت سے قبول کرلیا اور کوئی محاذ آرائی نہیں کی۔ لہٰذا مسلمانوں کا شیرازہ بندھا رہا۔ اگر وہ چاہتے تو محاذ بنالیتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا اور حسب سابق جہاد کے کاموں میں مشغول رہے، درحقیقت اصل اطاعت وہی ہے جو طبعی ناگواری کے ساتھ ہو۔ اگر ہر شخص یوں چاہے کہ ہمیشہ میری چلے تو کبھی بھی اجتماع نہیں ہوسکتا۔ انتشار ہی رہے گا اور اس سے ہوا خیزی ہوگی۔ (انوار البیان)

صبر کا معنیٰ ہے ضبطِ نفس یعنی نفس میں دفاع کی طاقت پیدا ہوجائے جب غصہ آجائے جب شیطان تکبر اور بغاوت کا حملہ کرے جب حسد حملہ آور ہو۔ جب گناہ اپنی طرف بلائے، جب مایوسی داخل ہونے لگے ان حالات میں نفس کو قابو رکھنا اور شریعت کی حدود میں رہنا صبر کہلاتا ہے اسی صفت صبر سے ہی مجاہد کا جہاد کامل اور مکمل ہوتا ہے امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: والمقصود ان کمال امر الجھاد مبنی علی الصبر۔ (تفسیر کبیر)

ایک ایمان افروز عبارت

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر کے آخر میں یہ وجد آفرین عبارت تحریر فرماتے ہیں:

وقد كان للصحابة رضي الله عنهم في باب الشجاعة والأيتمار بما امر هم الله ورسوله به وامتثال ما ار شدهم اليه مالم يكن لاحد من الامم والقرون قبلهم ولا يكون لاحد ممن بعدهم،فانهم ببركة الرسول صلى الله عليه وسمل وطاعته فيما امرهم فتحوا القلوب والأقاليم شرقاوغرباً فى المدة اليسيرة مع قلة عددهم بالنسبةالى جيوش سائر الاقليم من الروم والفرس، والترك والصقالبةوالبربر والحبوش،واصناف السودان والقبط وطوائف بنى آدم قهرواالجميع حتى علت كلمة الله وظهر دينه علىٰ سائر الأ ديان،وامتدت الممالك الاسلامية فى مشارق الارض ومغاربها فى اقل من ثلاثين سنة فرضى الله عنهم وارضاهم اجمعين وحشرنافى زمر تهم انه كريم وهاب.

حضرات صحابہ کرام کا بہادری اور اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری میں وہ مقام تھا جو ان سے پہلے کسی کا نہ تھا اور نہ ان کے بعد کسی کا ہوگا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی مکمل اطاعت کی برکت سے تھوڑے ہی عرصہ میں دلوں اور ملکوں کو مشرق ومغرب میں فتح کرلیا۔ حالانکہ دنیا کی بڑی قوموں کے مقابلے میں ان کی تعداد کم تھی (آگے ان اقوام کے نام ذکر فرمائے ہیں) مگر صحابہ کرام ان تمام اقوام پر غالب آگئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہوگیا اور اس کا دین تمام ادیان پر غالب آگیا اور تیس سال سے کم عرصے میں اسلامی مملکت زمین کے مشرق ومغرب تک پھیل گئی۔ فرضى الله عنهم وارضاهم اجمعين۔ اور اللہ تعالیٰ ہمارا حشر بھی ان کے زمرے میں فرمائے بے شک وہ کریم بھی ہے اور وہاب بھی۔

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۴۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ

اور ان لوگوں جیسا نہ ہونا جو اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھانے کیلئے گھروں سے

النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ

نکل آئے اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے تھے اور جو کچھ یہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس پر

مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾

احاطہ کرنے والے ہیں

خلاصہ

جہاد کی قبولیت اور کامیابی کے لئے پانچ احکامات وآداب پچھلی دو آیات میں بیان ہوئے اس آیت میں چھٹا حکم بیان فرمایا جارہا ہے۔

❻ اور چھٹے یہ کہ نیت خالص رکھو (اور تواضع اختیار کرو) فخر اور دکھلاوے میں ان کافر لوگوں کے مشابہ مت ہونا جو اسی واقعہ بدر میں اپنے گھروں سے اکڑتے ہوئے اور لوگوں کو اپنی شان اور سامان دکھلاتے ہوئے نکلے اور اس فخر و ریاء کے ساتھ یہ بھی نیت تھی کہ لوگوں کو اللہ کے رستہ یعنی دین سے روکتے تھے اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پوری سزا دے گا۔ چنانچہ وہ ان کے اعمال کو اپنے علم کے احاطہ میں لیے ہوئے ہے۔ (ملخص از بیان القرآن)

آیت کا موضوع

اہلِ تفسیر محققین نے اس آیت کے مختلف ''موضوع'' بیان فرمائے ہیں:

❶ اس آیت میں جہاد کی کامیابی اور قبولیت کا چھٹا ''ادب'' اور نسخہ بیان ہوا ہے۔

❷ پچھلی آیات میں فتح کے اسباب اور اس آیت میں شکست کے اسباب بیان فرماتے ہیں کہ غرور، فخر، ریاکاری اور دین دشمنی شکست کے اسباب ہیں۔

❸ پچھلی آیات میں ذکر اللہ کا حکم تھا اور آپس میں نزاع سے بچنے کی تلقین تھی اس آیت میں بتلایا گیا کہ جب ذکر چھوڑ دو گے اور آپس میں نزاع کرو گے تو تم میں بھی کافروں کی طرح فخر و ریاکاری پیدا ہو جائے گی۔

❹ پچھلی آیات میں ثابت قدمی سے لڑنے کا حکم تھا اس آیت میں سمجھایا گیا کہ یہ ''ثابت قدمی'' اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو فخر اور ریاء کے لئے نہ ہو۔

❺ اس آیت کا موضوع یہ ہے کہ جہاد عبادت ہے اور عبادت میں فخر اور ریاکاری کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

عبارات

❶ کلام برکت

’’جہاد عبادت ہے، عبادت پر اترائے یا دکھانے کو کرے تو قبول نہیں‘‘ (موضح القرآن)

❷ ذکر چھوڑنے اور نزاع کرنے کی نحوست

’’اگر ذکر الٰہی ترک کر دیا اور آپس میں منازعت پیدا کر لی تو پھر کفار کی طرح تم میں بھی سرکشی اور ریا پیدا ہو جائے گی اور یہ تباہی کا پیش خیمہ ہے‘‘ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

❸ شکست کے اسباب

’’جہاں مسلمانوں کو فتح و کامرانی کے مختلف اسباب و وسائل تعلیم دیئے، وہاں یہ بھی بتا دیا کہ میدان جنگ کو جاتے وقت فخر و تکبر، عجب و غرور اور نمود و شہرت سے پرہیز کرنا، کیونکہ یہی چیزیں شکست کا باعث بن جاتی ہیں، کفار مکہ کو دیکھو عظیم الشان لشکر لیے ہوئے آ رہے ہیں، مگر شکست کھاتے ہیں اس لیے کہ وہ شہرت و ناموری اور غرور و تکبر کی خاطر گھروں سے نکلے تھے۔‘‘ (تفسیر الفرقان)

❹ جہاد عظیم الشان عبادت ہے

’’ابو جہل لشکر لے کر بڑی دھوم دھام اور باجے گانے کے ساتھ نکلا تھا تا کہ مسلمان مرعوب ہو جائیں اور دوسرے قبائل عرب پر مشرکین کی دھاک بیٹھ جائے، راستہ میں اس کو ابو سفیان کا پیام پہنچا کہ قافلہ سخت خطرہ سے بچ نکلا ہے۔ اب تم مکہ کو لوٹ جاؤ۔ ابو جہل نے نہایت غرور سے کہا کہ ہم اس وقت واپس جا سکتے ہیں جبکہ بدر کے چشمہ پر پہنچ کر مجلس طرب و نشاط منعقد کر لیں، گانے والی عورتیں خوشی اور کامیابی کے گیت گائیں، شرابیں پئیں، مزے اڑائیں اور تین روز تک اونٹ ذبح کر کے قبائل عرب کی ضیافت کا انتظام کریں، تا کہ یہ دن عرب میں ہمیشہ کے لئے ہماری یادگار رہے اور آئندہ کے لئے ان مٹھی بھر مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جائیں کہ پھر کبھی ہمارے مقابلہ کی جرأت نہ کریں۔ اسے کیا خبر تھی کہ جو منصوبے باندھ رہے ہیں اور تجویزیں سوچ رہے ہیں وہ سب خدا کے قابو میں ہیں، چلنے دے یا نہ چلنے دے، بلکہ جب چاہے ان ہی پر الٹ دے۔ چنانچہ یہ ہی ہوا۔ بدر کے پانی اور جام شراب کی جگہ انہیں موت کا پیالہ پینا پڑا۔ محفل سرود و نشاط تو منعقد نہ کر سکے ہاں نوحہ و ماتم کی صفیں ’’بدر‘‘ سے ’’مکہ‘‘ تک بچھ گئیں۔ جو مال تفاخر و نمائش میں خرچ کرنا چاہتے تھے وہ مسلمانوں کیلئے لقمۂ غنیمت بنا۔ ایمان و توحید کے دائمی غلبہ کا بنیادی پتھر بدر کے میدان میں نصب ہو گیا۔ گویا ایک طرح اس چھوٹے سے قطعہ زمین میں خدا تعالیٰ نے روئے زمین کی ملل و اقوام کی قسمتوں کا فیصلہ فرما دیا، بہر حال اس آیت میں مسلمانوں کو آگاہ فرمایا ہے کہ جہاد محض ہنگامہ کشت و خون کا نام نہیں بلکہ عظیم الشان عبادت ہے، عبادت پر اترائے یا دکھاوے کو کرے تو قبول نہیں۔ لہٰذا تم فخر و غرور اور نمود و نمائش میں کفار کی چال مت چلو۔ (تفسیر عثمانی)

۵ ثابت قدمی تکبر کی وجہ سے نہ ہو

وحاصل الکلام: انه تعالیٰ امرهم عند لقاء العدو بالثبات والاشتغال بذکر الله ومنعهم من ان یکون الحامل لهم علی ذلك الثبات، البطر والریاء بل اوجب علیهم ان یکون الحامل لهم علیه طلب عبودیة الله۔ (تفسیر کبیر)

یعنی حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ دشمنوں سے جنگ کے وقت ثابت قدمی سے لڑیں اور ذکر اللہ میں مشغول رہیں اب انہیں منع فرمایا کہ اس ثابت قدمی کا باعث تکبر اور ریاکاری نہ ہو بلکہ ان پر لازم کیا کہ ان کی ثابت قدمی اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کی رضا حاصل کرنے کیلئے ہو۔

خلاصہ تفسیر اور ان پانچ عبارات سے آیت مبارکہ کا موضوع واضح ہوگیا۔اب ملاحظہ فرمایئے دیگر تفسیری فوائد۔

مجاہدین کے لئے اہم ترین نصیحت

اس آیت میں مجاہدین کو جن بری چیزوں سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے ان میں سے ایک بَطَر بھی ہے۔امام رازی رحمہ اللہ بَطَر کا معنیٰ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

قال الزجاج البطر الطغیان فی النعمة والتحقیق ان النعم اذا کثرت من الله علی العبد فان صرفها الی مرضاته وعرف انها من الله تعالیٰ فذاك هو الشکر واما ان توسل بها الی المفاخرة علی الا قرآن والمکاثرة علی اهل الزمان فذاك هو البطر۔ (التفسیر الکبیر)

امام زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بَطَر کہتے ہیں نعمت میں سرکشی کرنے کو۔مطلب اس کا یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بندے پر زیادہ ہوجائیں تو اگر وہ ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے کاموں میں لگائے اور اس بات کو پہچانے کہ یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کے انعام اور فضل کے طور پر ہیں، اس کا حق نہیں) تو یہ شکر ہے اور اگر ان نعمتوں کے ذریعے اپنے ہم عصر لوگوں پر فخر کرے اور اپنے زمانے کے لوگوں پر اپنی فضیلت جتلائے تو یہ ”بَطَر“ ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ بَطَر کا ترجمہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

والبطر فی اللغة: التقویة بنعم الله عز وجل وما البسه من العافیة علی المعاصی

یعنی بَطَر کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کی دی ہوئی عافیت سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کاموں میں مدد حاصل کرے۔

مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کی طرف سے عطا فرمودہ امن وعافیت کا ناجائز فائدہ اٹھائے اور ان چیزوں کو گناہ اور نافرمانی کے کاموں میں لگائے۔

امام نسفی رحمہ اللہ بَطَر کا معنیٰ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

والبطر ان تشغله کثرة النعمة عن شکرها

بَطَرَ کا معنی یہ ہے کہ نعمتوں کی کثرت کسی کو شکر سے ہٹا کرنا فرمانی پر لگا دے۔ (المدارک)

یعنی ایک آدمی اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہے اور گناہوں سے بچتا ہے مگر جب اس پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی کثرت ہوئی اسے مال، عزت اور قوت ملی تو وہ بدل گیا۔ غرور فخر اور گناہ میں مبتلا ہو گیا تو اس کیفیت کا نام بَطَرَ ہے۔

صاحب انوار البیان تحریر فرماتے ہیں:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص اس لیے لڑتا ہے کہ مال غنیمت ملے اور ایک شخص اس لیے لڑتا ہے کہ اس کی شہرت ہو اور ایک شخص اس لیے جنگ کرتا ہے کہ اس کی بہادری کا چرچا ہو تو ارشاد فرمایئے ان میں اللہ کی راہ میں کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جو شخص اس لیے جنگ کرتا ہے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو تو وہ اللہ کی راہ میں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۳۱ از بخاری و مسلم)

اکڑ مکڑ، اپنی ذات اور جماعت پر بھروسہ یہ سب اہل ایمان کی شان کے خلاف ہے۔ اس سے اخلاص جاتا رہتا ہے۔ جو لوگ اللہ کی رضا چاہتے ہیں ان میں تواضع ہوتا ہے۔ اللہ پر بھروسہ ہوتا ہے اللہ ہی کے لئے لڑتے ہیں اور اسی کے لئے مرتے ہیں۔ عین قتال (یعنی جنگ) کے موقع پر کافروں کو اپنی طاقت دکھانے کے لئے ظاہری طور پر اکڑ مکڑ دکھانا بھی اللہ کو محبوب ہے۔ دل میں تواضع اور اللہ پر بھروسہ اور ظاہر میں کافروں کو جلانے کے لئے اتراتے ہوئے کافروں کے مقابلہ میں آنا یہ محبوب مرغوب ہے۔

فی الحدیث فاما الخیلاء التی یحب اللہ فاختیال الرجل عند القتال واختیاله عند الصدقة (کما فی المشکوٰۃ ص ۲۸۷)

حدیث میں ہے وہ اترانے والے جنہیں اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے وہ قتال کے وقت کا اترانا ہے اور صدقہ کے وقت کا اترانا (یعنی صدقہ دل کی خوشی سے اور استغفار سے دے)۔ (تفسیر انوار البیان)

حضرات مفسرین نے لکھا ہے کہ غزوہ بدر کے موقع پر حضور اکرم ﷺ نے مشرکین کے فخر اور غرور کا حوالہ دے کر اللہ تعالیٰ سے ان کیلئے بددعا فرمائی اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ فخر و غرور کتنی بری چیز ہے۔ امام رازیؒ لکھتے ہیں:

روی انه صلی اللہ علیه وسلم لمّا راھم فی موقف بدر قال:

اللھم ان قریشاً اقبلت بفخرھا وخیلائھا لمعارضة دینك ومحاربة رسولك. (تفسیر کبیر)

یعنی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب میدان بدر میں مشرکین کا لشکر دیکھا تو ارشاد فرمایا:

اے میرے پروردگار قریش اپنے فخر و غرور کے ساتھ تیرے دین کا مقابلہ کرنے اور تیرے رسول سے جنگ کرنے کے لئے نکل آئے ہیں۔

اہل جہاد کے لئے فخر وغرور بے حد نقصان دہ چیز ہے، اللہ تعالیٰ جب انہیں فتح قوت، شان، عزت اور مال دے تو ان میں اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اور زیادہ ہو جانی چاہیے، پس جو مجاہد فخر وغرور میں پڑتا ہے وہ مشرکین کے طریقے پر چلتا ہے ظاہر بات ہے جب مشرکین کا طریقہ جاری ہوگا تو اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد اٹھ جائے گی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فخر، غرور اور تکبر مشرکین کی خصلت تھی

امام رازی رحمہ اللہ نے نکتہ لکھا ہے کہ قرآن پاک نے بطراً اور رئاء کو اسم کے صیغے سے اور یصدون کو فعل کے صیغے سے ذکر فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فخر وغرور ان مشرکین کی خصلت اور مستقل صفت بن چکی تھی جبکہ دین سے روکنے کا کام تو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کے بعد شروع کیا۔ اسم استمرار پر اور فعل تجدد اور حدوث پر دلالت کرتا ہے۔ (تفسیر کبیر)

ریا کاری سے بچنا

ریا کاری چھوٹا شرک ہے اور اس سے انسان کے تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ ریا کاری کے ساتھ جو اچھا عمل بھی کیا جائے وہ حقیقت میں برا ہوتا ہے کیونکہ جو عمل اللہ تعالیٰ کے لئے نہ ہو وہ کبھی اچھا نہیں ہو سکتا۔ ریا کاری کے اسی معنیٰ کی طرف امام رازی رحمہ اللہ نے اشارہ فرمایا ہے:

والرئا عبارة عن القصد إلى اظهار الجميل مع ان باطنه يكون قبيحا. (تفسير كبير)

فائدہ

صاحب تفسیر ماجدی لکھتے ہیں:

بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ. یہ فخر ونمائش، غرور واتراہٹ کے اوصاف آج کی "مہذب" فرنگی قوموں، ان کے لشکروں کی زرق برق وردیوں ان کے جھنڈوں اور نشانوں، ان کے فخریہ دعووں اور اعلانوں، ان کی توپوں اور جہازوں، ان کے طیاروں اور آبدوزوں، ان کے بمباروں اور ان کے جوہری بموں پر کتنے صادق آتے ہیں اور سب سے بڑھ کر ان کے نشریوں اور اعلانوں پر۔ (تفسیر ماجدی)

شان نزول کی ایک عبارت

آیت کے شان نزول کے بارے میں تفسیر عثمانی کی عبارت کافی ہے قرطبی، کبیر، روح المعانی، المدارک وغیرہ تمام تفاسیر میں یہی روایت مذکور ہے البتہ تفسیر قرطبی اور تفسیر کبیر میں اس سے ملتی جلتی ایک اور عبارت بھی مذکور ہے۔ طلبہ علم کے لئے بطور حوالہ پیش خدمت ہے:

يعني اباجهل واصحابه الخارجين يوم بدر لنصرة العير، خرجوا بالقيان والمغنيات والمعازف، فلما وردو الجحفة بعث "خفاف الكناني" وكان صديقا لابي جهل. بهدايا اليه مع ابن

لـه وقـال: ان شـئـت امـددتك بـالـرجال، وان شئت امددتك بنفسي مع من خف من قومي، فقال ابـوجهل: ان كـنـا نقاتل الله كما يزعم محمد (صلى الله عليه وسلم) فوالله مالنا بالله من طاقة. وان كـنـا نـقـاتل الناس فوالله ان بنا على الناس لقوة، والله لانرجع عن قتال محمد (صلى الله عـليـه وسـلـم) حتى نـرد بدراً فنشرب فيها الخمور، وتعزف علينا القيان، فان بدراً موسم من مواسم العرب، وسوق من اسواقهم، حتى تسمع العرب بمخرجنا فتها بنا آخر الابد. (القرطبي)

امام رازی رحمہ اللہ نے بھی تھوڑے سے فرق سے یہ روایت ذکر کی ہے اور اس کے آخر میں لکھا ہے:

قـال الـمـفسـرون: فـوردوا بـدراً و شـربـوا كـوؤس المنايا مكان الخمر، وناحت عليهم النوائح مكان القيان (تفسیر کبیر)

فالحمدللّٰہ رب العالمین

جہادی مضمون کی اہم آیت

”مجاہدین فی سبیل اللہ اور دنیوی عام جنگجوؤں کا اصلی اور بنیادی فرق اس آیت میں بیان فرما دیا گیا ہے اور جہاد وقتال کے باب میں یہ آیت کلیدی آیتوں میں ہے، دنیوی سپاہ داروں (یعنی فوجیوں اور جنگجوؤں) کی نہ صرف یہ کہ نیت دنیا کی ہوتی ہے اور غرض غایت اسی مادی دنیا کی فتح و تسخیر ہوتی ہے، بلکہ ان کی چال ڈھال، اوضاع واطوار عمل وکردار ہر چیز سے دنیا طلبی ہی ٹپکتی ہے۔ مجاہد وغازی اس کے برعکس اپنی انا کو پہلے ہی زیر کر چکا ہوتا ہے اس کا مقصود ظاہراً وباطناً، قولاً وفعلاً اللہ کے دین کی سربلندی ہی ہوتا ہے۔ كَالَّذِيْنَ آیت میں کالذین بہت غور کے قابل ہے مسلمان، ظاہر ہے کہ بطر وریا میں مبتلا نہ تھے لیکن انہیں تصریح کے ساتھ ممانعت اس امر میں مشرکین کے ساتھ مشابہ ہونے سے بھی کی جا رہی ہے۔ آج کے مسلمان سوچیں کہ وہ اولیاء اللہ ہونے کے مدعی ہو کر کن کن چیزوں میں مشابہت ومناسبت اعداء اللہ سے حاصل کرتے جا رہے ہیں“۔ (تفسیر ماجدی)

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ

اور جس وقت شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نظروں میں خوشنما کردیا اور کہا کہ آج کے

الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ

دن لوگوں میں سے کوئی بھی تم پر غالب نہ ہوگا اور میں تمہارا حمایتی ہوں پھر جب دونوں فوجیں سامنے ہوئیں تو وہ

عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ

اپنی ایڑھیوں پر الٹا پھرا اور کہا میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں میں ایسی چیز دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے

اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾

میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب کرنے والا ہے

خلاصہ

غزوۂ بدر کا یہ واقعہ بھی یاد کرنے کے قابل ہے۔ جب شیطان نے مشرکوں کو ان کے برے اعمال خوشنما کر کے دکھلائے چنانچہ وہ اپنے کفر، اسلام دشمنی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کو حق سمجھنے لگے۔ اور پھر جنگ کے وقت اس نے مشرکین سے کہا کہ آج تمہارے پاس اتنی قوت اور شوکت ہے کہ کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور میں بھی تمہارا حامی ہوں۔ جب جنگ شروع ہوئی اور اس نے فرشتوں کو دیکھا تو الٹے پاؤں بھاگا اور مشرکین سے کہنے لگا میرا تم سے کوئی تعلق نہیں میں ان چیزوں کو دیکھ رہا ہوں جو تمہیں نظر نہیں آتیں، میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔

شانِ نزول

روی ان الشیطن تمثل لهم یومئذٍ فی صورة سراقة بن مالك بن جعشم وهو من بنی بکر بن کنانة وکانت قریش تخاف من بنی بکر ان یاتوهم من ورائهم لانهم قتلوا رجلا منهم فلما تمثل لهم قال ما اخبر الله به عنه. وقال الضحاك جاء هم ابلیس یوم بدر برأیته وجنوده والقی فی قلوبهم انهم لن یهزموا وهم یقاتلون علی دین اٰبائهم. (القرطبی)

ملاحظہ فرمائیے اس عبارت اور دیگر مفسرین کی عبارتوں کا نچوڑ......

’’قریش اپنی قوت وجمعیت پر مغرور تھے لیکن بنی کنانہ سے ان کی چھیڑ چھاڑ رہتی تھی، خطرہ یہ ہوا کہ کہیں بنی کنانہ

کامیابی کے راستہ میں آڑے نہ آجائیں (اور پیچھے سے حملہ نہ کردیں)۔ فوراً شیطان ان کی پیٹھ ٹھونکنے اور ہمت بڑھانے کے لئے کنانہ کے سردار اعظم سراقہ بن مالک کی صورت میں اپنی ذریت (یعنی اولاد اور چیلوں) کی فوج لے کر نمودار ہوا اور ابوجہل وغیرہ کو اطمینان دلایا کہ ہم سب تمہاری مدد اور حمایت پر ہیں۔ کنانہ کی طرف سے بے فکر رہو، میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جب بدر میں زور کا رن پڑا اور شیطان کو جبرئیل علیہ السلام وغیرہ فرشتے نظر آئے تو ابوجہل کے ہاتھ میں سے ہاتھ چھڑا کر الٹے پاؤں بھاگا۔ ابوجہل نے کہا: سراقہ! عین وقت پر دغا دے کر کہاں جاتے ہو؟ کہنے لگا میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ مجھے وہ چیزیں دکھائی دے رہی ہیں جو تم کو نظر نہیں آتیں (یعنی فرشتے) خدا کے (یعنی اس خدائی فوج کے) ڈر سے میرا دل بیٹھا جاتا ہے۔ اب ٹھہرنے کی ہمت نہیں، کہیں کسی سخت عذاب اور آفت میں نہ پکڑا جاؤں۔ قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: ملعون نے جھوٹ بولا اس کے دل میں خدا کا ڈر نہ تھا، ہاں وہ جانتا تھا کہ اب قریش کا لشکر ہلاکت میں گھر چکا ہے کوئی قوت بچا نہیں سکتی۔ یہ اس کی قدیم عادت ہے کہ اپنے متبعین کو دھوکہ دے کر اور ہلاکت میں پھنسا کر عین وقت پر کھسک جایا کرتا ہے۔ اسی کے موافق یہاں بھی کیا۔

یعدھم ویمنیھم ومایعدھم الشیطان الا غرورا (النساء) کمثل الشیطان اذقال للانسان اکفر فلما کفر قال انی بری منك انی اخاف اللہ رب العالمین (الحشر) وقال الشیطن لما قضی الامر ان اللہ وعدکم وعدالحق ووعدتکم فاخلفتکم وماکان لی علیکم من سلطان الا ان دعوتکم فاستجبتم لی فلا تلوموني ولوموا انفسکم ما انا بمصرخکم وما انتم بمصرخی انی کفرت بما اشرکتمو ن من قبل ان الظالمین لھم عذاب الیم (ابراھیم) (تفسیر عثمانی)

تفسیر جلالین میں ہے کہ شیطان جس مشرک کا ہاتھ چھڑا کر بھاگا اس کا نام "حارث بن ہشام" تھا۔

وکانت یدہ فی ید الحارث بن ھشام۔ (جلالین)

کئی مفسرین حضرات کا قول ہے کہ شیطان حقیقت میں بھی ڈر گیا تھا۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قیل: خاف ابلیس ان یکون یوم بدر الیوم الذی انظر الیه

یعنی ایک قول یہ ہے کہ شیطان بدر کے دن اس بات سے ڈر گیا کہ شاید یہ وہی دن ہو جس دن تک کی اس کو مہلت (اور زندگی) دی گئی تھی۔ (القرطبی)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

چونکہ نرا خوف بدون ایمان کے مقبول نہیں اس لیے شیطان کا خدا سے ڈرنا اگر واقعی بھی ہو تو کچھ محلِ اشکال نہیں۔ (بیان القرآن)

دوسرا قول وہی ہے جو تفسیر عثمانی کی عبارت میں منقول ہے کہ شیطان ڈرا نہیں اس نے دھوکا دیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اکثر مفسرین کی مضبوط رائے یہی ہے کہ غزوہ بدر میں شیطان انسانی صورت اپنا کر آیا اور اس نے مشرکین کو اپنی مدد کا یقین دلایا جبکہ بعض مفسرین کے نزدیک شیطان انسانی شکل میں نہیں آیا بلکہ اس نے ان باتوں کا وسوسہ ڈالا تھا جو آیت مبارکہ میں بیان ہوئی ہیں۔

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فی کیفیة هذا التزیین وجهان: الاول: ان الشیطان زیّن بوسوسته من غیر ان یتحول فی صورة الانسان وهو قول الحسن والاصم۔ (تفسیر کبیر)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے دونوں اقوال کو جمع فرمادیا ہے ان کے نزدیک واذ زین کا تعلق وسوسے سے ہے اور وقال لا غالب لکم الیوم کا تعلق اس کے انسانی شکل میں آنے سے ہے۔ ملاحظہ فرمایئے بیان القرآن۔

آیت کا ربط

اس آیت کا ماقبل سے کیا تعلق ہے؟ حضرات مفسرین کی عبارات سے یہ اشارے ملتے ہیں:

❶ پچھلی آیت میں فخر اور ریاکاری سے روکا گیا تھا اس آیت میں بتایا گیا کہ فخر وریاکاری میں مبتلا ہونے والے افراد پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے اور انہیں دھوکے میں ڈال کر شکست کی طرف دھکیلتا ہے۔

❷ غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر جو احسانات فرمائے ان کا تذکرہ پچھلی آیات میں آیا ہے۔ یہ بھی ان ہی احسانات میں سے ایک عظیم احسان ہے کہ شیطان مردود کو بھی اس دن ذلت ورسوائی کے ساتھ بھاگنا پڑا اور اس دن مسلمانوں کی مدد کے لئے فرشتے نازل ہوئے اور شیطان نے ان فرشتوں کو دیکھا۔

❸ پچھلی آیت میں مشرکین کی تین خرابیاں بیان ہوئی تھیں: ❶ بطر ❷ ریا ❸ دین سے روکنا۔ اس آیت میں چوتھی خرابی کا بیان ہے کہ وہ اپنی برائی کو بھی نیکی اور اچھائی سمجھتے تھے کیونکہ شیطان نے ان کے برے اعمال ان کی آنکھوں میں مزیّن کردیئے تھے۔

ملاحظہ فرمایئے چند عبارتیں:

❶ ''سرکشی اور ریا کرنے والوں کا تعلق باللہ ٹوٹ جاتا ہے۔ رحمت الٰہی رک جاتی ہے، شیطان پہلے انہیں سبز باغ دکھاتا ہے لیکن آخر میں انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔'' (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

❷ وقیل: هو عطف علیٰ ماتقدم من تذکیر النعم وتقدیره: واذکروا اذ یریکموهم واذزین۔ (تفسیر کبیر)

اس ترکیب سے دوسرے ربط کی طرف اشارہ ہوا۔

❸ وقیل: هو عطف علی قوله خرجوا بطرا ورئاء الناس وتقدیره: لاتکون کالذین خرجوا من دیارهم بطرا ورئاء الناس واذ زین لهم الشیطان اعمالهم۔ (تفسیر کبیر)

اس سے تیسرے ربط کی طرف اشارہ ہوا۔ تفسیر حقانی میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔

عظیم معجزہ

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم معجزہ تھا فیہ معجزۃ عظیمۃ للرسول علیہ السلام (تفسیر کبیر)

کیونکہ جب مشرکین واپس مکہ پہنچے تو انہوں نے کہنا شروع کیا کہ سراقہ نے لشکر کو شکست دلوائی، جب سراقہ تک یہ بات پہنچی تو اس نے قسم کھا کر کہا کہ مجھے تو تمہارے جانے کا علم اس وقت ہوا جب تمہاری شکست کی خبر آئی تب لوگوں کو معلوم ہوا کہ وہ شخص سراقہ نہیں شیطان تھا۔ (تفسیر کبیر)

خطرناک حملہ

آیت کے پہلے جملے میں شیطان کے اس خطرناک حملے کا ذکر ہے جس سے وہ لوگوں کو ایسا گمراہ کرتا ہے کہ وہ توبہ تک نہیں کرتے اور وہ حملہ یہ ہے کہ برائی کو اچھائی بنا کر دکھاتا ہے، تب برائی کرنے والا یہی سمجھتا رہتا ہے کہ وہ تو نیکی اور اچھائی کر رہا ہے۔ اور جب نیکی کر رہا ہے تو توبہ اور ندامت کس بات کی؟

اس نے مشرکین کے برے اعمال ان کی نظر میں ایسے خوشنما بنا دیئے کہ وہ جنگ سے پہلے باطل کی تباہی کے لئے کھلم کھلا بددعائیں کر رہے تھے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ مسلمان باطل پر ہیں اور وہ خود حق پر ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

غزوۂ بدر کی اہمیت

غزوہ بدر میں نہتے مسلمان اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے طاقتور اور مسلح دشمن کے مقابلے میں آ کھڑے ہوئے تو زمین و آسمان میں ہر طرف ہلچل مچ گئی۔ آسمانوں سے فرشتے اتر آئے۔ شیطان اور اس کے چیلوں کے لشکر جھنڈے تھام کر نکل آئے۔ بادل برس پڑے، ہوائیں چلنے لگیں۔ اور ایک طرف اطمینان اور سکون اور دوسری طرف رعب اور دہشت چھا گئی۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم

اہل ایمان جب بھی ''ترتیب بدر'' قائم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نصرت و امداد کے ایسے عجیب مناظر ہر زمانے میں دکھاتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

شیطان کی رسوائی

امام رازی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ شیطان کیوں ڈر گیا؟ اس بارے میں چار اقوال ہیں:

1. اس نے فرشتوں کو دیکھا تو ڈر گیا
2. اس نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے چل رہے تھے
3. اس نے پے در پے ایک ہزار فرشتے اترتے دیکھے
4. اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نصرت اور غلبے کے آثار دیکھے تو گھبرایا کہ کہیں اس پر کوئی مصیبت نہ آ جائے۔ (تفسیر کبیر)

امام قرطبی رحمہ اللہ اور علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے غزوہ بدر کے دن شیطان کی رسوائی پر یہ روایت ذکر کی ہے۔

ما رأى ابليس يوماً هو فيه اصغر ولا احقر ولا ادحر ولا اغيظ من يوم عرفة وذلك مما يرى من نزول الرحمة والعفو عن الذنوب الا ما رأى يوم بدر قالوا: يارسول الله وما رأى يوم بدر؟ قال اما انه رأى جبريل عليه السلام يزع الملائكة (عن طلحة بن عبيد الله بن كريز عن رسول الله صلى الله عليه وسلم. وهذا مرسل من هذا الوجه ابن كثير)

یعنی شیطان نے عرفہ کے دن سے بڑھ کر کوئی دن ایسا نہیں دیکھا جس میں وہ زیادہ ذلیل زیادہ حقیر، زیادہ دھتکارہ ہوا اور زیادہ غمزدہ ہو۔ کیونکہ وہ عرفہ کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نزول اور گناہوں کے معاف ہونے کو دیکھتا ہے۔ مگر اس نے بدر کے دن جو کچھ دیکھا (اس کی وجہ سے وہ عرفہ کے دن سے بھی زیادہ ذلیل ورسوا اور حقیر وغمزدہ ہوا) صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ! اس نے بدر کے دن کیا دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے دیکھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جنگ کے لئے فرشتوں کی صف بندی کررہے ہیں۔

بے شک جہاد میں وہ سب کچھ ہوتا ہے جس سے شیطان اور شیطانی قوتیں ذلیل وخوار ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو شیطان اور شیطانی قوتوں پر غلبہ عطا فرمائے۔ آمین یاارحم الراحمین

خلاصہ

غزوۂ بدر کے موقع پر تین سو تیرہ مسلمانوں کو اتنے بڑے لشکر کے مقابلے میں اترتے دیکھ کر مدینہ منورہ کے منافق اور مکہ مکرمہ کے کچے دل والے مسلمان کہنے لگے کہ ان مسلمانوں کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال دیا ہے۔ اور وہ اپنے دین کے برحق ہونے کے بھروسے پر خود کو اتنے بڑے خطرے میں ڈال رہے ہیں اللہ تعالیٰ جواب دیتے ہیں کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ پر توکّل کرتا ہے وہ غالب رہتا ہے کیونکہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ زبردست ہے اور حکمت والا ہے۔

کلام برکت

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

مسلمانوں کی دلیری دیکھ کر منافق اس طرح طعن کرنے لگے تھے، سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ غرور نہیں توکّل ہے۔ (موضح القرآن)

غلبہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے ملتا ہے

حضرت لاہوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

منافق کہتے ہیں کہ مسلمان اس خبط میں مبتلا ہیں کہ اپنے دین کی برکت سے سب پر فاتح ہوجائیں گے ان (منافقین) کے خیال میں گویا یہ کامیابی ناممکن ہے انہیں یہ معلوم نہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرے اور اس کا ہوجائے اللہ تعالیٰ کی مدد سے وہ یقیناً غالب ہوگا۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

مسلمان دھوکے میں نہیں توکّل پر ہیں

حضرت عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

مسلمانوں کی تھوڑی جمعیت اور بے سروسامانی اور اس پر ایسی دلیری وشجاعت کو دیکھتے ہوئے منافقین اور ضعیف القلب کلمہ گو کہنے لگے تھے کہ یہ مسلمان اپنے دین اور اپنی حقانیت کے خیال پر مغرور ہیں (یعنی دھوکے میں ہیں) جو

اس طرح اپنے کو موت کے منہ میں ڈال دیتے ہیں حق تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ یہ غرور نہیں توکّل ہے جس کو خدا کی زبردست قدرت پر اعتماد ہو اور یقین رکھے کہ جو کچھ ادھر سے ہوگا عین حکمت وصواب ہوگا، وہ حق کے معاملہ میں ایسا ہی بے جگر اور دلیر ہو جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ربط

اس آیت کا ماقبل آیات سے کیا ربط ہے؟ چند آراء ملاحظہ فرمائیں:

❶ گمان یہ تھا کہ اس جنگ میں کافر غالب آئیں گے پچھلی آیات میں بتایا گیا کہ یہ گمان غلط تھا اور اس آیت میں ایک دوسرے گمان کے غلط ہونے کو بیان کیا گیا ہے وہ گمان (منافقین وغیرہ) کا یہ تھا کہ مسلمان مغلوب ہوں گے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اوپر سے اس گمان کی غلطی کا بیان تھا کہ کفار کے غالب آنے کی امید تھی اور وہ مغلوب ہوئے اور آگے اس گمان کی غلطی کا بیان ہے کہ مسلمان مغلوب ہوتے نظر آئے تھے اور وہ برکتِ توکّل سے غالب آئے (بیان القرآن)

❷ پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ شیطان نے مشرکین کو ان کے برے اعمال خوشنما بنا کر دکھائے اس آیت میں بتایا گیا کہ شیطان نے منافقین کی نظروں میں بھی اس بات کو مزین کر دیا کہ مسلمان مغلوب ہوں گے، حضرت حقانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

چونکہ تزئین شیطانی کا ذکر آیا تھا کہ شیطان نے مکہ کے کافروں کو یوں گمراہ کر رکھا تھا۔ یہاں یہ بات بتلانا ہے کہ یہ تزئین کچھ انہی پر منحصر نہیں بلکہ مدینہ کے منافق کہ جن کے دل میں مرض شک ونفاق ہے بدر کے واقعہ کی نسبت مسلمانوں کو یہ کہتے تھے کہ ان کو ان کے دین نے مغرور کر دیا ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وعدوں پر تین سو تیرہ ٹوٹے پھوٹے مسلمان ہزار جنگجو اور بہادر قریش سے لڑنے چلے ہیں۔ (تفسیر حقانی)

❸ غزوہ بدر میں مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کا ذکر چل رہا ہے اس آیت میں بھی یہ انعام بتایا گیا کہ مسلمانوں کی کمزوری اور بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ گھر کے بھیدی یعنی نام کے مسلمان منافقین کو بھی مسلمانوں کی شکست اور خاتمے کا مکمل یقین تھا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی نصرت فرمائی اور کافروں کی طرح منافقوں پر بھی واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

منافق کون تھے؟

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اما المنافقون فهم قوم من الاوس والخزرج

منافق مدینہ منورہ کے قبائل اوس اور خزرج کے افراد تھے (جو ظاہر میں مسلمان ہو چکے تھے مگر دل سے کافر تھے)۔ (تفسیر کبیر)

الذین اظھروا الایمان وابطنوا الکفر (القرطبی)

دلوں کے مریض کون تھے؟

ایک قول یہ ہے کہ منافقین ہی کا دوسرا نام ہے والذین فی قلوبھم مرض (وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے) تب عطف تفسیری ہوگا۔ (تفسیر قرطبی)

جبکہ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ کچے دل والے مسلمان تھے جو حالت شک میں تھے۔امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

الشاکّون یعنی یہ شک میں پڑے ہوئے مسلمان تھے۔(القرطبی)

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

واما الذین فی قلوبھم مرض فھم قوم من قریش اسلموا وما قوی اسلامھم فی قلوبھم ولم یھاجروا ثم ان قریشا لما خرجوا لحرب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال اولئك نخرج مع قومنا فان کان محمد (صلی اللّٰہ علیه وسلم) فی کثرۃ خرجنا الیه وان کان فی قلة اقمنا فی قومنا: قال محمد بن اسحاق ثم قتل ھؤلاء جمیعا مع المشرکین یوم بدر.

یعنی وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض تھا تو یہ قریش کے کچھ افراد تھے جو مسلمان ہو چکے تھے مگر ابھی اسلام ان کے دلوں میں مضبوط نہیں ہوا تھا اور انہوں نے ہجرت نہیں کی تھی پھر جب قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کے لئے نکلے تو انہوں نے کہا ہم اپنی قوم کے ساتھ نکلیں گے۔پھر وہاں دیکھیں گے اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لوگوں کی تعداد زیادہ ہوئی تو ان کے ساتھ مل جائیں گے اور اگر وہ کم ہوئے تو ہم اپنی قوم کے ساتھ رہیں گے محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ یہ تمام لوگ بدر میں مارے گئے۔(تفسیر کبیر)

امام رازی رحمہ اللہ کی یہ عبارت بار بار پڑھی جائے اور ان لوگوں جیسا بننے سے بچا جائے جو مسلمان ہونے کے باوجود طاقت کی پوجا کرتے ہیں۔اور جب مجاہدین کو کمزور دیکھتے ہیں تو ان کا ساتھ چھوڑ کر کافروں کی طرف ہو جاتے ہیں۔(العیاذ باللہ)

وہ کس بات کو دھوکا کہہ رہے تھے؟

قرآن پاک بتاتا ہے کہ یہ منافق اور کچے دلے مسلمان غزوہ بدر کے مجاہدین کے بارے میں کہتے تھے کہ ان کے دین نے ان کو دھوکے میں ڈال دیا ہے،اس دھوکے سے کیا مراد ہے؟امام رازی رحمہ اللہ دو معنی لکھتے ہیں:

❶ قال ابن عباس معناہ انه خرج بثلثمائة وثلاثة عشر یقاتلون الف رجل وما ذاك الا انھم اعتمدوا علی دینھم

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تین سو تیرہ افراد کو لے کر ایک ہزار کے مقابلے میں نکل پڑے ہیں یقیناً ان لوگوں نے اپنے دین کے بھروسے پر ایسا کیا ہے۔

(جبکہ جنگ تو افراد اور اسلحے سے لڑی جاتی ہے اس لیے یہ لوگ غلطی اور دھوکے میں پڑ گئے ہیں)

❷ وقیل المراد ان هؤلاء یسعون فی قتل انفسهم رجاء ان یجعلوا احیاء بعد الموت ویثابون علی هذا القتل

ایک قول یہ ہے کہ ان کی بات کا مطلب یہ تھا کہ یہ مسلمان خود کو قتل کروانے کی کوشش کرتے ہیں اس امید پر کہ وہ مرنے کے بعد زندہ کر دیئے جائیں گے اور انہیں اس قتل ہونے پر اجر وثواب ملے گا۔ (تو یہ بات منافقین کے نزدیک نعوذ باللہ دھوکا تھی)۔ (تفسیر کبیر)

دونوں اقوال پڑھیے اور اس زمانے کے منافقین کی باتوں اور اس زمانے کے جہاد مخالف روشن خیال دانشوروں کی باتوں کا موازنہ کیجئے۔ یہ باتیں آپس میں کتنی ملتی جلتی ہیں۔ صاحب تفسیر ماجدی لکھتے ہیں:

محض حالات ظاہری پر تکیہ کر کے منافقوں اور کچے ایمان والوں کا ایسا کہہ گزرنا کچھ غیر قدرتی بھی نہ تھا۔ (تفسیر ماجدی)

یعنی منافقوں کی نظر محض ظاہری حالات پر ہوتی ہے۔

عزیزٌ حکیم

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ "عزیز" ہے کہ اپنے اوپر توکّل کرنے والوں کو اکثر غلبہ دیتا ہے اور "حکیم" ہے کہ جب غلبہ نہیں دلاتا تو اس میں بھی مسلمانوں کے لئے کوئی مصلحت ہوتی ہے۔ (مفہوم بیان القرآن)

آخر میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

غرض ظاہری سامان اور بے سامانی پر مدار نہیں قادر کوئی اور ہی ہے (بیان القرآن)

دین کی سرشاری

ملاحظہ فرمایئے یہ عجیب عبارت:

"جب بدر میں مٹھی بھر کے بے سروسامان مسلمان جنگ کے لئے نکلے تو منافق اور کچے دل کے آدمی اس کی کوئی توجیہ نہیں کر سکے بجز اس کے کہ کہیں "انہیں ان کے دین کے نشہ نے مغرور کر دیا ہے۔" بات اگرچہ بطور طعنہ کے کہی گئی تھی لیکن ایک لحاظ سے غلط بھی نہ تھی۔ بلاشبہ یہ دین ہی کا نشہ تھا، لیکن نشہٴ باطل نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی معجزانہ بلاغت نے آیت (۴۹) میں ان کا قول نقل کر کے رد نہیں کیا، بلکہ صرف یہ کہا کہ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ...... الخ (ترجمان القرآن)

☆☆☆

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۵۰، ۵۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ

اور اگر تو دیکھے جس وقت فرشتے کافروں کی جان قبض کرتے ہیں ان کے مونہوں اور

وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۵۰﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ

پیٹھوں پر مارتے ہیں اور کہتے ہیں جلنے کا عذاب چکھو۔ یہ اسی کا بدلہ ہے جو تمہارے

اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۵۱﴾

ہاتھوں نے آگے بھیجا اور بے شک اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں کرتا

خلاصہ

وہ منظر بہت خوفناک اور عجیب ہوتا ہے جب فرشتے ان کافروں کی روحیں قبض کرتے ہیں وہ ان کو آگ کے کوڑوں سے منہ اور پیٹھ پر مارتے جاتے ہیں اور کہتے ہیں ابھی اصل عذاب تو آگے جا کر آگ میں چکھو گے۔ اور یہ سب کچھ تمہارے اعمال کا بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہرگز بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے کہ بے جرم سزا دے۔

ربط

❶ پچھلی آیات میں کافروں کے دنیا میں مقتول و مغلوب ہونے کا بیان تھا اور اب ان کی اخروی اور برزخی سزا اور اس کی وجہ کا ذکر ہے۔ (از بیان القرآن)

❷ آیت کا تعلق غزوہ بدر سے ہے مشرکین کو سامنے کی طرف سے مسلمان تلواریں مارتے تھے اور جب وہ پیٹھ پھیرتے تو فرشتے انہیں مارتے اور ان کی روحوں کو سختی سے قبض کرتے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

عن مجاهد قال يوم بدر قال ابن جريج: قال ابن عباس: اذا اقبل المشركون بوجوههم الى المسلمين، ضربوا وجوههم بالسيوف واذا ولو ادركتهم الملائكة يضربون ادبارهم. (ابن كثير)

حضرت لاہوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

جو کافر بدر کے موقع پر مسلمانوں کو تباہ کرنے کیلئے آئے تھے انہیں فرشتے یہ سزا دے کر کہتے تھے کہ یہ تمہاری سابقہ بداعمالی کا نتیجہ ہے۔ رضائے الٰہی کے خلاف زندگی بسر کرنے کا نتیجہ ایسا ہی ہوتا ہے (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

کئی مفسرین حضرات کی رائے یہ ہے کہ آیت تمام کفار کے لئے عام ہے اور اس میں خصوصی طور پر بدر کے مقتول کافر بھی شامل ہیں۔

حضرت عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

بہت سے مفسرین نے اس کو بھی بدر کے واقعہ میں داخل کیا ہے یعنی اس وقت جو کافر مارے جاتے تھے ان کے ساتھ فرشتوں کا یہ معاملہ تھا۔ مگر الفاظ آیت کے سب کافروں کو عام ہیں اس لیے راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ عالم برزخ کا ہو۔ اب بدر کے واقعات سے تعلق یہ ہوگا کہ دنیا میں ان کافروں کی یہ گت بنی برزخ میں یہ ہوگا اور آخرت کے عذاب کا تو کہنا ہی کیا۔

❸ غزوہ بدر کے واقعات کے ساتھ کافروں کے برے اعمال کا ذکر بھی چل رہا تھا تاکہ یہ معلوم ہو کہ ان کے خلاف کیوں جنگ کی جاتی ہے؟ اب ان کے برے انجام کا تذکرہ بھی کر دیا گیا کہ یہ برزخ اور آخرت میں بھی سزا کے مستحق ہیں۔

اس میں کفار کے لئے تنبیہ ہے کہ وہ باز آجائیں اور مسلمانوں کے لئے بشارت ہے کہ ان کے دشمنوں کو اللہ تعالیٰ کیسی سخت سزا دیتا ہے۔ دشمنان اسلام کو دنیا میں سزا مجاہدین کے ہاتھوں سے اور برزخ میں فرشتوں کے ذریعہ دی جارہی ہے۔ پس جہاد کی ایک حکمت بھی سمجھ آگئی۔ واللہ اعلم بالصواب

کافروں کی موت کا منظر خوفناک

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

یقول تعالیٰ: ولو عاینت یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حال توفی الملائکۃ ارواح الکفار، لرأیت امراً عظیما ھائلاً فظیعا منکراً۔

گویا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ فرشتوں کے ذریعہ کافروں کی روح قبض ہونے کا منظر دیکھ لیتے تو آپ ایک عظیم، دہشت ناک، خوفناک اور عجیب منظر دیکھتے۔ (ابن کثیر)

اس عبارت میں آیت کی ترکیب نحوی بھی آگئی ہے۔

ابوجہل پر فرشتوں کی مار

تفسیر قرطبی اور تفسیر ابن کثیر میں حضرت حسن بصری کی یہ روایت مذکور ہے:

ان رجلاً قال لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا رسول اللہ! انی رایت بظھر ابی جھل مثل الشراک قال ذلک ضرب الملائکۃ (القرطبی)

یعنی ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ میں نے ابوجہل کی پیٹھ پر تسمے جیسا داغ دیکھا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ فرشتوں کی مار ہے۔

امام ابوحیان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فان کان ذلک عند الموت ضربتهم الملائکة بسیاط من نار

یعنی اگر آیت میں موت کے وقت کا بیان ہے تو اس وقت فرشتے انہیں آگ کے کوڑوں سے مارتے ہیں۔ (البحر المحیط)

نکتۂ رازیؒ

یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ

آگے اور پیچھے کی مار سے امام رازی رحمہ اللہ نے یہ لطیف نکتہ بھی نکالا ہے کہ کافر کی روح جب دنیا سے روانہ ہوتی ہے تو دنیا کے چھوٹنے کا تو اسے صدمہ ہوتا ہی ہے ادھر آخرت پر جب نظر کرتی ہے تو ادھر بھی تاریکی ہی تاریکی نظر آتی ہے۔ اس طرح سے اس پر آگے اور پیچھے دونوں طرف سے گویا دہری مار پڑتی ہے۔ (تفسیر ماجدی و تفسیر کبیر)

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۵۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

جیسا فرعونیوں اور ان سے پہلے لوگوں کا حال ہوا تھا انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۵۲

نے ان کے گناہوں کی سزا میں انہیں پکڑ لیا بے شک اللہ تعالیٰ زبردست اور سخت عذاب کرنے والا ہے

خلاصہ

اپنے کفر اور دین دشمنی پر سزا پانے میں ان مشرکین کی حالت ایسی ہے جیسے فرعون والوں اور ان سے پہلے کافروں کی حالت تھی۔ انہوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو ماننے سے انکار کیا تھا تب اللہ تعالیٰ نے ان کے جرائم پر انہیں پکڑا اور سزا دی بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا، سخت سزا دینے والا ہے۔ (دشمنان اسلام سزا کے مستحق ہیں جہاد کے ذریعہ ان کو سزا دی جارہی ہے اور یہ مغلوب ہونگے جس طرح آلِ فرعون مغلوب ہوئے)

تکذیب کا بدلہ تعذیب

والمعنیٰ جروا علی عادتهم فی التکذیب فأجری علیه مثل ما فعل بهم فی التعذیب. (المدارك)

یعنی مطلب یہ ہے کہ ان مشرکین نے پرانے کافروں کی عادت اور طریقے کو جاری رکھتے ہوئے دین حق کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر عذاب کا وہ قانون جاری فرمادیا جو ان سے پہلے کافروں پر جاری فرمایا تھا۔ تکذیب (یعنی جھٹلانے) کا بدلہ تعذیب (یعنی عذاب)

ربط اور تفسیر

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

انه تعالیٰ لما بین ما انزله باهل بدر من الکفار عاجلاً وآجلاً کما شرحناه اتبعه بأن بین هذه طریقته وسنته فی الکل فقال کداب آل فرعون والمعنیٰ: عادة هؤلاء فی کفرهم کعادة آل فرعون فی کفرهم، فجوزی هؤلاء بالقتل والسبی کما جوزی اولئك بالاغراق. (التفسیر الکبیر)

پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فوری اور آئندہ عذاب کو بیان فرمایا جو اس نے غزوہ بدر کے کفار پر نازل کیا اب اس کے بعد بیان فرمارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون اور طریقہ سب کے لئے ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: كَدَاْبِ اٰلِ

فِرْعَوْنَ مطلب اس کا یہ ہے کہ ان مشرکین کی حالت کفر میں آل فرعون کی حالت کفر جیسی ہے، پس ان کو قتل اور قید کے ذریعہ سے اسی طرح سزادی گئی جس طرح آل فرعون کو غرق کر کے سزادی گئی۔

دوسری تفسیر

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

الدأب العادة وقد تقدم فی آلِ عمران ای العادة فی تعذیبهم عند قبض الارواح وفی القبور كعادة آل فرعون (القرطبی)

یعنی داب کا معنیٰ ہے عادۃ (طریقہ) جیسا کہ سورۃ آل عمران میں گزر چکا ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان کو موت کے وقت اور قبروں میں سزادینے کا طریقہ آل فرعون کو سزادینے جیسا ہے۔

معارف

اس آیت کا پچھلی آیات کے ساتھ ربط واضح ہے، وہ کفار جو مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے نکلتے ہیں ان کا عبرتناک انجام بیان فرمایا جارہا ہے اب اس آیت میں فرمایا گیا کہ ایسے ظالموں اور کافروں کو سزادینے کا معاملہ نیا نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا وہ طریقہ ہے جو پہلے سے چلا آرہا ہے۔اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ آئندہ بھی چلتا رہے گا۔ پس کافروں کو چاہیے کہ کفر اور اسلام دشمنی چھوڑ کر اسلام قبول کریں تا کہ خوفناک انجام اور عبرتناک سزاؤں سے بچ سکیں۔اور مسلمانوں کے لئے یہ سبق ہے کہ وہ اسلام دشمن کافروں کی طاقت سے مرعوب نہ ہوں۔فرعون جیسا طاقتور اور جنگی اسباب سے مالا مال بادشاہ اللہ تعالیٰ کی سزا سے نہیں بچ سکا، دنیا میں اس سے حکومت وسلطنت چھنی اور مرتے ہی سخت عذاب کا مستحق بنا۔اسی طرح غزوہ بدر میں مسلمانوں کے مدمقابل آنے والے مشرکین کے ساتھ ہوا۔نہایت ذلت اور عذاب کے ساتھ موت آئی اور آگے مزید سخت عذاب ان کے لئے تیار ہے۔پس ان کافروں کی طاقت اللہ تعالیٰ کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے مسلمانوں کو قطعاً کسی بھی فرعون اور ابوجہل سے مرعوب نہیں ہونا چاہیے اور نہ ان کے سامنے گردن جھکانی چاہیے۔مسلمان اللہ تعالیٰ کے ساتھ پورے وفادار رہیں اور اس کے حکم کے مطابق ہجرت اور جہاد کے عمل کو زندہ رکھیں تب اللہ تعالیٰ کی قوت اور اس کا انتقام دین کے دشمنوں کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہجرت فرمائی تو فرعون اور اس کا لشکر اللہ تعالیٰ نے غرق فرمادیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد فرمایا تو ابوجہل اور اس کا لشکر اللہ تعالیٰ نے توڑ کر رکھ دیا۔ایسا ہمیشہ سے ہوتا آرہا ہے اور ایسا آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔پس ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان غزوہ بدر کی ترتیب کو زندہ کریں۔ان کے دشمن پہلے سے ہی اپنے کفر اور جرائم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مستحق ہیں وہ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔بلکہ اللہ تعالیٰ مجاہدین کے ہاتھوں ان کافروں پر اپنا دنیوی عذاب نازل فرماتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ یعنی تم ان سے جہاد کرو اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے انہیں عذاب دے گا۔واللہ اعلم بالصواب

☆☆☆

سُوْرَةُ الْأَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۵۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى

اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہرگز اس نعمت کو نہیں بدلتا جو اس نے کسی قوم کو دی تھی جب تک

يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۵۳

وہ خود اپنے دلوں کی حالت نہ بدلیں اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے

خلاصہ

اللہ تعالیٰ بغیر جرم کے کسی کو سزا نہیں دیتا اور اس کی سزا کا قانون یہ ہے کہ وہ کسی قوم کو دی ہوئی نعمت کو عذاب سے نہیں بدلتا جب تک وہ قوم خود اپنی حالت خراب نہیں کر لیتی۔ باقی اللہ تعالیٰ سے نہ کسی کے اعمال چھپے ہوئے ہیں نہ کسی کی نیتیں اور ارادے۔ اس قانون کے مطابق مشرکین مکہ سزا کے مستحق ٹھہرے، جس طرح آل فرعون عذاب کے مستحق ہوئے تھے۔

کلام برکت

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

یعنی اعتقاد اور نیت جب تک نہ بدلے تو اللہ تعالیٰ کی بخشی نعمت چھینی نہیں جاتی (موضح القرآن)

رحمت کے بعد زحمت

اللہ تعالیٰ تو کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلے لہٰذا ان لوگوں پر رحمت کے بعد زحمت کا نزول ان کے اپنے اعمال کے باعث ہوا۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

کفارِ مکہ کی خراب حالت

کتبدیل کفار مکة اطعامهم من جوع، وامنهم من خوف، وبعث النبی صلی اللّٰه علیه وسلم الیهم بالکفر والصد عن سبیل اللّٰه وقتال المومنین۔ (جلالین)

جیسے کفارِ مکہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تین بڑی نعمتیں بخشیں ❶ بھوک دور کر کے کھانے کی وسعت دی ❷ خوف کی جگہ امن دیا ❸ ان کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ انہوں نے ان تین نعمتوں کی ناشکری کی اور ❶ کفر اختیار کیا ❷ لوگوں کو دین سے روکا ❸ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے لگے۔

امام سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

نعمة الله علیهم محمد صلی الله علیه وسلم فكفروا به فنقل الی المدینة وحل بالمشركین العقاب (القرطبی)

اہلِ مکہ کے لئے نعمت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے انہوں نے اس نعمت کی ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت اہل مدینہ کو عطا فرما دی اور مشرکین پر عذاب کا دروازہ کھول دیا۔

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ونعمة الله علی قریش الخصب والسعة والامن والعافیة (القرطبی)

یعنی قریش پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں زرخیزی، فراخی، امن اور عافیت تھی۔

نکتہ نسفیؒ

مشرکین تو پہلے سے کفر پر تھے تو ان کی حالت کے خراب ہونے کا کیا مطلب ہے؟ امام نسفی رحمہ اللہ اس کا جواب ان الفاظ میں دیتے ہیں:

تغیرت الحال المسخوطة الی اسخط منها...... الخ

یعنی حالت کے خراب کا مطلب یہ ہے کہ ان کی حالت بد سے بدتر ہو جائے، اللہ کی ناراضی والی حالت سخت ناراضی والی حالت بن جائے۔ پس مشرکین مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہی بری حالت میں تھے کہ بتوں کی پوجا کرتے تھے پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف اپنی آیات بھیجیں تو انہوں نے ان آیات کو جھٹلا دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون بہانے کے درپے ہوئے پس انہوں نے اپنی بری حالت کو سخت بری حالت سے بدل لیا یعنی وہ اور زیادہ برے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں مہلت کی جو نعمت دی ہوئی تھی وہ چھین لی اور ان پر فوری عذاب آ گیا۔ یعنی مہلت اور ڈھیل ایک نعمت تھی جو چھین لی گئی۔ (المدارک)

آیت کی تفسیر میں مزید دو سبق آموز عبارتیں ملاحظہ فرمائیں:

تقریر عثمانیؒ

یعنی جب لوگ اپنی بے اعتدالی اور غلط کاری سے نیکی کے فطری قویٰ اور استعداد کو بدل ڈالتے ہیں اور خدا کی بخشی ہوئی داخلی یا خارجی نعمتوں کو اس کے بتلائے ہوئے کام میں ٹھیک موقع پر خرچ نہیں کرتے بلکہ الٹے اس کی مخالفت میں صرف کرنے لگتے ہیں تو حق تعالیٰ اپنی نعمتیں ان سے چھین لیتا ہے اور شان انعام کو انتقام سے بدل دیتا ہے۔ وہ بندوں کی تمام باتوں کو سنتا اور تمام احوال کو جانتا ہے کوئی چیز اس سے پردہ میں نہیں۔ لہٰذا جس سے جو معاملہ کرے گا نہایت ٹھیک اور برمحل ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

تقریر ماجدیؒ

یہاں یہ کلیدی حقیقت بیان کر دی ہے کہ جب تک کوئی قوم خود اپنی اندرونی حالت اس سے مختلف نہ کرے جو

نزول نعمت کے وقت اس کی تھی اور اپنے اندر بجائے ایمان وطاعت کے کفر وخباثت نہ پیدا کرے......نعمت اور خبث کا اجتماع خلاف حکمت الٰہی ہے......اور امت (مسلمہ) کی تاریخ خود اس آیت کی بہترین شرح وتفسیر ہے، کہاں تو بعد رسول صلی اللہ علیہ وسلم دور خلافت راشدہ میں یہ قوم اس حیرت انگیز ترقی سے بڑھی اور چند سال کے اندر دنیا پر اس طرح چھا گئی کہ یہ بجائے خود ایک معجزہ ہے اور تاریخ عالم میں اس کی کوئی نظیر موجود نہیں اور کہاں جب گرنا شروع ہوئی تو اس کی گراوٹ بھی ایک ضرب المثل اور کہاوت بن گئی۔ اسپین پر سات سو سال تک حکومت کی اور پھر انتہائی بے کسی کے ساتھ اس کے ایک ایک متنفس کو ملک بدر ہونا پڑا، ہندوستان میں نو سو سال سے اوپر تک اپنا جھنڈا بلند رکھا پھر حکومت چھنی اور اب جو گت بن رہی ہے ظاہر ہی ہے، ترکی کا رقبہ، جسے بخرے ہو کر کتنا سمٹ کر اور سکڑ کر رہ گیا ہے، نواب حیدر آباد دیکھتے ہی دیکھتے خودکشی کر بیٹھا، دنیوی نعمت کی یہ ساری مسلوبی ثمرہ ہے اس کا کہ پہلے امت نے اپنی قلب ماہیت کر لی اور عدل، عبادت، خدا ترسی کی ساری نعمت کو بدل کر اس کی جگہ ظلم، نفسانیت، شقاوت، برادر کشی، خیانت، عشرت پرستی غرض ہر قسم کی خباثت سے اپنے سینوں کو آباد کر لیا۔ (تفسیر ماجدی)

فائدہ

گذشتہ آیات میں غزوہ بدر کا بیان ہے اور مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ مسلمانوں کا یہ جہاد یقیناً دنیا کے طاقتور کفار سے ہوگا جو اسلام اور مسلمانوں کی دعوت کے راستے کی رکاوٹ بنیں گے۔ یا مسلمانوں کے خلاف جنگ برپا کریں گے۔ کمزور سے مسلمان کس طرح ان طاقتور دشمنوں کا مقابلہ کریں گے تو آل فرعون کا حوالہ دے کر انہیں سمجھایا گیا کہ کافروں کی طاقت وقوت اللہ تعالیٰ کی قوت اور انتقام کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ فرعون جیسا طاقتور ترین بادشاہ پانی کی لہروں کا لقمہ بن گیا۔ پس ان کافروں کے پاس حکومت، مال، سلطنت اور فوج کی جو نعمت ہے وہ ایک خاص وقت تک کے لئے ہے۔ یہ لوگ جب اہل ایمان کے خلاف ان نعمتوں کو استعمال کرنے لگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی مہلت اور ڈھیل کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دنیوی عذاب میں پکڑے جاتے ہیں۔ جس طرح اہل مکہ کے ساتھ ہوا۔ جس طرح آل فرعون کے ساتھ ہوا۔ پس آئندہ بھی اسی طرح ہوتا رہے گا۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنی دعوت لے کر دنیا کی ہر قوم اور ہر فرد کے پاس جائیں۔ پس جو ان کے راستے میں رکاوٹ بنے گا اور ان کے خلاف قوت لے کر آئے گا اس کا انجام ''آل فرعون'' اور ''کفار بدر'' جیسا ہوگا۔ مگر یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا کا یہ قانون عام ہے۔ پس اگر مسلمان بھی اپنی حالت خراب کر لیں گے اور اس دنیا کی زندگی کو مقصود بنالیں گے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے محروم کر دیئے جائیں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مسلمان جہاد چھوڑ دیں گے تو ان پر ذلت مسلط کر دی جائے گی یعنی وہ عزت اور غلبے کی نعمت سے محروم ہو جائیں گے اور اسی طرح حدیث پاک سے ثابت ہے کہ جب مسلمانوں میں

''وہن'' آجائے گا یعنی وہ دنیا سے محبت کرنے لگیں گے اور موت کو برا جانیں گے تو دنیا بھر کی قومیں ان پر ٹوٹ پڑیں گی اور انہیں نوچ کھسوٹ کر کھائیں گی۔ مسلمانوں کو اس وقت فتح ''غزوہ بدر'' کی ترتیب پر ملی ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اسی پر توکّل کرتے ہوئے دشمنان اسلام کے خلاف نکل پڑے تھے۔

پس جب تک وہ اپنی اس حالت اور نظریے پر قائم رہیں گے انہیں نصرت، فتح اور غلبے کی نعمت ملتی رہے گی۔ اور جب وہ اس ترتیب کو چھوڑ دیں گے تو پھر نعمت کا چھین لیا جانا ایک قانون ہے اور اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں فرماتا اور کسی کو بے جرم سزا نہیں دیتا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

خلاصہ

فرعون والے ہوں یا ان سے پہلے سرکش کافر، سب نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلا کر خود کو عذاب اور سزا کا مستحق بنایا۔ چنانچہ یہ سب اپنے جرائم کی پاداش میں ہلاک کر دیئے گئے اور فرعون والے غرق کر دیئے گئے۔ ان سب نے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا۔

اللہ تعالیٰ کو ذاتی عداوت نہیں

فرعونیوں اور ان سے پہلی قوموں کو ان کے جرائم کی پاداش میں ہلاک کیا اور خصوصیت کے ساتھ فرعونیوں کا بیڑہ غرق کیا۔ یہ سب اس وقت ہوا جب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے بغاوت اور شرارت کر کے خود اپنی جانوں پر ظلم کئے ورنہ اللہ تعالیٰ کو کسی مخلوق سے ذاتی عداوت نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فرعون کا تذکرہ

فرعون اپنے زمانے کی سپر پاور کا نام ہے یہ اپنے دور کی ایک بہت بڑی جنگی طاقت اور استعماری سلطنت تھی۔ قرآن پاک بار بار اس کے انجام کا تذکرہ کرتا ہے، نزول قرآن کے زمانے میں قیصر و کسریٰ نام کی دو بڑی طاقتیں دنیا پر چھائی ہوئیں تھیں۔ قرآن پاک کو ماننے والوں نے ان دونوں طاقتوں کو فرعون کے تناظر میں دیکھا اور کبھی ان سے مرعوب نہیں ہوئے۔ فرعون کو اللہ تعالیٰ نے کافی مہلت دی مگر جب وہ ایمان والوں کے پیچھے انہیں پکڑنے اور ہلاک کرنے کے لئے نکلا تو مہلت ختم ہوئی اور وہ غرق کر دیا گیا۔ مشرکین مکہ کو بھی کافی مہلت ملی مگر جب وہ مسلح ہو کر اکڑتے ہوئے نکلے اور مسلمانوں کے مقابلے میں صف آراء ہوئے تو مہلت کا وقت ختم ہو گیا اور وہ پکڑے گئے۔

اس لئے مسلمانوں کو زمانے کے کسی فرعون اور کسی ابو جہل سے مرعوب ہونے کی ضرورت نہیں ہے جو بھی اسلام

اور مسلمانوں کے خلاف اپنی طاقت استعمال کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا مستحق بن جاتا ہے اور اس کی مہلت کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔(واللہ اعلم بالصواب)

دونوں آیات میں تکرار نہیں ہے

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لیس ھذا بتکریر:لان الاول للعادۃ فی التکذیب والثانی للعادۃ فی التغییر۔ یعنی اس میں اور (کداب آل فرعون والی پچھلی) آیت میں تکرار نہیں ہے۔اُس میں عادتِ تکذیب کا بیان تھا(کہ کفار مکہ کا دین کو جھٹلانا فرعونیوں کی طرح ہے)اور اس میں عادت تغییر کا بیان ہے(کہ ان کفار مکہ نے بھی اپنی حالت کو اسی طرح خراب کیا ہے جس طرح فرعونیوں نے کیا تھا)(القرطبی)

امام رازی رحمہ اللہ نے تین وجوہات دونوں آیتوں کے درمیان فرق کی بیان فرمائی ہیں۔(تفسیر کبیر میں ملاحظہ فرمالیں)۔

سُوْرَةُ الْاَنْفَال مَدَنِيَّة آیت ۵۵،۵۶،۵۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾

اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب جانداروں میں سے بدتر وہ ہیں جنہوں نے کفر کیا پھر وہ ایمان نہیں لاتے۔

اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾

جن لوگوں سے تو نے عہد لیا ہے پھر وہ ہر دفعہ اپنے عہد کو توڑتے ہیں اور وہ نہیں ڈرتے۔ سو اگر کبھی تو انہیں لڑائی میں پائے تو انہیں ایسی سزا دے کہ ان کے پچھلے دیکھ کر بھاگ جائیں تاکہ انہیں عبرت ہو

خلاصہ

جو لوگ ہمیشہ کے لئے کفر اور بے ایمانی پر ڈٹ گئے ہیں اور بالکل بے خوف ہو کر بار بار اپنا عہد توڑتے ہیں یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین جانور ہیں۔ اگر یہ میدان جنگ میں آپ کے ہاتھ آجائیں تو ان کو ایسی سخت سزا دیجئے جسے دیکھ کر ان کے پیچھے رہنے والے یا ان کے بعد آنے والی نسلیں بھی عبرت حاصل کریں اور عہد شکنی کی کبھی جرأت نہ کر سکیں۔ (یعنی یہ دشمنانِ اسلام اس بات کے مستحق ہیں کہ انکے خلاف جہاد کیا جائے اور خوب سخت کیا جائے)

شانِ نزول

❶ ونزل فی قريظة۔ (جلالين)

یعنی یہ آیات یہود بنی قریظہ کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔

❷ والاية على ماقال جمع: نزلت في يهود بني قريظة عاهدوا رسول الله صلى الله عليه وسلم ان لايمالئوا عليه فاعانوا المشركين بالسلاح فقالوا نسينا ثم عاهدهم عليه الصلوٰة والسلام فنكثوا ومالؤ وهم عليه (عليه الصلوٰة والسلام) يوم الخندق وركب كعب الى مكة فحالفهم علىٰ حرب رسول الله صلى الله عليه وسلم.

یعنی کئی مفسرین حضرات کے نزدیک آیت کا نزول یہود بنی قریظہ کے بارے میں ہوا ہے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کسی کی مدد نہیں کریں گے مگر پھر انہوں نے مشرکین کو

اسلحہ دیا اور کہنے لگے ہم معاہدہ بھول گئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دوبارہ معاہدہ کیا مگر انہوں نے یہ معاہدہ بھی توڑ دیا اور غزوہ خندق کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مشرکین کی مدد کی اور کعب سوار ہو کر مکہ جا پہنچا جہاں اس نے مشرکین مکہ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کا معاہدہ کیا۔ (روح المعانی)

❸ والمعنی بهم قريظة والنضير فی قول مجاهدو غيره.

یعنی ان آیات سے مراد یہود بنی قریظہ اور یہود بنی نضیر ہیں یہ مجاہد رحمہ اللہ وغیرہ کا قول ہے۔ (قرطبی)

❹ عن سعيد بن جبير انها نزلت فی ستة رهط من يهود منهم ابن تابوت. یعنی حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ یہ آیت چھ یہودیوں کے متعلق نازل ہوئی جن میں سے ایک ''ابن تابوت'' بھی تھا۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ یہ قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ولعله ارادبهم الرؤ ساء المباشرين للعهد

شاید سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے یہودیوں کے وہ سردار مراد لئے ہیں جن سے براہ راست معاہدہ ہوا تھا۔ (روح المعانی)

❺ امام رازی رحمہ اللہ کے نزدیک راجح یہی ہے کہ آیت کے اولین مصداق یہود بنی قریظہ ہیں وہ لکھتے ہیں:

قال ابن عباس: هم قريظة فانهم نقضوا عهدرسول الله صلى الله عليه وسلم واعانواعليه المشركين بالسلاح فی يوم بدر ثم قالوا اخطأنا فعاهدهم مرةً اخرى فنقضوه ايضاً يوم الخندق. (تفسير كبير)

حضرت دریابادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

یہود مدینہ کے تین پُرقوّت قبیلوں میں سے ایک کا نام ''بنو قریظہ'' تھا جو اپنی بدزبانی اور شرانگیزی میں اوروں سے بڑھا ہوا تھا ان کے اور بنو نضیر کے محلّہ کے درمیان صرف عوالی (مدینہ کا بالائی حصہ) کے باغ حدِ فاصل تھے ان کی متعدد بدعہدیوں کی بنا پر ان پر فوج کشی ہوئی (ذی قعدہ ۵، ہجری) یہود کے ان قلعوں کا محاصرہ معتبر روایتوں کے مطابق ۲۵ دن رہا اور آخر میں ۶۰۰ سے اوپر یہود کی گردن ماری گئی جن میں ایک عورت بھی تھی۔ (تفسیر ماجدی)

صاحب قرۃ العینین لکھتے ہیں:

ونزل فی قريظة هم قوم من اليهود من حلفاء الاوس استوطنوا واديافی ضاحية المدينة علىٰ مسافة ميلين او ثلاثه الى الجنوب الشرقی من المدينة، قرب منازل يهود "بنی النضير" الذين اجلاهم النبی صلى الله عليه وسلم عن المدينة السنة الرابعة بعدان نقضوا العهد وهموا بقتله صلى الله عليه وسلم وفيهم نزلت "سورة الحشر" التی كان يسميها عبد

الله بن عباس رضی الله عنهما "سورة النضير"كمارواه عنه البخاری امايهود بنی قريظة فقد نقضوا العهد وحاربوا رسول الله صلى الله عليه وسلم مع الأحزاب ايام الخندق سنة خمس فحاصرهم النبی صلى الله عليه وسلم فقتل مقاتلتهم وسبی نساء هم وذراريهم، وغنم اموالهم۔ (قرة العينين)

ان تمام اقوال کا خلاصہ یہی ہوا کہ ان آیات کے اولین مصداق تو یہودی ہیں مگر آیات مبارکہ کا مفہوم و مطلب عام ہے اور اس سے مراد کافروں کا ہر وہ گروہ ہے جس میں دو صفتیں پائی جائیں: ❶ اپنے کفر پر پکا ہو ❷ مسلمانوں کے ساتھ بدعہدی کا مرتکب ہو۔

ربط

❶ حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اوپر کی آیات میں یہاں تک کفار و مشرکین کے احوال وقتال کا بیان تھا آگے کفار اہل کتاب کے احوال اور قتال کا بیان ہے جیسا کہ تمہید سورت میں بھی اس طرف اشارہ کیا گیا ہے اور سبب نزول اسکا یہود بنی قریظہ کی عہد شکنی ہے کہ انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد کیا تھا کہ ہم آپ کے مخالفین کو مدد نہ دیں گے اور پھر بھی غزوہ احزاب میں مشرکین کو مدد دی اور بھی چند بار ایسا ہو چکا۔ ہر بار میں کہہ دیتے تھے کہ ہم بھول گئے پھر تازہ عہد کرتے تھے پھر ایسا ہی کرتے تھے اس پر ان آیتوں میں آپ کو حکم ہوا ان سے قتال کا۔ (بیان القرآن)

❷ پچھلی آیت میں کافروں کے بارے میں فرمایا تھا کہ كُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ کہ وہ سب ظالم تھے (اور ہیں) اب ان ظالموں میں سے جو زیادہ ظالم اور برے ہیں ان کی صفات کا بیان ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ کہ سب سے بدتر کافر وہ ہیں جن میں دو برائیاں ہوں ❶ اپنے کفر پر ایسے پکے ہوں کہ ایمان لانے کی ظاہری امید ختم ہو چکی ہو ❷ بار بار عہد توڑتے ہوں۔ ان کے ساتھ سلوک یہ کیا جائے کہ ان کو عبرتناک سزا دی جائے۔ امام رازی رحمہ اللہ نے اس ربط کو اختیار کیا ہے چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

اعلم انه تعالىٰ لما وصف كل الكفار بقوله وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ افرد بعضهم بمزية فی الشر والعناد فقال اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عند الله ای فی حكمه وعلمه من حصلت له خصلتان (الصفة الاولىٰ) الكافر الذی يكون مستمرا علی كفره مصراً عليه لا يتغير عنه البتة (الصفة الثانية) ان يكون ناقضا للعهد علی الدوام۔ (التفسير الكبير)

تفسیر حقانی میں اسی ربط کو اختیار کیا گیا ہے اور صاحب تفسیر ماجدی لکھتے ہیں:

شَرَّ الدَّوَآبِّ کافر تو سب ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں بدتر مخلوق ہیں، ان میں بھی بدترین وہ ہیں جنھوں نے کفر پر

بدعہدی کا اضافہ کیا۔

بین تعالیٰ ان من جمع بین الکفر الدائم وبین نقص العہد علیٰ ھذاالوجہ کان شرالدواب۔ (تفسیر کبیر،ماجدی)

❸ غزوہ بدر کو مثال بنا کر اب مشرکین کے علاوہ کفار کی دیگر قسموں سے بھی جہاد کا حکم دیا جا رہا ہے کیونکہ جہاد کا حکم عام ہے یہ صرف مشرکین یا جزیرۃ العرب کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ جہاد کا حکم پوری دنیا میں امن قائم کرنے کا ذریعہ ہے پس کافروں کے وہ گروہ جو بدعہدی کے خوگر ہو چکے ہیں وہ دنیا کے امن کے لئے خطرہ ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب) ملاحظہ فرمایئے یہ عبارت:

”گذشتہ آیت میں بتایا تھا کہ یہ تمام کفار ظالم ہیں: اب ان کے امتیازات وخصائص بیان ہوتے ہیں:

(الف) ان کو ایمان باللہ سے بے انتہا نفرت ہے۔

(ب) اپنے کسی عہد پر قائم نہیں رہتے اور ان کو ہمیشہ توڑتے رہتے ہیں۔ دنیا کے امن عامہ کی خاطر ان لوگوں سے یہی سلوک ضروری ہے ان کو ایسی سزا دی جائے کہ دوسرے کافر بھی اس سے عبرت اندوز ہوں۔ اور نقض عہد کا سدباب ہو کفار قریش کبھی اپنے عہد پر قائم نہ رہے اس لئے جنگ بدر میں ان کی قوت پاش پاش کر دی گئی بنو قریظہ نے بھی جنگ احزاب میں خلاف عہد قریش کی اعانت کی اس لئے فوراً تباہ کر دیئے گئے۔ (تفسیر الفرقان)

بعض جملوں اور الفاظ کے مفاہیم

عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ من تبعیض کے لئے ہے۔ کیونکہ معاہدہ ان کے سرداروں سے ہوتا تھا من فی قولہ منھم للتبعیض لان العہد انما کان یجری مع اشرافھم ثم ینقضونہ۔ (القرطبی)

وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ اور وہ نہیں ڈرتے۔ بدعہدی کے انتقام اور دنیا وآخرت میں اس کے برے انجام سے۔

ای لایخافون الانتقام۔ (القرطبی) لایخافون عاقبۃ الغدر ولایبالون بما فیہ من العار والنار۔ (المدارک)

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِى الْحَرْبِ ثقف کا معنیٰ پہلے گذر چکا ہے الاخذ علی سبیل الغلبۃ۔ یعنی کسی پر قابو پانا، غالب آنا، یا کسی کو قید کرنا، یا کسی کو کمزوری کی حالت میں پانا اور ان پر غالب آجانا۔

یعنی اگر آپ ان پر قابو پالیں۔ غالب ہو جائیں۔ ان کو قید کرلیں۔ ان کو کمزوری کی حالت میں پاکر ان پر چھا جائیں۔ میدان میں ان کے مدمقابل ہو جائیں۔

ومعنیٰ تثقفنھم تاسر ھم وتجعلھم فی ثقاف،او تلقاھم بحال ضعف،تقدرعلیھم فیھا وتغلبھم۔ (القرطبی)

فاما تصادفنھم وتظفرن بھم۔ (المدارک)

قال اللیث:یقال:ثقفنا فلانافی موضع کذا ای اخذناہ وظفرنابہ (تفسیر کبیر)

فَشَرِّدْ بِهِمْ تشرید کہتے ہیں خوف زدہ کر کے منتشر کرنے کو۔

والتشرید عبارة عن التفریق مع الاضطراب. (التفسیر الکبیر)

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فمعنی الایة. انك ان ظفرت فی الحرب بهؤلاء الکفار الذین ینقضون العهد فافعل بهم فعلا یفرق بهم من خلفهم قال عطاء: تثخن فیهم القتل حتی یخافك غیرهم.

یعنی آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اگر آپ معاہدہ توڑنے والے ان کافروں پر جنگ میں غالب آجائیں تو ان کے ساتھ ایسا معاملہ کریں کہ ان کے پیچھے والے (خوف کی وجہ) سے منتشر ہو جائیں۔اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان کی خوب خونریزی کریں تاکہ دوسرے کافر خوفزدہ ہو جائیں۔(تفسیر کبیر)

امام نسفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ففرق عن محاربتك ومناصبتك بقتلهم شرقتلة والنکایة فیهم من وراء هم من الکفرة حتیٰ لایجسر علیك بعد هم احد اعتبارآبهم واتعاظابحالهم۔

یعنی ان کو ایسا سخت قتل کریں اور اتنا شدید ماریں کہ ان کے پیچھے والے کافر آپ سے لڑنے اور آپ کے مقابل آنے کی جرأت ہی نہ کریں اور وہ ان کی حالت سے عبرت اور نصیحت پکڑ کر بکھر جائیں۔(المدارک)

مَّنْ خَلْفَهُمْ خلف یہاں علاوہ کے معنیٰ میں ہے ای من ورائهم من الکفرة. (روح المعانی) (تفسیر ماجدی)

یہاں تک ان آیات کا شان نزول، ربط اور جملوں کی تشریح آگئی، اب ملاحظہ فرمائیے چند تفسیری عبارتیں:

❶ کافروں کی کمر ہمت ٹوٹ جائے

جو انسان ہو کر اپنے مولیٰ سے منہ موڑے وہ حیوانات سے بھی بدتر ہے جو شریر الطبع کفار عہد شکنی سے باز نہیں آتے اگر میدان جنگ میں آئیں تو ان کو خوب ناک چنے چبوایئے تاکہ ان کی سخت سزا کے باعث دوسرے کافروں کی کمر ہمت ٹوٹ جائے۔(حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

❷ یہ بدترین جانور ہیں

جو لوگ ہمیشہ کے لئے کفر اور بے ایمانی پر تُل گئے اور انجام سے بالکل بے خوف ہو کر غداری اور بدعہدی کے خوگر ہو رہے ہیں وہ خدا کے نزدیک بدترین جانور ہیں۔فرعونیوں کا حال بدعہدی اور غداری میں یہ ہی تھا۔

ولما وقع علیهم الرجز قالوا یموسیٰ ادْعُ لَنَا ربك بما عهد عندك لئن کشفت عنا الرجز لنومنن لك ولنرسلن معك بنی اسرائیل فلما کشفنا عنهم الرجز الی اجل هم بالغوه اذا هم

ینکثون۔ (اعراف) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہود بنی قریظہ کی یہی خصلت تھی آپ سے عہد کر لیتے تھے کہ ہم مشرکین مکہ کو مدد نہ دیں گے پھر ان کی امداد کرتے اور کہہ دیتے کہ ہم کو عہد یاد نہ رہا تھا۔ بار بار ایسا ہی کرتے تھے آگے بتلایا ہے کہ ایسے غداروں کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہیے۔ یعنی اگر یہ دغاباز، غدار معاہدوں کو علانیہ پس پشت ڈال کر آپ کے مقابل میدان جنگ میں آجائیں تو ان کو ایسی سخت سزا دیجئے جسے دیکھ کر ان کے پیچھے رہنے والے یا ان کے بعد آنے والی نسلیں بھی عبرت حاصل کریں اور عہد شکنی کی کبھی جرأت نہ کر سکیں۔ (تفسیر عثانی)

فائدہ

اس سورۃ مبارکہ میں جہاں مسلمانوں کو اسباب فتح بتائے جارہے ہیں کہ فلاں فلاں عمل سے تمہیں نصرت اور فتح ملے گی وہاں ''اسبابِ شکست'' بھی بتائے جارہے ہیں اس آیت سے معلوم ہوا کہ ''عہد توڑنا ذلت اور شکست کا سبب ہے اور یہ ایسی برائی ہے جو کافروں میں سے بھی ان کے بدترین افراد میں پائی جاتی ہے تو مسلمان تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

امام ابوحیان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قال ابن عباس رضی اللہ عنہما شر الناس الکفار وشر الکفار المصرون منهم وشر المصرين الناكثون للعهود۔ (البحر المحیط)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انسانوں میں بدترین لوگ کافر ہیں اور کافروں میں بدترین وہ ہیں جو اپنے کفر پر پکے ہیں اور پکے کفر والوں میں بدترین وہ ہیں جو عہد توڑنے والے ہیں۔

مسلمانوں کو عموماً اور تمام مجاہدین کو خصوصاً بدعہدی اور عہد شکنی کے اس خوفناک جرم اور گناہ سے بچنا چاہیے جو بدترین کافروں کی خصلت ہے اور ذلت و رسوائی کا باعث ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

بدعہدی اور عہد شکنی کے بارے میں چند وعیدیں اگلی آیت کی تشریح میں آئیں گی۔ (ان شاء اللہ)

وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۚ

اور اگر تمہیں کسی قوم سے دغا بازی کا ڈر ہو تو ان کا عہد ان کی طرف پھینک دو ایسی طرح پر کہ تم اور وہ برابر ہو جاؤ

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ﴿٥٨﴾

بے شک اللہ تعالیٰ دغا بازوں کو پسند نہیں کرتا

خلاصہ

اگر کسی قوم کے ساتھ معاہدہ ہو اور اس قوم نے کھلم کھلا تو معاہدہ نہیں توڑا مگر آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خیانت اور بدعہدی کرنے والے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (اور مسلمانوں کے امیر کو) اجازت ہے کہ وہ اس قوم کا معاہدہ واپس کردے یعنی ان کو اطلاع کردے کہ ہم نے معاہدہ ختم کردیا ہے۔ اور یہ اطلاع کرنا بالکل واضح اور صاف صاف ہو۔ اس اطلاع کے بعد ان پر حملے کی اجازت ہے۔ لیکن اگر اطلاع نہ دی اور ویسے حملہ کردیا تو یہ خیانت ہوگی اور اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اگرچہ یہ خیانت کافروں کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔

جامع تفسیر

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں حضرات مفسرین کرام نے جو کچھ لکھا ہے اس کا نچوڑ اس عبارت میں ملاحظہ فرمائیں:

اور اگر ایک قوم نے علانیہ دغابازی نہیں کی، ہاں آثار وقرائن بتارہے ہیں کہ عہد شکنی پر آمادہ ہے تو آپ کو اجازت ہے کہ مصلحت سمجھیں تو ان کا عہد واپس کردیں اور معاہدہ سے دستبرداری کی اطلاع کر کے مناسب کاروائی کریں۔ تاکہ فریقین پچھلے معاہدات کی نسبت شک واشتباہ میں نہ رہیں۔ دونوں مساویانہ طور پر آگاہ وبیدار ہو کر اپنی تیاری اور حفاظت میں مشغول ہوں آپ کی جانب سے کوئی خیانت نہ ہو سب معاملہ صاف صاف ہو۔ حق تعالیٰ خیانت کی کاروائی کو خواہ کفار کے ساتھ ہو پسند نہیں کرتا۔ سنن میں روایت ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور روم میں میعادی معاہدہ تھا، میعاد کے اندر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی فوجوں کو روم کی سرحد کی طرف بڑھانا شروع کیا۔ مقصد یہ تھا کہ رومیوں کی سرحد سے اس قدر قریب اور پہلے سے تیار رہیں کہ میعاد معاہدہ گذرتے ہی فوراً دھاوا بول دیا جائے جس وقت یہ کاروائی جاری تھی۔ ایک شیخ سواری پر یہ کہتے ہوئے آئے۔ "اللہ اکبر اللہ اکبر وفاء" لا غدراً یعنی عہد پورا کرو، عہد شکنی مت کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کسی قوم سے معاہدہ ہو تو کوئی گرہ نہ کھولی جائے، نہ باندھی جائے یہاں تک کہ معاہدہ کی مدت پوری ہوجائے یا فریق ثانی کو مساویانہ حیثیت میں معاہدہ

واپس کیا جائے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب یہ خبر ملی تو الٹے پاؤں واپس آ گئے پھر جو دیکھا تو وہ شیخ حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ تھے“ (تفسیر عثمانی)

حفاظت کی تدابیر

”اگر کسی قوم سے خیانت کا ڈر ہو کہ وہ بظاہر دوست بنی رہے گی اور پوری تیاری کر کے مسلمانوں پر حملہ آور ہوگی تو ایسے خطرہ کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو معاہدہ واپس کر دیجئے تا کہ آپ کھلم کھلا اپنی حفاظت کی تدابیر کر سکیں۔“ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

اہم مسئلہ

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس آیت میں جو فَشَرِّدْ اور فَانْبِذْ کا خطاب خاص کیا گیا (یعنی مفرد کا صیغہ لا کر صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کیا گیا) اسی طرح آگے مسئلہ صلح میں فَاجْنَحْ لَهَا کا۔ اس میں اشارہ ہے کہ عہد کا حَلُّ وَعَقْدُ امام کی رائے پر ہے عوام کو اس میں دخل نہ دینا چاہئے۔ (بیان القرآن)

مسئلہ

آیت میں فرمایا گیا کہ اگر آپ کو ان سے خیانت کا ڈر ہو تو عہد واپس کریں۔ تو یہ اس لئے فرمایا کہ اکثر معاہدہ ختم کرنے کی ضرورت تبھی پیش آتی ہے جب سامنے سے بدعہدی کا خطرہ ہو۔ ورنہ شریعت میں اس کی اجازت موجود ہے کہ اگر بدعہدی کا کوئی خطرہ نہ ہو مگر مسلمانوں کا امام معاہدہ ختم کرنے میں مصلحت دیکھے تو وہ کفار کو اطلاع کر کے معاہدہ ختم کر سکتا ہے۔ (مفہوم بیان القرآن)

مسئلہ

اگر کسی قوم سے معاہدہ ہو اور وہ اس معاہدے کی خلاف ورزی کرے تو ایسی قوم پر فوراً اور اچانک حملہ کرنا جائز ہے معاہدہ ختم ہونے کی اطلاع دینے کی ضرورت نہیں کیونکہ ان کی خیانت اور خلاف ورزی کی وجہ سے معاہدہ پہلے ہی ختم ہو چکا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے مقام پر مشرکین مکہ کے ساتھ جو معاہدہ فرمایا تھا مشرکین مکہ نے اس کی خلاف ورزی کی تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف جنگ کی خفیہ تیاری فرمائی اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی: اللهم اقطع خبرنا عنهم. اے ہمارے پروردگار ہماری خبر کو ان سے چھپا دے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حملہ فرمایا اور مکہ فتح کر لیا۔ مشرکین چونکہ پہلے ہی خلاف ورزی کر کے معاہدہ توڑ چکے تھے اس لئے ان کو معاہدہ ختم کرنے کی اطلاع نہیں دی گئی۔ (مفہوم القرطبی وغیرہ)

مسئلہ

جب اپنی طرف سے عہد توڑنا ہو (یعنی ختم کرنا ہو) اور ان کو اس کی اطلاع دینی ہو تو ان کے ہر ہر فرد کو اطلاع دینا

ضروری نہیں جب ان کے صاحب اقتدار کو نقض عہد کی اطلاع دے دی اور اتنی مدت گذر گئی کہ وہ اس وقت میں اپنے اطراف مملکت میں خبر پہنچا سکتا تھا تو یہ کافی ہے (انوار البیان بحوالہ ہدایہ)

اسلام اور عہد کی حفاظت

"سبحان اللہ عہد کی پاسداری کا شریعت اسلامیہ میں کتنا اہتمام ہے۔اسی کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس میں چار چیزیں ہونگی وہ خالص منافق ہوگا۔اوران چار میں سے جس میں ایک خصلت ہوگی تو اس میں نفاق کا ایک حصہ مانا جائے گا جب تک اسے چھوڑ نہ دے۔

1. جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔
2. جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔
3. اور جب معاہدہ کرے تو دھوکا دے۔
4. اور جب جھگڑا کرے تو گالیاں بکے۔" (رواہ البخاری،ص،۴۵۱ ج،۱)

ہر مسلمان کو معاہدہ کی پاسداری لازم ہے حکومت سے معاہدہ ہو یا کسی جماعت سے یا کسی فرد سے۔اس کی خلاف ورزی حرام ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تین شخصوں پر میں دعویٰ کرنے والا ہوں،ایک وہ شخص جس نے میرا نام لے کر عہد کیا پھر اس نے غدر کیا (یعنی عہد توڑا) اور ایک وہ شخص جس نے کسی آزاد کو بیچ دیا اور اس کی قیمت کھا گیا،اور ایک وہ آدمی جس نے کسی مزدور کو کام پر لگایا اس سے پورا (کام) لے لیا اور اس کی مزدوری نہ دی۔(رواہ البخاری ص،۳۰۲،ج،۱)

نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة. جس نے کسی عہد والے کو قتل کر دیا جنت کی خوشبو (بھی) نہ سونگھے گا۔(صحیح بخاری،ص ۴۴۸،ج ۱)(انوار البیان)

خائن ترقی نہیں کرسکتا

"جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے دربار مصر میں اپنی پاکدامنی کا اظہار کیا اور عزیز مصر نے ان کو خزائن ملک کا مالک (یعنی نگران) بنا دیا تو انہوں نے بھی اپنے آقا کو مخاطب کر کے اسی قانون کی طرف توجہ دلائی تھی کہ خائن کبھی اس طرح ترقی نہیں کرسکتا ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ " (یوسف ۵۲)
(تفسیر الفرقان)

فائدہ

اسباب شکست میں سے ایک خیانت بھی ہے مجاہدین بہت اہتمام سے خود کو اس جرم سے بچائیں کیونکہ یہ دنیا وآخرت میں ذلت،ناکامی اور شکست کا باعث ہے۔(واللہ اعلم بالصواب) ☆☆☆

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ۭ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ۵۹

اور کافر یہ نہ خیال کریں کہ وہ بھاگ نکلے ہیں بے شک وہ ہمیں ہرگز عاجز نہ کر سکیں گے

خلاصہ

کافر اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نہیں بچ سکتے۔ وقتی مہلت سے غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔

ربط

۱ اکثر مفسرین کے نزدیک آیت ان مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی جو غزوہ بدر میں بچ گئے تھے۔

ونزل فیمن افلت یوم بدر۔ (جلالین)

امام رازی رحمہ اللہ نے اسی شان نزول کو ذہن میں رکھ کر آیت کا ربط یوں تلاش کیا ہے۔

اعلم انه تعالیٰ لمابین مایفعل الرسول فی حق من یجده فی الحرب ویتمکن منه وذکرا یضاً مایجب ان یفعله فیمن ظهرمنه نقض العهد بین ایضا حال من فاته من یوم بدر وغیره لئلا یبقیٰ حسرة فی قلبه فقد کان فیهم من بلغ من أذیة الرسول علیه الصلوٰة والسلام مبلغا عظیماً فقال لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا یعنی اللہ تعالیٰ نے پہلے بیان فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن کافروں پر میدان جنگ میں قابو پائیں تو ان کے ساتھ کیا کریں اور بتایا کہ جو کفار عہد شکنی کریں ان کے ساتھ کیا کریں اب اس آیت میں ان لوگوں کا حال بیان فرمایا ہے جو بدر کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بچ نکلے تھے۔ اور یہ حال اس لئے بیان فرمایا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں حسرت باقی نہ رہے کیونکہ بچ جانے والوں میں وہ لوگ بھی تھے جن کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیتیں پہنچانے میں بڑا حصہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ کافر گمان نہ کریں کہ وہ بچ نکلے۔

یہ ربط بیان کرنے کے بعد امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ان کافروں کے پکڑے جانے میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر دنیا میں کامیاب فرمادے گا اور دوسرا یہ کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب میں پکڑے جائیں گے۔ (التفسیر الکبیر)

۲ دوسرا ربط اس عبارت میں ملاحظہ فرمائیں:

نبذ عہد کا جو حکم اوپر مذکور ہوا ممکن تھا کہ کفار اس کو مسلمانوں کی سادہ لوحی پر محمول کر کے خوش ہوتے کہ جب

ان کے یہاں خیانت وغدر جائز نہیں تو ہم کو خبردار اور بیدار ہونے کے بعد پورا موقع اپنے بچاؤ اور مسلمانوں کے خلاف تیاری کرنے کا ملے گا، اس کا جواب دے دیا کہ کتنی ہی تیاری اور انتظامات کرلو جب مسلمانوں کے ہاتھوں خدا تم کو مغلوب ورسوا کرنا اور دنیا یا آخرت میں سزا دینا چاہے گا تو تم کسی تدبیر سے اس کو عاجز نہ کرسکو گے نہ اس کے احاطۂ قدرت وتسلط سے نکل کر بھاگ سکو گے۔ گویا مسلمانوں کی تسلی کردی کہ وہ خدا پر بھروسہ کرکے اس کے احکام کا امتثال کریں تو سب پر غالب آئیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

❸ تیسرا ربط اس عبارت میں ملاحظہ فرمائیں:

اوپر مشرکین مکہ ویہود مدینہ کے قتال کا ذکر تھا چونکہ قتال میں بعضے بچ بھی جاتے ہیں آگے ان کی نسبت فرماتے ہیں کہ خدا سے نہیں بچ سکیں گے ایک نہ ایک روز مبتلائے عذاب ہونا ہے۔ (بیان القرآن)

فائدہ

کافروں کو کھلی تنبیہ کہ جتنا زور لگالیں وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نہیں بچ سکتے اور مسلمانوں کو کھلی تسلی کہ ان کافروں کو ذلیل ورسوا فرمائے گا البتہ مسلمان جنگی تیاری سے غافل نہ ہوں بھروسہ اور توکل اللہ تعالیٰ پر رکھیں اسباب پر نہیں مگر اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر اسباب جنگ بھی خوب مہیا کریں آگے اسی حکم کو بیان فرمایا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

تمہیں (اس کا ثواب) پورا ملے گا اور تم سے بے انصافی نہیں ہوگی

خلاصہ

مسلمانوں پر لازم ہے کہ جس قدر ہو سکے وہ دشمنان اسلام سے لڑنے کے لئے تیاری کریں۔ ہر طرح کی قوت بنائیں اور پلے ہوئے گھوڑے باندھیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں پر اور مسلمانوں کے کھلے اور چھپے دشمنوں پر دہشت طاری ہو جائے۔ اور جہاد اور اس کی تیاری میں جو کچھ بھی مسلمان خرچ کریں گے دنیا و آخرت میں اس کا بدلہ پورا پورا پائیں گے۔ اور یہ خرچ ان کے لئے فائدے کا سودا ہوگا، گھاٹے کا نہیں۔

دلنشیں عبارتیں

یہ آیت مبارکہ اسلام کے ''جہادی نظام'' میں ایک خاص اہمیت رکھتی ہے، مسلمانوں کو چاہیے کہ اس کو خوب سمجھیں اور اس کے ہر ہر اشارے پر عمل کو زندہ کریں آیت مبارکہ کی تفسیر سمجھنے کے لئے پہلے حضرات محققین کی چند دلنشیں عبارتیں ملاحظہ فرمائیں اس کے بعد باقی فوائد ان شاء اللہ۔

❶ تقریر عثمانیؒ

یعنی خدا پر بھروسہ کرنے کے معنیٰ یہ نہیں کہ اسباب ضرور یہ مشروعہ کو ترک کر دیا جائے ''نہیں''۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ جہاں تک قدرت ہو سامان جہاد فراہم کریں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں گھوڑے کی سواری، شمشیر زنی اور تیر اندازی وغیرہ کی مشق کرنا سامان جہاد تھا۔ آج بندوق، توپ، ہوائی جہاز، آبدوز کشتیاں، آہن پوش کروزر وغیرہ کا تیار کرنا اور استعمال میں لانا اور فنون حربیہ کا سیکھنا بلکہ ورزش وغیرہ کرنا سب سامان جہاد ہے۔ اسی طرح

آئندہ جو اسلحہ و آلات حرب وضرب تیار ہوں، ان شاء اللہ وہ سب آیت کے منشاء میں داخل ہیں، باقی گھوڑے کی نسبت تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی فرما چکے "الخیل معقود فی نوا صیھا الخیر الی یوم القیمۃ" کہ قیامت تک کے لئے خدا نے اس کی پیشانی میں خیر رکھ دی ہے اور احادیث میں ہے کہ "جو شخص گھوڑا جہاد کی نیت سے پالتا ہے، اس کے کھانے، پینے بلکہ ہر قدم اٹھانے میں اجر ملتا ہے اور اس کی خوراک وغیرہ تک قیامت کے دن ترازو میں وزن کی جائے گی۔

تُرْهِبُوْنَ بِهٖ یعنی یہ سب سامان اور تیاری دشمنوں پر رعب جمانے اور دھاک بٹھلانے کا ایک ظاہری سبب ہے۔ باقی فتح وظفر کا اصلی سبب تو خدا کی مدد ہے جو پہلے بیان ہو چکا اور وہ لوگ جن کو بالتعیین تم نہیں جانتے منافقین ہیں جو مسلمانی کے پردے میں تھے یا یہود "بنی قریظہ" یا روم و فارس وغیرہ وہ سب قومیں جن سے آئندہ مقابلہ ہونے والا تھا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ یہ مالی جہاد کی طرف اشارہ ہے یعنی جہاد کی تیاری میں جس قدر مال خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ ملے گا یعنی ایک درہم کے سات سو درہم وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ اور بسا اوقات دنیا میں بھی اس سے کہیں زیادہ معاوضہ مل جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

۲ تقریر اشرفیؒ

اوپر قتال کفار کا ذکر تھا آگے سامان قتال مہیار کھنے کا حکم ہے وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ (الی قولہ تعالیٰ) وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ اور ان کافروں سے مقابلہ کرنے کے لئے جس قدر ہو سکے ہتھیار سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو کہ اس سامان کے ذریعے تم اپنا رعب جمائے رکھو ان پر جو کہ کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں اور تمہاری فکر میں رہنے کی وجہ سے تمہارے دشمن ہیں جن سے شب و روز تم کو سابقہ پڑتا رہتا ہے اور ان کے علاوہ دوسرے کافروں پر بھی رعب جمائے رکھو جن کو تم بالتعیین نہیں جانتے بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے جیسے کفار فارس اور روم وغیرہم جن سے اس وقت سابقہ نہیں پڑا مگر صحابہ کا ساز و سامان وفن سپاہ گری اپنے وقت میں ان کے مقابلہ میں بھی کام آیا اور ان پر بھی رعب جما۔ بعض (ان میں سے) مقابل ہو کر مغلوب ہوئے بعض نے جزیہ قبول کیا کہ یہ بھی اثر رعب کا ہے اور اللہ کی راہ میں جس میں جہاد بھی آ گیا جو کچھ بھی خرچ کرو گے جس میں وہ خرچ بھی آ گیا جو ساز و براق (یعنی اسلحہ اور سواری) درست کرنے میں کیا جاوے وہ یعنی اس کا ثواب تم کو آخرت میں پورا پورا دے دیا جاوے گا اور تمہارے لئے اس میں کچھ کمی نہ ہوگی۔

فائدہ

حدیثوں میں تیر اندازی کی مشق اور گھوڑوں کے رکھنے اور سواری سیکھنے کی بڑی فضیلت آئی ہے اب بندوق اور توپ قائم مقام تیر کے ہے اور عموم قوت میں یہ سب اور ورزش بھی داخل ہے۔ (بیان القرآن)

③ تقریر حقانیؒ

اس (جنگی) قوت کا فائدہ دشمنوں کو خوف دلانا ہے کیونکہ اعداء (یعنی دشمن) نہ کسی علم سے ڈرتے ہیں نہ کسی معاہدہ سے نہ کسی صنعت وحرفت سے نہ نئی روشنی کے لباس وعادات سے وہ تو قوتِ جنگ سے ڈرتے ہیں جس میں یہ (قوت موجود) ہے اسی کی عزت ہے اسی کے لئے عہد ہے (یعنی اسی کے معاہدے کی لوگ قدر کرتے ہیں) اس میں جو کچھ مسلمانوں کا صرف (یعنی خرچ) ہوگا اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں سے پورا ملے گا۔ (تفسیر حقانی)

④ تقریر ماجدیؒ

آیت میں اس گہری حقیقت کی تعلیم ہے کہ اہل کفر تو برابر تمہارے اور تمہارے دین کے دشمن رہا ہی کریں گے تم ان سے مقابلہ کے لئے ہمیشہ تیار رہو، ان کی طرف سے غافل کبھی بھی نہ ہو، اور اپنے پاس وہ سامان برابر تیار رکھو جن سے ان پر ہیبت طاری ہوتی ہو، اور ان کے دل دہلتے ہوں، آیت میں کھلی ہوئی تاکید دنیوی سامانِ حرب سے لیس اور تیار رہنے کی ہے اور آیت نے اس جاہلانہ خیال کی جڑ کاٹ دی ہے کہ اسلام مذہب صرف توکّل اور ترکِ تدبیر وترکِ جہد کا ہے مِنْ قُوَّةٍ قوۃ کا لفظ عام ہے، عددی قوت، سامانِ جنگ کی قوت، آلاتِ حرب کی قوت سب کچھ اس کے اندر آ گیا یہاں تک کہ بعض فقہا کے بقول بڑھے ہوئے ناخن بھی! اور حدیث میں قُوَّةٍ کی تفسیر رمی سے تو تصریح کے ساتھ آئی ہے اُس وقت رمی کا مصداق صرف تیر تھے، اور اب اس کا اطلاق توپ بندوق کی قسم کے ہر آلہ پر ہوتا ہے۔ وقدروی فی القوة انها الرمی (جصاص) عموم اللفظ شامل بجميع مايستعان به علی العدو ومن سائر انواع السلاح وآلاتِ الحرب (جصاص) ای اعداد جميع اسباب القوة لها بقدرالا ستطاعة (المنار) قال اصحاب المعانی الاولیٰ ان يقال ان هذا عام فی كل مايتقویٰ به علی حرب العدو وكل ماهو الة للغزووالجهاد فهو من جملة القوة. (كبير) هذا يدل علی ان جميع مايقویٰ علی العدو فهو مأمور باستعد اده (جصاص) ای من كل ما يتقوی به فی الحرب كائنا ماكان (روح) صاحب روح المعانی نے آیت کے تحت میں بندوق کا ذکر تصریح کے ساتھ کیا ہے، اور اگر آج ہوتے تو مشین گن، اور طیارہ اور ٹینک جنگی جہاز اور ہائیڈروجن بم اور ایٹم بم وغیرہ سب کے نام عجب نہیں کہ لکھ جاتے اور ایسی ہی تصریح رشید رضا مصری کے ہاں بھی ملتی ہے۔ واطلاق الرمی فی الحديث يشمل كل مايرمی به العدومن سهم او قذيفة منجنيق اوطيارة اوبندقية او مدفع وغير ذلك وان لم يكن كل هذا معروفاً فی عصره صلی الله عليه وسلم فان اللفظ يشمله (المنار) فالوا جب علی المسلمين فی هذا العصر بنص القرآن صنع المدافع بانواعها البنادق والدبابات والطيارات وانشاء السفن الحربية بانواعها. (المنار) رِبَاطِ الْخَيْلِ سوار فوج کی اہمیت اس حکم سے ظاہر ہے۔ موجودہ جنگوں میں سوار فوج کی اہمیت کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

مرشد تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان آیتوں میں جو تدابیر حرب وسیاست بتائی گئی ہیں، ان سے صاف دلالت اس امر پر ہو رہی ہے کہ یہ سیاسی تدبیر بڑے سے بڑے کمالات باطنی کے بھی منافی نہیں جیسا کہ غالی وناقص صوفیاء نے خیال کر رکھا ہے۔ (تفسیر ماجدی)

۵ تقریر خواجہؒ

دنیا کی سرکش طاقتوں اور شیطانی حکومتوں نے ہمیشہ صرف قوت کے آگے سر جھکایا ہے اخلاقیات کا وعظ نوع انسانی کی ہمدردی اور علوم ومعارف کی نشر واشاعت ان لوگوں کے نزدیک دلفریب الفاظ ہیں مگر کبھی شرمندۂ معنیٰ نہ ہوئے۔ امن وسلامتی نے جب کبھی پناہ لی ہے تو تلوار کے سایہ میں، اور عہد کی پابندی بھی ہوئی ہے تو اسی وقت جب دیکھا کہ دشمن زیادہ طاقتور ہے، ورنہ ان عہد ناموں کی کاغذ کے پرزوں سے زیادہ وقعت نہ کی گئی، اور بعض لوگ تو طاقت کے غرور میں یہاں تک پکار اٹھے کہ عہد نامے صرف توڑنے کی غرض سے کئے جاتے ہیں، یہ تمام کرشمہائے قوت وطاقت ہیں۔ اور یہ کوئی نئی چیز نہیں صدیوں پیشتر یہی آواز ہمارے کان میں آتی ہے

ونـنـكـران شئنا على الناس قولهم
ولا يـنـكـرون الـقـول حين نقول

ایک جاہل شاعر اپنی طاقت کا یوں اظہار کرتا ہے:

اذا بـلـغ الـفـطـام لـنـا صبی
تـخـر لـه الـجـبـابـر ساجد ينا

چونکہ لوگ قوت وطاقت کے سوا اور کسی چیز کو نہیں مانتے اس لئے فرمایا کہ مسلمان بھی تلوار کا جواب تلوار سے دینے کے لئے تیار رہیں تا کہ نہ صرف موجودہ دشمن مرعوب ہوں بلکہ وہ بھی ہیبت زدہ ہو جائیں جو آئندہ تم سے برسرپیکار ہونے کا خیال رکھتے ہیں۔ (تفسیر الفرقان) جو شخص جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کرے گا اس کو پورا بدلہ ملے گا تاریخ شاہد ہے کہ قلیل ترین مدت میں عرب کس طرح تمام دنیا پر چھا گئے اور یہ اسی وعدہ کا ایفاء تھا۔ (تفسیر الفرقان)

۶ تقریر عاشق الٰہیؒ

اس کے بعد مسلمانوں کو حکم دیا کہ تم سے جو بھی کچھ ہو سکے دشمنوں سے لڑنے اور ان کا دفاع کرنے (یعنی ان سے اپنا بچاؤ کرنے) کے لئے ہر طرح کی قوت تیار رکھو لفظ مَّا اسْتَطَعْتُمْ بہت عام ہے ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق تیاری کرنے کو شامل ہے اور مِّن قُوَّةٍ بھی نکرہ ہے یہ بھی عام ہے اور ہر قسم کی قوت جمع کرنے کو اس کا عموم شامل ہے جس طرح کے ہتھیاروں کی جس زمانہ میں ضرورت ہو تو ان سب کا بنانا، فراہم کرنا اور دوسری ہر طرح کی قوتیں اتحاد واتفاق اور باہمی مشورہ۔ یہ سب لفظ مِّن قُوَّةٍ میں شامل ہے نیز رِّبَاطِ الْخَيْلِ فرما کر پلے ہوئے گھوڑے تیار رکھنے کا بھی

حکم فرمایا آیت بالا میں مِنْ قُوَّةٍ فرمایا کہ جہاں تک ممکن ہو ہر طرح کی قوت تیار کرو اس کی تفسیر فرماتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الاان القوۃ الرمی الاان القوۃ الرمی الاان القوۃ الرمی یعنی قوت تیر پھینکنا ہے۔ تین بار ایسا ہی فرمایا (رواہ مسلم ص۱۴۲ ج۱) اور تیر پھینکنے کی قوت اس لئے فرمایا کہ اس میں دور سے دشمن پر حملہ کیا جاسکتا ہے۔ دوبدو سامنے آجائیں تو تلوار ہی سے لڑنا پڑے گا اور دور سے مقابلہ ہو تو دور ہی سے تیر اندازی کر کے دشمن کو پسپا کیا جاسکتا ہے اسی لئے غزوہ بدر کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے فرمایا کہ جب دشمن تمہارے قریب آجائیں تو تیر مارنا اور اپنے تیروں کو حفاظت سے رکھنا (بخاری) مطلب یہ ہے کہ جب دشمن دور ہے تو اپنے تیروں کو پھینک کر ضائع نہ کرو کیونکہ وہ زمین پر گر جائیں گے جب دشمن اتنا قریب آجائے کہ ان کے تیر لگ سکے تو ان پر تیروں کی بوچھاڑ کردو۔ رہا مسئلہ تلوار سے قتال کرنے کا تو جب بالکل سامنے آجائیں تو پھر جم کر تلوار کے ذریعہ جنگ کی جائے۔

الا ان القوۃ الرمی کا عموم دور حاضر کے بموں کو بھی شامل ہے۔

آنحضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو الا ان القوۃ الرمی فرمایا اور لفظ رمی کا مفعول ذکر نہیں فرمایا (کہ کس چیز کو پھینکنا ہے) اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ پھینکنے کی جب کبھی کوئی چیز ایجاد ہو جائے وہ سب قوت کے مفہوم میں داخل ہوگی اور مسلمانوں کو اس کے حاصل کرنے کا اہتمام کرنا بھی لازم ہوگا۔ جدید ہتھیار میزائل، بم سب اسی عموم میں داخل ہیں مسلمانوں پر لازم ہے کہ بحکم وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ ہر طرح کے جدید ہتھیار تیار کرلیں اور خود بنائیں، ضرورت پڑے تو دوسروں سے بھی خرید سکتے ہیں۔ لیکن صرف خریداری ہی پر موقوف نہ رکھیں آج کل تو جدید اسلحہ بنانے والے اہل کفر ہی ہیں اور کفر ملت واحدہ ہے وہ کافروں کو پہلے دیں گے اور زیادہ دیں گے اور مسلمانوں کو اگر چاہیں گے تو تھوڑے ہتھیار دیں گے اور قیمت بہت زیادہ لیں گے۔ مسلمانوں کی یہ کتنی بڑی غفلت ہے کہ اہل کفر سے ہتھیار خریدتے ہیں اور خود نہیں بناتے اور اہل کفر کو اپنے اوپر مسلط کر رکھا ہے وہ مجبور کرتے ہیں کہ تم کیا بنا رہے ہو ہمیں دکھاؤ۔ اس کا معنی ہے کہ اپنی حیثیت کچھ بھی نہیں یہ بہت بڑی بھول ہے۔ اسلام نے برتر ہو کر زندہ رہنا بتایا ہے۔ کافروں کے سامنے جھکنے اور انہیں اپنا راز دار بنانے کی اجازت نہیں دی۔ اپنی قوت تیار رکھنے کا حکم دینے کے بعد فرمایا تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (اس کے ذریعہ تم اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو ڈراتے ہو) جب طاقت ہوگی اور دشمنوں کو اس کی خبر ہوگی تو وہ تم سے ڈرتے رہیں گے اور حملہ آور ہونے کی ہمت نہ کریں گے چونکہ ہتھیار تیار کرنے میں مال خرچ ہوتا ہے اور گھوڑے پالنے میں بھی خرچہ کرنا پڑتا ہے اور جہاد میں شریک ہونے کیلئے بھی مال کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے ہتھیاروں کی تیاری کا حکم دینے کے ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو گے اس سب کا پورا پورا اجر پاؤ گے۔ (تفسیر انوار البیان)

❼ تقریرِ احمدیؒ

اے وفادارانِ الٰہی تم ہر وقت اعدائے اسلام کی قوت کو پاش پاش کرنے کے لیے فوجی طاقت تیار رکھو۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

❽ کلام برکت

حکم فرمایا کہ جہاد کو سرانجام کرو جو ہو سکے زور (قوۃ) فرمایا تیر اندازی کو اور ہتھیار کا کسب اسی میں داخل ہے۔ اور گھوڑے پالنے میں جو خرچ ہو اس کی خوراک میں بلکہ اس کا فضلہ سب ترازو میں چڑھے گا قیامت کو۔ فرمایا کہ یہ واسطے رعب کے ہے تا نہ جانیں کہ فتح ہوگی اسباب سے۔ فتح ہے اللہ تعالیٰ کی مدد سے۔ اور وہ لوگ جن کو تم نہیں جانتے وہ منافق ہیں کہ ظاہر مسلمانی کے پردے میں ہیں۔ (موضح القرآن)

ان آٹھ عبارات سے آیت مبارکہ کے کئی پہلو واضح ہو گئے اور ماقبل کے ساتھ ربط بھی معلوم ہو گیا۔ عربی تفاسیر میں بھی اس آیت مبارکہ پر تفصیلی کلام کیا گیا ہے اگر اس تمام کو یہاں ذکر کیا جائے تو بات بہت طویل ہو جائے گی چنانچہ ان تفاسیر سے چند فوائد پیش خدمت ہیں۔

ہر طرح کی قوت تیار کرو

امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ جنگ کے وقت سے پہلے اسلحہ اور جنگی سواریاں تیار رکھیں تاکہ دشمن پر دہشت طاری ہو۔ آگے یہ عجیب نکتہ لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قُوَّۃَ رمی میں ہے یعنی تیر اندازی میں تو اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ تیر اندازی کے علاوہ اور کوئی قوت نہیں ہے بلکہ اس میں ہر طرح کا اسلحہ اور آلاتِ حرب آ جاتے ہیں اور خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ ہے عن الحکم بن عمیر قال: امر نا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لانحفی الاظفار فی الجھاد وقال ان القوۃ فی الاظفار۔ یعنی حضرت حکم بن عمیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم جہاد کے دوران اپنے ناخن نہ تراشیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قوت ناخنوں میں ہے پس اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ ہر وہ چیز جس سے دشمن پر زور ڈالا جا سکے (اور اسے نقصان پہنچایا جا سکے) وہ قوت ہے اور آیت مبارکہ میں ایسی ہر قوت کو تیار کرنے کا حکم ہے۔

امام جصاص رحمہ اللہ آگے لکھتے ہیں:

وقال اللہ تعالیٰ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً (التوبہ ۴۶) فذمھم علی ترک الاستعداد والتقدم قبل لقاء العدو۔

یعنی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (ترجمہ) اگر یہ منافق جہاد میں نکلنے کا ارادہ رکھتے تو اس کیلئے (پہلے سے) سامان تیار رکھتے اللہ تعالیٰ نے منافقین کی اس بات پر مذمت فرمائی ہے کہ انہوں نے جنگ سے پہلے جہاد کی تیاری کیوں نہیں کی۔

امام جصاص رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں کئی احادیث بھی ذکر فرمائی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حق الولد علی الوالد ان یعلمه کتاب اللہ والسباحة والرمی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا باپ پر بیٹے کا حق ہے کہ وہ اسے اللہ تعالیٰ کی کتاب، پیراکی اور تیر اندازی سکھائے۔ (احکام القرآن)

اسلحہ سیکھنا فرائض میں سے ہے

امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں پانچ صفحات لکھے ہیں، ان کی تحقیق کے چیدہ چیدہ نکات حاضر خدمت ہیں:

❶ جہاد کے لئے اسلحے سواری وغیرہ کی تیاری کا یہ حکم اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض انسانوں کو دوسرے بعض سے آزماتا ہے۔ ورنہ وہ اس کے بغیر بھی کسی ادنیٰ چیز مثلاً خاک کی مٹھی کو بھی کفار کی شکست کا ذریعہ بنا سکتا ہے۔ (مگر اس حکم میں امتحان ہے کہ کون مسلمان اسے پورا کرتا ہے اور کون نہیں)

❷ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب ممالک تمہارے لئے فتح ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ تمہاری طرف سے کافی ہو جائے گا تب بھی تم تیر اندازی سے غافل مت ہونا۔

❸ احادیث سے ثابت ہے کہ آدمی کا ہر کھیل باطل (اور فضول) ہے مگر تین کھیل حق ہیں: ❶ تیر اندازی ❷ گھوڑے کی تربیت ❸ اپنی بیوی سے کھیلنا۔

❹ تیر اندازی کے فضائل بہت زیادہ اور مسلمانوں کے لئے اس کے فوائد بہت عظیم ہیں اور دشمنوں پر اس کی چوٹ بہت سخت پڑتی ہے اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اولاد اسماعیل تیر اندازی کرو بے شک تمہارے والد (حضرت اسماعیل علیہ السلام) تیر انداز تھے۔

❺ گھڑ سواری اور اسلحے کا سیکھنا فرض کفایہ ہے اور کبھی فرض عین بھی ہو جاتے ہیں۔

❻ جہاد کے لئے گھوڑا باندھنے کے بڑے فضائل اور اونچا مقام ہے حضرت عروۃ البارقی رحمہ اللہ کے پاس ستر گھوڑے تھے جو جہاد کے لئے تیار کھڑے رہتے تھے، حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ اور علماء کی ایک جماعت کے نزدیک (مادہ) گھوڑی پالنا زیادہ مستحب ہے کیونکہ گھوڑی کا پیٹ خزانہ اور اس کی پیٹھ عزت کا مقام ہے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے پاس بھی گھوڑی تھی۔

❼ تم دہشت زدہ کرو اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو اور کچھ اور لوگوں کو جن کو تم نہیں جانتے اللہ تعالیٰ

ان کو جانتا ہے۔ان اور لوگوں سے کون مراد ہیں؟

❶ امام سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ’’فارس اور روم‘‘

❷ امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ’’جنات‘‘

❸ سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ’’بنو قریظہ‘‘

❹ ہر وہ دشمن جس کی دشمنی معلوم و معروف نہ ہو (یعنی چھپا دشمن)

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولا ینبغی ان یقال فیھم شئی لان اللہ سبحانہ قال:

وآخرین من دونھم لاتعلمو نھم اللہ یعلمھم.

یعنی جب آیت میں آگیا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے تم نہیں جانتے تو اس لئے یہ نہیں کہنا چاہیے کہ وہ فلاں ہیں۔البتہ امام قرطبی رحمہ اللہ کے نزدیک ’’جنات‘‘ کا مراد ہونا حدیث سے ثابت ہے، وہ لکھتے ہیں:

الا ان یصح حدیث جاء فی ذلک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو قولہ فی ھذہ الایۃ "ھم الجن" ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الشیطان لایخبل احداً فی دارٍ فیھا فرس عتیق. یعنی جس گھر میں عمدہ (جہادی) گھوڑا ہو اس میں جنات کسی پر قابو نہیں پاسکتے۔

❽ امام قرطبی رحمہ اللہ نے گھوڑے کی فضیلت اور عمدہ گھوڑے کی اقسام پر کئی روایات بھی نقل فرمائی ہے۔ان تمام فوائد کے لئے ملاحظہ فرمائیں تفسیر القرطبی۔

کافروں پر دہشت مسلمانوں کے لئے مفید

امام رازی رحمہ اللہ نے تفسیر کبیر میں اس آیت پر مفصل کلام فرمایا ہے ان کی تحقیق میں سے چند فوائد ملاحظہ فرمائیں۔

❶ پچھلی آیات میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا تھا کہ عہد توڑنے والے کافروں کو سخت عبرتناک سزا دیں اور جن سے خیانت کا خطرہ ہو ان کا عہد انہیں واپس لوٹا دیں تو اس آیت میں حکم دیا کہ کافروں کے خلاف جنگ کی تیاری کر کے رکھیں۔

❷ آیت میں ’’قوۃ‘‘ سے مراد ہر وہ چیز ہے جو طاقت کے حصول کا ذریعہ ہو اور اس میں چار قول ہیں: [۱] قوت سے مراد ہر قسم کا اسلحہ ہے۔ [۲] قوت سے مراد رمی یعنی تیر اندازی اور پھینک کر مارنے کی طاقت ہے۔ [۳] قوت سے مراد قلعے ہیں۔ [۴] دشمنوں سے جنگ میں جو چیز بھی کام آئے وہ قوت ہے۔

❸ گھوڑے جہاد کا طاقتور ترین آلہ ہیں روایت ہے کہ ایک شخص نے امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ سے پوچھا کہ

فلاں شخص نے اپنے تہائی مال کی قلعوں کے لئے وصیت کی ہے امام ابن سرین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس مال سے گھوڑے خرید کر جہاد کے لئے باندھے جائیں اور ان پر جہاد کیا جائے (یعنی انہوں نے گھوڑے کو قلعہ قرار دیا)

❹ بعض حضرات نے گھوڑی کو فضیلت دی ہے اور وجہ یہ بتائی ہے کہ اس سے نسل بڑھے گی۔ مگر اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ نر گھوڑا کروفر اور دشمن پر حملے میں زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔ اس لئے اس لفظ ''خیل'' کو عام رکھا جائے خواہ وہ گھوڑا ہو یا گھوڑی جو بھی جہاد کے لیے پالا جائے اور باندھا جائے۔

❺ کفار کو جب معلوم ہوگا کہ مسلمان جنگ کے لئے تیار اور مسلح ہیں تو ان پر خوف طاری ہوگا اور اس خوف کے بہت سے فوائد ہیں مثلاً۔

☆ وہ دارالاسلام پر حملہ نہیں کریں گے۔

☆ اگر خوف سخت ہوا تو ممکن ہے خود ہی جزیہ دینے پر آمادہ ہو جائیں۔

☆ ممکن ہے اس خوف کی وجہ سے وہ ایمان لانے کی طرف راغب ہوں۔

☆ وہ دوسرے کافروں کی مسلمانوں کے خلاف مدد نہیں کریں گے۔

☆ اس سے دارالاسلام کی شان اور زیادہ بڑھ جائے گی۔

❻ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ان دوسرے لوگوں سے مراد زیادہ صحیح قول کے مطابق منافقین ہیں اب سوال یہ ہے کہ منافقین کے خلاف تو قتال نہیں ہوتا تو جنگی تیاری سے ان پر دہشت پڑنے کا کیا مطلب ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ ان پر دو طرح سے دہشت پڑتی ہے۔

[۱] جب وہ مسلمانوں کی قوت اور جنگی استعداد دیکھتے ہیں تو ان کی یہ امید ٹوٹ جاتی ہے کہ عنقریب مسلمان مغلوب ہو جائیں گے چنانچہ یہ صورت حال انہیں مخلص مسلمان بننے کی طرف راغب کرتی ہے (یعنی طاقت کا زور دیکھ کر ڈر جاتے ہیں اور کفر چھوڑ دیتے ہیں)

[۲] منافق ہمیشہ مسلمانوں پر برے وقت کا انتظار کرتا ہے اور مسلمانوں کے درمیان فساد اور تفرقہ پھیلانے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر مسلمانوں کی زیادہ قوت دیکھ کر وہ ڈر جاتا ہے اور ان برے کاموں سے باز رہتا ہے۔

❼ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ تم جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا لوٹا دیا جائے گا۔

قال ابن عباس: یوف لکم اجرہ ای لایضیع فی الآخرۃ اجرہ ویعجل اللہ عوضہ فی الدنیا۔ یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ (آیت کا مطلب یہ ہے کہ) جو کچھ تم نے خرچ کیا اس کا پورا پورا اجر دیا جائے گا یعنی آخرت میں اس کا اجر ضائع نہیں ہوگا اور دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ جلد اس کا عوض عطاء فرمائے گا۔ (تفسیر کبیر)

مکمل جہادی تیاری

امام محمد بن یوسف ابوحیان الاندلسی رحمہ اللہ نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں کئی صفحات لکھے ہیں۔ ان کی تفسیر سے چند فوائد ملاحظہ فرمائیں:

❶ یہ آیت ان کفار کے خلاف تیاری کے لئے بھی ہے جن سے اس وقت جنگ تھی اور بعد میں آنے والے تمام کفار کے لئے بھی ہے۔

وهم المأمورون بحربهم فى ذلك الوقت ويعم من بعده۔

❷ قوت سے مراد مکمل جہادی تیاری ہے مثلاً تیراندازی، نرگھوڑے، دلوں کی مضبوطی، آپس کا اتحاد، مضبوط قلعے، جنگی ساز وسامان، تعداد، توشہ یعنی زادراہ، عمدہ لباس وغیرہ حتی ان مجاهدا رئی یتجهز للجهاد وعنده جو الق فقال: هذا من القوة۔

❸ وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ اللہ تعالیٰ نے اپنے راستے جہاد وغیرہ میں خرچ کی ترغیب دی ہے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں سے ایک ایک فرد پوری جماعت کے لئے گھوڑوں اور اونٹوں کا بندوبست کرتا تھا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک کی تیاری کے لئے ایک ہزار دینار دیئے۔

يُوَفَّ إِلَيْكُمْ یعنی اس کا بدلہ وثواب بغیر کمی کے پورا پورا دیا جائے گا اور ایک قول یہ ہے کہ یہ پورا پورا بدلہ دنیا ہی میں دیا جائے گا اور اس کے ساتھ آخرت کا ثواب الگ ملے گا۔

وقيل! هذه التوفية فى الدنيا على ماانفقوا مع ما اعدلهم فى الاخرة من الثواب. (البحر المحيط)

متفرق نکات

جہاد قیامت تک جاری رہے گا

امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں وہ حدیث پاک ذکر فرمائی ہے جس میں گھوڑے کی پیشانی میں قیامت کے دن تک خیر۔ یعنی اجر اور غنیمت رکھے جانے کا تذکرہ ہے۔ پھر لکھتے ہیں:

وهو يدل ايضا على بقاء الجهاد الى يوم القيمة۔

یہ حدیث جہاد کے قیامت تک جاری رہنے پر بھی دلالت کرتی ہے۔ (احکام القرآن)

بے بسی کا عذر غلط ہے

صاحب ترجمان القرآن لکھتے ہیں:

آیت [٦٠] میں فرمایا (جہاد کے لئے تیاری کرو) جہاں تک تمہارے بس میں ہے کیونکہ یہ تو ممکن نہیں کہ کوئی

جماعت اس طرح کا ساز وسامانِ جنگ مہیا کر سکے جو ہر اعتبار سے مکمل ہو پس معلوم ہوا مسلمانوں کو اس بارے میں جو کچھ حکم دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اپنے مقدور کے مطابق جو کچھ کر سکتے ہیں کریں، اور ادائِ فرض کے لئے آمادہ ہو جائیں یہ بات نہیں ہے کہ جب تک دنیا جہاں کے ہتھیار اور ہر قسم کے ساز وسامان مہیا نہ ہو جائیں اس وقت تک بے بسی کا عذر کرتے رہیں اور فرض دفاع سے بے فکر ہو جائیں اگر مسلمانوں نے اس آیت کی روح کو سمجھا ہوتا تو اس اپاہج پنے میں مبتلا نہ ہوتے جو ڈیڑھ سو برس سے تمام مسلمانانِ عالم پر طاری ہے۔ (ترجمان القرآن)

اصل چیز دہشت ہے

قرآن پاک کی اس آیت میں جنگی تیاری کا حکم دینے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ کہ تم اس جہادی تیاری کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور اپنے کھلے اور چھپے دشمنوں پر دہشت ڈال سکو۔ پچھلی آیات میں اچھی طرح سے سمجھا دیا گیا ہے کہ کفر اور بدعہدی کتنا بڑا جرم ہے اور مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار کافر جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے ان مجرموں اور دشمنوں کو خوف اور دہشت میں رکھا جائے تاکہ وہ زمین پر کفر اور فساد نہ پھیلا سکیں۔ تُرْهِبُوْنَ کا مصدر اِرْہَابٌ ہے جسے آج کل دہشت گردی کہا جاتا ہے۔ اور اِرْہَابِی کا لفظ ''دہشت گرد'' کے معنٰی میں ایک گالی بنا دیا گیا ہے۔ مسلمانوں کو اس بارے میں بہت احتیاط کرنی چاہیے اللہ تعالیٰ نے خود اس بات کا حکم دیا ہے کہ دشمنانِ دین کو دہشت زدہ کیا جائے۔ چنانچہ جو لوگ اِرْہَابٌ کرتے ہیں یعنی دشمنوں کو دہشت زدہ کرتے ہیں وہ قرآن پاک کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو برا بھلا کہنا یا اِرْہَابٌ کے اس مبارک عمل پر طعن کرنا بہت بڑی غلطی اور کھلا گناہ ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

دہشت کس چیز سے پڑتی ہے؟

آیت کا مفہوم یہ بات سمجھاتا ہے کہ مسلمانوں کو ایسی جہادی تیاری کرنی چاہیے جس سے اللہ تعالیٰ کے دشمن دہشت زدہ اور خوفزدہ ہو جائیں۔ ماضی قریب میں مسلمانوں کی غفلت کی وجہ سے جہاد کی تیاری کا عمل کمزور پڑا اور کفار نے اس شعبے میں سبقت حاصل کر لی۔ اب اگر مسلمان صرف روایتی ہتھیار بناتے رہے تو اس سے دشمنانِ اسلام پر کوئی خاص دہشت نہیں پڑے گی کیونکہ ان کے پاس زیادہ طاقتور ہتھیار موجود ہیں۔ چنانچہ قرآن پاک کے حکم پر موجودہ زمانے میں عمل کرنے کے تین بہترین طریقے ہیں۔

1. فدائی مجاہدین تیار کئے جائیں اور فدائی جہاد کے نت نئے طریقے نکالیں جائیں۔ یقیناً اس جنگی تیاری کا دشمنانِ اسلام کے پاس کوئی توڑ نہیں ہے۔ مبارک ہو اس زمانے کے فدائی مجاہدین کو کہ ان کی دہشت سے کفر کے اونچے ایوان لرز رہے ہیں بے شک انہی اللہ والوں نے اس آیت پر صحیح عمل کیا ہے۔

2. بارود کو زیادہ مؤثر بنانے کی کوشش کی جائے۔ الحمد للہ مسلمانوں میں بہت اونچے اور زرخیز دماغ موجود ہیں

اگر قرآن پاک کے اس حکم کی دعوت عام کی جائے اور مسلمانوں کو بتایا جائے کہ جہاد کی تیاری ان پر فرض ہے اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو دہشت زدہ کرنا ایک عبادت ہے تو ضرور ایسے افراد میدان میں آئیں گے جو بارود کو زیادہ مؤثر اور طاقتور بنا سکیں گے۔ یہ ایک ایسا ہتھیار ہے جو جنگوں کا نقشہ پلٹ دیتا ہے اور فدائی حملوں کو قوت دیتا ہے۔

③ مسلمانوں کو ہر حال میں ایٹمی ہتھیار بنانے چاہییں اور اس میدان میں اپنی صلاحیتوں اور اسباب کو لگانا چاہیے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ایک شبہ کا ازالہ

عراق کی موجودہ صورتحال دیکھ کر بعض حضرات یہ سوال اٹھا سکتے ہیں کہ جنگی تیاری اور خوفناک ہتھیاروں کا تو الٹا نقصان ہوا۔ اور دشمن خوفزدہ ہونے کے بجائے حملہ آور ہوگیا۔ اس سوال کے کئی جوابات ہیں:

① آیت کے دوسرے لفظ میں بالکل واضح جواب موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَ اَعِدُّوْا اور تم تیاری کرو لَهُمْ ان سے لڑنے کے لئے۔ (لقتالهم ۔ جلالین) یعنی مسلمانوں کی جنگی تیاری صرف نمائشی نہ ہو بلکہ قتال فی سبیل اللہ کے حکم کو زندہ کرنے کے لئے ہو۔ عراق کی تیاری کفار کے خلاف جنگ کے لئے نہیں تھی کفار پر حملہ کرنا تو درکنار وہاں کی سرکاری فوج تو دفاع کے لئے بھی تیار نہیں تھی۔ اگر عراق کی حکومت کافروں کے خلاف جنگ کے لئے ہتھیار بناتی تو کبھی بھی اپنے اسلحے کو معائنے کے لئے پیش نہ کرتی۔ بین الاقوامی اداروں کے انسپکٹر وہاں سالہا سال تک دندناتے رہے اور جاسوسی کرتے رہے۔

② یہ پوری سورۃ اس بات کو سمجھا رہی ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر جہاد کو زندہ کریں، فتح اسباب سے نہیں اللہ تعالیٰ کی مدد سے آتی ہے۔ اور پھر حکم دیا کہ جس قدر ممکن ہو تیاری بھی کرلو۔ عراق سمیت کسی بھی مسلمان ملک نے جہاد کے عمل کو زندہ نہیں کیا۔ اتنی بڑی فوجی قوت ہونے کے باوجود انہوں نے کبھی ایک گولی جہاد کے لئے نہیں چلائی۔ تو جب جہاد کا حکم ہی سرے سے زندہ نہیں کرتے تو جہاد کے فوائد وغیرہ انہیں کیسے حاصل ہو سکتے ہیں اس آیت میں رعب کا پڑنا بھی ایک جہادی فائدہ ہے۔ امریکہ نے عراق پر حملہ کیا تو لاکھوں کی تعداد میں موجود سرکاری فوج نے ہتھیار ڈال دیئے مگر جب وہاں کے چند مسلمانوں نے جہاد شروع کیا تو امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی لاکھوں فوج بے بس نظر آرہی ہے اور کئی سال سے خاک چاٹ رہی ہے۔ رعب اور دہشت جہاد سے نصیب ہوتی ہے سرکاری وردیوں سے نہیں۔ چنانچہ آج کا استعماری کفر مجاہدین کے چھوٹے اور کچے ہتھیاروں سے خوفزدہ ہے، جبکہ اسے نام کے اسلامی ملکوں کے ایٹمی ہتھیاروں سے سوائے اس کے اور کوئی ڈر نہیں کہ یہ ہتھیار مجاہدین کے ہاتھ نہ لگ جائیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اے مسلمانو! اس حکم پر عمل کرو

اللہ پاک نے قرآن پاک ہماری ہدایت اور کامیابی کے لئے نازل فرمایا ہے، اس کے ہر حکم کو زندہ کرنے میں ہی

ہماری زندگی اور ترقی ہے۔ پس اس آیت میں جو حکم دیا گیا ہے ہم میں سے ہر مسلمان اپنی استطاعت کے مطابق اس پر عمل کرے۔ ہر مسلمان جہاد کے لئے اسلحہ سیکھے، گھڑ سواری اور تیراکی سیکھے، اپنا نشانہ درست کرے۔ ورزش کے ذریعے جسم کو چست بنائے۔ ممکن ہو تو گھڑ سواری ورنہ ڈرائیونگ سیکھے اور جہاد کے لئے ہر وقت تیار رہے۔ اور اپنا مال زیادہ سے زیادہ جہاد میں خرچ کرے۔ ہم جو کچھ بھی اس راستے میں کریں گے وہ ہمارے لئے ان شاء اللہ بہت قیمتی ہو جائے گا اور اللہ پاک ہر عمل اور ہر خرچے کا پورا پورا اجر عطاء فرمائے گا۔ حتی کہ اگر ہم سیڑھیاں چڑھتے ہوئے جہاد کی ورزش کی نیت سے قدم اٹھائیں تو یہ قدم اٹھانا بھی بہت قیمتی بن جائے گا۔ اور جب مسلمان جہاد کی تیاری شروع کردیں گے تو ان کی وہ بے قدری ختم ہو جائے گی جو مال سے محبت کی وجہ سے کافر قوموں کے دلوں میں ان کے لئے پیدا ہوگئی ہے۔ اور پورے عالم پر ان کا ایک باوقار رعب چھا جائے گا۔ تب وہ اسلام کی زیادہ بہتر خدمت کر سکیں گے۔

اللہ پاک ہم سب مسلمانوں کو اس آیت مبارکہ کی حقیقت پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے......

......آمین یا ارحم الراحمین......

اس موضوع کی اہمیت اور تاکید کے پیش نظر آخر میں ایک مضمون پیش خدمت ہے یہ مضمون ''اسلام اور جہاد کی تیاری'' کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔

اسلام اور جہاد کی تیاری

اسلام اور اسلحہ کی ضرورت

اسلام کی عظمت، سربلندی اور بقاء جہاد میں ہے اور جہاد کے لئے ضروری ہے کہ اس کے لئے ایسے افراد ہوں جو تن من دھن کی بازی لگا کر دشمنانِ اسلام کے مقابلے میں سینہ سپر ہوں اور ایسا اسلحہ ہو جس کے ذریعے دشمنانِ اسلام جنگ سے قبل خوفزدہ اور مرعوب ہوں اور جنگ کے دوران اس اسلحہ سے ان کا قلع قمع کیا جا سکے۔ چونکہ جہاد اسلام کے ان احکامات میں سے ہے جن پر اسلام کی عظمت اور مسلمانوں کی حفاظت موقوف ہے اسی لئے اس عمل کو قیامت تک کے لئے جاری فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ جہاد کے لئے افرادی اور عسکری قوت بنانے کی طرف اسلام نے خاص توجہ دلائی ہے اور اس سلسلے میں خصوصی احکامات نافذ فرمائے ہیں۔

افرادی قوت

اس سلسلے میں ہمارے دین اسلام میں ہر فرد کو مجاہد بننے کا حکم دیا گیا ہے اور ماسوا چند ایسے افراد کے جن کو اسلام نے معذور قرار دیا ہے باقی ہر فرد کے لئے مجاہدانہ زندگی اور جہاد کی تیاری کو ضروری قرار دیا گیا ہے جب کہ جہاد کے لئے مضر اشیاء کی ممانعت فرمادی گئی ہے۔

وہ افراد جن کو اسلام نے مستثنیٰ قرار دیا ہے اس آیت کریمہ میں مذکور ہیں:

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (سورۂ توبہ ۹۱)

ترجمہ: نہ تو ضعیفوں پر کچھ گناہ ہے اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر جن کے پاس خرچ موجود نہیں (کہ شریک جہاد نہ ہوں یعنی) جبکہ اللہ اور اس کے رسول کے خیر اندیش (اور دل سے ان کے ساتھ) ہوں۔

دور نبوت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دور قرآن مجید کی زندہ تفسیر تھا تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں سے کوئی فرد بھی سوائے اِن معذور افراد کے میدان جنگ سے باہر نظر نہیں آتا تھا اور ان معذور افراد میں بھی بہت سے ایسے مبارک اشخاص ملتے ہیں جنہوں نے باوجود عذر کے عزیمت پر عمل کیا اور میدانوں میں نکلے، مرد تو مرد خواتین بھی میدان جہاد میں نظر آتی تھیں۔

اس مبارک دور میں میدان جہاد سے پیچھے رہ جانا اللہ رب العزت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی اور دینی و دنیوی خسارہ سمجھا جاتا تھا اس لئے ہر فرد میدان کی طرف سبقت کرتا تھا۔

عسکری قوت

دعوتِ نبوت کا پہلا مرحلہ افراد کو جہاد پر یعنی جان اور مال کی قربانی پر تیار کرنا تھا۔ اور جب یہ افراد مکمل طور پر تیار نظر آئے تو اب دوسرا مرحلہ ان افراد کی جنگی تیاری تھا۔ قرآن مجید نے اس طرف خاص توجہ دلائی اور مسلمانوں کو بھرپور قوت بنانے کی وہ ترغیب دی جسے اپنا کر مسلمانوں نے پوری دنیا پر اسلامی عظمت وشوکت کے جھنڈے گاڑ دیئے۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تیر اندازی، گھڑ سواری اور جنگی تربیت کی ترغیب دیا کرتے تھے۔

حدیث

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آپ نے آیت کریمہ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ تلاوت فرمائی (اور پھر فرمایا) خبردار قوت رمی میں ہے خبردار قوت رمی میں ہے۔ (بخاری جلد ۱۔ ص ۴۰۲)

رمی کے معنی پھینکنے کے آتے ہیں۔ اس کا اطلاق تیر اندازی پر بھی ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان آفاقی الفاظ میں یہ اشارہ ملتا ہے کہ اصل قوت پھینکنے کی قوت ہے چنانچہ اِس دور کے اندر اگر غور کیا جائے تو اصل قوت پھینکنے میں ہے جس کا میزائل جتنا دور مار ہوگا اور جس کے پاس بارود اور لوہا پھینکنے کی طاقت جس قدر زیادہ اور دور مار ہوگی بظاہر وہی غالب ہوگا، تو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر تاکید کے ساتھ رمی کو قوت قرار دیا اور مسلمانوں کو اس قوت کے بنانے اور بڑھانے کا قرآنی حکم سنایا تاکہ مسلمان اس میدان میں اپنے دشمنوں سے پیچھے نہ رہ جائیں کیونکہ اگر قوت کے میدان میں یہ پیچھے رہ گئے تو دین و دنیا دونوں کی تباہی ان کا مقدر بن جائے گی اور یہ اپنے دشمن کے لئے تر نوالہ بن جائیں گے۔

حدیث

اسی طرح حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے تیراندازی سیکھی پھر اسے چھوڑ دیا تو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (مسلم، جلد نمبر۱ ص ۱۴۳)

دیکھئے کس قدر سخت وعید ہے اسلحہ سیکھ کر چھوڑ دینے اور بھول جانے پر۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلحہ سیکھنا اور پھر اسے یاد رکھنا یعنی استعمال کرتے رہنا یہ اسلامی احکامات میں سے ہے اور اس کے چھوڑنے پر سخت وعید ہے۔ اب وہ مسلمان اپنی زندگیوں پر غور فرمائیں جنہوں نے کبھی اس اسلامی حکم کی طرف ذرہ برابر بھی توجہ نہیں کی۔ بلکہ اس کو اپنے دین کا حصہ تک نہیں سمجھا حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اسلحہ کی مشق فرماتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے۔

حدیث

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر اسلم قبیلے کے بعض افراد پر ہوا جو تیراندازی کر رہے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پھینکو یعنی تیراندازی کرو تحقیق تمہارے والد (حضرت اسماعیل علیہ السلام) بھی تیر پھینکنے والے تھے۔ تیر پھینکو اور میں فلاں قبیلے کی طرف سے ہوں۔ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر ایک جماعت نے اپنے ہاتھ روک لئے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہیں کیا ہو گیا تیراندازی کیوں نہیں کرتے ہو۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم کیسے تیراندازی کریں اس حال میں کہ آپ دوسری جماعت کی طرف سے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تیراندازی کرو میں تم سب کے ساتھ ہوں۔

غزوۂ احد کے موقع پر حضور علیہ السلام نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ اے سعد تیر پھنکو میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔

اسی طرح ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک ڈھال لئے ہوئے تھے مگر جب حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ جو کہ بہترین تیر انداز تھے تیر مارتے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سر مبارک اٹھا کر اُن کے تیر لگنے کی جگہ کو دیکھتے۔ (بخاری جلد نمبر۱ ص ۴۰۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک تعلیمات میں مساجد کا احترام اور لہو ولعب سے ان مساجد کو خالی رکھنا بھی شامل ہے۔ بلکہ مساجد میں لہو ولعب کو علاماتِ قیامت میں سے قرار دیا گیا ہے۔ مگر مسجد میں اسلحہ سیکھنے اور اس کی مشق کرنے کی ممانعت نہیں فرمائی بلکہ جب اہل حبشہ کی ایک جماعت مسجد میں نیزہ بازی کا مظاہرہ کر رہی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود مشاہدہ فرماتے رہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کنکریاں مار کر ان لوگوں کو بھگانا چاہا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ عمر! ان کو اپنی حالت پر چھوڑ دو۔ (بخاری ج نمبر۱ ص ۴۰۲)

مسجد نبوی میں اسلحے کا مظاہرہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ جہاد کی تیاری ان عبادات میں سے ہے جن کے ذریعے سے مسلمان اللہ رب العزت کا تقرب حاصل کرتا ہے اس لئے مسجد میں اس کی اجازت دی گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب وتشویق کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم جنگی امور میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے اور گھڑسواری اور تیراندازی میں اعلیٰ درجے کی مہارت حاصل کرنا باعث سعادت وعزت سمجھتے تھے اور ان چیزوں میں ایک دوسرے پر سبقت کی کوشش کرتے تھے چنانچہ ان کی مہارت کا یہ عالم ہو چکا تھا کہ وہ گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر بے دھڑک سواری کرتے تھے اور بھاگتے ہرن کی ایک آنکھ کو تیر سے نشانہ بناتے تھے۔

گھڑسواری اور تیراندازی کے ساتھ ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو سمندر میں تیراکی اور بحری جنگی امور میں مہارت کی ترغیب دی اور ان لوگوں کے لئے من جانب اللہ جنت کی بشارت سنائی جو سمندروں کو عبور کر کے اسلامی بحری بیڑے کے ذریعے سے فتوحات حاصل کریں گے۔ (بخاری ج ۱ ص ۳۹۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مبارک ترغیب اس اسلامی بیڑے کے لئے بنیاد بنی جس بیڑے نے آئندہ چل کر پوری دنیا کے ساحلوں پر اسلامی حکومتیں قائم کیں اور بے شمار علاقے فتح کر کے اسلامی خلافت کا حصہ بنائے اور طویل عرصہ تک یہ اسلامی بحری بیڑے سمندروں کے بے تاج بادشاہ بن کر تکبیر کے نعروں کو دنیا میں بلند کرتے رہے۔ مگر اب وہ دور آپہنچا جس میں مسلمان کے لئے کسی بھی قسم کی جنگی تیاری کی کوئی اہمیت باقی نہ رہی اور اسلام کی عظمت اور مسلمانوں کی حفاظت کا خیال تک ان کے دلوں سے نکل گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح خلفائے راشدین کے مبارک دور میں بھی مسلمانوں کی جنگی تیاری اور ہر فرد کو مجاہد بنانے کا عزم تازہ رہا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے وہ خطوط اس سلسلے کی اہم کڑی ہیں جو انہوں نے اپنے کمانڈروں اور گورنروں کے نام لکھے اور اسلامی فوج کو تعیش اور آرام پرستی سے دور رکھنے اور جفاکشی اور محنت سکھانے کے سلسلے میں تحریر فرمائے۔ ان حضرات کی مبارک زندگی خود اس جفاکشی اور ہمہ وقت جہاد کی تیاری کا ایک بہترین نمونہ تھی۔ سخت چمڑے کے بستر یا زمین پر سونا۔ پتھروں کو تکیہ بنانا۔ خورد ونوش میں سادگی، گھوڑے کی ننگی پشت پر اچھل کر سوار ہونا، بڑے بڑے معرکوں کے لئے شمشیر بکف، خود نکلنے کے لئے اپنے آپ کو سب سے پہلے پیش کرنا، موٹے کپڑے پہننا، بغیر چھنے ہوئے آٹے کی روٹی نوش فرمانا، ان حضرات کے عمومی معمولات تھے۔

ایک جنگ کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ٹھنڈا پانی پیش کیا گیا تو واپس فرمادیا اور فرمایا کہ کہیں ہمیں قیامت کے دن یہ نہ کہہ دیا جائے کہ تمہیں تو تمہارے اچھے اعمال کا بدلہ دنیا میں مل چکا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے جہادی تربیت کے ساتھ اس لگاؤ اور محبت کا سرچشمہ وہ قرآنی احکامات ہیں جن میں اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو جہاد کی تیاری کا حکم دیا ہے اور قوت بنانے کے ساتھ ساتھ قوت کی بنیاد کا بھی ذکر فرمایا ہے اور کافروں کی اس خواہش سے بھی مسلمانوں کو متنبہ کردیا ہے کہ کافر مسلمانوں کو اسلحے سے غافل دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور اسلحہ سازی کی نعمت کا تذکرہ اپنے انبیاء پر اس طرح فرمایا

ہے کہ مسلمانوں کے قلوب اسلحے کی محبت سے لبریز فرمادیے ہیں۔

آیئے ان قرآنی احکامات پر غور کرتے ہیں ممکن ہے کہ ہمیں اپنے احتساب کی توفیق مل جائے اور غفلت سے ہمارا چھٹکارا ہوجائے۔

جہاد کی تیاری کی ضرورت

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اعلانِ جہاد کے بعد صحابہ کرامؓ جہاں بڑھ چڑھ کر اس مبارک عمل میں شرکت کی کوشش کرتے تھے اور باوجود معذور ہونے کے بھی بہت سے افراد اس سعادت کو چھوڑنے پر رضامند نہ ہوتے تھے، عورتیں اپنے معصوم بچوں کو پیش کرتی تھیں اور بوڑھی مائیں اپنے جوان لختِ جگر بنا سنوار کر میدان میں لے آتیں تھیں، وہاں پر منافقین جہاد میں شرکت سے ٹال مٹول کرتے تھے اور طرح طرح کے بہانے بنا کر اس مبارک عمل سے جان چھڑانے کی بھرپور کوشش کرتے تھے۔ قرآن مجید نے ان کے بہانوں کا تذکرہ کیا ہے کہ کبھی تو وہ گرمی کو بہانہ بنا کر کہتے تھے۔

لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ (التوبہ ۸۱)

ترجمہ: مت کوچ کرو گرمی میں

تو ان کو جواب دیا گیا کہ جہاد چھوڑنے کی وجہ سے تمہیں جس جہنم میں ڈالا جائے گا اس کی گرمی بہت سخت ہے تم اس عارضی گرمی سے بچنے کی خاطر اس ہمیشہ کی سخت گرمی کو کیوں قبول کرتے ہو۔

کبھی وہ بہانہ بناتے کہ۔

اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَةٌ (الاحزاب ۱۳)

ترجمہ: ہمارے گھر کھلے ہیں۔ (یعنی غیر محفوظ)

تو قرآن مجید اس بہانے کو بھی رد فرمادیتا ہے۔

وَمَا هِیَ بِعَوْرَةٍ (الاحزاب ۱۳)

ترجمہ: اور وہ کھلے نہیں پڑے

کبھی وہ یوں کہتے کہ جہاد کہاں ہو رہا ہے۔ اگر جہاد ہوتا تو ہم ضرور شریک ہوتے۔

لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ (ال عمران ۱۶۷)

ترجمہ: اگر ہم کو معلوم ہو لڑائی تو البتہ تمہارے ساتھ رہیں۔

مگر قرآن مجید ان کے ان تمام بہانوں کو مسترد کرتا ہے۔ لیکن وہ منافقین پھر بھی یہی رٹ لگاتے تھے کہ ہمارا تو جہاد میں نکلنے کا ارادہ ہے مگر کوئی نہ کوئی عذر آڑے آجاتا ہے تو قرآن مجید نے ایک قاعدہ کلیہ بتادیا کہ جہاد کا ارادہ کب معتبر ہوگا؟ (وگرنہ ہر آدمی یہی کہے گا کہ میرا جہاد کا ارادہ ہے مگر مجھے عذر پیش آگیا ہے۔ اس طرح ہر آدمی

ہزاروں بہانے بنا کر جہاد کو بھی ترک کر دے گا اور یہ دعویٰ بھی کرتا رہے گا میرا ارادہ پکا ہے میں تو جہاد کے لئے تڑپ رہا ہوں۔ جہاد کا شوق تو میرے رگ و پے میں سرایت کر چکا ہے۔) تو قرآن مجید نے ایک اصول بیان فرما دیا جس سے معذور اور غیر معذور کا پتہ چل جائے گا جس سے بہانہ بنانے والے اور سچ بولنے والوں کے درمیان فرق ہو جائے گا۔ قرآن مجید کا اصول ملاحظہ فرمائیں۔

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ۔ (التوبہ ۴۶)

ترجمہ: اور اگر وہ نکلنے کا ارادہ کرتے تو اس کے لئے سامان تیار کرتے لیکن اللہ نے ان کا اٹھنا (اور جہاد میں نکلنا) پسند ہی نہیں فرمایا تو ان کو ہلنے جلنے ہی نہ دیا اور (ان سے) کہہ دیا کہ جہاں (معذور) بیٹھے ہیں تم بھی ان کے ساتھ بیٹھے رہو۔

اس اصول سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ اگر کسی نے جہاد کی تیاری کی ہوئی ہے جسمانی اور عسکری طور پر جہاد کے لئے بالکل تیار ہے۔ پھر اگر اسے عذر پیش آگیا کہ وہ بیمار ہو گیا یا معذور ہو گیا یا اس کے پاس جہاد میں جانے کے لئے خرچہ نہیں ہے اور وہ مجاہدین کو جاتا دیکھ کر رو رہا ہے اور اس کا دل کُڑھ رہا ہے مگر اس کے پاس مالی طور پر اتنی استطاعت نہیں کہ جا سکے تو وہ معذور ہے اور اس کا عذر قابلِ قبول ہے۔

مگر وہ آدمی جس نے جہاد کی تیاری ہی نہیں کی، باوجود استطاعت کے اس نے جہاد کے لئے کچھ سامان تیار نہیں کیا اور نہ ہی عسکری طور پر جہاد کے لوازمات کو پورا کیا، پھر بہانے بنا رہا ہے تو یہ آدمی جھوٹا ہے۔ اللہ رب العزت اس جیسے آدمی کو جہاد کے مبارک میدان میں لانا پسند ہی نہیں فرماتے، اس لئے اسے عورتوں کے پاس بٹھا دیا۔

قابل غور

اب اس قانون کی روشنی میں ہر آدمی...... اپنے آپ کو پرکھے، وہ مفکر بھی جو جہاد کے فضائل کے قائل ہیں مگر ان کے نزدیک جہاد کی شرائط پوری نہیں ہوئیں اور وہ یہ نعرہ لگا رہے ہیں کہ اگر شرعی جہاد ہوا تو ہم ضرور نکلیں گے۔ کیا وہ اتنی تیاری رکھتے ہیں کہ جہاد کے میدان میں کھل کر دشمن کا مقابلہ کر سکیں گے ہرگز نہیں بلکہ ایسے لوگوں کے دلوں میں کبھی وسوسے کے طور پر بھی یہ نہیں آیا کہ انہوں نے کبھی عملی جہاد کرنا ہے۔ بلکہ انہوں نے عملی جہاد کو ایک علمی، فکری مسئلہ بنا کر صفحات کے صفحات لکھ ڈالے، کیسٹوں کی کیسٹیں بھر ڈالی ہیں مگر خود عملی جہاد نہ کرنا چاہتے ہیں، نہ دوسروں کو اس میں جانے کی ترغیب دیتے ہیں اور نہ ہی ان کے پاس جہاد کی کوئی تیاری ہے کہ اگر ان کی خود ساختہ شرائط پوری ہو بھی جائیں تو وہ جہاد میں نہ جا سکیں۔

بہرحال، اس قرآنی اصول سے جہاد کی تیاری کی اہمیت معلوم ہوئی کہ بغیر تیاری کے کوئی ارادہ بھی قابل قبول نہیں ہے بلکہ جب جہاد کا ارادہ ہو گا تو کسی نہ کسی قسم کی تیاری ضرور شروع کر دی جائے گی۔

جہاد کی تیاری کا وجوب

اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو جہاد کے لئے اس قدر قوت بنانے کا حکم دیا ہے جس سے دشمنوں پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ جائے اور وہ مسلمانوں کے خلاف کسی قسم کی کاروائی کا تصور تک نہ کرسکیں۔

اللہ رب العزت کا مبارک ارشاد ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ (سورۃ الانفال ۶۰)

ترجمہ: اور تیار کروان کی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کرسکو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے کہ اس سے دھاک پڑے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر اور دوسروں پر ان کے سوا جن کو تم نہیں جانتے اللہ تعالیٰ ان کو جانتا ہے۔

اس آیت کریمہ کے ایک ایک حصے کی تشریح کرنے سے ان شاء اللہ اس موضوع کی کچھ وضاحت ہو جائے گی۔

وَاَعِدُّوْا

امر کا صیغہ ہے اور اس میں تیاری کا حکم دیا گیا ہے اور یہ حکم وجوبی ہے اور اللہ رب العزت کا ہر حکم مسلمانوں کی زندگی کا ضامن ہوتا ہے اور اس حکم سے روگردانی امت کی اجتماعی موت ثابت ہوتی ہے۔

لَهُمْ

یعنی ان کافروں کے لئے، اسلام کے دشمنوں کے لئے یعنی جب تک مسلمانوں کے دشمن کافروں کے پاس طاقت موجود ہے وہ اسے مسلمانوں کے خلاف خرچ کرتے رہیں گے تو مسلمانوں کو چاہیے کہ ان سے بڑھ کر قوت مہیا کریں۔

مَّا اسْتَطَعْتُمْ

یعنی جس قدر استطاعت ہو۔ جہاد کی تیاری کو کسی ایک حد میں بند نہیں کیا گیا بلکہ جس قدر مسلمانوں کی استطاعت ہو اور جس قدر طاقت مہیا کر سکتے ہوں کریں کیونکہ جس قدر طاقت زیادہ ہوگی اسی قدر مسلمانوں کو غلبہ ملے گا اور اعلائے کلمۃ اللہ کا شرعی فریضہ پورا ہو سکے گا اور فتنے ختم ہو جائیں گے اور فتنہ پرست لوگ اپنی موت آپ مر جائیں گے چونکہ کافر ہر وقت مسلمانوں کی گھات میں بیٹھے ہیں اور ان کی پوری کوشش ہے کہ یا تو مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دیں یا انہیں ان کے دین سے ہٹا کر گمراہ کر دیں اس لئے مسلمانوں کا مقابلہ ہر فتنہ پرست کافر سے ہے خواہ اس کا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو مسلمان ایک ملت ہیں جب کہ سب کافر دوسری طرف ان کے مقابلے میں ایک ملت ہیں اس لئے جہاد کی تیاری کی کوئی حد بیان نہیں فرمائی بلکہ حکم دیا کہ جتنی کر سکتے ہو تیاری کر لو تا کہ تمہیں ہزیمت اور ذلت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

قُوَّةٍ

قوت میں ہر قسم کا اسلحہ آجاتا ہے وہ اسلحہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں استعمال کیا وہ بھی اور وہ اسلحہ جو مسلمانوں نے بعد میں ایجاد کیا وہ بھی اور قیامت تک استعمال ہونے والی قوت اس میں آجاتی

ہے۔اسی لئے قوۃ کو نکرہ رکھا گیا ہے کہ ہر قسم کی قوت کی تیاری کرنا مسلمانوں کیلئے ضروری ہے اور اس قوت میں سب سے اہم قوت پھینکنے کی قوت ہے جو اس دور میں راکٹوں، میزائلوں اور بموں کے ذریعے سے استعمال کی جارہی ہے۔

اب یہ قوت کہاں سے حاصل کی جائے گی تو قرآن مجید نے اس قوت کا منبع بھی مسلمانوں کو بتادیا کہ اس قوت کا منبع وہ لوہا ہے جس میں اللہ رب العزت نے سخت طاقت رکھی ہے اور اس میں لوگوں کے لئے بے شمار منافع ہیں خصوصاً جب لوہے کے ساتھ آگ کو استعمال کیا جائے تو یہ بہترین قوت بن جاتا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے:

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (الحدید ۲۵)

ترجمہ: اور ہم نے اتارا لوہا اس میں سخت لڑائی ہے اور لوگوں کے کام چلتے ہیں۔

آیت کریمہ میں لوہے کے متعلق فرمایا کہ ہم نے لوہا اتارا ہے جس میں سخت پکڑ ہے۔ " بَاْسٌ شَدِيْدٌ " کی تفسیر صاحب کشاف نے قتال سے کی ہے کہ لوہے کے ذریعے سے جہاد کیا جاتا ہے اور پھر جہاد کے ذریعے سے فتنہ وفساد ختم ہوتا ہے تو لوگ امن وسکون اور اطمینان کی زندگی گزارتے ہیں۔یہ بھی مقصد ہوسکتا ہے مَنَافِعُ لِلنَّاسِ کا۔

اس سے پہلی آیات پر غور کرنے سے وہ ربط معلوم ہوتا ہے جو ان آیات میں کتاب، میزان اور لوہے کے درمیان پیدا کیا گیا ہے کہ اللہ رب العزت نے کتاب بھی نازل فرمائی اور لوہا بھی نازل فرمایا کہ اس کتاب کا نفاذ لوہے کے ذریعے سے ہوگا جو بھی اس کتاب یا انصاف کے آگے رکاوٹ ہو لوہے کے ذریعہ سے اس کا خاتمہ کردیا جائے گا۔تو کتاب اور عدل وانصاف کی حفاظت لوہے کے ذریعے سے ہوگی یعنی لوہے سے بنائے گئے آلاتِ قتال کے ذریعے سے۔

آیت کے اگلے حصے میں فرمایا گیا کہ ولیعلم اللہ من ینصرہ تاکہ اللہ رب العزت جان لے کہ کون اس کے دین کی نصرت کرتا ہے یعنی لوہے کے بنے ہوئے آلاتِ جہاد مثلاً تلوار، نیزے اور دیگر آلات کے ذریعے سے کون اللہ کے دین کی نصرت کرتا ہے اور ان آلات کو اللہ کے دین کے دشمنوں کے خلاف استعمال کرتا ہے ان اللہ قوی عزیز بے شک اللہ رب العزت طاقت والا غالب ہے وہ خود اپنے دشمنوں کو ہلاک کرنے کی طاقت رکھتا ہے مگر اس نے جہاد کا حکم دیا تاکہ مسلمان اس حکم کو پورا کر کے بے شمار دنیوی اور اخروی فوائد حاصل کرسکیں۔

انبیاء سابقین میں سے حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اللہ رب العزت نے خصوصی فضل فرمایا اور لوہے کو ان کے لئے نرم فرمادیا جس سے وہ دیگر سامان کے ساتھ ساتھ اسلحہ اور جنگ کا دفاعی سامان بنایا کرتے تھے۔

قرآن مجید میں ارشاد گرامی ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۙ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۙ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (سورۃ سبا ۱۰-۱۱)

ترجمہ: اور ہم نے داؤد علیہ السلام کو اپنی طرف سے برتری بخشی تھی۔ اے پہاڑ ان کے ساتھ تسبیح کرو اور پرندوں کو (ان کا مسخر کردیا) اور ان کے لئے ہم نے لوہے کو نرم کر دیا کہ کشادہ زرہیں بناؤ اور کڑیوں کو اندازے سے جوڑو اور نیک عمل کرو۔ جو عمل تم کرتے ہو میں ان کو دیکھنے والا ہوں۔

اسی طرح تفسیر قرطبی میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب جنت سے زمین پر اترے تو ان کے پاس لوہے کے پانچ اوزار تھے۔ السندان (نہائی)، الکلبتان (لوہار کا زنبور)، والمیقعہ، والمطرقہ (ہتھوڑا) والابرۃ (سوئی)۔ (قرطبی ج ۱۷ ص ۲۶۱)

اسی طرح اللہ رب العزت نے حضرت داؤد علیہ السلام پر اپنی اس نعمت کا تذکرہ فرمایا کہ ہم نے ان کو جہاد کے لئے اسلحہ بنانے کا فن سکھایا تھا۔

ارشاد ربانی ہے:

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ (الانبیاء ۸۰)

ترجمہ: اور ہم نے تمہارے لئے ان (یعنی حضرت داؤد علیہ السلام) کو ایک (طرح کا) لباس بنانا بھی سکھا دیا تاکہ تم کو لڑائی (کے نقصان) سے بچائے پس تم کو شکر گذار ہونا چاہئے۔

اسی طرح لوہے اور آگ کو دشمن کے خلاف استعمال کرنے کا تذکرہ قرآن مجید میں حضرت ذوالقرنین کے قصے میں بھی ہے۔

قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ○ قَالَ مَا مَكَّنِّىْ فِيْهِ رَبِّىْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِىْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ○ اٰتُوْنِىْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا قَالَ اٰتُوْنِىْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ○ فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ○ (سورۃ الکہف ۹۴ تا ۹۷)

ترجمہ: ان لوگوں نے کہا کہ اے ذوالقرنین! یاجوج ماجوج زمین میں فساد کرتے رہتے ہیں تو کیا ہم لوگ آپ کے لئے کچھ چندہ جمع کردیں اس شرط پر کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار کھینچ دیں۔ ذوالقرنین نے جواب دیا کہ جس مال میں میرے رب نے مجھ کو اختیار دیا ہے وہ بہت کچھ ہے (ہاں) تم مجھے قوت (بازو) سے مدد دو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط آڑ بنا دوں گا۔ تم لوہے کے (بڑے بڑے) تختے لاؤ یہاں تک کہ جب اس نے (ان تختوں سے) پہاڑ کے درمیان کا (حصہ) برابر کر دیا اور کہا کہ (اب اسے) دھونکو یہاں تک کہ جب اس کو (دھونک دھونک کر) آگ کر دیا تو کہا کہ میرے پاس تانبا لاؤ کہ اس پر پگھلا کر ڈال دوں۔ پھر ان (یاجوج اور ماجوج) میں یہ قدرت نہ رہی کہ اس پر چڑھ سکیں اور نہ یہ طاقت رہی کہ اس میں نقب لگا سکیں۔

ان دلائل سے یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور اللہ رب العزت کے مقرب بندے جن

کے ایمان کی مضبوطی اور توکل کی طاقت کا اندازہ لگانا ہمارے لئے ممکن نہیں ہے لوہے کو دشمن کے خلاف موثر انداز میں استعمال فرماتے تھے اور خود اسلحہ بناتے اسے سیکھتے اور استعمال کرتے تھے۔ اس لئے اسلحہ نہ ہی ایمان کے منافی ہے اور نہ ہی ایمان والے اسلحہ سے خود کو مستغنی سمجھ سکتے ہیں اور نہ ہی اسلحے کے منافع اور ضروریات کا انکار کیا جاسکتا ہے۔

پھر سوچنے کی بات یہ ہے کہ اسلام کی عظمت اور سربلندی جہاد میں ہے اور جہاد بغیر آلات جہاد کے نہیں ہوتا تو جہاد کے بے شمار فضائل اور منافع کا حصول بغیر آلات جہاد کے ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ قوت کے حصول کے حکم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب عمل کیا اور کرایا اور آپ نے اس دور کے جدید اور موثر اسلحے کو سیکھنے کے لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے وفود روانہ فرمائے۔ ابن سعد اور ابن ہشام نے ذکر فرمایا کہ عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور غیلان بن سلمہ رضی اللہ عنہ طائف کے محاصرے میں شریک نہیں تھے کیونکہ یہ دونوں جرش نامی مقام پر منجنیق، دبابہ اور ضبور سیکھنے کے لئے گئے ہوئے تھے۔

منجنیق اور دبابہ اس زمانے کا سب سے بہترین اور موثر اسلحہ تھا جب کہ ضبور اس زمانے میں بلٹ پروف جیکٹ کے طور پر استعمال ہوتا تھا جسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم استعمال فرماتے اور اس کی آڑ لے کر دشمن کے تیروں سے بے خطر حملہ کرتے تھے اور بعض دوسری قسم کا محفوظ اسلحہ بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے استعمال فرمایا طائف کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منجنیق استعمال فرمائی ہے۔

ابن ہشام سیرت میں لکھتے ہیں کہ اسلام میں منجنیق استعمال فرمانے والی پہلی شخصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ بعض روایات میں خیبر کے موقع پر منجنیق کے استعمال کا ذکر آتا ہے۔

وَّمِنۡ رِّبَاطِ الۡخَيۡلِ

قوت کے بعد خاص طور پر گھوڑے باندھنے کا حکم دیا گیا۔

میدان جہاد میں گھوڑے کو ایک خاص اہمیت اور مقام حاصل ہے چنانچہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں مجاہد کے ہانپتے دوڑتے چنگاریاں نکالتے اور حملہ کرتے گھوڑوں کی قسم کھائی ہے۔

وَالۡعٰدِيٰتِ ضَبۡحًا ۙ فَالۡمُوۡرِيٰتِ قَدۡحًا ۙ فَالۡمُغِيۡرٰتِ صُبۡحًا ۙ فَاَثَرۡنَ بِهٖ نَقۡعًا ۙ فَوَسَطۡنَ بِهٖ جَمۡعًا ۙ

(سورۃ العادیات ۱ تا ۵)

ترجمہ: ان سرپٹ دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم جو ہانپ اٹھتے ہیں پھر (پتھروں پر نعل) مار کر آگ نکالتے ہیں پھر صبح کو چھاپہ مارتے ہیں پھر اس میں گرد اٹھاتے ہیں پھر اس وقت دشمن کی فوج میں جا گھستے ہیں۔

قرآن مجید نے یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ انبیاء سابقین نے جہادی قوت کے لئے گھوڑے کو استعمال فرمایا اور اس کی طرف خصوصی توجہ فرمائی خود حضرت سلیمان علیہ الصلوۃ والسلام نے جب جہاد کا ارادہ فرمایا تو گھوڑوں کو طلب فرمایا پھر ان گھوڑوں کو دوڑانے کا حکم دیا جب یہ گھوڑے دوڑ کر نظروں سے غائب ہوگئے تو انہیں واپس بلوایا جب ان

کو واپس لایا گیا تو محبت کے ساتھ ان گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرا۔ اس کی وجہ گھوڑوں کی ضرورت اور اہمیت اور میدان جہاد میں ان کی اعلیٰ کارگزاری تھی۔

اللہ رب العزت اس واقعے کو قرآن مجید میں یوں بیان فرماتے ہیں:

وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمٰنَ ۚ نِعْمَ الْعَبْدُ ۚ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۝ فَقَالَ اِنِّيْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۝ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۖ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ۝ (سورۃ ص ۳۰-۳۳)

ترجمہ: اور ہم نے داؤد علیہ السلام کو سلیمان علیہ السلام عطاء کئے۔ بہت خوب بندے (تھے) اور وہ (اللہ تعالیٰ کی طرف) رجوع کرنے والے تھے جب ان کے سامنے شام کو اصیل (اور) عمدہ گھوڑے پیش کئے گئے تو کہنے لگے میں نے اپنے پروردگار کی یاد سے (غافل ہوکر) مال کی محبت اختیار کی۔ یہاں تک کہ (آفتاب) پردے میں چھپ گیا (بولے کہ) ان کو میرے پاس واپس لاؤ۔ پھر ان کی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے کو باندھنے اور اس کے پالنے کے عجیب وغریب فضائل بیان فرمائے ہیں۔ بخاری شریف کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑے کی پیشانی میں خیر کو قیامت تک کے لئے رکھ دیا گیا ہے مراد اس سے اجر یا غنیمت ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

کہ جس نے ایمان واحتساب کے ساتھ جہاد کے لئے گھوڑا باندھا تو اس کا کھانا پینا لید اور پیشاب قیامت کے دن میزان اعمال میں ہوں گے۔

بعض احادیث میں جہاد کے لئے گھوڑے پر خرچ کرنے کو صدقے کی طرح قرار دیا گیا ہے۔

اسلام کی ابتدائی جنگوں میں تو مسلمان پیادہ جہاد کرتے رہے انہیں گھوڑے کی سہولت حاصل نہیں تھی۔ احد کی لڑائی میں مسلمانوں کے پاس دو گھوڑے تھے بنی قریظہ کے محاصرے کے وقت مسلمانوں کے پاس کل چھ گھوڑے تھے جب مسلمانوں کو بنی قریظہ سے کافی مقدار میں غنیمت ملی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قیدی اور دیگر سامان نجد کی طرف بھیجا جہاں مسلمانوں نے ان کے بدلے گھوڑے اور اسلحہ خریدا چنانچہ غزوہ خیبر میں مسلمانوں کے پاس دو سو گھوڑے تھے اسی طرح مسلمان جنگی سامان خصوصاً گھوڑوں میں ترقی کرتے رہے یہاں تک کہ تبوک کے موقع پر اسلامی لشکر کی تعداد تیس ہزار تھی جن میں دس ہزار گھڑسوار تھے۔

اسلامی لشکر اور اس کے ساز وسامان میں یہ حیرت انگیز ترقی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سلسلے میں بنفس نفیس خصوصی توجہ اور اہتمام کی وجہ سے تھی۔

بخاری شریف میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ بنی نضیر کے اموال مال فئے میں سے تھے یعنی مسلمانوں نے بغیر جنگ کے حاصل کئے تھے اس وجہ سے یہ اموال خالص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے

تھے آپ نے ان اموال میں سے اپنے اہل وعیال کا نفقہ پورا فرمایا اور جو اس میں سے بچ گیا تو اس سے جہاد فی سبیل اللہ کے لئے اسلحہ اور گھوڑے خریدے۔

تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ

اسلحے اور قوت بنانے کا مقصد کافروں پر رعب ڈالنا ہے تاکہ وہ مرعوب رہیں اور مسلمانوں کے خلاف فتنے برپا نہ کرسکیں۔ آیت کریمہ کے اس حصے سے یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو ہر وقت ایسا اسلحہ اور اتنی قوت بنا کر رکھنی چاہیے جس سے کافر مرعوب اور خوفزدہ رہیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مروجہ اسلحہ تیر، تلوار، منجنیق، گھوڑے وغیرہ تھے جن کی کثرت اور جودت سے دشمن دب جاتے تھے مگر اس زمانے میں جدید اسلحہ ایجاد ہو چکا ہے اور جب تک کسی قوم کے پاس یہ جدید ہتھیار نہ ہوں دوسری اقوام اس کا استحصال کرتی رہتی ہیں خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اتنی قوت پیدا کریں جس سے ان کے دشمن دب جائیں اور مسلمان چین اور اطمینان کے ساتھ ایمان وسلامتی کی زندگی گزار سکیں اور اگر مسلمان اس میدان میں کوتاہی کریں گے تو یقیناً ان کا دشمن ان پر غالب آجائے گا اور مسلمانوں کی جان اور ان کا ایمان ہمیشہ کے لئے خطرہ میں رہے گا۔

چنانچہ جس دور میں مسلمانوں نے ان قرآنی آفاقی تعلیمات کو اپنایا اس دور میں انہوں نے پوری دنیا پر حکمرانی کی اور بحر وبر پر اسلامی جھنڈے لہرائے۔ اسلحے کے سلسلے میں مسلمانوں کی ترقی نے اس دور کے کفار کی کمر توڑ کر رکھ دی، سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے دور میں مسلمانوں نے دستی بموں اور آگ کے شعلوں سے دشمن کے عزائم خاک میں ملائے اسی طرح اندلس کی لڑائیوں میں مسلمانوں نے سب سے پہلے بارود بنایا اور بڑی توپیں استعمال کیں۔

مگر آج مسلمان اسی میدان میں کفار سے پیچھے رہ گئے ہیں اور ان کے ایجاد کردہ اسلحے کو کافروں نے ترقی کے مختلف ادوار سے گزار کر وہ قوت حاصل کر لی ہے کہ جب چاہتے ہیں مسلمانوں کو رسوا کرتے ہیں اور خون مسلم کی ہولی کھیلتے ہیں۔

ہائے کاش مسلمان اب بھی بیدار ہوں اور ان قرآنی تعلیمات کو اپنا کر آگ اور لوہے کی ربانی نعمتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے قوت پیدا کریں جس سے ان کا دشمن مرعوب ومرھوب ہو جائے اور مسلمانوں کی عظمت رفتہ بحال ہو۔

اس دور میں بھی اگر اسلام نے کفر کو شکست دی ہے تو صرف اور صرف جہاد کے ذریعے سے دی ہے۔ آج افغانستان کی فتح مبین اسی جہاد کا نتیجہ ہے۔ سوویت یونین کی تباہی وبربادی مسلمانوں کے میدان جہاد میں قربانیوں کا ثمرہ ہے اس لئے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دین کے اس شعبے کو دوبارہ زندہ کریں اور اسلام کی عظمت اور اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر اسلحہ بنائیں، سیکھیں، جمع کریں اور پھر اسے کفر کے خلاف حکمت وجرأت کے ساتھ استعمال کریں۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ

اور اگر وہ صلح کیلئے مائل ہوں تو تم بھی مائل ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو بے شک وہی

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۱﴾

سننے والا جاننے والا ہے

خلاصہ

اگر کفار صلح کے لئے جھکیں اور پیشکش کریں تو اسے قبول کر کے صلح کرنے کی اجازت ہے۔ اور آپ اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھیں اگر وہ صلح کے لبادے میں دھوکہ دینا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے نمٹ لے گا۔ اس سے کسی کا ظاہر و باطن مخفی نہیں وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

ربط

❶ اوپر اِرْہابُ کفار (یعنی کافروں کو دہشت زدہ کرنے) کا بیان تھا اس ارھاب کے بعد احیانا (یعنی کبھی کبھی) کفار کی طرف سے صلح کی درخواست ہوسکتی ہے اس لئے آگے وَاِنْ جَنَحُوْا میں اس کا حکم بیان فرماتے ہیں اور چونکہ صلح میں بعض اوقات احتمال ہوتا ہے کہ شاید کفار نے فریب کیا ہو اس کے متعلق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وان یریدوا میں وعدہ حفاظت اور تاکید وغیرہ کے لئے اپنے نعم سابقہ کی یاد دہانی کراتے ہیں۔ (بیان القرآن)

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

واعلم انه لما بين ما يرهب به العدو من القوة والا ستظهار، بين بعده انهم عند الارهاب اذا جنحوا اى مالوا الى الصلح......الخ۔ (تفسیر کبیر)

یعنی پچھلی آیت میں ایسی قوت اور طاقت بنانے کا حکم تھا جس سے دشمن مرعوب اور دہشت زدہ ہو جائے اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ اس رعب کی وجہ سے اگر وہ صلح کی طرف مائل ہو جائے تو صلح قبول کر لی جائے۔ (تفسیر کبیر)

صلح کی پیشکش قبول کرنا ضروری نہیں

صاحب انوار البیان لکھتے ہیں:

اس سے پہلی آیات میں جہاد کے لئے سامان تیار کرنے کا حکم تھا اور نقض عہد کے سلسلہ میں بعض ہدایات دی

تھیں۔ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ دشمن اگر صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی جھک جائیں یہ امر وجوبی نہیں موقع مصلحت سے متعلق ہے۔ اگر اس میں دارالاسلام اور اہل اسلام کی مصلحت ہو تو صلح کی جاسکتی ہے۔ جنگ کرنا مقاصد میں سے نہیں ہے صلح سے کام چلتا ہو تو صلح کرلیں اس میں یہ بھی داخل ہے کہ ان سے جزیہ لینا قبول کرلیں۔

بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ لفظ وَاِنْ جَنَحُوْا میں اس طرف اشارہ ہے کہ مسلمان خود سے صلح کی پیشکش نہ کریں اور وہ لوگ پیشکش کریں تو صلح کرلیں۔

وَاِنْ جَنَحُوْا سے بعض اکابر نے جو یہ استنباط کیا ہے کہ اپنی طرف سے صلح کی پیشکش نہ ہو اس کی تائید سورۂ محمد کی آیت فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ سے بھی ہوتی ہے ہاں اگر کوئی بہت ہی ایسی مجبوری ہو جائے کہ مسلمان کسی جگہ نرغے میں آجائیں اور صلح کے بغیر کوئی صورت چھٹکارے کی نہ ہو تو اپنی طرف سے بھی صلح کی پیشکش کی گنجائش ہے، رہی یہ بات کہ ہوسکتا ہے کہ کافر صلح کرکے بدعہدی کردیں اور حملہ آور ہوجائیں اس کے لئے فرمایا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (اور آپ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں وہ بلاشبہ سننے والا جاننے والا ہے) اگر صلح میں مصلحت دیکھیں تو آپ صلح کریں ایسے احتمالات کو بنیاد بناکر صلح کی پیش کش کو نہ ٹھکرائیں۔ (انوارالبیان)

صاحب تفسیر ماجدی لکھتے ہیں:

فَاجْنَحْ لَهَا یہ حکم نہیں صرف اجازت ہے یعنی آپ اگر مصلحت صلح ہی میں دیکھیں تو کرسکتے ہیں یہ آپ کے اختیار تمیزی پر ہے۔

ان الامر فی من تقبل منهم الجزية علی مایریٰ فیها الامام صلاح الاسلام واهله من حرب اوسلم ولیس بحتم ان یقاتلوا ابدا اویجابو الی الهدنة ابدا. (روح) وعقد الصلح لیس بلازم للمسلمین وانما جائز باتفاقهم اجمعین. (ابن العربی)

تفسیر احکام القرآن کا مطالعہ کریں

یہ آیت منسوخ ہے یا محکم؟ سورۃ انفال اور سورۃ براۃ کے زمانہ نزول کے فرق سے اس آیت کے حکم پر کیا اثر پڑتا ہے؟ صلح کا پیغام کب قبول کرنا چاہیے اور کب نہیں؟ امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ نے احکام القرآن میں تفصیل سے یہ سارے احکامات بیان فرمادیئے ہیں وہاں مطالعہ فرمالیں۔

کلام برکت

یعنی اگر (وہ کافر صلح کرتے وقت) دل میں دغا رکھیں گے۔ (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکا دینا چاہیں گے تو) اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے (وہ ان کو) اس کی سزا دے گا۔ (موضح القرآن)

دس سال سے زائد جنگ بندی کا معاہدہ

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

امام قتادہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ اور قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ جیسی آیات سے اور بعض مفسرین کے نزدیک یہ منسوخ نہیں ہے بلکہ جب صلح میں مسلمانوں کے لئے فائدہ ہو تو صلح قبول کرنے کی اجازت ہے۔ عام حالات میں اگر مسلمانوں کا امیر صلح میں مسلمانوں کی مصلحت دیکھے تو ایک سال سے کم کی صلح اور اگر مشرکین کی طاقت زیادہ ہو تو دس سال کی صلح جائز ہے اور دس سال سے زیادہ جائز نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ سے دس سال جنگ بندی کا معاہدہ فرمایا تھا مگر انہوں نے مدت پوری ہونے سے پہلے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کر لی۔

ولا يجوز الزيادہ عليها اقتداء برسول الله صلى الله عليه وسلم، فانه هادن اهل مكة عشر سنين ثم انهم نقضوا العهد قبل كمال المدة. (التفسير الكبير)

تقریرِ عثمانیؒ

مسلمانوں کی تیاری اور مجاہدانہ قربانیوں کو دیکھ کر بہت ممکن ہے کہ کفار مرعوب ہو کر صلح و آشتی کے خواستگار ہوں تو آپ کو ارشاد ہے کہ حسب صوابدید آپ بھی صلح کا ہاتھ بڑھا دیں کیونکہ جہاد سے خونریزی نہیں اعلائے کلمۃ اللہ اور دفع فتنہ مقصود ہے اگر بدون خونریزی کے یہ مقصد حاصل ہو سکے تو خواہی نخواہی خون بہانے کی کیا حاجت ہے۔ پھر یہ احتمال ہو کہ کفار شاید صلح کے پردہ میں ہم کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں تو کچھ پروانہ کیجئے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیے وہ ان کی نیتوں کو جانتا اور ان کے اندرونی مشوروں کو سنتا ہے اس کی حمایت کے سامنے ان کی بدنیتی نہ چل سکے گی آپ اپنی نیت صاف رکھئے۔ (تفسیر عثمانی)

فائدہ

مسلمان جب اللہ تعالیٰ کا حکم پورا کر کے جہاد کی بھرپور تیاری کرتے تھے اور اپنے گھوڑوں کا رخ دشمنان اسلام کی طرف رکھتے تھے تو انہیں ہر طرف سے ”صلح“ کے پیغامات ملتے تھے اور بڑے بڑے طاقتور ملک اور قبیلے ان کے سامنے جھک کر صلح کی پیشکش کرتے تھے۔ اب بھی یہ سب کچھ ہو سکتا ہے بشرطیکہ مسلمان جہاد کے لئے ہر وقت تیار ہوں اور جہاد کی خوب تیاری رکھیں۔

اللهم انصر واهد امة محمد صلى الله عليه وسلم ۔ (آمين يارب العالمين)

☆☆☆

سُورَةُ الأَنفَال مَدَنِيَّة آیت ۶۲، ۶۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَإِن يُرِيدُوٓا أَن يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ ٱللَّهُ ۚ هُوَ ٱلَّذِىٓ

اور اگر وہ چاہیں کہ تمہیں دھوکا دیں تو تجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے جس نے تمہیں

أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِۦ وَبِٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿۶۲﴾ وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۚ لَوْ

اپنی مدد سے اور مسلمانوں سے قوت بخشی۔ اور ان کے دلوں میں الفت ڈال دی

أَنفَقْتَ مَا فِى ٱلْأَرْضِ جَمِيعًا مَّآ أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ

جو کچھ زمین میں ہے اگر سارا تو خرچ کردیتا ان کے دلوں میں الفت نہ ڈال سکتا

وَلَـٰكِنَّ ٱللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّهُۥ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۶۳﴾

لیکن اللہ تعالیٰ نے ان میں الفت ڈالی دی بے شک اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے

خلاصہ

اگر صلح کا پیغام بھیجنے والے کفار اس صلح کی آڑ میں آپ کو دھوکہ دینا چاہیں تو آپ اس کی پرواہ نہ کیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہے اور اس کی مدد آپ کے لئے بہت کافی ہے۔ اس نے آپ کو اپنی غیبی نصرت کے ذریعہ قوت دی ہے۔ اور ظاہری نصرت کے طور پر ایمان والوں کے ذریعے آپ کو طاقت عطاء فرمائی ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نصرت اور قوت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ اس نے ایمان والوں کے دل جوڑ دیئے حالانکہ یہ کام دنیا بھر کے خزانے خرچ کر کے بھی کوئی نہیں کر سکتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے یہ کام کر دیا بے شک وہ غالب ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور حکیم ہے کہ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ (جیسے اس نے دلوں کے حالات اپنی قدرت اور حکمت سے بدل دیئے ایسے ہی وہ دنیا کے حالات بھی بدل دے گا اور آپ کو دھوکہ دینے کا ارادہ رکھنے والے ناکام ہو جائیں گے)

غزوہ بدر کی یاد دہانی

هُوَ الَّذِيٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ (اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے اپنی مدد کے ذریعہ آپ کی تائید فرمائی اور آپ کو قوت دی) اس میں خصوصی اشارہ غزوہ بدر کی طرف ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

أي قواك بنصره يريد يوم بدر. (القرطبي)

یعنی آپ کو اپنی مدد سے قوت دی مراد اس سے بدر کا دن ہے۔

صاحبِ تفسیر عثمانی لکھتے ہیں:

اگر صلح کر کے وہ لوگ دغابازی اور عہد شکنی کا ارادہ کریں تو فکر نہ کیجئے خدا آپ کی مدد کے لئے کافی ہے ان کے سب فریب خدا بے کار کر دے گا اسی نے بدر میں آپ کی غیبی امداد فرمائی اور ظاہری طور پر جاں نثار و سرفروش مسلمانوں سے آپ کی تائید کی۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی صلح کا قانون بیان فرماتے ہوئے بھی غزوہ بدر کی مدد یاد دلائی گئی کہ آپ ان کی طرف سے دھوکے کی فکر نہ کیجئے غزوہ بدر کی عظیم الشان فتح اور نصرت عطاء فرمانے والا رب آپ کے ساتھ ہے۔

بعض مفسرین کے نزدیک اس سے اللہ تعالیٰ کی ہر وہ مدد مراد ہے جو اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطاء فرمائی امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قال المفسرون: یرید قواک واعانک بنصره یوم بدر، واقول هذا التقیید خطاء لان امر النبی علیه السلام من اول حیاته الی آخر وفاته ساعة فساعة کان امراً الهیاً وتدبیراً علویاً. وما کان لکسب الخلق فیه مدخل۔ (تفسیر کبیر)

بہر حال دونوں باتوں کو جمع کیا جا سکتا ہے کہ آیت میں ہر طرح کی نصرت اور مدد کا ذکر ہو اور بطور مثال خصوصی اشارہ غزوہ بدر کی طرف ہو۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اور مسلمانوں کے ذریعہ قوت دی

ارشاد فرمایا وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قوت عطاء فرمائی ایمان والوں کے ذریعے ان ایمان والوں سے مراد حضرات مہاجرین و انصار ہیں علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

من المهاجرین والانصار علی ما هوا لمتبادر۔ (روح المعانی)

جبکہ کئی مفسرین حضرات کے نزدیک آیت میں خاص طور پر "حضرات انصار" مراد ہیں۔

قال النعمان بن بشیر رضی الله عنه نزلت فی الانصار۔ (القرطبی)

وعن ابی جعفر والنعمان بن بشیر وابن عباس والسدی رحمه الله انهم الانصار رضی الله عنهم۔ (روح المعانی)

ایک سوال کا جواب

جب یہ بات یقینی ہے کہ نصرت اور مدد صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے تو پھر وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ مسلمانوں کی نصرت کا کیا معنیٰ ہے؟ امام رازی رحمہ اللہ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

التایید لیس الامن الله لکنه علی قسمین.

تائید اور مدد بے شک صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے مگر اس کی دو قسمیں ہیں:

❶ وہ مدد جو کسی واسطے یا ظاہری اسباب کے بغیر ہوتی ہے۔

❷ وہ مدد جو ظاہری اسباب کے واسطے سے ہوتی ہے۔

پس آیت کے پہلے حصے هُوَ الَّذِیٓ اَیَّدَکَ بِنَصْرِهٖ میں پہلی قسم کی مدد مراد ہے اور وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ میں دوسری قسم کی مدد مراد ہے۔ (التفسیر الکبیر)

اس سوال کا ایک سادہ سا جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جہاد ایک اجتماعی عمل ہے جس میں افراد اور مجاہدین کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور مسلمان ایک ''امت'' اور ایک ''جماعت'' ہیں اس لئے خاص طور پر مؤمنین کا ذکر کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایمان والوں کی ایک مضبوط جماعت عطاء فرمادی ہے اب اس امت کو آگے بڑھنے سے کسی کی طاقت کسی کا دھوکہ اور فریب نہیں روک سکتا۔ صاحب تفسیر حقانی نے اس پوری آیت کو مستقبل کی فتوحات کی بشارت اور خوشخبری قرار دیا ہے اس سے یہی اشارہ ملتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

دلوں میں الفت بہت بڑی نعمت

ارشاد فرمایا وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے دل جوڑ دیے۔ یعنی ان کے قلوب میں ایسی محبت، الفت، اتحاد اور ایک دوسرے کے لئے ایثار پیدا فرمادیا کہ وہ سب ایک جسم اور ایک جان بن گئے۔

اب ایسے مضبوط جانثاروں کی موجودگی میں کسی کا دھوکہ اور فریب آپ کو کیا نقصان دے سکتا ہے۔ دلوں میں اس عجیب جوڑ اور الفت کا پیدا ہونا اللہ تعالیٰ کا خاص انعام تھا اس جوڑ کی وجہ سے ہر فرد میں پوری جماعت کی طاقت آجاتی ہے اور جماعت کا کوئی فرد بھی اکیلا نہیں رہتا۔ یوں اگر سو آدمی ہوں اور ان کے قلوب میں سچی الفت اور جوڑ ہو تو ہر آدمی میں سو افراد کی طاقت ہوتی ہے اور سو افراد کی یہ جماعت دس ہزار افراد سے زیادہ طاقت رکھتی ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جن لوگوں کے درمیان بھیجا گیا تھا وہ تو باہمی نفرت، بغض اور خود غرضی میں ایک دوسرے سے بڑھ کر تھے۔ ان کی آپس میں شدید دشمنیاں تھیں اور پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک اللہ وحدہ لاشریک لہ کی طرف بلایا تو سب مل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض اور دشمنی کرنے لگے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص اور غالب قدرت کے ذریعہ ان کے دلوں کو جوڑ دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جوڑ، الفت اور اتحاد کا مرکز بنادیا اور پھر اس محبت کو اپنا مقدس نام عطاء فرمادیا کہ یہ الحب فی اللہ بن گئی۔

جب یہ محبت اللہ تعالیٰ کے لئے ہوگئی تو پھر اس کے ٹوٹنے یا ختم ہونے کا امکان ہی نہ رہا اور ان سب حضرات کی زندگیوں کا مقصد ایک ہوگیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم قیادت میں ایسی جماعت کا وجود میں آنا اسلام کے غلبے کی بشارت تھی اور کچھ ہی عرصہ میں یہ بشارت پوری ہوگئی۔ حضرات مفسرین نے اس خصوصی الفت اور محبت پر جو صحابہ کرام کے قلوب میں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی تھی عجیب وجد آفرین نکتے لکھے ہیں خصوصی طور پر امام رازی رحمہ اللہ نے محبت کی حقیقت اور اس کے مضبوط اور کمزور ہونے کے اسباب پر خصوصی بحث کی ہے یہ بحث تفسیر کبیر میں ملاحظہ

فرمالیں۔ یہاں چند ضروری عبارتوں پر اکتفا کیا جاتا ہے:

❶ دلوں کی حالت بالکل بدل گئی

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعث الی قوم انفتهم شدید……الخ

یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی قوم کی طرف بھیجے گئے تھے جن کی غیرت سخت اور قومی حمیت بہت زیادہ تھی یہاں تک کہ اگر کسی آدمی کو تھپڑ مار دیا جاتا تو اس کے قبیلے کے افراد اس تھپڑ کا پورا انتقام لینے تک جنگ کرتے رہتے تھے پھر ان کی یہ حالت بدل گئی حتی کہ (اسلام کی خاطر) ان میں سے بعض نے اپنے بھائی، والد اور بیٹے سے قتال کیا۔ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر متحد ہو گئے اور، دین اسلام کے انصار و مددگار بن گئے۔ ایک قول یہ ہے کہ آیت اوس و خزرج کے متعلق نازل ہوئی ہے کیونکہ ان کی آپس میں شدید دشمنی اور دائمی لڑائی تھی پھر ان کے دلوں کا بغض دور ہو گیا اور باہمی الفت اور محبت نصیب ہو گئی۔ پس دلوں سے ایسی سخت دشمنی کا مٹا دینا اور اس کی جگہ مضبوط محبت اور کامل اخلاص کا پیدا کر دینا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لئے ممکن نہیں تھا۔ (التفسیر الکبیر)

❷ ایک سو بیس سالہ دشمنی ختم

امام نسفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ قلوب الأوس والخزرج بعد تعاديهم مائة وعشرين سنة۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو جوڑ دیا مراد قبیلہ اوس اور قبیلہ خزرج ہیں کہ ان کے دلوں کو جوڑ دیا جبکہ وہ ایک سو بیس سال سے ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ (المدارک)

❸ روئے زمین کے خزانے خرچ کرنے سے بھی یہ کام نہ ہوتا

''اسلام سے پہلے عرب میں جدال وقتال اور نفاق وشقاق کا بازار گرم تھا۔ ادنی ادنی باتوں پر قبائل آپس میں ٹکراتے رہتے تھے۔ دو جماعتوں میں جب لڑائی شروع ہو جاتی تو صدیوں تک اس کی آگ ٹھنڈی نہ ہوتی تھی، مدینہ کے دو زبردست قبیلوں ''اوس'' و ''خزرج'' کی حریفانہ نبرد آزمائی اور دیرینہ عداوت اور بغض کا سلسلہ کسی طرح ختم نہ ہوتا تھا۔

ایک دوسرے کے خون کا پیاسا اور عزت و آبرو کا بھوکا تھا۔ ان حالات میں آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توحید و معرفت اور اتحاد و اخوت کا عالمگیر پیغام لے کر مبعوث ہوئے، لوگوں نے انہیں بھی ایک فریق ٹھہرالیا اور سب نے مل کر خلاف وشقاق کا رخ ادھر پھیر دیا۔ پرانے کینے اور عداوتیں چھوڑ کر ہر قسم کی دشمنی کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات کو مطمح نظر بنالیا۔ وہ آپ کی پند و نصیحت سے گھبراتے تھے اور آپ کے سایہ سے بھاگتے تھے۔ دنیا کی کوئی طاقت نہ تھی جو درندوں کی بھیڑ اور بہائم کے گلہ میں معرفتِ الٰہی اور حُبِ نبوی کی روح پھونک کر

اور شراب توحید کا متوالا بنا کر سب کو ایک دم اخوت والفت کی باہمی زنجیر میں جکڑ دیتی اور اس مقدس ہستی کا درم ناخریدہ غلام اور عاشق جاں نثار بنا دیتی جس سے زیادہ چند روز پہلے ان کے نزدیک کوئی مبغوض ہستی نہ تھی۔ بلاشبہ روئے زمین کے خزانے خرچ کر کے بھی یہ مقصد حاصل نہ کیا جا سکتا تھا جو اللہ تعالیٰ کی رحمت واعانت سے ایسی سہولت کے ساتھ حاصل ہوگیا۔ خدا نے حقیقی بھائیوں سے زیادہ ایک کی الفت دوسرے کے دل میں ڈال دی، اور پھر سب کی الفتوں کا اجتماعی مرکز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات منبع البرکات کو بنا دیا۔ قلوب کو ایسا دفعۃً پلٹ دینا خدا کے زور قدرت کا کرشمہ ہے اور ایسی شدید ضرورت کے وقت سب کو محبت والفت کے ایک نقطہ پر جمع کر دینا اس کے کمال حکمت کی دلیل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

نکتہ

امام رازی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ محبت کا سبب اگر دنیوی مقاصد کا حصول ہو تو یہ محبت کمزور اور جلد ختم ہونے والی ہوتی ہے اور اگر محبت کا سبب اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول اور ہمیشہ کی نعمتیں حاصل کرنا ہو تو یہ محبت مضبوط اور قائم رہنے والی ہوتی ہے عربوں کی آپس میں خاندانی محبتیں دنیاوی جاہ ومال اور مقاصد کے لئے تھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف اور آخرت کی طرف بلایا جب ان مضبوط بنیادوں پر ان کی محبت قائم ہوئی تو وہ مضبوط اور مثالی اور حقیقی محبت تھی تفسیر عثمانی کی مذکورہ بالا عبارت میں اسی نکتے کو بہت سلیقے اور بلاغت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور اس میں یہ خاص اشارہ سمجھا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کی جماعت کس طرح کی محبت پر قائم ہونی چاہیے۔ اور دین کی خاطر جہاد کرنے والوں میں کیسی بے غرض "الحب فی اللہ" ہونی چاہیے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

❹ غلبے کی بشارت

اسی طرح ملک عرب میں علاوہ بت پرستی وزنا کاری کے باہمی عداوت اور خانہ جنگی کا بھی کچھ حساب نہ تھا جہاں کسی نے ایک قبیلہ کے لڑکے کو ایک طمانچہ مار دیا دوسرا قبیلہ ان پر چڑھ آیا پھر یہ آتش جنگ قرنوں تک فرو (یعنی ختم) نہ ہوتی تھی، مدینہ کے رہنے والوں اوس اور خزرج دو قبیلوں میں صدیوں سے عداوت اور کشت وخوں تھا پس جونہی مکہ میں اس آفتاب ہدایت نے طلوع کیا جس طرح تمام عالم کو منور کیا اسی طرح تمام عرب میں محبت اور الفت پیدا کر دی اگر یہ ایک ایسا معجزہ نہیں جو تمام معجزات انبیاء سلف کا عطر ہے تو کیا ہے؟ اور عَزِيزٌ حَكِيمٌ میں اس مصلحت کی طرف اشارہ ہے کہ جس سے روم وایران پر غلبہ دیا گیا اور آسمانی سلطنت کا جھنڈا قائم کیا گیا۔ (تفسیر حقانی)

❺ کلام برکت

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

عرب کی قوم میں آگے (یعنی پہلے) ہمیشہ بیر (یعنی دشمنی) رکھتے تھے اور ایک دوسرے کے خون کا پیاسا (تھا) پھر حضرت کے سبب سب متفق اور دوست ہوگئے۔

ان پانچ عبارات سے آیت کی تفسیر کے کئی پہلو واضح ہو گئے۔ بعض مفسرین حضرات کا فرمانا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں ہے جو آپس میں اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت کرتے ہیں۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ سند کے ساتھ اس آیت کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل فرماتے ہیں:

قال هم المتحابون فی اللہ وفی روایة نزلت فی المتحابین فی اللہ۔ فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی خاطر آپس میں محبت رکھتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو اللہ تعالیٰ کی خاطر آپس میں محبت رکھتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

اس مقام پر علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ان روایات کو بھی ذکر کیا ہے جن میں آپس میں محبت رکھنے والے مسلمانوں کے مصافحے کا ذکر ہے کہ جب وہ مصافحہ کرتے ہیں تو ان کی بخشش ہو جاتی ہے اور ان کے گناہ سوکھے درخت کے پتوں کی طرح جھڑ جاتے ہیں۔ ان تمام روایات کے لئے ملاحظہ فرمائیں اس آیت کے ذیل میں تفسیر ابن کثیر۔

فائدہ

حضرت تھانوی رحمہ اللہ بیان القرآن میں لکھتے ہیں۔

”ظاہر ہے کہ اگر باہم اتفاق نہ ہو تو کوئی کام خصوص (یعنی خصوصاً) دین کی نصرت مل کر نہیں کرسکتے“ (بیان القرآن)

دین کی نصرت میں سب سے اہم جہاد کا عمل ہے اور یہ آیت جہاد ہی کے بیان کے دوران آئی ہے پس اس سے یہ بات اچھی طرح سے سمجھی جاسکتی ہے کہ مجاہدین کے درمیان باہمی الفت و محبت کا ہونا کتنا ضروری ہے؟ مجاہدین کو اپنے قبیلے، زبانیں اور خاندان بھلا کر اپنی جماعت کو ایک خاندان سمجھنا ہوگا اور باہمی الفت و محبت کی حفاظت کے لئے ہر طرح کی قربانی دینی ہوگی تب جا کر وہ اس قابل بنیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے سپاہی اور اللہ تعالیٰ کے لشکر کے مجاہد بن سکیں۔ اتفاق و الفت جس قدر زیادہ ہوگی اسی قدر ان کی قوت میں اضافہ ہوگا اور ان میں سے چند افراد پورے لشکر یا کافروں کے کسی پورے ملک کا مقابلہ کرنے کے لئے کافی ہوں گے۔

باہمی الفت اور محبت تب پیدا ہوگی جب دل سے دنیا کی محبت اور اغراض نکل جائیں گی۔ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں گے۔ سب دنیا کی بجائے آخرت کو اپنا مقصود بنائیں گے اور اپنے امیر کی فرمانبرداری کریں گے...... مجاہدین کے لئے باہمی الفت بے حد ضروری ہے اور یہ آیت بتا رہی ہے کہ اَللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ہی یہ الفت پیدا فرما سکتا ہے پس سب مجاہدین کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس نعمت کا سوال کریں کیونکہ اس میں کامیابی بھی ہے اور سکون بھی۔

اللھم الف بین قلوبنا واصلح ذات بیننا بحق لو انفقت مافی الارض جمیعاً ما الفت بین قلوبھم ولکن اللہ الف بینھم انه عزیز حکیم۔ آمین یا عزیز یا حکیم۔

☆☆☆

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾

اے نبی! تجھے اور مومنوں کو جو تیرے تابعدار ہیں اللہ تعالیٰ کافی ہے

خلاصہ

آپ ﷺ کی مدد کیلئے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور آپ کی پیروی کرنے والے مسلمانوں کی مدد کیلئے بھی اللہ تعالیٰ کافی ہے۔

آسان تفسیر

’’اس کے دو معنیٰ ہو سکتے ہیں۔ اکثر سلف کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ اے پیغمبر! خدا تجھ کو اور تیرے ساتھیوں کو کافی ہے۔ یعنی قلت عدد اور بے سروسامانی وغیرہ سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ اور بعض علماء نے یہ معنیٰ لئے ہیں کہ اے پیغمبر! تجھ کو فی الحقیقت اکیلا خدا کافی ہے اور ظاہر اسباب کے اعتبار سے مخلص مسلمانوں کی جماعت خواہ کتنی ہی تھوڑی ہو کافی ہے۔ پہلے جو فرمایا اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ گویا یہ اسی کا خلاصہ ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

کلام برکت

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ آ کر مسلمان شمار کروائے مرد قابل جنگ چھ سو ہوئے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) بہت خوش ہوئے کہ اب ہم کو کس کافر کا ڈر ہے؟ بعد اس کے یہ آیت اتری۔ (موضح القرآن)

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ نے آیت کا مطلب یہ لیا ہے کہ اے نبی آپ کے لئے اللہ تعالیٰ اور آپ کے متبع ایمان والے کافی ہیں۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے بھی اسی مطلب کو اختیار کیا ہے وہ تحریر فرماتے ہیں:

قيل المعنىٰ حسبك الله وحسبك المهاجرون والانصا ر وقيل المعنىٰ كافيك الله وكافي من اتبعك، قاله الشعبي وابن زيد والا ول عن الحسن واختاره النحاس وغيره. (القرطبی)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام حسن بصری رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ بیان القرآن میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے بھی یہی معنیٰ مراد لئے ہیں۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

’’اور جب اللہ تعالیٰ کا اپنی غیبی امداد اور مومنین (کے ذریعہ) سے آپ کی نصرت فرمانا معلوم ہو گیا تو اے نبی! اس سے ثابت ہو گیا کہ آپ کیلئے حقیقت میں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور جن مؤمنین نے آپ کا اتباع کیا ہے ظاہراً وہ کافی ہیں۔ (بیان القرآن)

مفسرین کی عبارات پر غور کرنے سے دونوں ترجمے درست معلوم ہوتے ہیں علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کا دوسرے ترجمے کو بالکل غلط قرار دینا محلِ نظر ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

شانِ نزول

وقال الکلبی:نزلت الایة بالبیداء فی غزوة بدر قبل القتال. (القرطبی)

کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت غزوہ بدر کے موقع پر جنگ سے پہلے مقام ''بیداء'' پر نازل ہوئی۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت مکی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر یہ مدنی سورۃ میں شامل کی گئی ہے اور یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب مسلمانوں کی تعداد ۳۹ تھی ۳۳ مرد اور ۶ عورتیں اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تب یہ آیت نازل ہوئی۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس قول کو رد کیا ہے۔

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں تفسیر قرطبی، البحر المحیط، المدارک وغیرہ۔

عجیب ربط

امام رازی رحمہ اللہ نے اس آیت کا ماقبل سے مستقل ربط بیان فرمایا ہے وہ لکھتے ہیں:

اعلم انه تعالیٰ لما وعده بالنصر عند مخادعة الأعداء وعده بالنصر والظفر فی هذه الایة مطلقا علی جمیع التقدیرات. (التفسیر الکبیر)

یعنی پچھلی آیت میں یہ وعدہ تھا کہ اگر دشمنوں نے صلح کے نام پر دھوکا دیا تو اللہ تعالیٰ آپ کی نصرت فرمائے گا اور اس آیت میں یہ وعدہ ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ آپ کی نصرت فرمائے گا اور آپ کو غلبہ دے گا۔ (دشمنوں کی طرف سے دھوکا ہو یا نہ ہو) پس دونوں آیتوں میں تکرار نہیں ہے۔

اللہ والی جماعت کے لئے اللہ تعالیٰ کافی

حضرت لاہوری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اللہ والی جماعت کو اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے (کفار کی مخالفت کی پرواہ نہ کیجئے) (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

نکتہ

اس سورۃ میں بار بار سمجھایا گیا ہے کہ فتح اور غلبہ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے ملتا ہے زیادہ تعداد اور سامان سے نہیں۔ اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی نصرت کو ساتھ لینے کا ایک واضح طریقہ بتا دیا گیا کہ اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ کی مکمل نصرت اس کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے اور ان مسلمانوں کے ساتھ ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع اور پیروی کرتے ہیں۔ پس اے مسلمانو! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع اور پیروی اختیار کرو اور آپ کے اسوۂ حسنہ کو اختیار کرو تب دنیا بھر کے کفر کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی مدد تمہارے لئے کافی

ہو جائے گی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

بشارت

اس آیت سے یہ بشارت بھی سمجھی جا سکتی ہے کہ مسلمان جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کریں گے تو ان کی فتح یقینی ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی پوری اور کافی نصرت ان کے ساتھ ہوگی۔

اللهم ارزقنا اتباع حبيبك محمد صلى الله عليه وسلم۔ آمين يارب العلمين۔

فائدہ

جہاد کا مبارک عمل زندہ کئے بغیر اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ مکمل نہیں ہو سکتا اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنفس نفیس جہاد کیا اور اپنے رفقاء کو جہاد کی ترغیب دی اور اپنی امت کے لئے جہاد کا عمل جاری فرمایا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۶۵،۶۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۭ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ

اے نبی! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو اگر تم میں

عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ

بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سو ہوں گے

يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اَلْئٰنَ

تو ہزار کافروں پر غالب آئیں گے اس لیے کہ وہ لوگ کچھ نہیں سمجھتے۔ اب

خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۭ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ

اللہ تعالیٰ نے تم سے بوجھ ہلکا کردیا اور معلوم کرلیا کہ تم میں کسی قدر کمزوری ہے پس اگر تم میں

مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا

سو ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر ہزار ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے

اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۶۶﴾

دو ہزار پر غالب آئیں گے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

خلاصہ

★ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایمان والوں کو قتال فی سبیل اللہ پر خوب ابھاریں۔

★ جہاد میں مسلمان اپنے سے دس گنا کافروں پر غالب رہیں گے۔ یہ بشارت بھی ہے اور حکم بھی کہ اپنے سے دس گنا لشکر کا ڈٹ کر مقابلہ کریں اور پیٹھ نہ پھیریں۔ پھر اس حکم میں نرمی کر دی گئی جبکہ بشارت اب بھی باقی ہے۔ اور نرمی کے بعد کا حکم یہ ہے کہ مسلمان اپنے سے دو گنا لشکر کا ڈٹ کر مقابلہ کریں۔

★ مسلمانوں کو اس بات کی سمجھ ہے کہ جہاد کا کیا اجر وثواب ہے جبکہ کافر تو اس بات کو نہیں سمجھتے کیونکہ وہ آخرت کے ثواب سے محروم ہیں۔ اس لئے وہ جنگ میں مسلمانوں سے کمزور رہتے ہیں کیونکہ جو دنیا کو مقصود بنالیتا ہے وہ ہمت اور قوت کے ساتھ جنگ نہیں کرسکتا۔ مسلمان اپنے اندر صفت صبر (ثابت قدمی اور دل کی مضبوطی) پیدا کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت کو اپنے ساتھ پائیں گے۔

مضامین آیت

❶ آیت کا ماقبل سے ربط کیا ہے؟
❷ حَرِّضِ (ابھاریئے) کا حقیقی مفہوم کیا ہے؟
❸ کافر اس لئے شکست کھاتے ہیں کہ وہ لَا يَفْقَهُونَ نہیں سمجھتے۔ وہ کیا چیز نہیں سمجھتے؟
❹ آیت میں کونسا حکم بیان ہوا ہے؟
❺ کیا آیت (۶۶) نے آیت (۶۵) کو منسوخ کر دیا ہے؟
❻ صابر مسلمان کے لئے کتنی صفات کی ضرورت ہوتی ہے؟
❼ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا ایمان تو ہر آئے دن ترقی کر رہا تھا پھر اس کا کیا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں کمزوری دیکھی تو حکم میں نرمی فرما دی؟

ربط

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:
اوپر (یعنی پچھلی آیت میں) صلح کے متعلق مضمون تھا آگے قتال کے متعلق ایک قانون ہے نیز اوپر کفایت ونصرت الٰہیہ کا مضمون تھا (کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مدد کے لئے کافی ہے) آیت آئندہ میں بطور تفریع امر بالقتال ہے (کہ جب اللہ تعالیٰ کی نصرت تمہارے ساتھ ہے تو اپنی کم تعداد کا عذر کر کے گھر نہ بیٹھے رہو بلکہ جہاد فی سبیل اللہ میں نکلو)۔ (بیان القرآن)

حرض کا معنیٰ

ارشاد فرمایا کہ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ
اے نبی آپ ایمان والوں کو قتال پر ابھاریئے۔
یہاں دعوت دینے، ترغیب دینے یا مائل کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ ابھارنے کا حکم دیا۔ ملاحظہ فرمایئے حَرِّضِ کے لغوی معنیٰ پر عبارتیں اور پھر چند نکتے:

❶ صاحب القاموس لکھتے ہیں:
حرضه على الشئى: اکسانا، آمادہ کرنا، ابھارنا، مشتعل کرنا
قرآن پاک میں ہے: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ (القاموس الوحید، ص ۳۲۸)

❷ صاحب مصباح اللغات لکھتے ہیں:
حرضه على الامر: برانگیختہ کرنا۔ فلاناً کسی کے بدن یا عقل کی خرابی کو دور کرنا۔ الحرض، بدن یا مذہب یا

عقل کی خرابی۔ الحرض قریب بہ ہلاکت۔ (مصباح اللغات ص، ۱۴۷)

❸ امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ای حثھم وحضھم یقال حارض علی الأمر وواظب وواصب واکب بمعنیٰ واحد، والحارض: الذی قد قارب الهلاك: ومنه قوله عزوجل حتیٰ تکون حرضاً (یوسف ۸۵) ای تذوب غما۔ (القرطبی)

❹ صاحب کشاف لکھتے ہیں:

التحریض المبالغة فی الحث علی الا مر من الحرض وهوان ینهکه المرض ویتبالغ فیه حتی یشفی علی الموت اوأن تسمیه حرضاً: وتقول له ماراك الا حرضا فی هذا الامر وممرضاً فیه، لیهیجه ویحرك منه۔ (کشاف)

علامہ نسفی رحمہ اللہ نے المدارک میں اس عبارت کا پہلا جملہ اختیار کیا ہے۔

❺ امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والتحریض فی اللغة کالتحضیض وهو الحث علی الشئی وذکر الزجاج فی اشتقاقه وجهاً آخر بعیداً فقال: التحریض فی اللغة ان یحث الانسان غیره علی شئی حثاً یعلم منه أنه ان تخلف عنه کان حارضاً والحارض الذی قارب الهلاك اشاربهذا الی أن المومنین لو تخلفوا عن القتال بعد حث النبی صلی الله علیه وسلم کانوا حارضین ای هالکین۔ (التفسیر الکبیر)

❻ علامہ آلوسی رحمہ اللہ امام زجاج رحمہ اللہ کے قول کی تائید کرتے ہوئے یہ ایمان افروز عبارت لاتے ہیں:

والحق معه، ویؤیده ماقاله الراغب من ان الحرض یقال لما أشرف علی الهلاك والتحریض الحث علی الشئی بکثرة التزیین وتسهیل الخطب فیه کأنه فی الاصل ازالة الحرض۔

المعنیٰ هنا یا ایها النبی بالغ فی حث المومنین علی قتال الکفار۔ (روح المعانی)

ان تمام عبارتوں سے حَرِّضِ کا معنیٰ بالکل واضح ہوگیا اور مطلب یہ نکلا۔

❶ جہاد کی ترغیب کے لئے مسلمانوں کو خوب ابھارا جائے۔

❷ جہاد کی دعوت مسلسل دی جائے۔

❸ جہاد کی دعوت اس درد اور فکر سے دی جائے کہ اگر مسلمان جہاد نہیں کریں گے تو وہ ہلاک ہو جائیں گے۔ مثلاً کسی کا عزیز بیٹا بیمار ہے اور حکیم حاذق نے بتایا ہے کہ اگر فلاں دواء اس نے نہ کھائی تو مر جائے گا یہ شخص اپنے بیٹے کو وہ

دوا کھلانے کے لئے کتنی محنت کرے گا اور کتنے جتن کرے گا پس اسی طرح امت مسلمہ کو قتال فی سبیل اللہ پر ابھارا جائے کیونکہ جہاد میں اس امت کی زندگی ہے۔

❹ حَرَض کہتے ہیں سخت مہلک بیماری کو حَرِّض باب تفعیل سے سلب ماخذ کا خاصہ رکھتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ مسلمانوں میں حب دنیا اور بزدلی کی جو بیماری اور کمزوری پیدا ہو جاتی ہے آپ ایسی زبردست دعوت دیجئے کہ وہ کمزوری ان سے دور ہو جائے۔ یا مطلب یہ ہے کہ مسلمان جہاد چھوڑنے کی وجہ سے ہلاکت کے قریب ہو جاتے ہیں آپ انہیں قتال کی طرف بلا کر اس ہلاکت کو ان سے دور کر دیجئے۔

❺ جہاد کی دعوت آسان الفاظ اور ایسے دلکش انداز میں مزین کر کے دی جائے کہ سننے والوں کے قلوب دنیا سے آخرت کی طرف اور فنا سے بقاء کی طرف پھر جائیں۔

یہ پانچ باتیں حضرات مفسرین کی عبارات سے معلوم ہو گئیں، حضرات علماء کرام اور داعیان جہاد کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو اسی طرح ادا کریں جس طرح اسے ادا کرنے کا حکم ہے۔ نیز اس میں دو نکتے مزید ہیں:

❶ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد میں ابھارنے کے حکم کے ساتھ خود بھی قتال کرنے کا حکم دیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ

اس آیت کی تشریح پہلے گزر چکی ہے اس سے یہ نکتہ سمجھا جا سکتا ہے کہ جہاد کی دعوت دینے والے اگر خود عملی مجاہد ہوں تو ان کی دعوت زیادہ مضبوط اور مؤثر ہوتی ہے اس لیے کہ جہاد ایک عملی عبادت ہے صرف علمی مسئلہ نہیں۔

❷ آیت میں حَرِّض کے ساتھ قِتَال کا لفظ آیا ہے۔ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ جہاد کا لفظ نہیں آیا۔ اس میں یہ نکتہ سمجھا جا سکتا ہے کہ جہاد میں بہت سے کام ہوتے ہیں حتیٰ کہ مجاہدین کی روٹیاں پکانا ان کا سامان اٹھانا، امیر کی تشکیل سے جو شخص جہاد کے جس کام میں بھی ہوگا اسے ان شاء اللہ پورا اجر ملے گا لیکن جہاں تک دعوت کا تعلق ہے تو مسلمانوں کو قتال کے عمل پر ابھارا جائے تا کہ پورے لشکر اور پوری جماعت میں لڑنے کا جذبہ پیدا ہو اور سب کی ہمت دشمن سے ٹکرانے کی ہو۔ پھر جب سب افراد جان دینے کے جذبے سے سرشار ہوں گے تو ان میں سے جس کو جو کام سپرد کیا جائے گا وہ اسے اچھی طرح سے نمٹائے گا۔ الغرض ہر مسلمان میں لڑنے اور جان دینے کا جذبہ ضروری ہے اور اسی جذبے کو ابھارنے کا نام ہے تحریض علی القتال۔ واللہ اعلم بالصواب

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تحریض علی القتال کی ایک مثال ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

ولهذا كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يحرض على القتال، عند صفهم ومواجهة العدو كما قال لاصحابه يوم بدر حين اقبل المشركون في عددهم وعددهم قوموا الى الجنة عرضها السمٰوٰت والارض فقال عمير بن الحمام: عرضها السمٰوٰت والارض؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم "نعم" فقال: بخ بخ ...... الخ

یعنی اسی حکم کے مطابق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کو قتال پر ابھارتے تھے خصوصاً جب دشمن کے مدمقابل صف بندی ہو جاتی۔ جیسا کہ غزوہ بدر کے دن جب مشرکین اپنی افرادی قوت اور جنگی تیاری کے ساتھ سامنے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا: چلو اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان وزمین (سے بڑھ کر) ہے یہ سن کر حضرت عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ نے پوچھا: آسمان وزمین جتنی چوڑی جنت؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، اس پر حضرت عمیر رضی اللہ عنہ (خوشی سے) کہنے لگے بخ بخ (یعنی واہ واہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کس بات نے تمہیں بخ بخ کہنے پر آمادہ کیا؟ وہ کہنے لگے: اس امید نے کہ میں بھی اس جنت والوں میں سے بن جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس جنت والوں میں سے ہو۔ پھر حضرت عمیر آگے بڑھے انہوں نے تلوار کا نیام توڑ ڈالا اور کچھ کھجوریں نکال کر کھانے لگے پھر باقی کھجوریں پھینک دیں اور فرمایا کہ اگر میں ان سب کو کھانے کی دیر زندہ رہا تو یہ بہت لمبی (اور مشکل) زندگی ہوگی پھر آگے بڑھ کر لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ۔ (تفسیر ابن کثیر)

یہاں تک آیت کے سات مضامین میں سے دو مضامین بحمد اللہ آ گئے باقی کے پانچ مضامین کو سمجھنے کیلئے پہلے چند عبارتیں ملاحظہ فرمائیں، ان عبارتوں میں ان مضامین کی طرف اشارے موجود ہیں جبکہ آخر میں بطور خلاصہ بھی ان پانچ مضامین کو ان شاء اللہ بیان کیا جائے گا۔

تقریر عثمانیؒ

یہ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی کہ تھوڑے بھی ہوں تو جی نہ چھوڑیں (یعنی دل نہ ہاریں) خدا کی رحمت سے دس گنا دشمنوں پر غالب آئیں گے۔ سبب یہ ہے کہ مسلمانوں کی لڑائی محض خدا کے لئے ہے وہ خدا کو اور اس کی مرضی کو پہچان کر اور یہ سمجھ کر میدان جنگ میں قدم رکھتا ہے کہ خدا کے راستہ میں مرنا اصلی زندگی ہے اس کو یقین ہے کہ میری تمام قربانیوں کا ثمرہ آخرت میں ضرور ملنے والا ہے خواہ میں غالب ہوں یا مغلوب۔ اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جو تکلیف میں اٹھاتا ہوں وہ فی الحقیقت مجھ کو دائمی خوشی اور ابدی مسرت سے ہمکنار کرنے والی ہے۔ مسلمان جب یہ سمجھ کر جنگ کرتا ہے تو تائید ایزدی (یعنی اللہ تعالیٰ کی نصرت) مددگار رہتی ہے اور موت سے وحشت نہیں رہتی۔ اسی لیے پوری دلیری اور بے جگری سے لڑتا ہے۔ کافر چونکہ اس حقیقت کو نہیں سمجھ سکتا اس لیے محض حقیر اور فانی اغراض کے لئے

بہائم (یعنی جانوروں) کی طرح لڑتا ہے اور قوت قلبی اور امداد غیبی سے محروم رہتا ہے۔ بناءً علیہ خبر اور بشارت کے رنگ میں حکم دیا گیا کہ مومنین کو اپنے سے دس گنا دشمنوں کے مقابلہ میں ثابت قدمی سے لڑنا چاہئے۔ اگر مسلمان بیس ہوں تو دوسو کے مقابلہ سے نہ ہٹیں اور سو ہوں تو ہزار کو پیٹھ نہ دکھائیں۔

تنبیہ

۲۰ اور ۱۰۰ دو عدد شاید اس لیے بیان فرمائے کہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد کے لحاظ سے ''سریہ'' میں کم از کم بیس اور ''جیش'' میں ایک سو سپاہی ہوتے ہوں گے۔ اگلی آیت مدت کے بعد اتری اس وقت مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تھی اس لیے سریہ کم از کم سو کا اور جیش ایک ہزار کا ہوگا دونوں آیتوں میں بیان نسبت کے وقت اعداد کا تفاوت (یعنی فرق) ظاہر کرتا ہے کہ اگلی آیت کے نزول کے وقت مسلمانوں کی مردم شماری بڑھ گئی تھی۔ بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ گذشتہ آیت جس میں مسلمانوں کو دس گنا کافروں کے مقابلہ پر ثابت قدم رہنے کا حکم تھا جب لوگوں کو بھاری معلوم ہوئی تو اس کے بعد یہ آیت اتری۔ اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ ...... الخ یعنی خدا نے تمہاری ایک قسم کی کمزوری اور سستی کو دیکھ کر پہلا حکم اٹھالیا اب صرف اپنے سے دوگنی تعداد کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا ضروری اور بھاگنا حرام ہے یہ کمزوری یا سستی جس کی وجہ سے حکم میں تخفیف (یعنی نرمی) ہوئی کئی وجوہ سے ہوسکتی ہے۔ ابتدائے ہجرت میں گنے چنے مسلمان تھے جن کی قوت وجلادت معلوم تھی، کچھ مدت کے بعد ان میں کے کئی افراد بوڑھے اور کمزور ہوگئے اور جو نئی پود آئی ان میں پرانے مہاجرین وانصار جیسی بصیرت، استقامت اور تسلیم وتفویض نہ تھی اور تعداد بڑھ جانے سے کسی درجہ میں اپنی کثرت پر نظر اور ''توکل علی اللہ'' میں قدرے کمی ہوئی ہوگی اور ویسے بھی طبیعت انسانی کا خاصہ ہے کہ جو سخت کام تھوڑے آدمیوں پر پڑ جائے تو کرنے والوں میں جوش عمل زیادہ ہوتا ہے اور ہر شخص اپنی بساط سے بڑھ کر ہمت کرتا ہے لیکن وہی کام جب بڑے مجمع پر ڈال دیا جائے تو ہر ایک دوسرے کا منتظر رہتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ آخر کچھ میں ہی تنہا تو اس کا ذمہ دار نہیں۔ اسی قدر جوش، جرأت اور ہمت میں کمی ہوجاتی ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اول کے مسلمان یقین میں کامل تھے ان پر حکم ہوا تھا کہ اپنے سے دس گنا کافروں پر جہاد کریں۔ پچھلے مسلمان ایک قدم کم تھے تب یہ حکم ہوا کہ دوگنوں پر جہاد کریں۔ یہی حکم اب بھی باقی ہے لیکن اگر دو سے زیادہ پر حملہ کریں تو بڑا اجر ہے۔ حضرت کے وقت میں ہزار مسلمان اسی ہزار سے لڑے ہیں غزوہ موتہ میں تین ہزار مسلمان دو لاکھ کفار کے مقابلہ میں ڈٹے رہے۔ اس طرح کے واقعات سے اسلام کی تاریخ بحمد اللہ بھری پڑی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تقریر احمدیؒ

فوجی بھرتی جاری رہے تا کہ فوجی قوت میں ضعف اور کمی نہ آنے پائے۔ ابتدائے اسلام میں اپنے سے دس گنا لشکر کے ساتھ مقابلہ لازمی تھا۔ بعد کو دگنے لشکر کا مقابلہ لازمی قرار دیا گیا۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

تقریر خواجہ

دشمن بہت کثرت سے ہیں اور ہر وقت آمادۂ جنگ و پیکار، ادھر مسلمانوں کو بھی دنیا میں رہنا ہے، اور یہ معلوم نہیں کہ ان کے مخالف کس قدر اور کہاں کہاں آباد ہیں۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ وہ مسلمانوں کو کفار سے جنگ کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رکھیں۔

جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و ہمنشینی سے تیار ہوئے ہیں ان میں سے بیس مقاصد حیات پر مر مٹنے والے دو سو کافروں کا مقابلہ کرنے کے قابل ہوں گے اور اگر سو ہوں گے تو ایک ہزار پر غالب آ جائیں گے اور ارباب ایمان کیوں نہ ان ہزاروں کافروں پر غالب وقاہر ہوں گے جو عقل و دانائی سے بے بہرہ، وحدت مقصد سے ناواقف اور اعتماد و توکل علی اللہ سے محروم ہیں، انہیں اجتماعی نشو وارتقاء سے کوئی تعلق نہیں، وہ صرف انفرادی ترقی کے خواہاں ہیں اور اس لیے ذاتی خواہشات پر ملک وملت کے فوائد کو قربان کر دیتے ہیں، جو شخص صدہا معبودان باطل سے خوف زدہ ہو، وہ اس نفس قدسی کا کیسے مقابلہ کر سکتا ہے جس کے دل میں صرف ایک اللہ ہی کا خوف ہو، ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے جس درجہ جانباز اور فداکار سپاہی تیار ہوں گے ویسے بعد کو عام طور پر نہ ہوں گے اس لیے آپ کے زمانہ حیات میں مہاجرین وانصار کے یہی شایان شان تھا کہ ایک مسلمان دس کافروں کا مقابلہ کرے مگر پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ضعف واضمحلال کو دیکھ کر اس قانون میں رعایت کر دی کہ لازمی طور پر ایک مسلمان دو کافروں کا مقابلہ کرے، حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے قرآن حکیم کی جن پانچ آیات کو منسوخ تسلیم کیا ہے ان میں سے ایک یہ ہے لیکن اس کو منسوخ ماننے کی کوئی ضرورت نہیں اس لئے کہ اب بھی اگر کوئی مسلمان دو سے زیادہ کفار کا مقابلہ کرنے کی ہمت رکھتا ہو تو اس کو شریعت منع نہ کرے گی۔ (تفسیر الفرقان)

ان عبارتوں کے بعد ملاحظہ فرمائیں باقی ماندہ چھ مضامین آیت:

کافروں کے کمزور ہونے کی وجہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی:

بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ (تھوڑے مسلمان زیادہ کافروں پر اس لئے غالب ہوں گے کیونکہ) وہ کافر ایسے لوگ ہیں جو نہیں سمجھتے۔

قرآن پاک کے اس بلیغ جملے کا معنیٰ سمجھنے کے لئے حضرات مفسرین کے چند اقوال ملاحظہ فرمائیں:

❶ ذلك بانكم تفقهون ماتقاتلون عليه وهو الثواب وهم لايعلمون ما يقاتلون عليه. (القرطبی)

یعنی اے مسلمانو! تم اس چیز کو سمجھتے ہو جس کی خاطر تم جہاد کرتے ہو یعنی آخرت کا ثواب اور وہ اس چیز کو نہیں جانتے۔

(یقینی بات ہے کہ ایک شخص کے سامنے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی حسین جنت مسکرا رہی ہو اور دوسرا اندھیرے کی طرف بڑھ رہا ہو تو دونوں کی ہمت اور قوت میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔)

❷ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

یعنی (وہ کافر) یقین نہیں رکھتے اللہ پر اور ثواب پر۔ اور جس کو یقین ہے وہ موت پر دلیر ہے۔ (موضح القرآن)

پس مسلمان موت پر دلیر ہے وہ موت کے پیچھے بھاگتا ہے جبکہ کافر موت سے ڈرتا ہے تو موت اس کے پیچھے بھاگتی ہے۔

❸ بسبب أن الكفار قوم جهلة يقاتلون غير احتساب وطلب ثواب كالبهائم فيقل ثباتهم ويعدمون لجهلهم بالله نصرته بخلاف من يقاتل على بصيرة وهو يرجوا النصر من الله۔ (المدارك)

کفار جاہل قوم ہیں وہ اجر وثواب کے لئے نہیں لڑتے ان کی لڑائی جانوروں کی طرح بے مقصد ہے پس ان کی ثابت قدمی کمزور ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو نہ پہچاننے کی وجہ سے وہ نصرت الٰہی سے بھی محروم رہتے ہیں۔ جب کہ مسلمان بصیرت کے ساتھ جنگ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت کا امیدوار ہوتا ہے (پس وہ ثابت قدمی سے لڑتا ہے)

یہ تینوں اقوال ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اب ملاحظہ فرمایئے امام رازی رحمہ اللہ کی تحقیق کا خلاصہ:

❹ جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ رکھتا ہو اور آخرت کو نہ مانتا ہو اس کے نزدیک دنیا کی زندگی ہی سب کچھ ہوتی ہے۔ پس وہ اس زندگی کو بچانے کی فکر میں ہوتا ہے۔ جب کہ وہ شخص جو یقین رکھتا ہو کہ اصل سعادت اور کامیابی آخرت ہی میں مل سکتی ہے اور دنیا میں زندہ رہنا کوئی سعادت کی بات نہیں وہ دنیا کی زندگی کی پرواہ نہیں کرتا۔ اس لئے وہ پوری قوت اور سچے جذبے کے ساتھ لڑتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جان بچانے کی فکر رکھنے والے کئی افراد مل کر بھی اس اکیلے شخص کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ (تفسیر کبیر)

❺ کفار ناسمجھ ہیں وہ اپنی طاقت اور قوت پر بھروسہ رکھتے ہیں جب کہ مسلمان دعاء اور عاجزی کے ذریعہ اپنے رب سے مدد مانگتے ہیں۔ ظاہر بات ہے نصرت اور کامیابی کے وہ زیادہ مستحق ہوتے ہیں (کیونکہ کامیابی طاقت سے نہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ملتی ہے) (تفسیر کبیر)

❻ مسلمانوں کو ایک خاص قسم کا نور اور رعب نصیب ہوتا ہے جب کہ کافر اس نور اور رعب سے محروم ہوتے ہیں۔ بے شک جو مسلمان جہاد کے لئے نکلتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے جان ومال کی قربانی پیش کرتا ہے تو گویا کہ وہ اس حالت میں اللہ تعالیٰ کے نور جلال کو دیکھنے والا ہوتا ہے پس اس کا دل مضبوط ہو جاتا ہے اور اس کی روح مکمل ہو جاتی ہے اور اسے دوسروں سے منفرد قوت وقدرت نصیب ہو جاتی ہے جبکہ کافر ناسمجھ کا دل علم ومعرفت اور اس نور کے مشاہدہ سے خالی ہوتا ہے۔ (تفسیر کبیر)

آیت مبارکہ کا حکم

پہلے حکم تھا کہ مسلمان اپنے سے دس گناہ لشکر کا ڈٹ کر مقابلہ کریں اب یہ حکم ہے کہ دوگناہ لشکر کے مقابلے میں ڈٹے رہنا ضروری ہے امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وکان الفرض فی اول الاسلام علی الواحد قتال العشرة من الکفار لصحة بصائر المومنین فی ذلك الوقت وصدق یقینهم، ثم لما اسلم قوم آخرون خالطهم من لم یکن لهم بصائر هم ونیا تهم خفف عن الجمیع واجراهم مجری واحداً ففرض علی الواحد مقاومة الاثنین۔ (احکام القرآن)

یعنی کمزوری والے حکم کو سب پر فرض قرار دے دیا گیا لیکن مضبوط ایمان والوں کے لئے بشارت اب بھی باقی ہے کہ وہ اگر ہمت کر کے اپنے سے دس گنا یا زیادہ کے مقابلے میں ڈٹ جائیں گے تو انہیں ان شاء اللہ غلبہ نصیب ہوگا۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ثم نسخ هذا الامر وبقیت البشارة۔

یعنی حکم تو منسوخ ہوگیا مگر بشارت اب بھی باقی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لیکن اگر دو سے زیادہ پر حملہ کریں تو بڑا اجر ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ہزار مسلمان اسی ہزار سے لڑے ہیں۔ (موضح القرآن)

کیا آیت ۶۵ کا حکم منسوخ ہے؟

یہ بات تو طے ہے کہ حکم میں تخفیف ہوئی ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت اس بارے میں بالکل واضح ہے علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ روایت کئی طرق سے بیان کی ہے عن عکرمة عن ابن عباس قال: لما نزلت اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ شق ذلك علی المسلمین حتی فرض اللّٰه علیهم ان لا یفرواحد من عشرة ثم جاء التخفیف فقال الان خفف اللّٰه عنکم۔ (تفسیر ابن کثیر)

اب بعض مفسرین کی رائے ہے کہ پہلی آیت کے حکم کو منسوخ مانا جائے گا جب کہ دیگر مفسرین حضرات نے منسوخ ماننے سے انکار کیا ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ اور جصاص رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر بہت عمدہ علمی بحث فرمائی ہے شائقین وہاں ملاحظہ فرمالیں ویسے آیت (۶۵) کو منسوخ نہ ماننا کئی وجوہ سے بہتر ہے کیونکہ اس میں تخفیف شدہ حکم کے علاوہ بھی کئی احکامات ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

صابر مسلمان

صبر کے معنیٰ تو بہت وسیع ہیں، صبر ایک صفت کا نام ہے جس کا خلاصہ ''ضبط النفس'' یعنی اپنے نفس پر قابو پانا ہے جب کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے جڑے رہنا، حق پر اور نیک اعمال پر ڈٹے رہنا، گناہوں سے بچنا، مصیبتوں کے وقت ثابت قدم رہنا۔ یہ سب کچھ صبر کے مفہوم میں شامل ہے۔

اور جب اپنے سے کئی گنا دشمنوں سے مقابلہ ہو تو امام رازی رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق مسلمان میں مزید یہ صفاتِ صبر بھی ہونی چاہیں۔

❶ ان یکون شدید الاعضاء قویا جلدا

یعنی مضبوط جسم والا، طاقتور اور توانا ہو۔

❷ ان یکون قوی القلب شجاعاً غیر جبان.

یعنی مضبوط دل والا بہادر ہو بزدل نہ ہو۔

❸ ان یکون غیر منحرف الالقتال اومتحیزا الی فئتہٍ

جنگ میں سوائے جنگی ضرورت اور حکمت کے پیٹھ پھیرنے والا نہ ہو۔ (تفسیر کبیر)

کمزوری کا کیا مطلب ہے

ارشاد فرمایا کہ وَ عَلِمَ اَنَّ فِیْكُمْ ضَعْفًا کہ اب اللہ تعالیٰ نے تم میں کمزوری دیکھی ہے (اس لئے حکم میں تخفیف کی جارہی ہے) سوال یہ اٹھتا ہے کہ صحابہ کرام تو ہر آئے دن ایمان میں ترقی فرما رہے تھے تو اس کمزوری کے پیدا ہونے کا کیا مطلب ہے؟ پچھلی عبارات میں اس کے کئی جوابات آچکے ہیں۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اور ضعف (یعنی کمزوری) کی وجہ احقر کے نزدیک یہ ہے کہ یہ قائدہ طبعی ہے کہ جب کام کرنے والے کم ہوں اور کام ضروری سمجھا جاتا ہے تو اس وقت ہمت زیادہ ہوتی ہے ہر شخص جانتا ہے کہ میرے ہی کرنے سے ہوگا اور جب کام کرنے والے بڑھ جاتے ہیں تو ہر شخص کو خیال ہوتا ہے کہ کیا مجھ ہی پر منحصر ہے اور بھی تو کام کرنے والے ہیں، سب مل کر کیوں نہیں کرتے اس لئے جوش اور گرمی میں کمی ہو جاتی ہے پس اس لئے ابتداء اسلام میں مثلاً بدر میں ہمت کی اور حالت تھی جب ماشاء اللہ مردم شماری بڑھی تو طبیعت اور ہمت کا رنگ بدل گیا چنانچہ ''درمنثور'' میں بعض سلف سے اس پہلے حکم کا دربارۂ بدر کے ہونا اور دوسرے حکم کا بعد کے لئے ہونا منقول ہے اور یہ ایک امر طبعی ہے۔ پس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم پر یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ ان کے ملکات باطنہ روز آنہ روبہ ترقی تھے اور اس سے انحطاط کا شبہ ہوتا ہے۔ (بیان القرآن)

جہاد کو جاری رکھنے کا ذریعہ

جہاد قیامت تک جاری رہے گا کیونکہ اسلام کی بقاء کے لئے جہاد ضروری ہے۔ چنانچہ جہاد کے عمل کو جاری رکھنے کا

نسخہ اس آیت مبارکہ میں سمجھادیا گیا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ایمان والوں کو قتال پر ابھاریے۔ یعنی جہاد کو قائم رکھنے کے لئے جہاد کی بھرپور اور مضبوط دعوت دی جائے۔ جب جہاد کی دعوت مضبوط ہوگی تو اس کے نتیجے میں مضبوط جہاد وجود میں آئے گا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر بھی دیگر احکامات کی طرح پورا عمل فرمایا اور بہت مضبوطی اور سختی کے ساتھ جہاد کی دعوت دی۔ حدیث شریف کی کوئی بھی کتاب اٹھا کر دیکھ لی جائے دعوت جہاد پر سینکڑوں احادیث موجود ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے ایسے فضائل بیان فرمائے کہ ان فضائل کو پڑھتے ہی انسان اپنے اندر ایک خاص حرارت، قوت، زندگی اور جذبہ محسوس کرتا ہے اور اس کی روح عالم آخرت کی طرف مچلنے لگتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر قرآن پاک کے بتائے ہوئے طریقے پر جہاد کی دعوت دی جائے تو کوئی سچا مسلمان اس مبارک عمل سے محروم نہیں رہتا۔ اسی لئے دشمنان اسلام نے دعوت جہاد کے اس سلسلے پر ایسا وار کیا کہ لفظ ”جہاد“ ہی کو مشکوک بنادیا۔ چنانچہ جب جہاد کی خالص دعوت ماند پڑ گئی تو جہاد بھی کمزور ہوا۔ اور جب جہاد کمزور ہوا تو مسلمان دنیا بھر میں مغلوب ہوتے چلے گئے۔ اس وقت اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث حضرات علماء کرام حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ کے حکم کو زندہ کریں اور مسلمانوں کو قتال پر ابھاریں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے دعوت جہاد کی دونوں آیتوں میں لفظ الجھاد کی جگہ اَلْقِتَالِ ارشاد فرمایا۔ اب الحمد للہ اَلْقِتَالِ میں تو کوئی تاویل نہیں ہوسکتی اس کا معنیٰ اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑنا ہے۔ اور اسی عمل پر ابھارنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قتال حکومتوں کا کام ہے اس لئے ہم نہیں ابھارتے۔ سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابھارنے کا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا اور فرمایا کہ آپ ایمان والوں کو ابھاریں۔

حضرات علماء کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں۔ اور حکمرانوں کی بد دینی اور غفلت کے باوجود جمعہ اور جماعت کا اہتمام کراتے ہیں۔

پس اسی طرح وہ فریضہ جہاد کو بھی معطل نہ ہونے دیں اور اس کی دعوت کو عام کریں۔ جب ہر مسجد اور ہر گلی میں قتال فی سبیل اللہ کی بھرپور دعوت ہوگی تو مسلمانوں میں بیداری پیدا ہوگی اور کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بیداری کی برکت سے ایسے حکمران بھی مسلمانوں کو نصیب فرمادے جو اپنی شرعی ذمہ داری کو سمجھیں اور جہاد کے لازمی عمل کو جاری کریں۔ وما ذالك على الله بعزيز۔ (والله اعلم بالصواب)

☆☆☆

سُوْرَۃُ الْاَنْفَالِ مَدَنِیَّۃٌ آیت ۶۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِؕ

نبی کو نہیں چاہئے کہ اپنے ہاں قیدیوں کو رکھے یہاں تک کہ ملک میں خوب خونریزی کر لے

تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا ۖۗ وَ اللّٰهُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ

تم دنیا کی زندگی کا سامان چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت کا ارادہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ غالب

حَكِیْمٌ ﴿۶۷﴾

حکمت والا ہے

خلاصہ

بدر میں مشرکین کو خوب قتل کرنا چاہیے تھا۔ قیدیوں کو فدیہ لے کرنہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔ فدیہ کے مال کی جگہ آخرت کے ثواب پر نظر رکھنی چاہیے تھی یہ ثواب مشرکین کے قتل سے زیادہ نصیب ہوتا۔ اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے وہ فدیہ کے بغیر بھی تم کو مالدار کر دیتا کافروں پر غلبہ اور فتوحات دے کر۔

کلام برکت

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

بدر کی لڑائی میں ستر کافر پکڑے آئے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ پوچھا کہ ان کو کیا کریں۔ اکثر مسلمانوں کی مرضی ہوئی کہ مال (یعنی فدیہ) لے کر چھوڑ دیں اور بعضوں کی مرضی ہوئی کہ سب کو قتل کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی یہ ہی مشورت تھی آخر مال لے کر چھوڑ دیا۔ یہ آیت اتری عتاب کی۔ یعنی نبیوں کو جہاد سے مال سمیٹنا منظور نہیں بلکہ کافروں کی ضد (یعنی قوت اور شوکت) توڑنی (مطلوب ہے) وہ بات (یعنی کافروں کی قوت کا ٹوٹنا) اسی میں ہے کہ قتل کرے تا (کہ) اس کے خوف سے کفر کی ضد چھوڑیں۔ (موضح القرآن)

جامع تفسیر

”بدر کی لڑائی سے ستر کافر مسلمانوں کے ہاتھوں میں قید ہو کر آئے حق تعالیٰ نے ان کے متعلق دو صورتیں مسلمانوں کے سامنے پیش کیں، (۱) قتل کر دینا، (۲) یا فدیہ لے کر چھوڑ دینا، اس شرط پر کہ آئندہ سال اسی تعداد میں تمہارے آدمی قتل کیے جائیں گے۔ حقیقت میں خدا کی طرف سے ان دو صورتوں کا انتخاب کے لئے پیش کرنا، امتحان و آزمائش کے

طریقہ پر تھا کہ ظاہر ہو جائے کہ مسلمان اپنی رائے اور طبیعت سے کس طرف جھکتے ہیں۔ جیسے ازواجِ مطہرات کو دوصورتوں میں تخییر دی گئی تھی، اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ الاية۔ (الاحزاب ۲۸) یا معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خمرولبن (دودھ اور شراب) کے دو برتن پیش کئے گئے تھے آپ نے دودھ کو اختیار فرمایا۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ اگر بالفرض آپ شراب کو اختیار فرماتے تو آپ کی امت بہک جاتی۔ بہر حال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے اس معاملہ میں رائے طلب کی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ سب قیدی اپنے خویش واقارب اور بھائی بند ہیں۔ بہتر ہے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے اس نرم سلوک اور احسان کے بعد ممکن ہے کہ کچھ لوگ مسلمان ہو کر وہ خود اوران کی اولاد واتباع ہمارے دست وبازو بنیں اور جو مال بالفعل (یعنی ابھی) ہاتھ آئے اس سے جہاد وغیرہ دینی کاموں میں سہارا لگے۔ باقی آئندہ سال ہمارے ستر آدمی شہید ہو جائیں تو مضائقہ نہیں درجۂ شہادت ملے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا میلان بھی فطری رحمدلی اور شفقت وصلہ رحمی کی بنا پر اسی رائے کی طرف تھا بلکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی عام رائے اسی جانب تھی بہت سے تو ان ہی وجوہ کی بنا پر جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائیں اور بعض محض مالی فائدہ کو دیکھتے ہوئے اس رائے سے متفق تھے (کما یظھر من قوله تعالیٰ تریدون عرض الدنیا صرح به الحافظ ابن حجر وابن القیم رحمهما الله) حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اس سے اختلاف کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ قیدی کفر کے امام اور مشرکین کے سردار ہیں، ان کو ختم کر دیا جائے تو کفر وشرک کا سر ٹوٹ جائے گا، تمام مشرکین پر ہیبت طاری ہو جائے گی۔ آئندہ مسلمانوں کو ستانے اور خدا کے راستہ سے روکنے کا حوصلہ نہ رہے گا اور خدا کے آگے مشرکین سے ہماری انتہائی نفرت وبغض اور کامل بیزاری کا اظہار ہو جائے گا کہ ہم نے خدا کے معاملہ میں اپنی قرابتوں اور مالی فوائد کی کچھ پروانہیں کی۔ اس لئے مناسب ہے کہ ان قیدیوں میں جو کوئی ہم میں سے کسی کا عزیز وقریب ہو وہ اسے اپنے ہاتھ سے قتل کرے۔ الغرض بحث وتمحیص کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر عمل ہوا، کیونکہ کثرتِ رائے اُدھر تھی اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم طبعی رأفت (یعنی نرم دلی) ورحمت کی بنا پر اسی طرف مائل تھے۔ اور ویسے بھی اخلاقی اور کلی حیثیت سے عام حالات میں وہی رائے قرین صواب معلوم ہوتی ہے، لیکن اسلام اس وقت جن حالات سے گذر رہا تھا۔ ان پر نظر کرتے ہوئے وقتی مصالح کا تقاضا یہ تھا کہ کفار کے مقابلہ میں سخت کمرشکن کاروائی کی جائے۔ تیرہ سال کے ستم کشوں (یعنی مظلوموں) کو طاغوت کے پرستاروں پر یہ ثابت کر دینے کا پہلا موقع ملا تھا کہ تمہارے تعلقاتِ قرابت، اموال، جتھے اور طاقتیں اب کوئی چیز تم کو خدا کی شمشیر انتقام سے پناہ نہیں دے سکتی۔ ابتداً ایک مرتبہ ظالم مشرکین پر رعب وہیبت بٹھلا دینے کے بعد نرم خوئی اور صلہ رحمی کے استعمال کے لئے آئندہ بہتیرے

مواقع باقی رہتے تھے۔ اُدھر ستر (۷۰) مسلمانوں کے آئندہ قتل پر راضی ہوجانا معمولی بات نہ تھی۔ اسی لئے اس رائے کو اختیار فرمانا وقتی مصالح اور ہنگامی حیثیت سے حق تعالیٰ کے یہاں پسندیدہ نہ ہوا۔ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ میں اسی ناپسندیدگی کی طرف اشارہ ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ ایک سخت خطرناک اجتہادی غلطی قرار دی گئی۔ اور جن بعض لوگوں نے زیادہ تر مالی فوائد پر نظر کر کے اس سے اتفاق کیا تھا ان کو صاف طور پر "تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا" سے خطاب کیا گیا یعنی تم دنیا کے فانی اسباب پر نظر کر رہے ہو، حالانکہ مومن کی نظر انجام پر ہونی چاہئے خدا کی حکمت مقتضی ہو تو وہ تمہارا کام اپنے زور قدرت سے ظاہری سامان کے بدون بھی کرسکتا ہے، بہر حال فدیہ لے کر چھوڑ دینا اس وقت کے حالات کے اعتبار سے بڑی بھاری (اجتہادی) غلطی قرار دی گئی اتنا یاد رکھنا چاہئے کہ روایات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ محض صلہ رحمی اور رحم دلی کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رجحان اس رائے کی طرف تھا۔ (الغرض) "بغض فی اللہ" میں کوتاہی کرنا اور اصل مقصد ''جہاد'' سے غفلت برتنا اور ستر مسلمانوں کے قتل کئے جانے پر اپنے اختیار سے رضا مند ہوجانا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم جیسے مقربین کی شان عالی اور منصب جلیل کے منافی سمجھا گیا۔ اسی لئے ان آیات میں سخت عتاب آمیز لہجہ اختیار کیا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تنبیہ

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اللہ تعالیٰ کے بہت مقرب اور پیارے بندے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر کے موقع پر ان کی بہت اونچی نصرت فرمائی اور انہیں شاندار فتح عطاء فرمائی۔ اس شکرانے کے طور پر وہ مزید مشرکوں کو قتل کر کے اللہ تعالیٰ کو اور زیادہ خوش کرتے اور اپنی آخرت کے لئے مزید اجر بناتے مگر مشورے میں یہ ہی طے ہوگیا کہ قیدیوں کو چھوڑنا چاہیے اور فدیہ لے لینا چاہیے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اللہ تعالیٰ کے پیارے تھے اس لئے ان کو ڈانٹا گیا، سمجھایا گیا اور معاف کر کے فرمایا گیا جو مال لیا ہے اسے مزے سے کھاؤ یہ تمہارے لئے حلال اور پاکیزہ ہے۔

یہ ہے حضرات صحابہ کرام کی شان۔ رضی اللہ تعالیٰ عنھم وارضاھم اجمعین۔

نکتہ

آیت بتا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خوب خونریزی فرماتے۔ ان مشرکوں اور ظالموں کی جو حق کے خلاف جنگ کر رہے تھے۔

حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ اثخان کے معنیٰ خوب خون بہانا۔ خونریزی کرنا۔ یہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں عبادت ہے اور بہت سی عبادتوں سے افضل ہے۔ چنانچہ اسی آیت میں فرمایا گیا کہ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا تم تو دنیا کا مال چاہتے تھے جب کہ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ تم آخرت کی فکر رکھو اور اس کا اجر

بڑھاؤ۔ تفسیر جلالین میں ہے۔ واللہ یر یدلکم الآخرة ای ثوابھا بقتلھم جبکہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اس بات کو پسند کرتا تھا کہ تم ان قیدیوں کو قتل کر کے آخرت کا ثواب حاصل کرو۔

وہ لوگ اس آیت پر غور کریں جن کے نزدیک قتل وقتال کا لفظ ہی برا اور اسلام کے خلاف ہے۔ (نعوذ باللہ)

(واللہ اعلم بالصواب)

تقریرِ حقانیؒ

بدر کی لڑائی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ستر قیدی کفار کے لے کر مدینہ میں آئے ان قیدیوں کی بابت کہ جن میں حضرت کے چچا عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی عقیل رضی اللہ عنہ بھی تھے لوگوں سے رائے طلب کی گئی ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا فدیہ لے کر چھوڑ دیجئے آپ کی قوم ہے خدا ان کو توفیق ہدایت دے گا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا قتل کرنا چاہیے تا کہ کفر کا زور ٹوٹے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا آگ میں جلا دیجئے آخر کار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے پسند آئی ہر ایک سے چالیس اوقیہ (یعنی سولہ سو درہم) لے کر چھوڑ دیا عباس رضی اللہ عنہ سے خود ان کا اور ان کے بھتیجے عقیل رضی اللہ عنہ کا اور نوفل بن حارث کا تاوان لیا، جس پر عباس رضی اللہ عنہ نے کہا میں فقیر ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ سونا جو گھر میں دبا کر آیا ہے کہاں ہے؟ چونکہ اس کی کسی کو بھی خبر نہ تھی یہ سنتے ہی عباس رضی اللہ عنہ اسلام لائے کتب حدیث میں یہ مضمون پایا جاتا ہے۔ فدیہ لینا اور قتل کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دونوں فعل مباح تھے اور اسی لئے لوگوں سے مشورہ لیا تھا لیکن زیادہ تر مناسب وقت ان کا قتل کرنا تھا تا کہ پھر سرکشی نہ کرتے اور انبیاء علیہم السلام پر ''ترک اولیٰ'' پر بھی عتاب ہوتا ہے اس لئے یہ آیت نازل ہوئی کہ نبی کو زیبا نہیں کہ قیدی بنا رکھے اور خوب قتل نہ کرے کیا اے مسلمانو! تم فدیہ کی طرف مائل ہوتے ہو جو دنیا کا اسباب ہے اللہ تعالیٰ تو تمہارے لئے عالم باقی کی تیاری کر رہا ہے وہ حکیم اور زبردست ہے مصلحت اور حکمتِ قتل کو خوب جانتا ہے۔ (تفسیر حقانی)

ربط

حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اوپر قتال کا حکم ہے چونکہ قتال میں گاہے (یعنی کبھی) کفار قید ہو کر آتے ہیں اس لئے آگے بضمن اساریٰ بدر کے (یعنی بدر کے قیدیوں کے ضمن میں) اس کا حکم ہے۔ (بیان القرآن)

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

واعلم ان المقصود من هذه الاية تعليم حكم آخر من أحكام الغزو والجهاد فی حق النبی صلى الله عليه وسلم.

یعنی پچھلی آیت میں جہاد کا ایک حکم بیان ہوا تھا اب اس آیت میں ایک دوسرا حکم بیان کیا جا رہا ہے۔ (تفسیر کبیر)

صحابہ کرام کی حضرات انبیاء علیہم السلام سے تشبیہ

قیدیوں کے بارے میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے اپنے اپنے مشورے دیئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہے اور عمر رضی اللہ عنہ کی مثال حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسی ہے۔ گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی نسبتوں کو بیان فرمایا اور ان کی تعریف فرمائی۔ امام رازی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

وان مثلك يا ابا بكر مثل ابراهيم (قال فمن تبعني فانه مني ومن عصاني فانك غفوررحيم) ومثل عيسى فی قوله (ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفرلهم فانك انت العزيز الحكيم) ومثلك يا عمر مثل نوح (قال رب لاتذر على الارض من الكافرين دياراً) ومثل موسىٰ حيث قال (ربنا اطمس على اموالهم واشدد على قلوبهم) (تفسير كبير)

اثخان کا معنیٰ امام رازی رحمہ اللہ کے نزدیک:

حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ یہاں تک کہ زمین میں خوب خون بہالے۔ امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

الاثخان فی كل شئی عبارة عن قوته وشدته يقال: قد اثخنه المرض اذا اشتد قوة المرض عليه وكذلك اثخنه الجراح والاثخانة الغلظة فكل شئی غليظ فهو ثخين فقوله حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ معناه حتى يقوى ويشتدويغلب ويبالغ ويقهر ثم ان كثيرا من المفسرين: قالوا المراد منه: ان يبالغ فی قتل اعدائه قالوا وانما حملنا اللفظ عليه لان الملك والدولة انما تقوى وتشتد بالقتل.قال الشاعر

لايسلم الشرف الرفيع من الأذى

حتى يراق على جوانبه الدم

ولان كثرة القتل توجب قوة الرعب وشدة المهابة وذلك يمنع من الجرأة ومن الاقدام على مالا ينبغی فلهذا السبب امر الله تعالىٰ بذلك. (تفسير كبير)

خلاصہ یہ ہے کہ اثخان کے لفظ میں شدت اور مبالغہ کا معنیٰ پایا جاتا ہے اس لئے اکثر مفسرین نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ نبی کو چاہیے کہ اپنے دشمنوں کو خوب قتل کریں۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ خوب قتل کرنے سے ملک مضبوط ہوتا ہے اور کافروں کے دل میں ایسا شدید خوف اور رعب پیدا ہو جاتا ہے کہ پھر وہ غلط کاموں کی جرأت نہیں کر سکتے

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے خوب خونریزی کا حکم دیا۔

فائدہ

بعض لوگوں نے اس آیت کی بنیاد پر (نعوذ باللہ) عصمت انبیاء علیہم السلام کے مسئلے پر انگلی اٹھائی ہے امام رازی رحمہ اللہ نے مفصل بحث میں ان کے اعتراضات کو دفع فرمایا ہے ملاحظہ فرمایئے (تفسیر کبیر) جب کہ امام قرطبی رحمہ اللہ نے اکثر مفسرین کی یہ رائے لکھی ہے کہ آیت میں عتاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں ہے بلکہ ان حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو ہے جنہوں نے فدیہ کی خاطر قتل نہ کرنے کی رائے دی تھی۔ امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

هذه الاية نزلت يوم بدر، عتاباً من الله عزوجل لاصحاب نبيه صلى الله عليه وسلم والمعنىٰ: ماكان ينبغي لكم ان تفعلوا عن الفعل الذى اوجب ان يكون للنبى اسرى قبل الاثخان ولهم هذا الاخبار بقوله تريدون عرض الدينا.

والنبى لم يأمر باستبقاء الرجال وقت الحرب، ولا اراد قط عرض الدنيا وانما فعله جمهور مباشرى الحرب فالتوبيخ والعتاب انما كان متوجها بسبب من اشار على النبى صلى الله عليه وسلم بأخذ الفدية هذا قول اكثر المفسرين.

مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ آیت میں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تنبیہ کی گئی کہ آپ لوگوں نے ایسی صورتحال کیوں پیدا کی جس کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ زیادہ خونریزی سے پہلے قیدی آگئے۔ جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو جنگ کے دوران مشرکین کو زندہ رکھ کر پکڑنے کا حکم دیا تھا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ کبھی بھی دنیا کے مال کی طرف گئی تھی پس ثابت ہوا کہ اس آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنبیہ نہیں ہے بلکہ ان لوگوں کو ہے جنہوں نے فدیہ لینے کا مشورہ دیا تھا

یہ اکثر مفسرین کا قول ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ یہ قول لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

وهو الذى لايصح غيره.

کہ بس یہی قول صحیح ہے۔

آگے لکھتے ہیں کہ جب مسلمانوں نے مشرکین کو قید کرنا شروع کر دیا تو یہ معاملہ بہت اچانک ہوا اور دوسرا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آسمانی نصرت کی طرف متوجہ تھے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیدی بنانے کے اس عمل کو نہ روک سکے۔ اسی لئے جب یہ آیات نازل ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ (القرطبی)

نکتہ

اسلام ہی میں ہر انسان کی کامیابی ہے اور اسلام ہی میں دنیا و آخرت کا امن ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ تمام انسانوں اور جنات کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں۔ اور اعلان فرمادیں کہ اب اسلام کے علاوہ کوئی دین قبول نہیں ہے۔ اب کچھ لوگ اسلام کے خلاف کھڑے ہوگئے، لوگوں کو مسلمان ہونے سے روکنے لگے اور اسلام قبول کرنے والوں کو مارنے لگے۔ ان لوگوں کا کیا حکم ہونا چاہیے؟ یہ انسانوں کو جہنم کی آگ کا مستحق بنانا چاہتے ہیں، یہ سچے دین کے خلاف جنگ کرتے ہیں، یہ مسلمانوں کو قتل کرتے ہیں۔ کیا ایسے لوگوں کا خون بہانا ظلم ہے؟ آپ اپنے گھر میں بہت معزز مہمان بُلائیں اور انہیں مہمان خانے میں بٹھائیں پھر اس مہمان خانے میں ایک دو زہریلے سانپ گھس آئیں۔ ان سانپوں کے بارے میں کیا حکم ہے جن کے بارے میں یقین ہے کہ اگر ان کو نہ مارا گیا تو وہ مہمانوں کو ماردیں گے، جب کوئی معزز اور شریف آدمی اپنے مہمانوں کے دفاع سے غافل نہیں ہوسکتا تو اسلام مسلمانوں کے دفاع سے کس طرح غفلت کرسکتا ہے۔ چنانچہ اس نے مسلمانوں کے دشمنوں کے خون بہانے کو عبادت قرار دیا۔ ہر ملک کی حکومت جب کسی کو اپنے ہاں آنے کا ویزہ دیتی ہے تو اس کی حفاظت کا بھی بندوبست کرتی ہے۔ اسلام بھی اپنے ماننے والوں کے لئے عزت اور حفاظت کا پورا نظام بناتا ہے اور اس نظام کی برکت سے تمام انسانیت پر احسان کرتا ہے۔ بلکہ خون بہانے کے اس عمل میں خود کافروں پر بھی احسان ہے کہ ان میں سے جو بچ جاتے ہیں وہ جلد اسلام قبول کرلیتے ہیں کیونکہ ان کی نظروں میں اسلام کی قوت اور کفر کی حقارت آجاتی ہے لیکن اگر مسلمان کمزور ہوں تو کافر خود کو حق پر سمجھتے ہیں اور اپنی دنیوی ترقی دیکھ کر خود کو اونچی اور برتر نسل قرار دیتے ہیں، تب وہ اسلام کی طرف راغب نہیں ہوتے۔ صاحب تفسیر ماجدی لکھتے ہیں:

اثخان کے لفظ اور اس کے لغوی معنی پر بہت بحث ہوئی ہے لیکن اصل شئے اس اثخان یا خونریزی کی غایت ومقصود ہے اور وہ فساد کی جڑ کاٹنا ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل وقتال اس وقت تک جاری رکھنا ہے جب تک فساد کی بیخ کنی نہ ہوجائے جب تک اسلام معزز اور کفر حقیر نہ ہوجائے۔ (تفسیر ماجدی)

اس آیت میں یہ بھی فرمایا گیا کہ تم نے تو دنیا کا فانی سامان یعنی فدیہ لے لیا جب کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آخرت کا فائدہ اور اجر وثواب چاہتا ہے۔ حضرات مفسرین نے لکھا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم ان کافروں کو قتل کرتے تو اس سے اسلام کو عزت ملتی اور کفر ذلیل ہوتا تو یہ بات تمہارے لئے آخرت کے اجر وثواب کا باعث ہوتی، اس سے معلوم ہوا کہ جہادی اعمال قتل وغیرہ کا فائدہ پورے دین اسلام کو ملتا ہے چنانچہ مجاہد کو پورے دین اسلام اور اس کے ہر شعبے کی خدمت کا اجر نصیب ہوتا ہے اس لئے مجاہد کو غیر مجاہد پر فضیلت حاصل ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں:

ای یریدلکم ثواب الآخرة أوسبب نیل الآخرة من الطاعة باعزاز دینه وقمع اعدائه۔ (روح المعانی)

اور صاحب مدارک لکھتے ہیں:

والله یرید الآخرة ای ماهوسبب الجنة من اعزاز الاسلام بالاثخان فی القتل۔ (المدارک)

نکتہ

مجاہدین کے لئے سخت تاکید ہے کہ جہاد کے کسی بھی مرحلے پر مال کو اپنا مقصود نہ بننے دیں مال کی طرف توجہ مجاہد کے ایمان اور شان کے خلاف ہے۔اسی طرح مجاہدین پر لازم ہے کہ اسلام کے حکم اور اسلامی رشتے کو قوم، قبیلے اور برادری کے رشتے پر ہر حال میں مقدم رکھیں۔آیت مبارکہ میں یہ دونوں سبق بالکل واضح ہیں۔(واللہ اعلم بالصواب)

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۶۸،۶۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ

اور اللہ تعالیٰ کا حکم پہلے نہ ہو چکا ہوتا تو جو تم نے لیا اس کے بدلے تم پر بڑا

عَظِيْمٌ ﴿۶۸﴾ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۗ اِنَّ

عذاب ہوتا۔ پس جو مال تمہیں غنیمت میں حلال اور طیب ملا ہے اسے کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو بے شک

اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۹﴾

اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے

خلاصہ

اس فدیہ کے لینے میں تم پر بڑا عذاب آجاتا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے سے ایک بات (یا معافی) لکھی ہوئی نہ ہوتی۔

اب جو کچھ تم نے فدیہ میں لیا ہے وہ تمہارے لئے حلال اور پاکیزہ ہے آئندہ کے لئے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہے اس نے تمہاری غلطی بخش دی ہے اور بہت مہربان ہے کہ تمہارے لئے فدیے اور غنیمت کا مال حلال اور پاکیزہ قرار دیا ہے۔

لولا كتابٌ من اللّٰه سبق اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بات پہلے سے لکھی ہوئی نہ ہوتی تو تمہیں فدیہ لینے پر بڑے عذاب کا سامنا ہوتا۔

اس بات سے کیا مراد؟

حضرات مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں۔ امام رازی رحمہ اللہ نے ان میں سے اکثر اقوال کو رد کیا ہے اور فرمایا ہے میرے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اگر پہلے سے معافی کا فیصلہ نہ فرمایا ہوتا تو تم پر عذاب آجاتا وہ لکھتے ہیں:

معناه لولا انه تعالىٰ حكم فى الازل بالعفو عن هذه الواقعة لمسهم عذاب عظيم۔

یعنی آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ازل میں اس واقعہ کو معاف کرنے کا حکم نہ فرمایا ہوتا تو تمہیں بڑا عذاب پہنچ جاتا۔ (تفسیر کبیر)

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ کی رائے الگ ہے وہ تحریر فرماتے ہیں:

وہ یہ بات لکھ چکا تھا کہ ان قیدی لوگوں میں بہتوں کی قسمت تھی مسلمان ہونا۔ (موضح القرآن)

امام قرطبی رحمہ اللہ نے یہ چند اقوال تحریر فرمائے ہیں:

❶ یہ بات لکھی جا چکی تھی کہ اس امت کے لئے مال غنیمت حلال ہے۔

ای بتحلیل الغنائم۔

❷ یہ بات لکھی جا چکی تھی کہ غزوہ بدر کے مجاہدین کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عام معافی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو فرما دیا ہے کہ تم جو کچھ کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔

الکتاب السابق ھو مغفرة اللّٰہ لاھل بدر ماتقدم او تأخّر من ذنوبھم۔ لقول رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لعمر فی اھل بدر ومایدریك لعل اللّٰہ اطلع علی اھل بدر فقال اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم خرّجه مسلم۔ (القرطبی)

❸ یہ بات لکھی جا چکی تھی کہ جب تک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان میں موجود ہیں عذاب نہیں آئے گا

الکتاب السابق ھو الایعذبھم ومحمد علیہ السلام فیھم۔

❹ لکھی ہوئی بات یہ تھی کہ جو نہ جاننے کی وجہ سے گناہ کرلے تو اس پر عذاب نہیں آتا جب تک اسے پہلے نہ بتا دیا جائے کہ یہ چیز گناہ ہے۔

الکتاب السابق ھو الایعذب احدا بذنب اتاہ جاھلاً حتی یتقدم الیہ۔

❺ لکھی ہوئی بات یہ تھی کہ کبیرہ گناہوں سے بچنے والوں کے صغیرہ گناہ مٹا دئے جاتے ہیں۔

الکتاب السابق ھو ماقضی اللّٰہ من محو الصغائر باجتناب الکبائر۔

(امام رازی رحمہ اللہ نے اسے معتزلہ کا قول قرار دیا ہے)

❻ طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سارے معانی اس لفظ میں داخل ہیں۔ یعنی عذاب نہ آنے کی یہ تمام وجوہات ہوسکتی ہیں۔

وذھب الطبری الی ان ھذہ المعانی کلھا داخلة تحت اللفظ وانه یعمھا۔ (القرطبی)

تفسیر المدارک، روح المعانی، بیان القرآن میں جو اقوال اس آیت کے بارے میں لکھے ہیں صاحب تفسیر عثمانی نے ان کو جمع فرما دیا ہے ملاحظہ فرمائیں ان کی یہ عبارت۔

’’یعنی یہ غلطی تو فی حد ذاتہ ایسی تھی کہ سخت سزا ان لوگوں کو دی جاتی جنہوں نے دنیوی سامان کا خیال کر کے ایسا مشورہ دیا مگر سزا دہی سے وہ چیز مانع ہے جو خدا پہلے سے لکھ چکا اور طے کر چکا ہے اور وہ کئی باتیں ہوسکتی ہیں۔ ❶ مجتہد

کو اس قسم کی اجتہادی خطاء پر عذاب نہیں ہوگا۔ ❷ جب تک خدا امراً ونہیاً کسی چیز کا صاف حکم بیان نہ فرمائے اس وقت تک اس کے مرتکب کو عذاب نہیں دیتا۔ ❸ اہل بدر کی خطاؤں کو خدا معاف فرما چکا ہے۔ ❹ غلطی سے جو رویہ (یعنی فیصلہ) قبل از وقت اختیار کرلیا گیا یعنی فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دینا خدا کے علم میں طے شدہ تھا کہ آئندہ اس کی اجازت ہو جائے گی فاما منا بعد واما فداۃ (سورۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم)۔ ❺ یہ بھی طئے شدہ ہے کہ جب تک پیغمبر علیہ السلام ان میں موجود ہیں یا لوگ صدق دل سے استغفار کرتے ہیں عذاب نہ آئے گا۔ ❻ ان قیدیوں میں سے بہت کی قسمت میں اسلام لانا لکھا گیا تھا۔ الغرض اس قسم کے موانع اگر نہ ہوتے تو یہ غلطی اتنی عظیم وثقیل تھی کہ سخت عذاب نازل ہو جانا چاہیے تھا۔ (تفسیر عثمانی)

فائدہ

آیت مبارکہ کی تفسیر سمجھنے کے لئے ان تمام اقوال کو ذکر کیا گیا اصل بات یاد رکھنے کی یہ ہے کہ یہ ساری تنبیہ اور سرزنش اس غلطی پر کی جارہی ہے کہ مسلمانوں نے کفر کو مزید ذلیل کرنے اسلام کو عزت دلانے اور مسلمانوں کو زیادہ محفوظ کرنے کا ایک موقع کیوں ضائع کردیا اور اسلام دشمن کافروں کو قتل کرنے کی بجائے فدیہ کیوں لے لیا۔ قرآن پاک مسلمانوں کو جو جذبہ اور مزاج دینا چاہتا ہے ہمیں وہ اپنانا چاہیے اور اپنے مزاج کے درست ہونے کی اللہ تعالیٰ سے دعاء مانگنی چاہیے۔ ان تین آیات میں مسلمانوں کو جو مزاج دیا جارہا ہے اسی کو مسلمان اپنائیں گے تو ان کے دل میں اسلام کی اصل حقیقت اور عظمت اور کفر کی اصل گندگی اور خباثت کا درست تصور آئے گا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

عذاب دکھلایا گیا

اس موقع پر جو عذاب مسلمانوں پر آسکتا تھا وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریب سے دکھایا گیا جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت روئے صحیح مسلم شریف میں یہ روایت تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

امام نسفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

روی ان عمر رضی اللہ عنہ دخل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا ھو وابوبکر یبکیان فقال: یارسول اللہ اخبرنی فان وجدت بکاۃ بکیت وان لم أجد بکاء تباکیت۔ فقال، أبکی علی اصحابک فی اخذھم الفداء ولقد عرض علی عذابھم ادنی من ھذہ الشجرۃ (لشجرۃ قریبۃ منہ)۔ (المدارک)

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دونوں رو رہے ہیں انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے بھی (رونے کی وجہ) بتائیں اگر مجھے رونا آیا تو رولوں گا ورنہ رونے والوں کی صورت تو بنالوں گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

تمہارے ساتھیوں نے قیدیوں کا جو فدیہ لیا اس پر رو رہا ہوں کیونکہ مجھے ان کا عذاب اس درخت سے بھی قریب دکھایا گیا۔ (اپنے قریب کے درخت کی طرف اشارہ فرمایا)

ایک دوسری روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان منقول ہے:

لو نزل عذاب من السماء لما نجا منه غير عمر وسعد بن معاذ.

یعنی اگر عذاب نازل ہو جاتا تو (صحابہ کرام میں سے) عمر اور سعد رضی اللہ عنہما کے علاوہ کوئی نہ بچتا۔ (المدارک)

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ

روایات میں آیا ہے کہ جب پچھلی آیات میں سخت تنبیہ نازل ہوئی تو حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے مال غنیمت اور فدیے سے ہاتھ روک لئے۔ یعنی خوف کی وجہ سے وہ ان اموال کو استعمال نہیں کر رہے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا گیا کہ یہ مال تمہارے لئے حلال بھی ہے اور پاکیزہ بھی اس لئے تم اسے استعمال کر سکتے ہو۔

روی انهم امسكوا عن الغنائم ولم يمدوا ايديهم اليها فنزلت. وقيل:هو اباحة للفداء لانه من جملة الغنائم. (المدارک)

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ یعنی ڈرتے رہو گے کچھ خطاء بھی ہو جاوے گی تو بخشے گا۔ قیدیوں کا حکم سن کر مسلمان ڈرے غنیمت سے بھی۔ یہ ان کو تسلی فرمائی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطاء ہے خوشی سے کھاؤ لیکن غنیمت کے واسطے جہاد نہ کرو۔ اب حنفی (یعنی فقہ حنفیہ) کے نزدیک یہ ہے کہ اگر کافر پکڑے آویں تو ان کو مال لے کر چھوڑنا روا نہیں۔ نہ مفت چھوڑنا کہ پھر کافروں میں جا ملیں۔ مگر روا (یعنی جائز) ہے غلام کر رکھنا۔ (یعنی غلام بنالینا) یا چھوڑ دینا کہ رعیت ہو کر ملک اسلام میں رہیں (یعنی ذمی بنالینا) اور شافعی رحمہ اللہ کے پاس وہ بھی روا ہے سورہ محمد میں فرمایا فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً (موضح القرآن)

صاحب انوار البیان نے اس آیت کے ذیل میں قیدیوں کے احکامات بیان کئے ہیں وہاں ملاحظہ فرمالیں۔ عموماً مفسرین حضرات قیدیوں کے احکامات سورۃ محمد کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں۔

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۷۰، ۷۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى اِنْ

اے نبی! جو قیدی تمہارے ہاتھ میں ہیں ان سے کہہ دو کہ اگر

يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ

اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں نیکی معلوم کرے گا تو تمہیں اس سے بہتر دے گا جو تم سے لیا گیا ہے

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۷۰ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ

اور تمہیں بخشے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر یہ لوگ تم سے دغا کرنا چاہیں گے

فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۷۱

یہ تو پہلے ہی اللہ تعالیٰ سے دغا کر چکے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں گرفتار کرادیا اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے

خلاصہ

ان قیدیوں میں سے جو سچے دل سے ایمان لائے ہیں وہ فدیہ میں مال دینے پر افسوس نہ کریں اللہ تعالیٰ انہیں اس مال سے بہت زیادہ مال عطاء فرمائے گا اور اپنی بخشش بھی نصیب فرمائے گا۔ اور اگر یہ قیدی پھر خیانت اور شرارت کریں گے تو ان کا دوبارہ بھی برا انجام ہوگا۔

شانِ نزول

مفسرین کے نزدیک آیت حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے بھتیجوں۔ حضرت عقیل رضی اللہ عنہ اور حضرت نوفل رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

قال ابن عباس رضی اللہ عنهما نزلت فی العباس، وعقیل ابن ابی طالب ونوفل بن الحارث. (تفسیر کبیر)

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زیادہ بہتر قول یہ ہے کہ آیت تمام قیدیوں کے بارے میں ہے۔

وقال آخرون: انها نزلت فی الکل وهذا اولیٰ. (تفسیر کبیر)

زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ آیت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی مگر حکم عام ہے۔

اقصی مافی الباب ان یقال: سبب نزول الآیة هوا لعباس رضی اللہ عنه، الاأن العبرة بعموم اللفظ لابخصوص السبب. (التفسیر الکبیر)

مختصر تفسیر

’’بعض قیدیوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا تھا (مثلاً حضرت عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ) ان سے کہا گیا کہ اللہ دیکھے گا کہ واقعی تمہارے دل میں ایمان وتصدیق موجود ہے تو جو کچھ زرفدیہ اس وقت تم سے وصول کیا گیا ہے اس سے کہیں زیادہ اور کہیں بہتر تم کو مرحمت فرمائے گا اور پچھلی خطاؤں سے درگذر کرے گا اور اگر اظہار اسلام سے پیغمبر کو فریب دینا مقصود ہے یا دغابازی کرنے کا ارادہ ہے تو پیشتر (یعنی پہلے) خدا سے جو دغابازی کر چکے ہیں، یعنی فطری عہد ’’الست‘‘ کے خلاف کفروشرک اختیار کیا یا بعض ’’بنی ہاشم‘‘ جو ابوطالب کی زندگی میں عہد کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت پر متفق ہوئے تھے اب کافروں کے ساتھ ہو کر آئے اس کا انجام آنکھوں سے دیکھ لیا کہ آج کس طرح مسلمانوں کی قید اور قابو میں ہیں آئندہ بھی دغابازی کی ایسی ہی سزا مل سکتی ہے، خدا تعالیٰ سے اپنے دلوں اور نیتوں کو چھپا نہیں سکتے اور نہ اس کے حکیمانہ انتظامات کو روک سکتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں: خدا کا وعدہ پورا ہوا ان میں جو مسلمان ہوئے حق تعالیٰ نے بے شمار دولت بخشی جو نہ ہوئے وہ خراب ہو کر تباہ ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت لاہوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

بدر کے بعض قیدیوں نے کہا تھا کہ ہم مجبور کر کے لائے گئے تھے، ہمارا ارادہ مسلمانوں سے لڑنے کا نہیں تھا انہیں کہا جاتا ہے کہ اگر تمہارے دلوں میں بہتری ہے تو اس کے عوض میں جو کچھ تم سے لیا گیا ہے، جب تم مسلمان ہو جاؤ گے تمہیں اس سے زیادہ دیا جائے گا۔ اور اگر اس کہنے میں خیانت کا ارادہ کر رہے ہیں تو پہلے بھی ان حرکتوں کا مزہ چکھ چکے ہیں۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے چچا تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا تھا کہ اگر آپ اسلام قبول کرلیں تو یہ بات مجھے اپنے والد خطاب کے اسلام قبول کرنے سے زیادہ محبوب ہے کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ آپ کے اسلام قبول کرنے سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنی خوشی ہوگی۔ (تفسیر ابن کثیر)

امام رازی رحمہ اللہ اور دیگر مفسرین نے اس آیت کے ذیل میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے تفصیلی واقعات لکھے ہیں۔ ان میں سے چند ایک جن کا تعلق ان آیات سے ہے تفسیر انوار البیان کی عبارت میں ملاحظہ فرمائیے۔

’’حضرت عباس رضی اللہ عنہ مشرکین کے لشکر میں آئے تھے اور بیس اوقیہ سونا لے کر چلے تھے تا کہ ساتھیوں کو کھلاتے پلاتے رہیں۔ (وہ افراد جنہوں نے پورے لشکر کو کھانا کھلانے کی ذمہ داری اٹھائی تھی یہ ان میں سے ایک تھے مگر ان کے کھلانے کی باری نہیں آئی تھی بلکہ ان کی باری والے دن جنگ ہوگئی تھی) اب ان کے پاس بیس اوقیے رہ گئے تھے وہ بیس اوقیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے ان سے مقام بدر میں لے لئے تھے۔ جب قید کر کے لائے گئے اور ان سے

سوال ہوا کہ فدیہ دو تو انہوں نے کہا کہ وہ جو بیس اوقیے لے لئے ہیں ان ہی کو میری جان کے فدیہ میں لگالیں، آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چیز آپ ہمارے مقابلہ میں خرچ کرنے کیلئے لیکر آئے تھے وہ آپ کے حساب میں نہیں لگ سکتی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یوں بھی کہا کہ یارسول اللہ! میں تو مسلمان تھا آپ نے فرمایا اگر تم مسلمان تھے تو اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے اگر تم سچے ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ دے دے گا۔ ہمارے نزدیک بظاہر تم مقابلہ کرنے کے لئے جنگ میں شریک ہوئے تھے لہذا تم اپنی جان کا بھی فدیہ دو اور دونوں بھتیجوں نوفل بن حارث اور عقیل بن ابی طالب اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو کا بھی فدیہ دو عباس نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم مجھے اس حال میں چھوڑنا چاہتے ہو کہ زندگی بھر قریش سے بھیک مانگا کروں میرے پاس اتنا مال نہیں ہے کہ اس قدر فدیہ دے سکوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ مال کہاں ہے، جو تم نے اور تمہاری بیوی ام الفضل نے مل کر دفن کیا ہے تم نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر میں اس سفر میں مقتول ہوگیا تو یہ مال میرے بیٹوں عبداللہ اور عبیداللہ، اور فضل اور قثم کے کام آئے گا۔ عباس نے کہا اللہ کی قسم یارسول اللہ اس بات کا علم میرے اور ام الفضل کے علاوہ اور کسی کو نہیں ہے۔ آپ کو کس نے بتایا؟ آپ نے فرمایا مجھے میرے رب تعالیٰ شانہ نے بتایا۔ اس پر عباس کہنے لگے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ سچے ہیں"۔ (من معالم التنزیل ص ۲۶۳ ج ۲، ابن کثیر ص ۳۶۷ ج ۲)

صحیح بخاری ص ۴۲۸ ج ۱، میں ہے کہ انصار میں سے بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اجازت دیجئے کہ ہم عباس کی جان کا بدلہ (یعنی فدیہ) چھوڑ دیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں ایک درہم بھی نہ چھوڑو۔ یہ قانون میں مساوات اختیار کرنے کا ایک نمونہ ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ جب پوری طرح اسلام میں داخل ہوگئے تو انہوں نے اس وعدہ کو سچا پایا وہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بیس اوقیہ کی جگہ بیس غلام عطاء فرمائے جو مال کما کر لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی امید بھی رکھتا ہوں کیونکہ آیت شریفہ میں اس کا بھی وعدہ ہے ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا جو مال مجھ سے لیا گیا تھا اس کے عوض اللہ تعالیٰ نے چالیس غلام عطاء فرمائے اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سو گنا مال عطا فرمادیا۔ (انوار البیان)

صاحب مدارک وہ واقعہ بھی لکھتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے بحرین کے اموال سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو چادر بھر کر مال عطاء فرمایا تھا۔

روی انه قدم علی رسول الله صلی الله علیه وسلم مال البحرین ثمانون الفاً فتو ضا لصلوٰة الظهر وما صلی حتی فرقه وأمر العباس ان یأخذ منه فأخذ منه ماقدر علی حمله وکان یقول: هذا خیر مما اخذ منی وارجو المغفرة وکان له عشرون عبداً وان ادناهم لیتجرفی

عشرين الفاً وكان يقول أنجز الله احدالوعدين وانا على ثقة من الآخر. (المدارك)

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وذكر انه اسلم حين أسر يوم بدر وذكر أنه اسلم عام خيبر و كان يكتب لرسول الله صلى الله عليه وسلم باخبار المشركين وكان يحب ان يهاجر فكتب اليه رسول الله صلى الله عليه وسلم امكث بمكة فمقامك بها انفع لنا.

یعنی ایک قول یہ ہے کہ وہ بدر کے دن جب قید ہوئے تو اسلام لے آئے اور ایک قول یہ ہے کہ خیبر والے سال اسلام لائے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کی خبریں اور حالات لکھ کر بھیجا کرتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کریں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں لکھ بھیجا کہ آپ مکہ میں ٹھہریں آپ کا وہاں موجود رہنا ہمارے لئے زیادہ نفع مند ہے۔ (القرطبی)

اللہ تعالیٰ کا وعدہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا گیا کہ اگر یہ لوگ خیانت کریں گے اور آپ کے خلاف سازش کریں گے یا جنگ میں آئیں گے تو جس اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پر پہلے قابو دیا تھا وہ ہر وقت موجود ہے وہ ان سے نمٹ لے گا۔

پس مسلمانوں کو کوشش کرنی چاہیے کہ قیدیوں کو اسلام کی طرف لائیں اور ان سے دین کی نصرت کا کام لیں۔ پھر اگر وہ دھوکہ کریں گے تو ہر سازشی کی سازش کو توڑنے والا اللہ تعالیٰ موجود ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں خیر دیکھے گا

اکثر مفسرین نے خیر کے معنیٰ ایمان کے لئے ہیں کہ اگر تمہارا ایمان اللہ تعالیٰ کے ہاں سچا ہوا۔ امام رازی رحمہ اللہ نے اس خیر میں چھ چیزیں بیان کی ہیں:

1. ایمان۔
2. اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اطاعت کا عزم۔
3. کفر سے توبہ۔
4. تمام گناہوں سے توبہ۔
5. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کا عزم۔
6. آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کرنے سے توبہ۔ (التفسیر الکبیر)

یہ تمام اشیاء آپس میں ملتی جلتی ہیں اور ان سب کے مجموعہ کا نام ہے "خیر"۔ تو اگر ان کے دل میں یہ "خیر" ہوگی تو ان سے بہترین بدلے اور مغفرت کا وعدہ ہے۔

یہاں خیانت کا مطلب

اور اگر وہ آپ کے ساتھ خیانت کریں گے۔اس خیانت کا کیا معنیٰ ہے؟ امام رازی رحمہ اللہ نے کئی اقوال لکھے ہیں۔

❶ مراد خیانت فی الدین ہے یعنی اگر وہ کفر کریں گے۔

❷ انہوں نے جو فدیہ دینے کا وعدہ کیا ہے اگر اس کے ادا کرنے میں خیانت کریں گے۔

❸ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں چھوڑتے وقت ان سے عہد لیا تھا کہ وہ آئندہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ نہیں کریں گے تو خیانت سے مراد اس عہد میں خیانت ہے۔(تفسیر کبیر)

الغرض وہ جس قسم کی بھی خیانت، شرارت اور دغابازی کرنا چاہیں گے تو اللہ پاک ان کو ناکام فرمادے گا۔

پہلی آیت میں قیدیوں کے لئے تسلی ہے کہ ان کے لئے رحمت اور بخشش کے دروازے کھلے ہیں اور دوسری آیت میں مسلمانوں کے لئے تسلی ہے کہ وہ دین اور جہاد پر قائم رہیں کسی کی خیانت اور سازش ان کو نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔ دونوں آیات میں جہادی نکتے بھی سمجھے جا سکتے ہیں کہ جنگی قیدی دشمن کے لوگ ہوتے ہیں اور دشمنوں کے اندر کے رازوں اور کمزوریوں سے واقف ہوتے ہیں یہ لوگ اگر مخلص مسلمان بن جائیں تو اسلام کی بہت خدمت کر سکتے ہیں اور جہادی کام کو بہت آگے بڑھا سکتے ہیں اس لئے اگر انہیں زندہ رکھنا ہو تو ان کے ساتھ بہت احسان اور اخلاق والا برتاؤ کیا جائے تاکہ وہ اسلام کے قریب آئیں۔اسی طرح مسلمانوں کو ہر وقت کافروں کی سازشوں اور خیانتوں کی پریشانی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذمہ جو کام لگایا ہے وہ کرنا چاہیے باقی تمام معاملہ اس اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینا چاہیے۔جو علیم بھی ہے اور حکیم بھی **وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ** وہ جانتا ہے کہ کون کیا خیانت اور کیا سازش کر رہا ہے اور وہ اپنی حکمت سے ایسی صورتیں پیدا فرمادیتا ہے جس سے ہر خائن اور ہر سازشی ناکام ہو جاتا ہے۔ مسلمان جب کافروں کی سازشیں اور ان کی طاقتیں دیکھا کریں تو اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ اور اس کی عظیم صفات پر بھی ایک نظر کر لیا کریں تاکہ "توکل علی اللہ" اور "اعتماد باللہ" کی کیفیات نصیب ہو جائیں۔(واللہ اعلم بالصواب)

ملاحظہ فرمائیے یہ عبارت:

مطلب یہ کہ اگر ان کی نیت خالص نہ بھی ہو اور ان کا مقصود آپ کو دھوکا ہی دینا ہو جب بھی آپ تشویش نہ کیجئے اللہ تعالیٰ ان کی چالاکی چلنے نہ دے گا اور انہیں آپ کے ہاتھ میں گرفتار کرادے گا جیسا کہ اس سے قبل جنگ بدر میں ہو چکا ہے **وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ** یعنی یہ (اگر) دل سے مسلمان نہیں ہیں بلکہ محض اظہار اسلام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکا دینا چاہتے ہیں خیانۃ کا مفہوم بڑا وسیع ہے، ہر قسم کی چالاکی اور پوشیدہ بدعہدی اس کے تحت میں داخل ہے لفظ امانت اس کی ضد ہے۔

الخیانة مخالفة الحق بنقض العهد فی السر ونقیض الخیانة الامانة۔ (راغب)

فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ یعنی دغا دے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر چکے اور آپ کے مقابلہ میں آ چکے ہیں۔ (رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیانت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیانت ہے)

فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قابو میں دے دیا مثلاً معرکہ بدر۔ ای اقدرك علیهم حسبما رأیت فی بدر۔ (روح المعانی)

وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ چنانچہ وہ عَلِیْمٌ ہے خوب جانتا ہے کہ خائن کون کون ہے اور وہ حَكِیْمٌ ہے کوئی نہ کوئی تدبیر بھی ایسی نکال دے گا جس سے یہ خائن مغلوب ہو کر رہیں اور اس طرح علم وحکمت دونوں کے تقاضے پورے پورے ہو کر رہیں گے۔ (تفسیر ماجدی)

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۷۲،۷۳،۷۴،۷۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑا اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ تعالیٰ کی

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ

راہ میں لڑے اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی وہ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق

بَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ

ہیں اور جو ایمان لائے اور گھر نہیں چھوڑا تمہیں ان کی وراثت سے کوئی تعلق نہیں

مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ

یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اور اگر وہ دین کے معاملہ میں مدد چاہیں

فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ

تو تمہیں ان کی مدد کرنی لازم ہے مگر ان لوگوں کے مقابلہ میں کہ ان میں اور تم میں عہد ہو جو تم کرتے ہو

بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۷۲﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ

اللہ تعالیٰ اسے دیکھتا ہے۔ اور جو لوگ کافر ہیں وہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں

اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿۷۳﴾ ؕ

اگر تم یوں نہ کرو گے تو ملک میں فتنہ پھیلے گا اور بڑا فساد ہوگا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ

اور جو لوگ ایمان لائے اور اپنے گھر چھوڑے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑے اور جن لوگوں نے

اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ

انہیں جگہ دی اور ان کی مدد کی وہی سچے مسلمان ہیں ان کیلئے بخشش اور عزت کی

كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا

روزی ہے۔ اور جو لوگ اس کے بعد ایمان لائے اور گھر چھوڑے اور تمہارے ساتھ ہو کر لڑے

مَعَكُمْ فَأُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ

سو وہ لوگ بھی تم ہی میں سے ہیں اور رشتہ دار آپس میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے

كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۵﴾

مطابق ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز سے خبردار ہے

خلاصہ

❶ مہاجرین اور انصار آپس میں ایک دوسرے کے رفیق، دوست حامی، مددگار اور وارث ہیں۔ یعنی وہ ایک جماعت ہیں ان میں سے ایک کا دوست سب کا دوست اور ایک کا دشمن سب کا دشمن ہے۔ مہاجرین وہ ہیں جو ایمان لائے پھر انہوں نے ہجرت کی اور پھر اپنی جان اور مال سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا۔ اور انصار وہ ہیں جو ایمان لائے اور انہوں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور ہجرت والے مسلمانوں کو ٹھکانا دیا اور ان کی بھرپور نصرت کی۔

پس اسلام کا رشتہ تمام رشتوں سے زیادہ مضبوط اور طاقتور ہے اور اس رشتے کی بنیاد ایمان، ہجرت، نصرت اور جہاد پر ہے۔

❷ وہ لوگ جو اسلام تو لے آئے ہیں مگر انہوں نے ہجرت نہیں کی وہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ صلح، جنگ، میراث وغیرہ معاملات میں شامل نہیں ہیں۔ ہاں اگر وہ دین کی نسبت سے مسلمانوں کی جماعت کو کافروں کے خلاف جنگ میں اپنی مدد کے لئے پکاریں تو مسلمانوں کی جماعت پر ان کی مدد لازمی ہے۔ لیکن اگر ان کا مقابلہ ایسے کافروں سے ہو رہا ہو جن سے مسلمانوں کی جماعت کا معاہدہ ہے۔ اور وہ مسلمانوں کی جماعت کو ان کافروں کے خلاف جنگ کے لئے بلائیں تو معاہدہ ختم کئے بغیر ان کی مدد کے لئے جانا جائز نہیں ہے۔

❸ اور کافر ایک دوسرے کے رفیق اور مددگار ہیں وہ مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ متفق اور متحد ہو جاتے ہیں اور اپنے سارے اختلافات بھلا کر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اس لئے مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ان کے ساتھ دوستی رکھیں، یا رشتہ داری کی صورت میں ان کو اپنی وراثت میں حصہ دار بنائیں۔ بلکہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان کی یاری اور دوستی سے دور رہیں۔ اور اگر وہ رشتہ دار ہوں تو ان سے وراثت کا لین دین نہ کریں۔

❹ اگر مسلمانوں نے ان احکامات پر عمل نہ کیا تو زمین فتنے اور بہت بڑے فساد سے بھر جائے گی۔ یعنی اگر مسلمانوں نے اسلام کی بنیاد پر ایک دوسرے سے مضبوط تعلق نہ رکھا۔ ایمان، ہجرت، نصرت اور جہاد کی بنیاد پر اپنی الگ اور مضبوط جماعت قائم نہ کی۔ مظلوم مسلمانوں کے پکارنے پر ان کی مدد کے لئے نہ گئے۔ انہوں نے کافروں سے یاری نہ چھوڑی۔ اور اسلام کے رشتے کو ہر شئے پر مقدم نہ رکھا تو زمین میں شدید فتنہ اور بڑا فساد برپا ہو جائے گا اس لئے کہ جب تک مسلمان کافروں کے مقابلے میں ایک جسم کی طرح متحد نہیں ہوں گے تو کفار غالب رہیں گے

اور فساد عام ہوگا۔

❺ حقیقی مسلمان وہی ہیں جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا۔ اور وہ ہیں جنہوں نے ان مہاجرین کو جگہ دی اور ان کی نصرت کی۔ مہاجرین اور انصار ہی حقیقت میں مسلمان ہیں ان کے لئے بخشش کا اور دنیا و آخرت میں عزت والی روزی کا وعدہ ہے۔ اسلام میں کسی خاص نسل، قوم، قبیلے کو کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے فضیلت کا معیار ایمان، ہجرت، نصرت اور جہاد ہے۔ اور یہی سچا اور حقیقی مسلمان ہونے کا معیار ہے۔ اور اسی بنیاد پر مسلمانوں کی قوم اور جماعت وجود پاتی ہے۔

❻ جو لوگ بعد میں ایمان لائے مگر انہوں نے ہجرت کر لی اور مسلمانوں کی مرکزی جماعت کے ساتھ مل کر جہاد بھی کیا وہ بھی سچے اور حقیقی مسلمان ہیں اور مسلمانوں کی جماعت کے افراد ہیں۔ باقی رہا مال میں میراث کا معاملہ تو اب اس کی بنیاد ہجرت اور نصرت نہیں بلکہ قرابت داری ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق مال کی میراث اب صرف رشتہ داروں کے درمیان ہی جاری ہوگی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے فیصلے ہیں جو ہر چیز کا پورا علم رکھنے والا ہے۔

ربط

غزوۂ بدر کے بعد اسلام کی قوت و شوکت میں اضافہ ہوا، بہت سے قیدی بھی مسلمان ہوئے، عرب کے قبائل مسلمانوں سے معاہدے کرنے لگے اور ان میں بھی اسلام پھیلنے لگا۔ اہل مکہ میں جو لوگ تردد کی حالت میں تھے وہ بھی مسلمان ہوگئے۔ پھر ان مسلمان ہونے والوں میں سے بعض نے ہجرت کی اور بعض نے نہیں کی۔ ان حالات میں صلح، جنگ، تعاون، عدم تعاون اور موالات کے لئے ایک مستقل قانون کی ضرورت تھی۔ جو ان آیات میں مہاجرین و انصار کے فضائل کے ساتھ بتا دیا گیا اور مسلمانوں کی جماعت کے لئے واضح قانون اور ضابطہ مقرر فرما دیا گیا۔ اور نئے مسلمان ہونے والوں کو بھی دوٹوک بتا دیا گیا کہ بے فکر ہو کر اسلام قبول کرو اسلام کسی خاص قوم یا قبیلے کا دین نہیں ہے۔ جو بھی ایمان لائے، ہجرت کرے (اس وقت ہجرت فرض تھی) اور جان و مال کی قربانی جہاد میں پیش کرے وہ سچا، حقیقی اور اصل مسلمان ہے اگرچہ وہ بعد میں مسلمان ہوا ہو خواہ اس کا تعلق کسی بھی قبیلے، رنگ، نسل اور قوم سے ہو۔ (واللہ اعلم بالصواب) صاحب تفسیر حقانی لکھتے ہیں۔

جب ان قیدیوں کو عہد لے کر چھوڑا اور ان میں سے بہت نے بدر کے موقع پر آسمانی مدد اور اسلام کا برحق ہونا دیکھا تھا، اس لئے اسلام کی طرف مائل ہوئے اور نیز عرب کے قبائل نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد باندھنا شروع کیا اور عرب میں اس جنگ کی کرامات و اعجاز نے شہرت پائی جس سے مخالف قبائل خصوصاً مکہ کے رہنے والوں میں سے بہت سے مشرف با سلام ہونے شروع ہوئے مگر ان میں سے بعض تو ترک وطن کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کیونکہ اس وقت ہجرت فرض تھی اور بہت ایسے تھے کہ جن سے جورو (یعنی بیوی) بچے گھر بار، خویش و تبار نہ چھٹ سکے اس لئے تو مسلمانوں اور دیگر قبائل کی بابت کوئی قاعدہ اتحاد و ہمدردی

(یعنی تعاون وغیرہ) کا مقرر ہونا ضروری تھا پس ان آیات میں مع فضائل مہاجرین وانصار اس کو بیان فرمایا اور مسلمانوں کے مرتبے بھی ظاہر کردیئے۔ (تفسیر حقانی)

چار طبقے

امام نسفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان آیات میں لوگوں کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں: ❶ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی۔ ❷ جو ایمان لائے اور انہوں نے نصرت کی۔ ❸ جو ایمان لائے مگر انہوں نے ہجرت نہیں کی۔ ❹ وہ جو کفر پر رہے۔ (المدارک)

کلام برکت

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ان چاروں آیات پر بہت نافع وجامع حاشیہ تحریر فرمایا ہے۔ صاحب تفسیر عثمانی نے اسی کی تسہیل فرمائی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے ''کلام برکت'' ''تفسیر عثمانی'' کی عبارت میں۔

قیدیوں میں بعض ایسے تھے جو دل سے مسلمان تھے مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ سے ہجرت نہ کر سکے اور بادلِ ناخواستہ کفار کے ساتھ ہو کر بدر آئے۔ ان آیات میں یہ بتلانا ہے کہ ایسے مسلمانوں کا کیا حکم ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے دو فرقے تھے ''مہاجرین'' اور ''انصار'' مہاجرین کنبہ اور گھر چھوڑنے والے اور انصار جگہ دینے والے اور مدد کرنے والے۔ ان دونوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مواخات (بھائی چارہ) قائم کردیا تھا۔ آیت کا مضمون یہ ہوا کہ جتنے مسلمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر ہیں ان سب کی صلح وجنگ ایک ہے، ایک کا موافق سب کا موافق، ایک کا مخالف سب کا مخالف، بلکہ آغاز ہجرت میں رشتہ مواخات کے لحاظ سے ایک دوسرے کے ترکہ کا وارث بھی ہوتا تھا۔ اور جو مسلمان اپنے ملک میں رہے جہاں کافروں کا زور اور تسلط ہو، یعنی دارالحرب سے ہجرت نہ کی ان کی صلح وجنگ میں دارالاسلام کے رہنے والے مسلمان (مہاجرین وانصار) شریک نہیں اگر دارالحرب کے مسلمانوں نے صلح ومعاہدہ کسی جماعت کفار سے کرلیا ہے تو دارالاسلام کے آزاد مسلمان اس معاہدہ کے پابند نہیں ہوسکتے، بلکہ ان سے حسب مصلحت جنگ کرسکتے ہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ دارالحرب کے مسلمان جس وقت دینی معاملہ میں آزاد مسلمانوں سے مدد طلب کریں تو ان کو اپنے مقدور کے موافق مدد کرنا چاہیے مگر جس جماعت سے ان آزاد مسلمانوں کا معاہدہ ہوچکا ہو اس کے مقابلے میں تا بقائے عہد دارالحرب کے مسلمانوں کی امداد نہیں کی جاسکتی نیز توریث باہمی کا سلسلہ جو مہاجرین وانصار میں قائم کیا گیا تھا اس میں بھی دارالحرب کے مسلمان شامل نہیں تھے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ یعنی کافر و مسلم میں نہ حقیقی رفاقت ہے نہ ایک دوسرے کا وارث بن سکتا ہے ہاں کافر، کافر کا رفیق و وارث ہے بلکہ سب کفار تم سے دشمنی کرنے کو آپس میں ایک ہیں، جہاں پائیں گے ضعیف مسلمانوں کو ستائیں گے اس کے بالمقابل اگر مسلمان ایک دوسرے کے رفیق اور مددگار نہ ہوں گے یا کمزور مسلمان اپنے

کو آزاد مسلمانوں کی معیت اور رفاقت میں لانے کی کوشش نہ کریں گے تو سخت خرابی اور فتنہ بپا ہو جائے گا یعنی ضعیف مسلمان مامون نہ رہ سکیں گے ان کا ایمان تک خطرہ میں ہوگا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا یعنی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی سردار (یعنی امیر) کے ساتھ والے مسلمان اعلیٰ ہیں گھر بیٹھنے والوں سے، آخرت میں ان کے لئے بڑی بھاری بخشش ہے اور دنیا میں عزت کی روزی یعنی غنیمت اور دوسرے فائق حقوق۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ یعنی مہاجرین میں جتنے بعد کو شامل ہوتے جائیں وہ سب باعتبار احکام "مہاجرین اولین" کی برادری میں منسلک ہیں۔ ہجرت کے تقدم وتاخر کی وجہ سے صلح وجنگ وتوریث وغیرہ کے احکام پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہاں اگر قدیم مہاجرین کا کوئی رشتہ دار پیچھے (یعنی بعد میں) مسلمان ہوا یا بعد میں ہجرت کر کے آیا تو وہ اس قدیم مہاجر کی میراث کا زیادہ حقدار ہے اگرچہ رفاقت قدیم اوروں سے ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مسلمان اگر کافروں سے یاری کریں

امام قرطبی رحمہ اللہ، امام ابن اسحاق رحمہ اللہ کا یہ قول لکھتے ہیں:

اِلَّا تَفْعَلُوْهُ وھوان یتولی المومن الکافر دون المومنین تکن فتنة ای محنة بالحرب، وما انجرّ معھامن الغارات والجلاء والأسر والفسادالکبیر ظھورالشرک. (القرطبی)

یعنی اگر مسلمانوں نے مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں سے یاری کی تو شدید فتنہ آئے گا جنگ مسلط ہوگی مسلمانوں کو لوٹ مار، جلاوطنی اور قید کا سامنا ہوگا اور وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ یعنی بڑے فساد سے مراد شرک کا غالب آ جانا ہے۔

ہجرت اور جہاد

علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ھم المھاجرون الذین ھجروا اوطانھم وترکو ھا لاعدائھم فی اللہ للہ عزوجل وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ فصر فوھا للکراع والسلاح وانفقو ھا علی محاویج المسلمین وَاَنْفُسِهِمْ بمباشرة القتال واقتحام المعارک والخوض فی لجج المھالک.

یعنی یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنے وطن چھوڑے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنے گھر اپنے دشمنوں کے لئے چھوڑ آئے اور انہوں نے مال سے جہاد کیا کہ جہاد کے لئے سامان، سواری اور اسلحے پر اپنا مال لگایا اور حاجت مند مسلمانوں پر (جہاد کے دوران) خرچ کیا اور انہوں نے اپنی جان سے جہاد کیا یعنی خود جنگوں میں شریک ہوئے، معرکوں کے گھمسان میں اور موت کی لہروں میں گھسے۔ (روح المعانی)

صاحب تفسیر ماجدی لکھتے ہیں:

''پھر ترکِ وطن کیا خدا کی راہ میں وطن اور سارے مالوفات وطن کو چھوڑ کر پردیس میں آئے پھر اپنا روپیہ خرچ کر کے سامان جہاد درست کیا پھر اپنی جانوں کو معرکۂ قتال میں پیش کیا۔'' (تفسیر ماجدی)

صاحب تفسیر حقانی لکھتے ہیں:

انہوں نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے خویش واقارب، وطن اور فرزند وزن سب کو چھوڑ دیا یہ بات اپنے آپ کو قتل کر دینے سے کچھ کم نہیں جلاوطنی، کالا پانی بھی پھانسی سے کچھ کم سزا نہیں سو جس طرح انہوں نے اپنے مذہب قدیم کو چھوڑا اسی طرح وطن قدیم سے بھی منہ موڑا۔ انہوں نے اپنی جان سے اور مال سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا ہے جان کو اللہ تعالیٰ کے لئے سخت تہلکوں (یعنی ہلاکت کے مقامات) میں ڈال دیا۔ (تفسیر حقانی)

صاحبِ تفسیر الفرقان لکھتے ہیں:

جہاد فی سبیل اللہ کا اہم ترین مقدمہ (یعنی ابتدائی قدم) ہجرت ہے۔

وطن ومکان کا علاقہ (یعنی تعلق) ایک ایسا علاقہ ہے جس کے ترک کرنے میں بعض اوقات اہل وعیال، مال و متاع، دوست واحباب ہر طرح کے علاقوں (یعنی تعلقات) کو ترک کر دینا پڑتا ہے۔ اور اس کی (یعنی وطن ومکان کے ساتھ) محبت والفت کی زنجیر اور ساری زنجیروں سے بھاری ہے، اس لئے ترک وطن کی ہجرت، اعلیٰ اور جامع قسم کی ہجرت ہوئی اور زیادہ تر ''مہاجرت'' کا اطلاق تارکین وطن پر کیا گیا۔ مگر مادہ پرست اقوام نے اس کو ذلیل کر دیا اور روحانی کمالات سے دور جا پڑے، پھر بھی دنیاوی فضائل پورے طور پر حاصل ہو گئے۔ یہ حیرت انگیز انکشافات، انقلاب انگیز ایجادات، دولت کی فراوانی، تجارت کی عالمگیری، نئی نئی آبادیوں کا قیام، طرح طرح کے وسائل معیشت کا ظہور پھر ملکوں کا عروج، قوموں کی بالا دستی اور تمدن کی وسعت اسی ہجرت کے ثمرات ونتائج ہیں۔ مگر اسلام کا نصب العین اس سے بہت بلند تر ہے، اس لئے ارشاد ہوا ہے کہ محض رضائے الٰہی کے لئے گھر بار چھوڑ دو۔ جب ہجرت مقدمہ جہاد ٹھہرا تو ضروری تھا کہ مسلمانوں کے باہمی تعلقات پر روشنی ڈالی جاتی اور بتا دیا جاتا کہ بہترین مسلمان کون لوگ ہیں اس لئے ان آیات میں ان کے مختلف اقسام بیان کئے اور وہ یہ ہیں۔

(الف) اسلام نسلی اور ملکی امتیازات سے بالاتر ایک قومیت بنانا چاہتا ہے اس لئے حکم ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کا قانون بلند وبرتر کرنے اور انسانوں کا انسانوں سے رشتہ کاٹ کر صرف اللہ تعالیٰ سے جوڑنے کے لئے اپنے آپ کو، مال ومتاع کو اور وطن ودیار کو ترک کر کے مرکز اسلام میں آجاتے ہیں کہ ارتقائے اسلام کی صورت پیدا ہو اور اپنی ہر عزیز چیز اس کی خاطر قربان کر دیتے ہیں۔ یہ مہاجر ہیں۔

(ب) جو لوگ دارالاسلام میں رہتے ہیں وہ ان فدا کاران ملت کے لئے اپنی آنکھیں بچھا دیتے ہیں، ان کے قصور ومحلات کے دروازے ان مہاجرین کے لئے ہر وقت مفتوح (یعنی کھلے) رہتے ہیں اور ان کی نصرت ودستگیری میں اپنی تمام قوت صرف کر دیتے ہیں یہ انصار ہیں۔ (تفسیر الفرقان)

آیت کی تفسیر میں دو قول

مفسرین کی ایک جماعت کے نزدیک ان آیات میں ''ولایت'' کا معنیٰ وراثت اور ولی کا معنیٰ وارث ہے۔ جب کہ دوسرے بعض مفسرین کے نزدیک ''ولایت'' کا معنیٰ دوستی، گہرا تعلق اور آپس میں امداد واعانت ہے۔ اوپر خلاصہ تفسیر میں اس دوسرے قول کے مطابق آیت کی تشریح لکھی گئی ہے۔ المدارک وغیرہ تفاسیر میں یہی معنیٰ لئے گئے ہیں۔ صاحب روح المعانی اور صاحب بیان القرآن نے ولایت کو وراثت کے معنیٰ میں لے کر تقریر کی ہے شائقین حضرات ان دونوں تفاسیر کا مطالعہ فرمالیں۔ یہاں طلبۂ علم کے لئے امام نسفی رحمہ اللہ کی مختصر تفسیر بطور حوالہ پیش خدمت ہے۔ کیونکہ انہوں نے دونوں معانی کو جمع فرمایا ہے۔ نیز ان کے نزدیک اسی سورۃ کی آخری آیت کا یہ ٹکڑا وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ اس حکم کے لئے ناسخ ہے جو اوپر کی آیت میں بیان ہوا کہ مہاجرین اور انصار آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ جب کہ دیگر مفسرین کے نزدیک وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ کی تفسیر وہ ہے جو پیچھے تفسیر عثمانی کے حوالہ سے بیان ہو چکی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے ''المدارک'' کی عبارت۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا من مكة حبا لله ورسوله وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ هم المهاجرون وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اى اووهم الى ديارهم ونصروهم على اعدائهم وهم الانصار اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ اى يتولى بعضهم بعضا فى الميراث وكان المهاجرون والانصار يتوارثون بالهجرة وبالنصرة بعضها دون ذوى القرابات حتى نسخ بقوله وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ وقيل: اراد به النصرة والمعاونة وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا من مكة مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ من توليهم فى الميراث مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فكان لايرث المومن الذى لم يهاجر ممن أمن وهاجر، ولما ابقىٰ للذين لم يهاجروا اسم الايمان وكانت الهجرة فريضةً فصاروا بتركها مرتكبين كبيرة دل على ان صاحب الكبيرة لايخرج من الايمان وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ اى من اسلم ولم يهاجر فِى الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اى ان وقع بينهم وبين الكفار قتال وطلبوا معونة فواجب عليكم ان تنصروهم على الكافرين اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فانه لايجوز لكم نصرهم عليهم لانهم لايبتدئون بالقتال اذا لميثاق مانع من ذلك وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ تحذير عن تعدى حدالشرع وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ظاهره اثبات الموالاة بينهم ومعناه نهى المسلمين عن موالاة الكفار وموارثتهم وايجاب مباعدتهم ومصارمتهم وان كانوا اقارب وان يتركوا يتوارثون بعضهم بعضا: ثم قال اِلَّا تَفْعَلُوْهُ اى الا تفعلوا ماامرتكم به من تواصل المسلمين وتولى بعضهم بعضاً حتى فى التوارث تفضيلاً لنسبة الاسلام على نسبة القرابة ولم تجعلوا قرابة الكفار كلاقرابة تَكُنْ فِتْنَةٌ فِى الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ

تحصل فتنة فی الارض ومفسدة عظیمة لان المسلمین مالم یصیروا یداً واحدةً علی الشرک کان الشرک ظاهراً والفساد زائداً ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا﴾ لانهم صدقوا ایمانهم وحققوه بتحصیل مقتضیاته من هجرة الوطن ومفارقة الأهل والسکن والانسلاخ من المال والدنیا لاجل الدین والعقبیٰ ﴿لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ﴾ لامنة فیه ولاتنغیص ولا تکرار لان هذه الایة واردة للثناء علیهم مع الوعد الکریم والا ولیٰ للامر بالتواصل ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا مِن بَعْدُ﴾ یرید اللاحقین بعد السابقین الی الهجرة ﴿وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا مَعَكُمْ فَأُولَٰئِكَ مِنكُمْ﴾ جعلهم منهم تفضلاً وترغیباً ﴿وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ﴾ واولو القرابات اولیٰ بالتوارث وهو نسخ للتوارث بالهجرة والنصرة ﴿فِي كِتَابِ اللّٰهِ﴾ فی حکمه وقسمته او فی اللوح او فی القرآن وهو آیة المواریث وهو دلیل لنا علی توریث ذوی الارحام ﴿إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ فیقضی بین عباده بماشاء من احکامه۔ (المدارک)

نکتہ

میراث کا حقدار رشتہ داروں کو قرار دے دیا گیا بظاہر اس سے اسلامی جماعت کو زیادہ مضبوطی ملی اس لئے کہ مال جھگڑے کی چیز ہے اور اس کا فتنہ سخت ہے۔ رشتہ داروں نے تو خونی رشتے کی مجبوری کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ رہنا ہی ہوتا ہے۔ اس لئے مال پر ان کے جھگڑے اتنے نقصان دہ نہیں ہوتے۔ جبکہ اسلامی اور جماعتی رشتے کے لئے مال کا جھگڑا زیادہ نقصان دہ ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

قرآن پاک کو ماننے والی ایک جماعت

حضرت لاہوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

مخالفین اسلام ایک دوسرے کے معین ومددگار ہونگے ﴿إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُن فِتْنَةٌ﴾ قرآن شریف پر عمل کرنا اسی صورت میں آسان ہے جب کہ قرآن شریف کے ماننے والے ایک جماعت اور نہ ماننے والے دوسری جماعت ہوجائیں۔ (حاشیہ حضرت لاہوی رحمہ اللہ)

سورۃ انفال کی آخری آیات میں مسلمانوں کے درمیان جس طرح کے ”تعلق“ پر زور دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو یعنی امت مسلمہ کو اس پر عمل کی توفیق اور پھر اس کے ثمرات عطاء فرمائے۔ آمین یاارحم الراحمین۔

ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم وتب علینا انك انت التواب الرحیم۔

وصلی اللّٰه تعالیٰ علیٰ خیر خلقه سیدنا محمد وعلیٰ اله واصحابه اجمعین وبارک وسلم تسلیما کثیرا۔

۵ جمادی الاولی ۱۴۲۷ھ

یوم الجمعہ
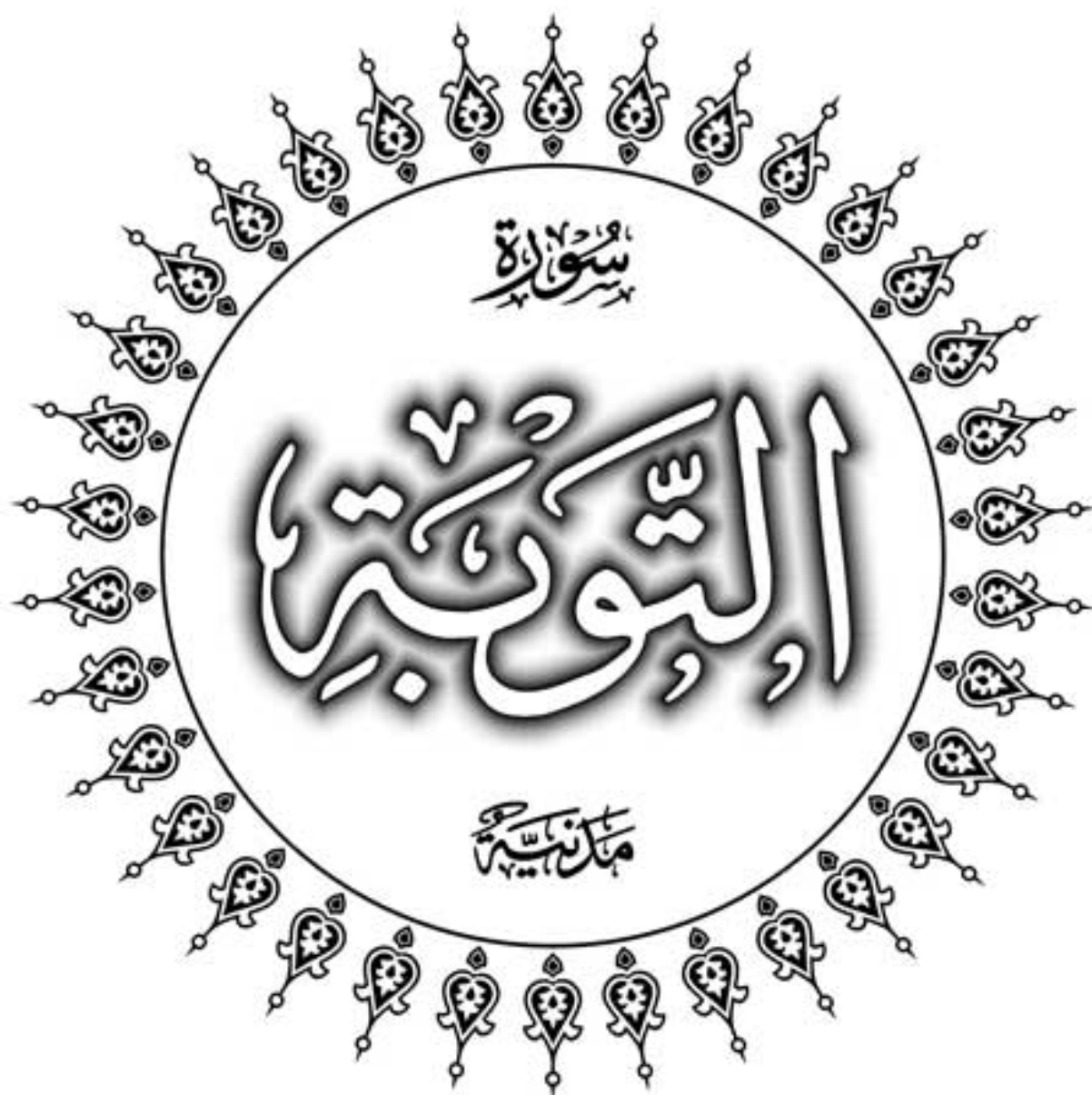
سُورَةُ
التَّوْبَةِ
مَدَنِيَّةٌ

ابتدائیہ

- سورۃ کے ناموں کی تحقیق
- سورۃ مبارکہ کے غزوات، واقعات اور زمانۂ نزول
- سورۃ التوبہ کا سورۃ الانفال سے ربط
- سورۃ التوبہ کے مضامینِ جہاد کا عجیب خلاصہ
- جہادی نکات از حضرت شاہ عبدالقادرؒ
- خلاصۂ مضامینِ سورۃ التوبہ

سورۃ کا ایک مشہور نام تو التوبہ ہے۔

لان فیھا التوبة علی المومنین (المدارک)

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی توبہ قبول فرمائی اور ان پر اپنی خاص توجہ فرمائی۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ ...... الی ...... اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (التوبہ ۱۱۷۔۱۱۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے نبی کے حال پر رحمت سے توجہ فرمائی اور مہاجرین اور انصار کے حال پر بھی جنھوں نے ایسی تنگی کے وقت میں (غزوہ تبوک کے موقع پر) نبی کا ساتھ دیا اس کے بعد کہ ان میں سے بعض کے دل پھر جانے کے قریب تھے پھر اپنی رحمت سے ان پر توجہ فرمائی بے شک وہ ان پر شفقت کرنے والا مہربان ہے اور ان تینوں پر بھی جن کا معاملہ ملتوی کیا گیا یہاں تک کہ جب ان پر زمین باوجود کشادہ ہونے کے تنگ ہوگئی اور ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہوگئیں اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی پناہ نہیں سوائے اسی کی طرف آنے کے، پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان پر متوجہ ہوا تا کہ وہ توبہ کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

یعنی مشکل حالات میں جہاد کے لئے نکلنا اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے جو وہ اپنے مخصوص بندوں کو عطاء فرماتا ہے۔اور اگر کوئی جہاد سے رہ جائے تو وہ خوب توبہ کرے۔

سورۃ کے دیگر نام

اس سورۃ مبارکہ کا دوسرا مشہور نام ''سورۃ البرأۃ'' ہے۔ برأۃ کہتے ہیں ترک موالات اور رفع امان کو۔یعنی تعلقات ختم اور حفاظت کی ضمانت ختم اب تمہارا فیصلہ تلوار کے ذریعہ ہوگا...... ملاحظہ فرمایئے یہ عبارت:

◆ برأۃ کے معنیٰ ترک موالات ورفع امان کے ہیں۔

البراءة ھی قطع الموالاۃ وارتفاع العصمة وزوال الامان (جصاص) معنی البراءة انقطاع العصمة (کبیر)

مشرکین عرب کی مسلسل عہد شکنیوں کے بعد اب انہیں نوٹس دیا جارہا ہے کہ اتنی مدت کے بعد تم سے سارے معاہدے ختم، بس اب تلوار ہی تمہارا فیصلہ کرے گی۔ (تفسیر ماجدی)

حضرات مفسرین نے اس سورۃ مبارکہ کے تیرہ نام نقل فرمائے ہیں چونکہ اس سورۃ مبارکہ کا بنیادی موضوع جہاد فی سبیل اللہ ہے اس لئے اس کے تمام نام جہاد کے مختلف پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہیں، امام نسفیؒ لکھتے ہیں:

فقال بعضھم: الانفال وبرأۃ واحدۃ نزلت فی القتال

یعنی بعض صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ انفال اور برأۃ دونوں ایک ہی سورۃ ہے جو قتال فی سبیل اللہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

مفسرین حضرات نے اس سورۃ کے درج ذیل نام ذکر فرمائے ہیں:

❶ سورۃ البرأۃ ❷ التوبۃ ❸ سورۃ العذاب ❹ المقشقشۃ ❺ المبعثرۃ ❻ المشردۃ ❼ المخزیۃ ❽ المثیرۃ ❾ الحافرۃ ❿ المنکلۃ ⓫ المدمدمۃ ⓬ الفاضحۃ ⓭ الحامزۃ۔ (کشاف، المدارک، حقانی)

البرأۃ اور التوبۃ کے معنیٰ اوپر بیان ہو چکے ہیں سورۃ العذاب کا معنیٰ بھی واضح ہے کہ اس میں کافروں اور منافقوں کے لئے عذاب کا بیان ہے۔ سورۃ کے باقی ناموں کا تعلق منافقین کی حالت سے ہے کہ یہ سورۃ انہیں رسوا کرتی ہے ان کے عیبوں اور بیماریوں کو کرید کرید کر بیان کرتی ہے اور ان کے مکر وفریب اور سازشوں کی نقاب کشائی کرتی ہے۔ (وغیرہ)

سورۃ مبارکہ کے غزوات وواقعات اور زمانہ نزول

اس سورۃ مبارکہ میں تین بڑے غزوات کا تذکرہ ہے:

❶ فتح مکہ

❷ غزوۂ حنین

❸ غزوۂ تبوک

اور اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مبارکہ کے واقعہ کو بھی تبعاً بیان کیا گیا ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک یہ سورۃ ۹ھ میں نازل ہوئی جبکہ بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ اس سورۃ مبارکہ میں چند آیات فتح مکہ کی ترغیب میں ہیں یعنی وہ آیات پہلے نازل ہوئیں اور ان میں مسلمانوں کو ترغیب دی گئی کہ وہ مکہ پر حملہ کریں اور اسے فتح کریں...... اور غزوہ حنین کے بارے میں جو آیات ہیں وہ غزوہ حنین کے بعد نازل ہوئیں...... اور غزوہ تبوک کے بارے میں دو طرح کی آیات ہیں کچھ آیات غزوہ تبوک سے پہلے نازل ہوئیں ان میں غزوہ تبوک کی ترغیب ہے اور کچھ آیات غزوہ تبوک کے بعد نازل ہوئیں ان میں غزوہ تبوک میں نہ جانے والے منافقین وغیرہ پر عتاب ہے...... اور سب سے آخر میں وہ آیات نازل ہوئیں جن میں مشرکین سے ہر طرح کے عہد معاہدے ختم کرنے کا اعلان ہے...... اس تحقیق کے اعتبار سے یہ پوری سورۃ ۸ھ تا ۹ھ کے آخر تک کے زمانے میں نازل ہوئی۔

اس تحقیق کی مدلل تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے تفسیر روح المعانی و بیان القرآن۔ بہرحال حضرات مفسرین کا اس بات پر تو اتفاق ہے کہ سورۃ توبہ قرآن پاک کی ان سورتوں میں سے ہے جو بالکل آخری زمانے میں نازل ہوئیں۔

وروی البخاریؒ عن البراء انها آخر سورة نزلت

یعنی امام بخاریؒ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ آخر میں نازل ہونے والی سورۃ ہے۔ (جلالین)

ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

هذه السورة الكريمة من اواخر ما نزل علىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم

یعنی یہ سورۃ مبارکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی آخری سورتوں میں سے ہے۔(تفسیر ابن کثیرؒ)

شیخ عبداللہ عزامؒ فرماتے ہیں:

نزلت في العام التاسع من الهجرة وهي تتكلم عن غزوة تبوك

یعنی یہ سورۃ ۹ھ میں نازل ہوئی اور یہ غزوہ تبوک کو بیان کرتی ہے۔(فی ظلال سورۃ التوبۃ)

جب یہ سورۃ مبارکہ قرآن پاک کی ان سورتوں میں سے ہے جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر آخری زمانے میں نازل ہوئیں تو یہ کہنا درست ہے کہ:

جہاد کے حتمی احکامات، جہاد کی بالکل واضح شکل......اور جہاد کی اصل شرعی حیثیت اسی سورۃ سے واضح طور پر سمجھی جاسکتی ہے۔

ان هذه السورة تمثل الشرعة النهائية لحكم القتال في سبيل الله (الشيخ عزامؒ)

سورۃ مبارکہ میں مذکور غزوات، واقعات اور ترتیب نزول آیات کے بارے میں صاحب بیان القرآن تحریر فرماتے ہیں:

''اس سورۃ میں چند غزوات اور چند واقعات کہ حکماً وہ بھی غزوات ہیں مذکور ہیں ❶ قبائل عرب سے معاہدہ ختم کرنے کا اعلان ❷ فتح مکہ ❸ غزوہ حنین ❹ حرم شریف سے کفار کو (ہمیشہ کے لئے) نکالنے کا بیان ❺ غزوہ تبوک۔

پچھلی سورۃ (الانفال) میں اکثر غزوہ بدر اور کچھ غزوہ بنی قریظہ کے واقعات تھے پس دونوں سورتوں کے درمیان ربط اور مناسبت واضح ہوگئی۔(مفہوم بیان القرآن)

تفسیر الفرقان میں ہے:

''تمام سورۃ پڑھنے کے بعد ہر شخص بآسانی یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ اس کا نزول سب سے آخر میں ہوا بخاری میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: آخر سورة نزلت براۃ سب سے آخر میں (سورۃ) توبہ ہی کا نزول ہوا۔ظاہر ہے اس کا مقام نزول مدينة النبي کے سوا اور کوئی جگہ نہیں ہوسکتی، اسی پر جمہور مفسرین کا اتفاق ہے اور یہی ابن عباس، ابن الزبیر اور قتادۃ کی رائے ہے۔ترتیب آیات وواقعات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورۃ تمام وکمال ۹ ہجری میں نازل ہوئی ہے ہاں اتنا ضرور ماننا پڑے گا کہ اس کی ابتدائی آیات اس سال کے آخر میں نازل ہوئی

ہوں گی کیونکہ یہی وہ آیات تھیں جن کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مشرکین عرب کے سامنے حج کے روز تلاوت کیا تھا تاکہ ان لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اب اسلام ان سے کوئی جدید عہد نہیں کرے گا۔ آیات نمبر ۲۹ سے آخر سورۃ تک غالباً غزوہ تبوک سے قبل یا فوراً بعد اور عجیب نہیں کہ عین دوران جنگ میں نازل ہوئی ہوں۔ ظاہر ہے کہ جنگ تبوک بھی ہجرت کے نویں ہی سال وقوع میں آئی تھی۔ (تفسیر الفرقان)

سورۃ التوبہ کا سورۃ الانفال سے ربط

"سورۃ الانفال کی تعلیم سے جب مسلمان قانون جنگ کے ماہر ہو گئے تو اب اس سورۃ میں سب سے پہلے عرب کو اور اس کے بعد تمام مخالفین کو اعلان جنگ دیا گیا کہ اگر وہ اسلام کے بقاء میں مزاحم ہوئے تو جس طرح سرزمین عرب میں حق کو فتح و کامرانی نصیب ہوئی اور باطل کا جڑ سے خاتمہ کیا گیا اسی طرح ہر جگہ اہل کفر کی سرکوبی کر دی جائے گی كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" (تفسیر الفرقان)

❶ ان دونوں میں ربط یہ ہے کہ دونوں سورتوں میں جہاد کا تذکرہ ہے۔ (تفسیر المدارک، تفسیر الفرقان)

❷ سورۃ انفال کے آخر میں مسلمانوں کی "عالمی جماعت" اور "عالمی برادری" قائم کی گئی جب مسلمانوں کا یہ اتحاد قائم ہو گیا تو مخالفین اسلام سے عمومی جنگ کا اعلان کر دیا گیا...... تفسیر الفرقان میں ہے:

سورۃ انفال کے آخر میں فرمایا تھا: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ

یہی وہ لوگ تھے جن کی نسبت کہا گیا:

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ

پس جب مسلمانوں میں مذہبی اتحاد اور سیاسی یگانگت قائم ہو گئی تو فوراً بعد سورۃ توبہ میں مخالفین اسلام کو اعلان جنگ دیا گیا: بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ (تفسیر الفرقان)

❸ سورۃ انفال میں جہاد کے لئے تیاری کرنے کا حکم تھا وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ (الانفال ۶۰) اور اس سورۃ میں منافقین پر تنقید ہے کہ وہ جہاد کی تیاری نہیں کرتے وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً (التوبہ ۴۶)

امام آلوسیؒ لکھتے ہیں:

وانه تعالىٰ امر في الاولى (الانفال) بالاعداد فقال سبحانه: وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ (الانفال ٦٠) ونعى هنا على المنافقين عدم الاعداد بقوله عز وجل: وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً (التوبہ ۴۶)۔ (روح المعانی)

❹ سورۃ انفال کے آخر میں حکم دیا گیا تھا کہ مسلمان ایک دوسرے سے دوستی اور موالات رکھیں اور کافروں سے

یاری اور موالات نہ کریں سورۃ توبہ میں اسی بات کو مزید وضاحت سے بیان فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین سے بری ہیں۔ صاحب روح المعانی تحریر فرماتے ہیں:

وانہ سبحانہ ختم الاولی بایجاب ان یوالی المومنین بعضھم بعضا وان یکونوا منقطعین عن الکفار بالکلیۃ وصرح جل شانہ فی ھذہ بھذا المعنیٰ بقولہ تبارک وتعالیٰ بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ (التوبۃ:۱)

❺ سورۃ انفال میں مال غنیمت کی تقسیم کا بیان تھا اور سورۃ توبہ میں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان ہوئے ہیں (جن میں سے ایک صرف جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کرنا بھی ہے)

ووجہ مناسبتھا للانفال ان فی الاولیٰ قسمۃ الغنائم وجعل خمسھا لخمسۃ اصناف علی ما علمت وفی ھذہ قسمۃ الصدقات وجعلھا لثمانیۃ اصناف علیٰ ما ستعلم ان شاء اللّٰہ تعالیٰ۔ (روح المعانی)

❻ "سورۃ انفال میں معاہدوں کی پابندی اور صلح کا تذکرہ تھا: وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اب چونکہ کفار نے بار بار اپنے عہدناموں کو توڑ ڈالا اور ہمیشہ مسلمانوں کو تکلیف دی اس لئے توبہ میں ان پابندیوں سے مسلمانوں کو آزاد کر دیا گیا"..... (تفسیر الفرقان)

وقال الآلوسیؒ: وفی الاولیٰ ایضاً ذکر العھود وھنا نبذھا۔

❼ سورۃ انفال میں غزوۂ بدر کا بیان تھا جبکہ اس سورۃ میں فتح مکہ حنین، تبوک اور پھر تمام قبائل عرب سے حتمی اعلان جنگ ہے۔ غزوہ بدر کے وقت مسلمان کمزور تھے مگر انہوں نے جہاد جاری رکھا اور سورۃ انفال کے حکم کے مطابق جہاد کی تیاری میں لگے رہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ یہ اعلان کرنے کے قابل ہو گئے کہ تمام مشرک و کافر جزیرۃ العرب سے نکل جائیں پس سورۃ انفال اور سورۃ براۃ کا جوڑ مسلمانوں کو قوت، غلبہ اور اسلامی اقتدار حاصل کرنے کی ترتیب سمجھاتا ہے کہ کمزوری کے وقت بھی مسلمان جہاد اور اس کی تیاری نہ چھوڑیں بلکہ جہاد اور اس کی تیاری میں لگے رہیں تو انہیں وہ غلبہ ملے گا جو سورۃ توبہ میں مذکور ہے۔ یعنی مسلمان سورۃ انفال پر عمل کر کے سورۃ براۃ والی عظمت اور شان تک پہنچ سکتے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

❽ سورۃ انفال اور سورۃ براۃ کے درمیان اور بھی بہت سی مناسبات ہیں۔ مثلاً سورۃ انفال میں غزوہ بدر کا بیان تھا جس کا ایک اہم سبق مسلمانوں کے لئے یہ تھا کہ اگر تم کمزور یا تھوڑے ہو تو گھبراؤ نہیں اور سورۃ توبہ میں غزوہ حنین کا بیان ہے جس کا ایک اہم سبق یہ ہے کہ اگر تم زیادہ ہو تو اتراؤ نہیں۔

سورۃ انفال میں بتایا گیا تھا کہ مشرکین مکہ کعبۃ اللہ کی بے حرمتی کرتے ہیں اور وہ اس کی خدمت کے اہل نہیں ہیں

سورۃ توبہ میں کعبۃ اللہ کے آزاد، صاف اور پاک ہونے کا بیان ہے سورۃ انفال میں فتنہ ختم کرنے کے لئے قتال کا حکم تھا اور سورۃ توبہ میں اس کا عملی اظہار ہے کہ کس طرح سے قتال کی برکت سے جزیرۃ العرب سے فتنہ ختم ہوا اور کس طرح سے سرزمین حجاز کی تطہیر ہوئی پس اگر مسلمان قتال فی سبیل اللہ جاری رکھیں گے تو انہیں دنیا میں ہر جگہ ایسے ہی نتائج حاصل ہوں گے۔ سورۃ انفال میں قریب کے دشمنوں سے جنگ کا واقعہ بیان ہوا تھا کیونکہ بدر کا محاذ مدینہ منورہ کے قریب تھا جبکہ سورۃ توبہ خاص طور پر غزوہ تبوک کو بیان کرتی ہے جو بہت دور کا محاذ تھا معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو اسلام کی دعوت، عظمت اور غلبے کے لئے قریب، دور ہر جگہ جانا ہوگا۔

سورۃ انفال میں یہ سمجھایا گیا کہ مسلمان تھوڑے ہوں تب بھی جہاد کو جاری رکھیں اور سورۃ توبہ میں یہ سمجھایا گیا کہ مسلمان زیادہ ہوں تب بھی جہاد کو جاری رکھیں اور عجیب نکتہ یہ ہے کہ دونوں سورتوں میں ہجرت کے واقعے کی طرف اشارہ فرمایا گیا کہ اللہ پاک نے ہجرت کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کس طرح نصرت فرمائی تھی۔ یعنی فتح اور نصرت تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے ملتی ہے اور وہی اس دین کا محافظ ہے باقی جو لوگ اس دین کی نصرت کریں گے یہ خود ان کی خوش نصیبی ہوگی ورنہ اللہ تعالیٰ تو اس دین کے غلبے کا فیصلہ فرما ہی چکا ہے جس کا واضح ثبوت ہجرت کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی عجیب نصرت ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ایک عجیب نکتہ

سورۃ انفال ہجرت کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی یعنی غزوہ بدر کے موقع پر اور سورۃ توبہ کی اکثر آیات کا نزول ۹ھ کے آس پاس ہے مگر دونوں سورتوں کا لہجہ اور انداز بہت ملتا جلتا ہے۔ حالانکہ دنیا میں عام اصول یہ ہے کہ جب کوئی تحریک یا جماعت کمزور ہوتی ہے تو اس کا لہجہ اور انداز اور ہوتا ہے اور جب وہ تحریک یا جماعت قوت پکڑ لیتی ہے تو اس کا لہجہ اور انداز بدل جاتا ہے۔ مگر قرآن پاک کے پاس جب تین سو تیرہ نہتے افراد کا لشکر تھا تب بھی وہ کافروں کو اسی طرح للکارتا رہا اور جب اسی کے پاس دسیوں ہزار مسلح مجاہدین تھے تب بھی اس کا لہجہ وہی رہا۔ کوئی بھی انصاف کے ساتھ اس نکتے پر غور کرے تو بے ساختہ پکار اٹھے گا کہ بے شک قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے کسی انسان کا ہرگز نہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سورۃ توبہ کے بعض جہادی مضامین کا عجیب خلاصہ

سورۃ توبہ اوّل تا آخر جہادی معارف اور مضامین سے لبریز ہے اور یہ سورۃ چونکہ آخر میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے اس لئے اس کے تمام مضامین محکم، قطعی اور حرف آخر ہیں۔ پیچھے گزر چکا ہے کہ یہ سورۃ مبارکہ اسلام کے کئی اہم غزوات کو بیان فرماتی ہے۔ جیسے فتح مکہ، غزوہ تبوک غزوہ حنین۔ حضرات مفسرین نے لکھا ہے کہ اس

سورۃ کی آیت قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ (آیت ۱۴) میں فتح مکہ کی ترغیب ہے۔اور آیت اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا (آیت ۴۱) کے ذریعے مشکل ترین جہادی سفر غزوہ تبوک کی ترغیب ہے۔یعنی اس سورۃ میں جہاد کا مکمل نصاب موجود ہے جہاد کی فرضیت، جہاد کی ترغیب،فرضیت جہاد کی وجوہات اور حکمتیں، جہاد کے فضائل، جہاد چھوڑنے کی وعیدیں، جہاد کرنے کے فائدے،شہادت کے عجیب فضائل،مشرکین کے خلاف جہاد، اہل کتاب کے خلاف جہاد...... جہاد کے بارے میں منافقین کا طرز عمل۔ جہاد کے مخالف منافقین کی اقسام۔ان منافقین کے سدا بہار بہانے۔مسلمانوں کے لئے ایک عظیم اور خالص مرکز کا قیام۔فضیلتِ ہجرت ونصرت۔ جہاد میں مال خرچ کرنے کی اہمیت اور فضیلت۔جنگ کرنے کا طریقہ۔منافقین کا طرز عمل اور ان سے نمٹنے کے طریقے۔اور بہت کچھ......

طلبہ علم کی سہولت کے لئے سورۃ مبارکہ کے بعض ضروری جہادی مضامین کا خلاصہ درج ذیل ہے۔ ہر مضمون کے آخر میں اس آیت کا نمبر بھی لکھا جا رہا ہے جس میں یہ مضمون مذکور ہے۔

(۱) جہاد فی سبیل اللہ کی سات حکمتیں اور فائدے

قتال تو نام ہے لڑائی کا۔کیا اس لڑائی میں انسانیت کے لئے فائدے اور حکمتیں ہیں کہ اللہ پاک نے اس کا حکم دیا۔جی ہاں قتال فی سبیل اللہ میں بہت عظیم الشان ظاہری وباطنی حکمتیں اور فائدے ہیں سورۃ توبہ کی آیت (۱۴) اور (۱۵) میں سات بہت اونچی حکمتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔

(۲) وہ پانچ باتیں جو جہاد سے رکنے کا عذر نہیں بن سکتیں

پانچ چیزیں ایسی ہیں جن کو عذر قرار دے کر لوگ جہاد سے رک جاتے ہیں،سورۃ توبہ نے بیان فرمایا کہ یہ پانچ عذر جہاد چھوڑنے کا بہانہ نہیں بن سکتے۔ ❶ دشمنان اسلام اگر بعض نیک کام کرتے ہوں تو ان کی وجہ سے ان کے خلاف جہاد ترک نہیں جائے گا مشرکین مکہ حرم شریف کے مجاور اور خادم تھے مگر اس نیکی کی وجہ سے ان کے خلاف جہاد ترک نہیں کیا گیا۔ آیت [۱۷] ❷ مسلمان مسجد میں بیٹھ کر ذکر وفکر کرنے اور مساجد کے آباد رکھنے کو جہاد چھوڑنے کا عذر نہیں بنا سکتے آیت [۱۹] ❸ دشمنان اسلام سے اگر کوئی دنیاوی تعلق یا خونی رشتہ ہو تو اسکی وجہ سے ان کے خلاف جہاد بند نہیں ہوگا آیت [۲۳] ❹ قلتِ تعداد مانع جہاد نہیں ہو سکتی یعنی کم تعداد کو عذر بنا کر جہاد چھوڑنا ٹھیک نہیں ہے آیت [۲۵]۔ ❺ اگر دشمنان اسلام سے جہاد کرنے میں مسلمانوں کو اپنے اقتصادی اور مالی نقصان کا خطرہ ہو تو اس کی وجہ سے جہاد ترک نہیں کیا جائے گا۔یعنی اگر دشمنان اسلام سے مسلمانوں کو کچھ مال و مفادات مل رہے ہوں اور ان کے خلاف جہاد کرنے سے ان مفادات کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو تو اس کی قطعاً پرواہ نہ کی جائے آیت [۲۸]۔(مفہوم تقریر حضرت لاہوریؒ)

(۳) اہل کتاب کے خلاف جہاد

اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے خلاف بھی جہاد ہوگا......سورۃ توبہ نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے کہ اہل کتاب کے

خلاف کب تک جہاد جاری رکھا جائے گا؟......اہل کتاب کے خلاف جہاد کیوں کیا جاتا ہے؟......اہل کتاب میں کون کون سی ایسی خرابیاں آ گئی ہیں جن کی وجہ سے ان کو مغلوب کرنا ضروری ہے؟......(ورنہ ان کی یہ خرابیاں دنیا میں پھیل جائیں گی) آیت ۲۹ تا ۳۵۔

(۴) خود اپنے آپ کو جہاد سے مستثنیٰ رکھنا نفاق کی علامت ہے

کسی شرعی عذر کے بغیر جہاد سے رخصت مانگنا اور خود کو جہاد سے مستثنیٰ رکھنا نفاق کی علامت ہے اس اہم مضمون کا آغاز آیت ۴۵ سے ہوتا ہے......اور پھر سورۃ توبہ نے وہ پانچ طرح کے افراد بیان فرمائے ہیں جو خود کو جہاد سے مستثنیٰ رکھتے ہیں اور نفاق کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں:

❶ وہ لوگ جو جہاد میں نکلنے کی تیاری ہی نہیں کرتے پھر جب جہاد کا وقت آتا ہے تو بہانے بنا کر خود کو مستثنیٰ رکھتے ہیں اور رخصت مانگتے ہیں۔ (آیت ۴۵،۴۶)

❷ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم جہاد میں نکل بھی گئے تو ہم کمزور ہیں ہم کچھ نہیں کر سکیں گے بلکہ ہم گناہوں اور فتنوں میں مبتلا ہو جائیں گے۔ (آیت ۴۹)

❸ وہ جو اللہ پاک کی رضا کے لئے نہیں مال کی خاطر جہاد کرتے ہیں بس جب ان کو مال کم ملتا ہے تو بگڑ جاتے ہیں اور ناراض ہو بیٹھتے ہیں۔ (آیت ۵۸)

❹ وہ جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم خیال نہیں ہیں اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدگمان ہیں ایسے لوگ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی خاطر لڑنے کو درست نہیں سمجھتے۔ (آیت ۶۱)

❺ وہ جو عہد کرتے ہیں کہ ہمیں جب وسعت اور آسانی ملے گی تو ہم جہاد کریں گے پھر جب وسعت مل جاتی ہے تو اسی کے مزے میں پڑ جاتے ہیں اور جہاد نہیں کرتے۔ (آیت ۷۵،۷۶) (مفہوم تقریر حضرت لاہوریؒ)

(۵) جہاد کی بدولت منافق بے نقاب ہو جاتے ہیں

بہت سے منافق جو خود کو مسلمان کہتے ہیں اور جماعتِ اسلام میں گھسے رہتے ہیں ان کی اصل حقیقت تب بے نقاب ہوتی ہے جب انہیں اسلام کے اہم فریضے جہاد فی سبیل اللہ میں جانی اور مالی شرکت کے لئے بلایا جاتا ہے۔ نفاق اور منافقت کو سمجھنے کے لئے سورۃ توبہ کے مضامین بے حد صاف، واضح اور مفصل ہیں۔ اس میں منافقین کی اقسام کا بھی بیان ہے مثلاً آیت (۱۰۱) میں ان منافقین کا تعارف ہے جو ''ناقابل معافی'' ہیں کیونکہ ان کا نفاق اعتقادی ہے اور ان کا نصب العین افتراق بین المسلمین ہے جبکہ اس کے بعد والی آیت میں کئی مفسرین کے نزدیک اُن منافقین کا بیان ہے جو قابل معافی ہیں کیونکہ اُن کا نفاق عادی ہے اعتقادی نہیں اسی طرح آیت (۶۷) میں منافقین کا نصب العین اور ان کی سزا کو بیان کیا گیا ہے جب کہ آیت (۱۰۷) میں مسجد ضرار کا تذکرہ ہے کہ کس طرح سے مسلمانوں میں گھسے ہوئے منافق اسلام دشمن کافروں کو مسلمانوں کے خلاف مدد، تعاون، مراکز اور اڈے فراہم کرتے

ہیں۔ الغرض منافقین کی سوچ، ان کے خیالات ان کے طرز عمل ان کے منشور اور ان کے طریقہ کار کو سمجھنے کے لئے سورۃ توبہ کے مضامین حرف آخر کا درجہ رکھتے ہیں اوپر چند مثالیں پیش کر دی گئی ہیں باقی تفصیل آیات کے ترجمے، تفسیر اور معارف سے انشاء اللہ واضح ہو جائے گی کیونکہ اگر ان تمام مضامین کا صرف خلاصہ بھی لکھا جائے تو وہ بھی بہت مفصل ہو جائے گا، ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ نفاق، منافقت اور منافقوں سے حفاظت کے لئے سورۃ توبہ کو اچھی طرح سے پڑھے اور سمجھے...... واللہ اعلم بالصواب...... منافقین کی جہاد سے دوری، جہاد سے نفرت اور پہلوتہی، جہاد میں نہ جانے کے لئے ان کے نقلی عذر اور بہانے اور ان کے بہانوں کا جواب یہ سورۃ توبہ کا ایک اہم ترین موضوع ہے۔

(۶) ترک جہاد پر سخت وعیدیں

سورۃ توبہ کا ایک موضوع فریضہ جہاد کے ترک پر وعیدیں ہیں ظاہر بات ہے یہ وعیدیں غزوہ تبوک کے بیان کے ضمن میں آئی ہیں تو اس سے جہاد کا معنیٰ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ کون سا جہاد چھوڑنے پر یہ تمام وعیدیں آئی ہیں۔ ترکِ جہاد پر یہ وعیدیں کئی آیات میں وارد ہوئی ہیں مثلاً آیت (۱۳)، (۱۶)، (۲۴)، (۳۸)، (۳۹)، (۴۲)، (۴۵)، (۴۶)، (۴۷)، (۸۷)، (۹۳)، (۹۵)...... اور بہت سی آیات...... دراصل سورۃ توبہ میں ترک جہاد پر منافقین کو بہت سخت وعیدیں سنائی گئی ہیں چنانچہ اگر ان تمام آیات کو بھی شامل کر لیا جائے تو یہ فہرست کافی لمبی ہو جائے گی۔ تمام مسلمانوں سے گزارش ہے کہ وہ ان آیات کو جن کے نمبرات یہاں عرض کیے گئے ہیں ایک بار توجہ سے پڑھ لیں اور پھر ان آیات کی روشنی میں جہاد کے بارے میں اپنے عقیدے، فکر اور عمل کی اصلاح فرمائیں۔

(۷) فرضیت و افضلیتِ جہاد

سورۃ توبہ جہاد فی سبیل اللہ کی فرضیت کو بھی بیان فرماتی ہے اور دوسرے اعمال پر جہاد کی افضلیت کو بھی، چنانچہ ملاحظہ کریں درج ذیل آیات......

(۴۱)، (۱۹)، (۲۰)، (۲۱)، (۲۲)، (۸۸)، (۸۹)، (۱۱۱)، (۱۱۲)، (۱۲۰)، (۱۲۱)، (۳۹)، (۳۶)، (۴۴)، (۷۱)، (۷۲)، (۷۳)، (۱۱۷)، (۱۲۳)...... اور دیگر کئی آیات

اگر صرف یہی آیات ترجمے اور مختصر تشریح کے ساتھ پڑھ اور سمجھ لی جائیں تو انشاء اللہ جہاد کی فرضیت، فضیلت اور عظمت سمجھنے کے لئے کافی ہیں۔

(۸) طریقِ جنگ کی تعلیم

سورۃ توبہ میں مسلمانوں کو جنگ کے طریقے کی تعلیم بھی ہے

مثال کے طور پر ملاحظہ فرمائیے آیات (۱۲)، (۱۲۳)

(۹) سورۃ انفال کا تتمہ اور مسلمانوں کا ایک خالص مرکز

سورۃ انفال کے آخر میں مسلمانوں کی ایک عالمی برادری اور جماعت قائم فرمائی گئی تھی اب اس جماعت اور

برادری کے لئے ایک ایسے مرکز کی ضرورت تھی جو ان ہی کے لئے خاص اور خالص ہو اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے سرزمین حجاز کو منتخب فرمایا اور اس مرکز کی ترتیب کا پورا نقشہ سورۃ براۃ میں نازل فرمادیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء کرام نے اسی نقشے کے تحت اسلامی مرکز کو قائم فرمایا جس کے بعد اسلام پوری دنیا پر چھاتا چلا گیا۔ سورۃ براۃ کی ابتدائی آیات میں مسلمانوں کے لئے خالص مسلمان بننے اور زمین پر اللہ تعالیٰ کے نظام کو قائم کرنے کے لئے واضح حکم اور سبق موجود ہے۔

اس نکتے کو مزید سمجھنے کے لئے ملاحظہ فرمایئے یہ دلنشین عبارت:

’’(سورۃ انفال اور سورۃ توبہ) دونوں کے مضامین باہم اس قدر مرتبط و متعلق واقع ہوئے ہیں کہ گویا براۃ کو ’’انفال‘‘ کا تتمہ اور تکملہ کہا جاسکتا ہے۔ سورۃ انفال تمام تر غزوہ بدر اور اس کے متعلقات پر مشتمل ہے، یوم بدر کو قرآن نے ’’یوم الفرقان‘‘ کہا کیونکہ اس نے حق و باطل، اسلام و کفر اور موحدین اور مشرکین کی پوزیشن کو بالکل جدا جدا کر کے دکھلا دیا۔ بدر کا معرکہ فی الحقیقت خالص اسلام کی عالمگیر اور طاقتور برادری کی تعمیر کا سنگ بنیاد اور حکومت الٰہی کی تاسیس کا دیباچہ تھا۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۤءُ بَعْضٍ ؕ کے مقابلہ میں جس خالص اسلامی برادری کے قیام کی طرف ’’انفال‘‘ کے خاتمہ پر اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِى الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ؕ کہہ کر توجہ دلائی ہے، اس کا صریح اقتضاء ہے کہ اس عالمگیر برادری کا کوئی طاقتور اور زبردست مرکز حسی طور پر بھی دنیا میں قائم ہو جو ظاہر ہے کہ جزیرۃ العرب کے سوانہیں ہوسکتا جس کا صدر مقام مکہ معظمہ ہے۔ ’’انفال‘‘ کے اخیر میں یہ بھی جتلا دیا گیا تھا کہ جو مسلمان مکہ وغیرہ سے ہجرت کر کے نہیں آئے اور کافروں کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہے ہیں، دارالاسلام کے آزاد مسلمانوں پر ان کی ولایت و رفاقت کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ہاں حسب استطاعت ان کے لئے دینی مدد بہم پہنچانی چاہئے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مرکز اسلام میں موالاۃ واخوۃ اسلامی کی کڑیوں کو پوری مضبوطی کے ساتھ جوڑنے کے لئے دو باتوں میں سے ایک ہونی چاہئے یا تمام عرب کے مسلمان ترک وطن کر کے مدینہ آجائیں اور اسلامی برادری میں بے روک ٹوک شامل ہوں اور یا آزاد مسلمان مجاہدانہ قربانیوں سے کفر کی قوت کو توڑ کر جزیرۃ العرب کی سطح ایسی ہموار کردیں کہ کسی مسلمان کو ہجرت کی ضرورت باقی نہ رہے، یعنی تقریباً سارا جزیرۃ العرب خالص اسلامی برادری کا ایسا ٹھوس مرکز اور ’’غیر مخلوط مستقر‘‘ بن جائے جس کے دامن سے عالمگیر اسلامی برادری کا نہایت محکم اور شاندار مستقبل وابستہ ہوسکے۔ یہ دوسری صورت ہی ایسی تھی جس سے روز روز کے فتنہ فساد کی بیخ کنی ہوسکتی تھی اور مرکزِ اسلام کفار کے اندرونی فتنوں سے بالکل پاک وصاف اور آئے دن کی بدعہدیوں اور ستمرانیوں سے پورا مامون و مطمئن ہو کر تمام دنیا کو اپنی عالمگیر برادری میں داخل ہونے کی دعوت دے سکتا تھا، اسی اعلیٰ اور پاک مقصد کے لئے مسلمانوں نے ۲ھ میں پہلا قدم میدان بدر کی طرف اٹھایا تھا جو آخر کار ۸ ہجری میں مکہ معظمہ کی فتح عظیم پر منتہی ہوا جو فتنے اشاعت یا حفاظتِ اسلام کی راہ میں مزاحم ہوتے رہتے تھے فتح مکہ

نے ان کی جڑوں پر تیشہ لگایا۔ لیکن ضرورت تھی کہ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ (الانفال رکوع ۵) کے امتثال میں اسلامی برادری کے مرکز اور حکومت الٰہیہ کے مستقر (جزیرۃ العرب) کو فتنہ کے جراثیم سے بالکلیہ صاف کر دیا جائے تاکہ وہاں سے تمام دنیا کو اسلامی دیانت اور حقیقی تہذیب کی دعوت دیتے وقت تقریباً سارا جزیرۃ العرب یک جان و یک زبان ہو اور کوئی اندرونی کمزوری یا خلفشار بیرونی مزاحمتوں کے ساتھ مل کر اس مقدس مشن کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ پس جزیرۃ العرب کو ہر قسم کی کمزوریوں اور فتنوں سے پاک کرنے اور عالمگیر دعوت اسلامی کے بلند ترین مقام پر کھڑا کرنے کے لئے لازم ہوا کہ دعوت اسلام کا مرکز خالص اسلامیت کے رنگ میں رنگین ہو۔ اس کے قلب و جگر سے صدائے حق کے سوا کوئی دوسری آواز نکل کر دنیا کے کانوں میں نہ پہنچے۔ پورا جزیرہ سارے جہان کا معلم اور ہادی بنے اور ایمان و کفر کی کشمکش کا ہمیشہ کے لئے یہاں سے خاتمہ ہو جائے۔ سورۃ براۃ کے مضامین کا یہی حاصل ہے۔ چنانچہ چند روز میں خدا کی رحمت اور سچائی کی طاقت سے مرکز اسلام ہر طرح کے دسائس کفر و شرک سے پاک ہو گیا اور سارا عرب متحد ہو کر شخص واحد کی طرح تمام عالم میں نور ہدایت اور عالمگیر اسلامی اخوت پھیلانے کا کفیل وضامن بنا۔ فللّٰه الحمد علی ذلك ۔ الغرض سورۃ انفال میں جس چیز کی ابتداء تھی سورۃ توبہ (براۃ) میں اسکی انتہا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یہ بہت جامع اور مفید عبارت ہے طلبہ علم کو چاہئے کہ سورۃ توبہ کی اصل روح اور اسلام کے اصل مزاج کو سمجھنے کے لئے اس عبارت کو باریکی سے سمجھنے کی کوشش کریں اور پھر اس کی روشنی میں سورۃ توبہ کے مضامین کا مطالعہ کریں۔

(۱۰) سورۃ براۃ کے چھ حصے

شیخ عبداللہ عزام شہیدؒ کے بیان کے مطابق سورۃ توبہ چھ اہم موضوعات پر مشتمل ہے:

(۱) المقطع الاوّل: من الآية الاولى الى الاية الثامنة والعشرين، وهذه كلها تعلن الحرب على مشركي الجزيرة العربية الخ

یعنی سورۃ براۃ کا پہلا حصہ اور موضوع جو ابتدائی اٹھائیس آیات پر مشتمل ہے وہ ہے مشرکین عرب سے عمومی اعلان جنگ، معاہدوں وغیرہ کے ختم ہونے کی تفصیلات، چار مہینے کی مہلت، مشرکین سے قتال کرنے کی وجوہات وغیرہ۔

(۲) المقطع الثاني: حملة شديدة علىٰ اهل الكتاب، مبررات قتالهم

یعنی سورۃ کا دوسرا حصہ اور موضوع اہل کتاب کے خلاف قتال کے حکم اور ان کے خلاف قتال کی وجوہات پر مشتمل ہے۔

(۳) المقطع الثالث: تهديد ووعيد وتانيب وتبكيت للذين يقعدون عن الجهاد

مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ (التوبۃ ۳۸)

سورۃ کا تیسرا حصہ اور موضوع ان لوگوں کے لئے سخت تنبیہ، وعید، ڈانٹ پر مشتمل ہے جو جہاد پر نہیں نکلتے، جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: مالکم اذا قیل لکم الآیۃ

(٤) المقطع الرابع: وهو نصف السورة تقريباً كشف صفات المنافقين (ومنهم من عاهدالله) (ومنهم الذين يؤذون النبی) (ومنهم من يقول أذن لی ولا تفتنی) (والذين اتخذوا مسجدا ضرارا وكفرا) الی آخره. هذا نصف السورة تقريبا، سميت البحوث، لانها: بحثت عن عيوب المنافقين، قال ابن عباس: ما زالت آيات التوبة تنزل وتقول منهم ومنهم حتی قلنا لاتدع احدًا بينت نهائياً صفاتهم ومؤامراتهم، تخللهم فی داخل المجتمع المسلم، بث الاراجيف، الفساد، تثبيط المسلمين عن الجهاد.

یعنی سورۃ کا چوتھا حصہ اور موضوع جو تقریباً آدھی سورۃ پر مشتمل ہے وہ ہے منافقین کے حالات اور صفات کا انکشاف...... سورۃ توبہ کا ایک نام سورۃ "البحوث" بھی ہے کیونکہ وہ منافقین کے عیوب کو کرید کرید کر نکالتی اور دکھاتی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: سورۃ توبہ کی آیات برابر نازل ہوتی رہیں اور بتاتی رہیں کہ ان منافقوں میں سے وہ بھی ہیں...... اور وہ بھی ہیں...... یہاں تک کہ ہم نے کہا یہ سورۃ کسی کو نہیں چھوڑے گی۔ اس سورۃ نے قطعی طور پر منافقین کی صفات، ان کی سازشیں، اسلامی معاشرے میں ان کا گھسنا، مسلمانوں میں خوف پھیلانا، فساد مچانا، مسلمانوں کو جہاد سے روکنا سب کچھ بیان فرمادیا ہے۔

(٥) والمقطع الخامس: تصنيف المجتمع المسلم

یعنی سورۃ کا پانچواں موضوع اسلامی معاشرے میں موجود افراد کی قسمیں بیان کرنا ہے۔

❶ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ...... یعنی ایمان اور ہجرت و نصرت میں سبقت کرنے والے مہاجرین و انصار۔ ❷ وہ کمزور ایمان والے جنہوں نے نیک و بد اعمال خلط کئے۔ ❸ منافقین۔ ❹ وہ جن کی توبہ کا معاملہ مؤخر رکھا گیا۔ ❺ وہ جنہوں نے مسجد ضرار بنائی۔ ❻ بیعت رضوان والے۔ ❼ بدر والے۔ ❽ احد والے وغیرہ وغیرہ۔

(٦) المقطع السادس: هو مقطع طبيعة البيعة لهذا الدّين (اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ) طبيعة هولآء الذين لا يتخلفون عن رسول الله صلی الله عليه وسلم مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ (التوبة ۱۲۰)

یعنی سورۃ کا چھٹا حصہ اور موضوع ان خاص مسلمانوں کے مزاج اور صفات کا بیان ہے جو اس دین کی خاطر خود کو بیچ دیتے ہیں یعنی جان و مال کی قربانی دیتے ہیں اور کسی بھی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر جہاد

کرنے سے پیچھے نہیں رہتے۔ جیسے یہ آیات......ان اللہ اشتریٰ الآیة ما کان لاھل المدینة الآیة۔ (فی ظلال سورۃ التوبۃ)

(۱۰) جہادی نکات سورۃ توبہ از حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ

ملاحظہ

سورۃ توبہ کے نکات کا درج ذیل خلاصہ حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارتوں سے سمجھا گیا ہے۔

نماز اور زکوٰۃ نہیں تو امان بھی نہیں

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دل کی خبر اللہ تعالیٰ کو ہے ظاہر میں جو مسلمان ہے وہ سب کے برابر امان میں ہے اور ظاہری طور پر مسلمان ہونے کی علامتیں یہ مقرر کی گئیں کہ ایمان کا اقرار کرے، کفر سے توبہ کرے، نماز اور زکوٰۃ کو قائم رکھے۔ اسی واسطے جو کوئی شخص نماز چھوڑے یا زکوٰۃ تو اس کی ''امان'' ختم ہوگئی چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ کے منکروں کو کافروں کے برابر قرار دے کر قتل فرمایا......(آیت ۵)

فتح مکہ کے ایک سال بعد برأۃ کا اعلان

جب مکہ فتح ہوا اس کے ایک برس بعد یہ حکم نازل ہوا کہ کسی مشرک سے صلح نہ رکھو اور حج کے دن یہ اعلان حج کے قافلوں میں سناؤ......(آیت ۱)

اسلام پر اعتراض کرنے والے کافر کو ذمی نہیں بنایا جاسکتا

اگر ثابت ہوجائے کہ ایک کافر ہمارے دین کو عیب دیتا ہے تو وہ ذمی نہیں رہا......(آیت ۱۲)

جہاد کا درجہ قرابت سے بڑا ہے

ایک بار حضرت علیؓ نے حضرت عباسؓ سے عرض کیا اگر آپ پہلے ہجرت کرتے تو جہاد میں حاضر ہوتے اور بلند مرتبے پاتے، اس پر حضرت عباسؓ نے فرمایا ہم بھی اللہ تعالیٰ کے کاموں میں تھے حاجیوں کی خدمت کرتے تھے اور مسجد حرام کو آباد رکھتے تھے۔ اس پر یہ فرمایا گیا کہ یہ کام ان کے برابر نہیں اور مشرکوں کی خدمت قبول نہیں، کوئی مسلمان خدمت کرے تو قبول ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عمل کا درجہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت سے بڑا ہے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ قرابت میں قریب تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ عمل میں زیادہ......(آیت ۱۹)

اہلِ کتاب سے جہاد

پہلے حکم ہوا کہ مشرکوں سے لڑو اور ان کو ملک سے نکالو......اب حکم ہوا اہل کتاب سے لڑائی کا کہ یہ بھی دین حق سے منکر ہیں اور اللہ تعالیٰ اور آخرت کو جیسا ماننا چاہئے ویسے نہیں مانتے، لیکن ان سے جزیہ قبول ہے (اگر ہتھیار ڈال دیں) باقی عرب کے مشرکوں سے جزیہ ہرگز قبول نہیں اور عرب کے علاوہ باقی علاقوں کے مشرکین سے

احناف کے نزدیک جزیہ لینا جائز ہے۔ جزیہ ہر مہینے پانچ آنے یا دس یا سوا روپیہ ان کی حالت کے موافق مقرر ہوگا اور وہ ذلیل ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ سواری میں، لباس میں، راہ چلنے میں اور ہتھیار باندھنے میں مسلمانوں کی برابری نہ کریں۔ (آیت ۲۹)

غزوۂ حنین کا سبق

غزوۂ حنین میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ ادب سکھایا کہ وہ اسباب پر نظر نہ رکھیں۔ (آیت ۲۵)

پھونکیں مارنے سے مراد کافروں کا جھوٹا پروپیگنڈہ ہے

یعنی جیسا کوئی پھونک سے چراغ بجھا دے وہ (اہل کتاب) چاہتے ہیں کہ اپنی جھوٹی باتوں سے اسلام کو نہ پھیلنے دیں۔ (آیت ۳۲)

دین اسلام سب سے اونچا ہے

یہ دین سب سے اوپر ہے عقل کے نزدیک اور اللہ کے نزدیک۔ (آیت ۳۳)

کافروں سے لڑنا ہمیشہ جائز ہے

اس آیت سے یہ بھی نکلتا ہے کہ کافروں سے لڑنا ہمیشہ جائز ہے اور آپس میں ظلم کرنا ہمیشہ گناہ ہے اور ان چار حرمت والے مہینوں میں زیادہ بڑا گناہ ہے لیکن بہتر ہے کہ اگر کوئی کافر حرمت والے چار مہینوں کے ادب کو مانے اور جنگ نہ کرے تو ہم بھی اس سے ان مہینوں میں لڑائی کی ابتداء نہ کریں۔ (آیت ۳۶)

منافقوں کے حالات کا بیان اس سورۃ کا خاص موضوع ہے

یہاں سے غزوہ تبوک کا بیان ہے...... اس غزوہ میں دشمن طاقتور نظر آرہا تھا اور سفر لمبا تھا اور اسباب کم تھے تو منافق لوگ طرح طرح کے بہانے بنانے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو رخصت دی پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم سے غالب و منصور واپس تشریف لے آئے تو منافق بہت رسوا ہوئے۔ اس سورۃ میں اکثر منافقوں کی باتیں بیان ہوئی ہیں۔ آیت ۳۸ سے لے کر سورۃ کے آخر تک یہ مضمون پھیلا ہوا ہے۔

ایک منافق کا عجیب بہانہ

ایک منافق جد بن قیس یہ بہانہ بنالایا کہ روم کی عورتیں خوبصورت ہیں اگر میں آپ کے ساتھ وہاں جہاد میں گیا تو برائی میں مبتلا ہوجاؤں گا اس لئے مجھے رخصت دیجئے میں مال کے ذریعے آپ کی مدد کروں گا۔ (آیت ۴۹) اس کو جواب دیا گیا کہ تمہارا خرچ کرنا قبول نہیں ہے۔ (آیت ۵۳)

بد دین کا مال اور اس کی اولاد نعمت نہیں وبال ہے

آپ اس پر تعجب نہ کریں کہ اللہ تعالیٰ نے بے دین کو مال واولاد کی نعمت کیوں دی؟ یہ مال واولاد اس کے حق میں

وبال ہے۔ ان کی فکر میں اس کا دل پریشان رہتا ہے اور مال واولاد کے چھوٹ جانے کے خوف سے وہ توبہ کرنے اور نیکی کا راستہ (جہاد وغیرہ) اختیار کرنے سے بھی محروم رہتا ہے۔ (آیت ۵۵)

مجاہدین زکوٰۃ کا مصرف ہیں

اور اللہ کی راہ یعنی جہاد کا خرچ۔ (آیت ۶۰)

دین کی باتوں کا مذاق اڑانے والے منافق ہیں

جو کوئی دین کی باتوں میں ٹھٹھا کرے اگرچہ دل سے منکر نہ ہو وہ کافر نہ بھی ہوا تو منافق ضرور ہو جاتا ہے۔ کیونکہ دین کی بات میں ظاہر و باطن باادب رہنا ضروری ہے۔ (آیت ۶۴، ۶۵)

منافقین کے دو برے کارنامے

اسلامی لشکر میں لسانیت کی بنیاد پر تفریق ڈالنے کی کوشش اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی سازش۔ (آیت ۷۴)

گناہگار اور بدعقیدہ کے درمیان فرق

گناہگار جو اپنی برائی کو برائی سمجھتا ہے اور اس پر شرمندہ ہوتا ہے اس کو تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور استغفار سے فائدہ پہنچتا ہے مگر جو بداعتقاد ہو اس کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ستر استغفار بھی فائدہ نہیں دیتی۔ پس جو برے کام کو عیب نہ جانے اور اللہ تعالیٰ کے فرض کو ادا کرنا نہ کرنا برابر سمجھے اور فرض ادا کرنے والوں پہ طعنے کسے وہ بے اعتقاد ہے۔ (آیت ۸۰)

السابقون یعنی قدیم مسلمان کون؟

غزوۂ بدر تک جو مسلمان ہوئے ہیں وہ قدیم ہیں اور باقی ان کے تابع ہیں۔ (آیت ۱۰۰)

اگر ایک جہاد سے رہ گئے ہو تو اگلے کا انتظار کرو

یعنی اگر اس جہاد میں کوتاہی ہوئی ہے تو آگے اور جہاد ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اور خلفاء کرام کے زمانے میں تو ان میں حصہ لینا۔ (آیت ۱۰۵)

بے انصافی کی شامت

یعنی بے انصافی کی شامت سے نیک عمل کرنا بھی چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ (آیت ۱۰۹)

السائحون کے تین معانی

السائحون کا مطلب ہے بے تعلق رہنے والے۔ بے تعلق رہنے کا مطلب روزے رکھنا یا ہجرت کرنا یا دنیا کے مزوں میں دل نہ لگانا۔ (آیت ۱۱۲)

کافر تم میں سختی دیکھیں

یعنی کافر تمہارے اندر جنگ کی قوت دیکھیں یا معاملے میں بے رخی۔ پس کافر سے نرمی نہ کرے مگر اس وقت کہ جب اسے دین کی طرف راغب دیکھے۔ (آیت ۱۲۳)

منافق کی پہچان اکثر جہاد کے وقت ہوتی ہے

اکثر جنگ و جہاد کے وقت منافق معلوم ہو جاتے تھے۔ (آیت ۱۲۶)

یعنی منافق کا پتہ جہاد کے وقت چلتا ہے کیونکہ اکثر وہ جہاد میں نہیں جاتا بلکہ مخالفت بھی کرتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے ہیں کہ میری امت زیادہ ہو جائے

حریص علیکم (وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم) تلاش رکھتا ہے تمہاری۔ یعنی چاہتا ہے کہ امت میری زیادہ ہو جائے۔ (آیت ۱۲۹)۔ (موضح القرآن، تسہیل)

صاحب مدارک کی ایک جامع عبارت

لها اسماء: براء ة، التوبة، المقشقشة، المبعثرة، المشرده، المخزية، الفاضحة، المثيرة، الحافرة، المنكلة، المدمدمه، لان فيها التوبة على المومنين وهى تقشقش من النفاق أى تبرئ منه، وتبعثر عن اسرار المنافقين وتبحث عنها وتثيرها وتحفر عنها وتفضيحهم و تنكلهم وتشردهم وتخزيهم وتدمدم عليهم، وفى ترك التسمية فى ابتدائها اقوال، فعن على وابن عباس رضى الله عنهم، ان بسم الله امان وبرأة نزلت لرفع الامان، وعن عثمان رضى الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذا نزلت عليه سورة أو آية قال: اجعلوها فى الموضع الذى يذكر فيه كذا وكذا، وتوفى رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يبين لنا اين نضعها، وكانت قصتها تشبه الانفال لان فيها ذكر العهود و فى برأة نبذ العهود، فلذلك قرنت بينهما وكانتا تدعيان القرينتين وتعدان السابقة من الطوال وهى سبع، وقيل: اختلف اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال بعضهم: الانفال وبرأة سورة واحدة نزلت فى القتال، وقال بعضهم: هما سورتان فتركت بينهما فرجة لقول من قال هما سورتان وتركت بسم الله لقول من قال هما سورة واحدة۔ (المدارك ٤٨٣)

ترجمہ: اس سورۃ کے کئی نام ہیں براۃ، توبہ المقشقشۃ، المبعثرۃ، المشردہ، المخزیہ، الفاضحہ، المثیرۃ، الحافرۃ، المنکلہ، المدمدمہ، کیونکہ اس میں ایمان والوں پر توبہ کے نازل ہونے کا ذکر ہے اور یہ سورۃ نفاق سے بیزاری کا اعلان کرنے والی ہے اور منافقین کے رازوں کو الٹتی پلٹتی اور ڈھونڈتی ہے ان کے رازوں کو کرید کرید کر نکالتی ہے، انہیں خوب

کھول کر بیان کرتی ہے، ان کے دروازوں سے پردہ ہٹاتی ہے، ان کو رسوا کرتی ہے، ان کو عبرتناک سزا دیتی اور ستاتی ہے، انہیں منتشر اور شکست زدہ کرتی ہے، انہیں ذلیل کرتی ہے اور ان پر خوب غضبناک ہو کر برستی ہے...... اور اس سورۃ کے شروع میں ''بسم اللہ'' نہ ہونے کے بارے میں کئی اقوال ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بسم اللہ تو امان ہے اور یہ سورۃ امان ختم کرنے کے لئے اتری (دوسری روایت میں ہے کہ یہ سورۃ تو تلوار کے ساتھ اتری ہے) اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کوئی سورۃ یا آیت نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے اس کو فلاں جگہ رکھو مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورۃ کے بارے میں کچھ نہ بتایا یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ چونکہ اس سورۃ کے مضامین سورۃ انفال کے مضامین جیسے تھے کہ اُس میں معاہدوں کا ذکر تھا اور اِس میں معاہدوں کے توڑنے کا پس اسی لئے ان دونوں کو جوڑ دیا ان دونوں سورتوں کو جڑواں سورتیں کہا جاتا تھا اور ان دونوں کو ملا کر اور ایک قرار دے کر سات بڑی سورتوں میں شامل کیا جاتا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کا اختلاف ہوا بعض نے فرمایا انفال اور براۃ ایک سورۃ ہے جو قتال فی سبیل اللہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور بعض نے کہا یہ دو الگ سورتیں ہیں۔ پس دونوں سورتوں کے درمیان خالی جگہ چھوڑ دی گئی ان حضرات کے قول پر جو ان کو دو سورتیں مانتے ہیں اور دونوں کے درمیان بسم اللہ نہیں لکھی گئی ان کے قول پر جو ان کو ایک سورۃ مانتے ہیں۔ (المدارک)

ملاحظہ

علامہ آلوسیؒ نے سورۃ براۃ کے مزید کچھ نام بھی ذکر فرمائے ہیں اور انہوں نے اس سورۃ مبارکہ کے تمام ناموں کا مفہوم اور مطلب بھی بیان کیا ہے طلبۂ علم تفسیر روح المعانی میں ملاحظہ فرمالیں:

فائدہ

سورۃ توبہ کے آغاز میں بسم اللہ نہ ہونے پر حضرات مفسرین نے بہت طویل بحثیں فرمائی ہیں شائقین حضرات معتمد تفاسیر میں ملاحظہ فرمالیں۔

خلاصہ مضامین سورۃ توبہ ماخوذ از تفسیر الفرقان

ابتدائے سورۃ میں مشرکین کو اعلان جنگ دیا گیا، اس قطع تعلق کے بعد دوسری آیت میں ان کو چار ماہ غور کے لئے دیئے گئے، اس تقاطع کا اعلان حج اکبر کے دن کیا گیا کیونکہ اطراف عرب کے نمائندے شرکت کی غرض سے وہاں آئے ہوئے تھے اور ان کی معرفت تمام قبائل کو اطلاع ہو سکتی تھی۔ آیت نمبر (۷) سے ان اسباب کو بیان کیا گیا جو اس قطع تعلق (اور اعلان جنگ) کا باعث بنے، جب مخالفین اسلام کو اعلان جنگ دیا گیا تو آیت نمبر (۱۶) سے فرزندان اسلام کو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے آمادہ کیا گیا کہ ان کی حیاتِ قومی کا راز اس حقیقت میں

پنہاں ہے، جنگ شروع ہونے سے قبل اکثر (کئی لوگ) مختلف قسم کی معذوریاں بیان کرکے اپنے آپ کو جنگ سے مستثنیٰ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، آیت نمبر (۱۷) سے ان حیلوں کا ذکر کرکے ہر ایک کو غلط ٹھہرایا اور بتادیا کہ ان میں سے ایک بات بھی قابل توجہ نہیں۔ شبہات تو زائل ہوگئے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کن لوگوں کے ساتھ جنگ کی جائے؟ اس لئے آیت نمبر (۲۹) میں اس مسئلہ کو بھی صاف کردیا، دشمنان دین برابر اس کوشش میں رہیں گے کہ مسلمانوں کو مٹادیں، اس لئے خود ان کو بھی اپنے مخالفین کے مقابلہ میں ہمہ تن مستعد جنگ رہنا چاہئے، اس سلسلہ کے ختم ہونے کی کوئی صورت نہیں اس لئے آیت نمبر (۳۶) میں بتایا گیا کہ سپاہیوں کو سال بھر میں چار ماہ رخصت دی جائے گی کہ آرام کرسکیں اور گھر کا نظم ونسق کرنے کے قابل ہوں (رخصت دینا تو ٹھیک ہے مگر چار مہینوں میں جنگ کی حرمت کے مسئلے پر جمہور کی رائے یہ ہے کہ اب ان مہینوں میں قتال کی حرمت باقی نہیں رہی) دشمن نے سب طرف سے مسلمانوں کو گھیر رکھا ہے اور تمام دنیا کے لوگ ان کی مخالفت پر آمادہ ہیں اس لئے آیت نمبر (۳۸) میں فرمایا کہ تمام مسلمان بلا استثناء تیار ہوں اور کوئی شخص بھی کسی قسم کا عذر پیش کرکے پیچھے رہنے کی کوشش نہ کرے اور پھر اس پر اکتفانہ کیا بلکہ آیت نمبر (۴۱) میں بتایا کہ جہاد کے لئے ہر وقت تیار رہیں، نہیں معلوم کہ دشمن کب اور کس وقت حملہ کردے۔ جب حالت یہ ہے کہ ہر شخص تمہارا دشمن ہے اور باوجود اس کے تم اپنے اغراض کی وجہ سے تیاری نہیں کرتے اور جہاد سے مستثنیٰ رہنے کی فکر میں ہو تو یاد رہے اس جرم کی پاداش میں تم گرفتار مصائب ہوگے، آیت نمبر (۴۲) میں اسی مضمون پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

باب دوم

ارباب نفاق: اس میں منافقین کی حسب ذیل اقسام بیان کی گئی ہیں:

جنگ شروع ہوگئی، دشمن سے مقابلہ ہے، ارباب نفاق مختلف قسم کے عذر پیش کرکے جہاد سے بچنا چاہتے ہیں اس لئے یہاں سے ان رکاوٹوں کا تذکرہ شروع ہوتا ہے جو دوران جنگ میں پیدا ہوتی ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر کامیابی کا پورا یقین ہو اور مدت بھی زیادہ نہ صرف ہو تو شریک ہونے کو تیار ہیں، اس جنگ میں یہ دونوں باتیں نہیں اس لئے شرکت ہی بے سود ہے۔ آیت نمبر (۴۲) سے ایسے ہی لوگوں کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔ آیت نمبر (۴۵) سے اس جماعت کا بیان ہے جو خیال کرتی ہے کہ قرآن کے ذریعہ سے مسلمان ترقی نہیں کرسکتے، اور پھر وہ اسی بات پر قناعت نہیں کرتی بلکہ ایک قدم اور آگے بڑھتی ہے، اور جب مسلمانوں کی جماعت حق کی دعوت کے لئے جاتی ہے تو یہ بھی اپنے جاسوس روانہ کردیتی ہے تاکہ وہ ان کی غلطیوں اور کمزوریوں کی یادداشت تیار کریں، اور واپسی پر ان کی وجہ سے مسلمانوں کو تکلیف پہنچائیں، بعض منافقین یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ اگر ہم نے جہاد میں شرکت کی تو ہمارے مذہبی کاموں میں خلل واقع ہوگا، اور تھوڑی سی نیکی سے بھی محروم رہیں گے، اس لئے جنگ سے الگ رہنا بہتر ہے، مگر ان کا

یہ کہنا بھی سراسر نفاق پر مبنی ہے کیونکہ وہ مسلمانوں کی تکلیفوں، مصیبتوں پر مسرت کا اظہار کرتے ہیں اور ان کی کامیابی انہیں ناگوار گزرتی ہے۔ آیت نمبر (۴۹) میں ایسے ہی لوگوں کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔ آیت نمبر (۵۸) سے ان لوگوں کے حالات بیان کیے گئے ہیں جو روپیہ ملنے پر فوراً شرکت جنگ کے لئے تیار ہوجاتے ہیں۔ اور جہاں تھوڑی سی تاخیر ہوئی آگے بڑھنے کا نام نہیں لیتے، بعض لوگوں کا یہ کام ہوتا ہے کہ اپنے امیر کے ہر کام پر نکتہ چینی کرتے ہیں تا کہ رکاوٹ پیدا ہو، ان کی تنبیہ کے لئے گذشتہ اقوام کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ آیت نمبر (۶۱) سے ان کے حالات پر روشنی ڈالی، بعض ارباب نفاق یہ کہا کرتے ہیں کہ اگر ہمارے پاس روپیہ ہوتو ضرور ہی قومی کاموں میں صرف کریں (اللہ کی راہ میں خرچ کریں) مگر جب ان کی آرزو پوری ہوجاتی ہے تو نہ صرف بخل کا اظہار کرتے ہیں، بلکہ ان مسلمانوں کے ساتھ تمسخر بھی کرتے ہیں جو اپنی غربت کی وجہ سے معمولی رقمیں چندہ میں دیتے ہیں ان لوگوں کا تذکرہ آیت نمبر (۷۶) سے شروع ہوتا ہے۔

باب سوم

اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ: یہاں تک ان لوگوں کا تذکرہ تھا جو پیچھے رہنے کی کوشش کرتے ہیں، ان سب کو قرآن حکیم نے منافقین کے نام سے تعبیر کیا ہے، اب آیت نمبر (۸۳) سے بتایا جاتا ہے کہ جہاد سے پیچھے رہنے کا نتیجہ کیا ہوگا، اس تہدید کے بعد ان کے حالات میں کس قسم کا تغیر رونما ہوگا، یہ بیان آیت نمبر (۸۴) سے شروع ہوجاتا ہے۔ پہلے ان اہل مدینہ کا تذکرہ ہے، جنہوں نے ابتداء میں مدد دینے سے انکار کیا، پھر بتایا کہ ایک ہی مرتبہ جنگ سے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے آئندہ ان پر اعتماد نہ کیا جائے گا، بعدازاں اعراب کی حالت بیان کی کہ وہ بھی مختلف بہانے بنا کر اپنے آپ کو معذور قرار دیتے ہیں، حالانکہ ایسے حالات کا پیدا کر لینا جو جہاد کے لئے رکاوٹ بن جائیں خود ایک قسم کا نفاق ہے، اس سلسلہ میں مختلف لوگوں کا تذکرہ کیا، آیت نمبر (۱۰۰) سے مسلمانوں کے مختلف طبقات کا بیان کیا، کچھ ان میں اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ ہیں، بعض وہ ہیں جنہوں نے اچھے اور برے ہر قسم کے اعمال کا ارتکاب کیا، مگر باوجود غلطی میں مبتلا ہونے کے اپنے جرم کا اقرار کرتے ہیں، کچھ ایسے بھی ہیں جو نیک نیتی سے غلط راستہ اختیار کیے ہوئے ہیں، ان سب جماعتوں کے نتائج اعمال پر بحث کی، آیت نمبر (۱۰۸) سے نمبر (۱۱۱) تک اس جماعت کی خصوصیات بیان کیں جو مسلمانوں میں نفاق ڈالنے کی کوشش میں رہتی ہے، آیت نمبر (۱۱۲) میں بتایا کہ سرفروشان اسلام کو بہترین نعمتیں ملیں گی اور چونکہ جنگ ہمیشہ نہیں رہتی اس لئے آیت نمبر (۱۱۴) سے ان کی ممتاز خصوصیات بیان کیں کہ ہر شخص انہیں دیکھتے ہی شناخت کر سکے، پھر جب وہ ہمہ تن مسلم ہیں اور خدا کے ہاتھ میں بک گئے ہیں تو وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے عزیز ترین کا فر رشتہ دار پر رحم نہیں کر سکتے اس کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسوۂ حسنہ پیش کیا۔ آیت نمبر (۱۱۸) سے ان اصحاب ثلٰثہ کا بیان شروع کیا جو غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے مورد عتاب ہوئے تھے

اور فوراً بعد ان صحابہ کرام کا تذکرہ کیا جو اس سخت تکلیف میں بھی جاں نثاری سے باز نہ آئے۔ آیت نمبر (۱۲۱) میں بتایا کہ مرکزی جماعت کو تو ایک لمحہ کے لئے بھی جہاد سے پیچھے نہیں رہنا چاہئے اس لئے کہ ان کے لئے انعام واکرام بھی بے شمار ہیں، آیت نمبر (۱۲۳) میں شخصی واجتماعی فرائض کی تقسیم کی، آیت نمبر (۱۲۴) میں فرمایا کہ دنیا میں جہاد فی سبیل اللہ کے اہم فرض کی اشاعت کن تدابیر سے ممکن ہے اور آخر میں بتایا کہ اگر امت میں سے ایک متنفس بھی اس فریضہ ملیّ (جہاد فی سبیل اللہ) کے ادا کرنے کو تیار نہ ہوگا تو انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ عرش عظیم کا مالک اور زمین وآسمان کا شہنشاہ اعظم خود اس قانون کو بلند و برتر کرنے کے لئے اپنے دوسرے بندے چن لے گا اور اس پر سورۃ البرأۃ ختم ہوجاتی ہے۔ (تفسیر الفرقان)

سُورَةُ التَّوبَة مَدَنِيَّة آیت ۱،۲

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکوں سے بے زاری ہے جن سے تم نے عہد کیا تھا

فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۙ

سو اس ملک میں چار مہینے پھر لو اور جان لو کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکو گے

وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ۝۲

اور بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو ذلیل کرنے والا ہے

خلاصہ

آیت ① جن مشرکین سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر میعادی معاہدے تھے ان کے ساتھ صلح کے تمام معاہدوں کو ختم کیا جا رہا ہے...... اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان تمام مشرکین کے ساتھ جنگ کا اعلان ہے...... اسلام کے مرکز کو کفر و شرک سے پاک کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

آیت ② ان مشرکوں کو چار مہینے کی مہلت دی جا رہی ہے...... ان چار مہینوں میں ان کے لئے چلنے پھرنے کی مکمل آزادی اور امن ہے...... ان چار مہینوں کے بعد انہیں یا تو کفر و شرک چھوڑنا ہوگا یا یہ علاقہ۔ اگر وہ کفر پر قائم رہیں گے اور علاقہ بھی نہیں چھوڑیں گے تو ان کے ساتھ کھلی اور فیصلہ کن جنگ ہوگی...... ان مشرکین کو اچھی طرح جان لینا چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور اللہ تعالیٰ کافروں کو دنیا و آخرت میں رسوا کرنے والا ہے۔

فائدہ

ان دو آیات میں ان مشرکین کا حکم بیان ہوا جن کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ تو تھا مگر اس معاہدے کی کوئی مدت مقرر نہیں تھی۔ چنانچہ انہیں صاف بتا دیا گیا کہ اب معاہدہ ختم ہے اور تمہارے پاس سوچنے یا جنگ کی تیاری کرنے کے لئے چار مہینے کا وقت ہے۔ مفسرین حضرات کے نزدیک یہ حکم ان مشرکین کے لئے بھی تھا جن سے مسلمانوں کا کوئی معاہدہ ہی نہیں تھا ان کو بھی چار مہینے کا وقت دیا گیا۔ اس قول کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے تفسیر بیان القرآن۔

ان دو آیتوں کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے چند مختصر عبارتیں ملاحظہ فرمائیں......

۱ تقریر حضرت لاہوریؒ

کفار سے اعلان جنگ: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کفار کی ہر قسم کی حفاظت سے بیزار ہیں، اعلان جنگ کے بعد

چار مہینے کی مہلت دی جاتی ہے، اسلام کی مخالفت سے باز آجاؤ ورنہ تمہارا ستیاناس کر دیا جائے گا۔ (حاشیہ لاہوریؒ)

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ چار ماہ کی مہلت اس لئے تھی کہ اگر لڑنا چاہتے ہو تو تیاری کر لو یا اسلام قبول کر لو یا وطن چھوڑ جاؤ۔ (مفہوم موضح القرآن)

۲ تقریر عثمانیؒ

۲ ہجری میں بمقام ''حدیبیہ'' جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان معاہدہ صلح ہو چکا تو بنی خزاعہ مسلمانوں کے اور بنی بکر قریش کے حلیف بنے، بنی بکر نے معاہدہ کی پروانہ کر کے خزاعہ پر حملہ کر دیا اور قریش نے اسلحہ وغیرہ سے ظالم حملہ آوروں کی مدد کی اس طرح قریش اور ان کے حلیف دونوں معاہدہ حدیبیہ پر قائم نہ رہے، جس کے جواب میں ۸ ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اچانک حملہ کر کے مکہ معظمہ بڑی آسانی سے فتح کر لیا۔ ان قبائل کے سوا دوسرے قبائل عرب سے مسلمانوں کا میعادی یا غیر میعادی معاہدہ تھا جن میں سے بعض اپنے معاہدہ پر قائم رہے۔ بہت سے قبائل وہ تھے جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہیں ہوا تھا۔ اس سورۃ کی مختلف آیات مختلف قبائل کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔ شروع کی آیات میں غالباً ان مشرکین کا ذکر ہے جن سے معاہدہ تھا مگر میعادی نہ تھا ان کو اطلاع کر دی گئی کہ ہم آئندہ معاہدہ رکھنا نہیں چاہتے۔ چار ماہ کی مہلت تم کو دی جاتی ہے کہ اس مدت کے اندر اسلامی برادری میں شامل ہو جاؤ یا وطن چھوڑ کر مرکز ایمان و توحید کو اپنے وجود سے خالی کر دو ورنہ جنگی مقابلہ کے لئے تیار ہو جاؤ لیکن یہ خوب سمجھ لینا کہ تم خدا کی مشیت کو روک نہیں سکتے۔ اگر اسلام نہ لائے تو وہ تم کو دنیا آخرت میں رسوا کرنے والا ہے۔ تم اپنی تدبیروں اور حیلہ بازیوں سے اسے عاجز نہ کر سکو گے۔ باقی جن قبائل سے کوئی معاہدہ ہی نہ تھا، ممکن ہے انہیں بھی چار ماہ کی مہلت دی گئی ہو۔ یہ اور اس کے بعد کی آیتوں کا اعلان عام ۹ ہجری میں حج کے موقع پر تمام قبائل عرب کے سامنے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کیا۔ (تفسیر عثمانی)

مشرکین کی چار قسمیں

ان دو آیات اور پھر بعد والی آیات کو سمجھنے کے لئے معاہدوں کے اعتبار سے مشرکین کی اقسام کا سمجھنا ضروری ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ آیات ۹ ھ کے حج کے موقع پر سنائی گئی تھیں اور اس وقت مکہ مکرمہ پر مسلمانوں کی حکومت تھی۔ مگر وہاں مکہ میں اور اُس کے آس پاس مشرکین موجود تھے یہ لوگ حج پر بھی آتے تھے اور ننگے ہو کر طواف بھی کرتے تھے، ان کا نظریہ تھا کہ ہم ان کپڑوں میں طواف نہیں کر سکتے جن میں ہم نے گناہ کیے ہیں، پھر جو ان میں مالدار تھے وہ تو کرائے پر طواف کے لئے خاص کپڑے لے لیتے تھے اور جو اسکی طاقت نہیں رکھتے تھے وہ ننگے ہو کر طواف کرتے تھے۔ مسلمانوں کے ساتھ معاہدوں کے اعتبار سے ان مشرکین کو چار قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

❶ وہ مشرکین جن سے مسلمانوں کا غیر میعادی معاہدہ تھا، یعنی معاہدے کی کوئی مدت مقرر نہیں تھی، ایسے معاہدے کو کوئی بھی فریق دوسرے کو اطلاع دے کر ختم کر سکتا ہے۔ سورۃ توبہ کی پہلی دو آیات میں ایسے ہی مشرکین کا

حکم بیان ہوا کہ حج کے موقع پر ان کو اطلاع دے دی جائے کہ ان کے ساتھ معاہدہ ختم اور ان کو چار مہینے کی مہلت دی جا رہی ہے۔

❷ وہ مشرکین جن سے مسلمانوں کا کوئی معاہدہ تھا ہی نہیں...... کئی مفسرین حضرات کے نزدیک وہ بھی ان دو آیتوں کے حکم میں شامل ہیں اور ان کو بھی چار مہینے کی مہلت دی گئی۔

❸ وہ مشرکین جن کے ساتھ معاہدہ تھا مگر انہوں نے معاہدے کی پاسداری نہیں کی۔ ان کا حکم آیت (۳) میں بیان ہوا ہے کہ ان کے ساتھ تو صلح کا معاہدہ باقی ہی نہیں رہا اس لئے ان کے ساتھ اعلان جنگ ہے، ہونا تو یہ چاہئے کہ ان کے ساتھ فوری جنگ شروع کر دی جائے مگر حرمت والے مہینوں کے ادب کی وجہ سے ان کو بھی کچھ مہلت دی جا رہی ہے، انہیں چاہئے کہ وہ توبہ کر کے اسلام قبول کر لیں اور اگر وہ توبہ نہیں کریں گے تو دنیا آخرت میں ذلت وعذاب کا سامنا ہوگا۔

❹ وہ مشرکین جن کے ساتھ مسلمانوں کا میعادی معاہدہ تھا یعنی ایسا معاہدہ تھا جس کی مدت مقرر تھی اور ان قبائل نے مسلمانوں کے ساتھ اپنے معاہدے کی پوری پاسداری کی تھی تو ایسے مشرکین کا حکم آیت (۴) میں بیان ہوا ہے کہ مسلمان ان کے ساتھ معاہدے کی مدت پوری ہونے تک صلح جاری رکھیں لیکن جب مدت ختم ہو جائے گی تو ان کے ساتھ نیا معاہدہ نہیں کیا جائے گا۔

ملاحظہ فرمائیے تفصیل کے لئے تفسیر بیان القرآن...... حافظ ابن کثیرؒ نے بھی اسی تفسیر کو ترجیح دی ہے مگر وہ فرماتے ہیں کہ جن کے ساتھ مسلمانوں کا غیر میعادی معاہدہ تھا یا جن کے معاہدے کی مدت چار ماہ سے کم رہ گئی تھی ان مشرکین کو تو چار مہینے کی مہلت دی گئی۔ یعنی ۱۰ ذوالحجہ (اعلان والے دن سے) ۱۰ ربیع الثانی تک اور وہ مشرکین جن سے کوئی عہد نہیں تھا یا جنہوں نے معاہدہ توڑ دیا تھا ان کو حرمت والے مہینے ختم ہونے تک کی مہلت دی گئی یعنی محرم کے آخر تک ان کو مہلت ہے اس کے بعد ان سے قتال کیا جائے گا۔ یوں ان کی مہلت کل پچاس دنوں کی ہوئی یعنی دس ذوالحجہ (اعلان والے دن سے) محرم کے آخر تک...... بیس دن ذوالحجہ کے اور تیس دن محرم کے۔

ملاحظہ فرمائیے ابن کثیرؒ کی اپنی عبارت:

فقال قائلون: هذه الآية لذوى العهود المطلقة غير المؤقتة او من له عهد دون اربعة اشهر فيكمل له اربعة اشهر، فاما من كان له عهد موقت فاجله الى مدته مهما كان، لقوله تعالىٰ فَأَتِمُّوٓا۟ إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ (التوبه ٤) الآية ولما سياتى فى الحديث. ومن كان بينه وبين رسول الله صلى الله عليه وسلم عهد فعهده الى مدته وهذا احسن الاقوال واقواها، وقد اختاره ابن جرير رحمه الله، وروى الكلبى ومحمد بن كعب القرظى وغير

واحد وقال علی بن ابی طلحة عن ابن عباس فی قوله: بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ الآیة قال: حدّ الله للذین عاهدوا رسوله اربعة اشهر یسیحون فی الارض حیث شاؤوا واجل من لیس له عهد انسلاخ الاشهر الحرم من یوم النحر الی سلخ المحرم فذلک خمسون لیلة، فامر الله نبیه اذا انسلخ الاشهر الحرم ان یضع السیف فیمن لم یکن بینه وبینه عهد بقتلهم حتی یدخلوا فی الاسلام وأمر بمن کان له عهد اذا انسلخ اربعة اشهر من یوم النحر الی عشر خلون من ربیع الآخر یضع فیهم السیف ایضا حتی یدخلوا فی الاسلام. (تفسیر ابن کثیر)

یہاں تک الحمدللہ ان دو آیات مبارکہ کا موضوع واضح ہوگیا...... مہلت والے چار مہینے کون سے تھے یہ بات بھی سمجھ آ گئی۔ اس کی مزید وضاحت تھوڑا آگے چل کر تفسیر المدارک کے حوالے سے بھی ان شاء اللہ آ جائے گی۔

ان آیات کا زمانہ اور ماحول

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ مکرمہ سے ہجرت کا نواں سال ہے، نو سال پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء کو اس شہر میں اتنا ستایا گیا تھا کہ آپ اور آپ کے رفقاء ہجرت پر مجبور ہوئے تھے۔ مگر صرف نو سال کے عرصے میں ماحول بدل چکا ہے، ۶ ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں عمرہ کرنے سے روکا گیا تھا، حدیبیہ کے مقام پر صحابہ کرام نے موت اور جہاد پر ثابت قدمی کی، بیعت رضوان کی اور مشرکین کے ساتھ دس سالہ جنگ بندی کا معاہدہ ہوا۔ پھر اسی معاہدے کی رو سے ۷ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ ادا فرمایا...... زندگی کے سات سال ہجرت اور جہاد میں گزار کر صرف تین دن کے لئے اپنے مولد میں تشریف آوری ہوئی۔ چند ماہ بعد مشرکین مکہ نے معاہدے کی خلاف ورزی کی اور مسلمانوں کے حلیف قبیلے ''بنی خزاعہ'' پر ظلم ڈھایا، بنی خزاعہ اپنی مظلومیت کی فریاد لے کر مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدد کا وعدہ فرمایا اور مکہ پر حملے کی خفیہ تیاری شروع فرمادی۔ ۸ھ کے رمضان المبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسانی کے ساتھ مکہ فتح فرمالیا اور پھر حنین بھی۔ مگر آپ ﷺ حج ادا کئے بغیر واپس تشریف لے آتے ہیں اور مکہ مکرمہ کا حاکم حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو بنا آتے ہیں۔ چند ماہ مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اور پھر رجب ۹ ہجری میں مشکل ترین جہادی سفر غزوہ تبوک کے لئے روانگی ہوگئی۔ سفر لمبا تھا، مشکل تھا اور مدمقابل اس زمانے کی سپر پاور کہلانے والا طاقتور دشمن تھا۔ اس صورتحال میں منافقین نے جان اور مال بچانے کی فکر کی، تب سورۃ براۃ آسمانی بجلی کی طرح کڑکی۔ اور اس نے منافقین کے ''غیر جہادی اسلام'' کو ناقابل قبول قرار دے دیا۔ اور اسلام اور نفاق کے درمیان قیامت تک ایسی واضح لکیر کھینچ دی۔ جس لکیر کو دیکھ کر کسی کے اسلام اور نفاق کا آسانی سے فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

غزوۂ تبوک خیر سے مکمل ہوا۔ سورۃ براۃ اس پورے سفر اور بعد میں انوارات برساتی رہی۔ اب ارادہ ہوا کہ حج ادا

کیا جائے مگر ابھی تک مرکز اسلام خالص مسلمانوں کا مرکز نہیں بنا تھا۔سورۃ توبہ کی آیات نازل ہوئیں اور مسلمانوں کو ایک مستقل خالص مرکز دینے کا پورا نصاب نازل فرمادیا گیا۔

اب یہی نصاب لے کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ (امیر حج) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد خاص) حج کے لئے جا رہے ہیں۔ اللہ اکبر کبیرا۔ ادھر حج کا خطبہ مکمل ہوا اور ساتھ ہی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کھڑا فرمادیا۔عرفات کی وادی اس اعلان سے گونج اٹھی۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ

بس اب بالکل صاف اعلان ہے۔آئندہ سال کوئی مشرک حج نہیں کرے گا۔کوئی بھی ننگے ہو کر کعبہ کا طواف نہیں کرے گا۔اور جنت میں صرف ایمان والے داخل ہوں گے۔اور جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ ہے وہ معاہدہ اپنی مدت تک نافذ رہے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جو ہجرت کی رات موت کے گھیرے میں تھے آج ایک ایک مشرک کو یہ اعلان سنا رہے تھے، آپ ایک ایک خیمے تک پہنچے اور اس قدر جوش سے اعلان فرمایا کہ آواز بیٹھ جاتی تھی تب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہی اعلان شروع کر دیتے تھے۔ٹھیک نو سال میں حالات کس قدر بدل گئے۔اللہ تعالیٰ قوت والا ہے اور وہ ایمان والوں کی کس طرح سے نصرت فرماتا ہے۔اب ہر طرف ایک ہی اعلان ہے کہ جزیرۃ العرب کو کفر وشرک سے پاک کرنا ہے۔جس نے لڑنا ہے وہ میدان میں اتر آئے۔جو مسلمان ہوگا وہ ہمارا بھائی ہے......اور کافروں کو یہ وطن چھوڑنا ہوگا......سورۃ انفال نے اسلامی جماعت بنائی اور سورۃ توبہ نے اسلامی مرکز بنایا......حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کا وقت قریب تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کا غزوہ ادا کر کے اہل کتاب کے خلاف جہاد کا آغاز فرمادیا تھا اور اب برأت کا یہ اعلان کروا کے جزیرۃ العرب کی تطہیر اور پاکی کا کام شروع فرمادیا تھا۔آپ ﷺ کے خلفائے کرام نے سورۃ برأۃ کے نصاب کو آگے بڑھایا اور ان کاموں کی تکمیل کی جن کا آغاز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آخری زمانے میں فرمادیا تھا...... یہ ہے وہ ماحول جن میں یہ آیات مبارکہ نازل ہو رہی تھیں اور پڑھ پڑھ کر سنائی جا رہی تھیں۔(واللہ اعلم بالصواب)

اب ملاحظہ فرمایئے ان دو آیات کی مختصر لفظی تشریح:......

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ: برأۃ کے معنی ترک موالات اور رفع امان (یعنی امان ختم ہونے) کے ہیں۔

البراءة هي قطع الموالاة وارتفاع العصمة وزوال الامان (جصاص)

مشرکین عرب کی مسلسل عہد شکنیوں کے بعد اب انہیں نوٹس دیا جا رہا ہے کہ اتنی مدت کے بعد تم سے سارے معاہدے ختم، بس اب تلوار ہی تمہارا فیصلہ کرے گی۔(تفسیر ماجدی)

ایک عجیب نکتہ

سورۃ توبہ کے پہلے لفظ بَرَآءَۃٌ ہی سے جہاد کا پورا فلسفہ سمجھا دیا گیا۔اور وہ اس طرح کہ اس لفظ اور جملے کو سنتے ہی یہ چند باتیں ذہن میں آجاتی ہیں:

❶ جن مشرکوں اور کافروں سے اللہ تعالیٰ بری ہے حالانکہ وہ ان کا خالق ہے اور جن کافروں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بری ہیں حالانکہ آپ بے حد شفیق ہیں تو ایسے کافروں پر کسی اور کو ترس کھانے کی کیا ضرورت ہے؟

❷ جن کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے اور جو اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق رکھتے ہیں وہ ان کافروں کی قوت کس طرح سے برداشت کر سکتے ہیں جن سے قطع تعلق کا اعلان اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول فرمادے۔

❸ جب اللہ تعالیٰ ان کافروں سے بیزاری، قطع تعلق اور دست برداری کا اعلان فرما رہے ہیں تو ظاہر بات ہے جو مسلمان ان کے خلاف لڑے گا وہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کا مستحق ہوگا۔

❹ مسلمان کسی سے بھی کوئی دوستی اور تعلق اسی وقت رکھ سکتا ہے جب اللہ اور اس کے رسول اس تعلق کو پسند فرمائیں پس جن کافروں سے اللہ تعالیٰ بری ہے ان سے مسلمان کبھی بھی دوستی کا تعلق نہیں رکھ سکتے۔

براۃ یعنی بیزاری، قطع تعلق دستبرداری کا لفظ پڑھتے ہی یہ تمام باتیں خود دل میں اتر جاتی ہیں اور ایک مسلمان کو خالص اللہ تعالیٰ کا سپاہی بنا دیتی ہیں۔باقی رہی بات رشتہ داری اور خونی قرابت کی تو زہریلے سانپ کے بھی رشتے دار ہوتے ہیں اور اس کے بھی بچے ہوتے ہیں قاتل کے بھی بیوی بچے ہوتے ہیں اور اسے مارا جائے تو اس کا بھی خون نکلتا ہے۔مگر زہریلے سانپ اور قاتل کو مارنا ہر کوئی درست سمجھتا ہے۔اسی طرح جو لوگ اللہ تعالیٰ کی زمین پر ظلم اور فساد کی علامت بن جاتے ہیں اگر ان کو ختم نہ کیا جائے تو زمین پر سوائے کفر اور ظلم کے کچھ بھی نظر نہ آئے۔اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے لڑنے کا حکم دیتا ہے اب اگر کسی کے اندر ہمدردی جوش مارنے لگے تو اسے سمجھایا گیا کہ اللہ تعالیٰ جو اس بندے کا خود خالق ہے وہ اس سے قطع تعلق کا اعلان فرما رہا ہے اب بتاؤ بھلا خالق سے بڑھ کر بھی کوئی پیار کرنے والا ہوسکتا ہے؟ اور عجیب بات یہ ہے کہ قتال کا یہ حکم بھی رحمت اور شفقت پر مبنی ہے کہ اس کی وجہ سے بے شمار لوگوں کو ایمان قبول کرنے کی توفیق ملتی ہے اور وہ جہنم سے بچ کر جنت میں جانے والے بن جاتے ہیں۔(واللہ اعلم بالصواب)

إِلَى الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ : اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے براۃ کا اعلان ہے ان مشرکوں سے جن کے ساتھ اے مسلمانو! تم نے معاہدے کر رکھے ہیں۔

الَّذِينَ عَاهَدتُّم : صیغہ جمع حالانکہ عہد و معاہدہ کرنے والے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اس لئے ارشاد ہوا ہے کہ بہ حیثیت امیر وحاکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل حکماً ساری امت کا فعل تھا:

ولم يعاهدهم الا النبي صلى الله عليه وسلم وحده، ولكنه كان الآمر و الحاكم وكل ما

امر به او احكمه فهو لازم للامة منسوب اليهم محسوب عليهم (ابن العربی) يعنى الى الذين عاهدهم رسول الله صلى الله عليه وسلم لانه كان المتولى للعقد، واصحابه كلهم راضون فكانهم عاقدوا وعاهدوا فنسب العقد اليهم (قرطبی)

آیت سے جواز نکل آیا اس کا کہ بعض موقعوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا امیر امت کے عمل کو منسوب امت کی جانب کیا جائے۔ (تفسیر ماجدی)

فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ : تو اے مشرکو! زمین میں چار ماہ چل پھر لو۔ امام قرطبی فرماتے ہیں:

ای سيروا فی الارض مقبلين ومدبرين، آمنين غير خائفين احدا من المسلمين بحرب ولا سلب ولا قتل ولا اسرٍ

یعنی زمین پر امن کے ساتھ آؤ جاؤ، اور مسلمانوں کی طرف سے لڑائی، لوٹ مار اور قتل و گرفتاری سے بے خوف رہو۔ (قرطبی)

”دنیاوی حکومتوں کا دستور یہ ہے کہ اعلان جنگ کے بعد دشمنوں کو غور کا موقع بہت کم دیتی ہیں، اس لئے کہ ان کا مقصد جمع مال کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا، مگر اسلام یکسر رحمت ہے اور وہ امن وسلامتی عالم کے قیام کے لئے بھیجا گیا ہے اس لئے ارضی حکومتوں کے برخلاف اس نے اپنے مخالفین کو چار ماہ کامل غور کی مہلت دی، اس دوران وہ تمام عرب میں باطمینان رہ سکتے ہیں اپنے اور دشمنوں کے حالات کا اچھی طرح مطالعہ کر کے اپنے مستقبل کے متعلق خوب دلجمعی سے فیصلہ کر سکتے ہیں، اگر وہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے تیار ہوں تو انہیں لبیک کہا جائے گا، لیکن اس مدت کے ختم ہوتے ہی عرب کی ایک انچ زمین بھی ان کو پناہ نہ دے سکی گی، مخالفین کو اس امر میں غور کرنا چاہئے کہ جب مسلمانوں کی تعداد کم تھی، ان کے پاس ساز وسامان نہ تھا عرب کا ایک ایک باشندہ ان کا دشمن تھا، ہر طرف سازشوں کے جال بچھے ہوئے تھے، یہودی ایک طرف ان کی جان کے لیوا تھے، دوسری جانب نصاریٰ ان کو خوفزدہ کر رہے تھے، مجوسی بھی کسی سے کم نہ تھے، جب ان حالات میں مسلمان زندہ رہے تو اب اس وقت تم ان کا کیا بگاڑ سکتے ہو جبکہ تمام عرب پر ان کا قبضہ ہے، ہر طرف ان کی حکومت ہے، اس وقت کفار یقین کر لیں کہ وہ مسلمانوں پر کبھی غالب نہ آ سکیں گے، بلکہ جو شخص قرآن سمجھنے کے باوجود اس کی مخالفت کرے گا وہ خود ذلیل ہوگا۔“ (تفسیر الفرقان)

چار مہینے کون سے؟

امام نسفیؒ لکھتے ہیں:

والا شهر الاربعة: شوال و ذو القعدة و ذوالحجة والمحرم، او عشرون من ذى الحجة والمحرم وصفر وشهر ربيع الاول وعشر من ربيع الآخر وكانت حرما لانهم او منوا فيها وحرم قتلهم وقتالهم او على التغليب لان ذالحجة والمحرم منها. والجمهور على اباحة

القتال فی الاشهر الحرم وان ذلك قد نسخ۔ (المدارك)

یعنی چار مہینوں سے مراد شوال، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم ہیں یا ذوالحجہ کے بیس دن، محرم، صفر، ربیع الاوّل اور دس دن ربیع الآخر کے۔ اگر دوسرا قول لیا جائے تو ان چار مہینوں کو ”اشہر حرم“ اس لئے کہا گیا کہ ان میں مشرکوں کو امان دی گئی تھی یا تغلیب کی بناء پر کہا گیا کیونکہ ذوالحجہ اور محرم ان میں شامل ہیں۔ باقی جمہور کے نزدیک اب اشہر حرم میں قتال جائز ہے اور حرمتِ قتال منسوخ ہو چکی ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ

اور اے مشرکو! خوب جان لو کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے اور اللہ تعالیٰ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔

ان الفاظ میں مشرکین کے لئے اسلام کی دعوت بھی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے نہ ٹکراؤ تم نے دیکھ لیا کہ کل تک تم اس زمین کے مالک و حکمران تھے اور تم مسلمانوں کو یہاں سے نکالتے تھے مگر آج صورتحال کس قدر بدل چکی ہے؟ کیا تم اس سے اسلام کی حقانیت کا اندازہ نہیں لگاتے؟

اور آیت کے آخری جملے میں مسلمانوں کے لئے فتح و نصرت کا وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی ایسی مدد فرمائے گا کہ کافر ذلیل و خوار ہو کر ناکام ہو جائیں گے۔ ملاحظہ فرمائیے یہ عبارت:

”یعنی یہ احمق معاندین اللہ کے مقابلے کی قوت تو کہاں سے لائیں گے اللہ ہی انہیں الٹا رسوا کر کے رہے گا اس رسوائی کا ظہور حشر میں تو بہر حال کامل اور یقینی طور پر ہو ہی جائے گا، باقی نزول آیت کے بعد دنیا میں بھی اچھی طرح ہو کر رہتا ہے۔

قال ابن عباس بالقتل فی الدنیا والعذاب فی الآخرة (کبیر)

آیت میں مسلمانوں کو اطمینان بھی دلایا گیا ہے کہ وہ کافروں پر غالب آکر رہیں گے۔

قال الزجاج: هذا ضمان من الله عز و جل بنصرة المومنین علی الکافرین (کبیر)۔ (تفسیر ماجدی)

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ

اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف بڑے حج کے دن لوگوں کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ

بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ

اور اس کا رسول مشرکوں سے بے زار ہے پس اگر تم توبہ کرو تو تمہارے لیے بہتر ہے اور

اِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ

اگر نہ مانو تو جان لو کہ تم اللہ تعالیٰ کو ہرگز عاجز کرنے والے نہیں اور کافروں کو

كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ﴿۳﴾

دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو

خلاصہ

حج کو اکبر اس لئے کہا کہ ”عمرہ“ حج اصغر ہے اور ”یوم الحج الاکبر“ سے دسویں تاریخ عید الاضحیٰ کا دن یا نویں تاریخ ”عرفہ“ کا دن مراد ہے۔

اس آیت میں مذکور اعلان غالباً ان قبائل کے لئے تھا جنہوں نے میعادی معاہدہ کیا پھر خود ہی عہد شکنی کی (مثلاً بنی بکر یا قریش وغیرہم) یعنی ایسے لوگوں سے کوئی معاہدہ باقی نہیں رہا۔ اگر یہ سب لوگ شرک وکفر سے توبہ کرلیں تو ان کی دنیا وآخرت دونوں سنور جائیں گی، نہیں تو اللہ تعالیٰ کا جزیرۃ العرب کو پاک کرنے کا جو ارادہ ہے وہ پورا ہو کر رہے گا، کوئی طاقت اور تدبیر اسے مغلوب نہیں کر سکتی اور کافروں کو کفر وبدعہدی کی سزا مل کر رہے گی (تنبیہ) ان قبائل کی عہد شکنی اگرچہ فتح مکہ ۸ ہجری سے پہلے ہو چکی تھی، بلکہ اسی کے جواب میں مکہ فتح کیا گیا، تاہم ۹ ہجری کے حج کے موقع پر اس کا بھی اعلان عام کرایا گیا تاکہ واضح ہو جائے کہ اس قسم کے جتنے لوگ ہیں ان سے کسی قسم کا معاہدہ باقی نہیں رہا۔

(مفہوم تفسیر عثمانی)

تفسیری اقوال

اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ: اعلان عام ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے۔

والاذان بمعنى الايذان وهو الاعلام (المدارك) یعنی اذان کا مطلب ہے اعلان عام

اِلَى النَّاسِ: تمام لوگوں کی طرف

الناس هنا جميع الخلق (القرطبی)

امام نسفیؒ لکھتے ہیں کہ

براۃ تو صرف ان مشرکوں سے تھی جن سے معاہدے وغیرہ تھے مگر اعلان سب کے لئے تھا۔

لان البراءة مختصة بالمعاهدين و الناكثين منهم، واما الاذان فعام لجميع الناس من عاهد ومن لم يعاهد ومن نكث من المعاهدين ومن لم ينكث (المدارك)

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اعلان عام مسلمانوں اور کافروں سب کے لئے تھا کیونکہ اس حکم کا تعلق ان سب کے ساتھ تھا مسلمانوں کے ساتھ اس لئے کہ انہیں معلوم ہوجائے کہ کب تک قتال ممنوع ہے اور کب ہم نے قتال شروع کرنا ہے۔

وهى عامة فى حق جميع الناس، لان ذلك مما يجب ان يعرفه المومن والمشرك من حيث كان الحكم المتعلق بذلك يلزمهما جميعا، فيجب على المومنين ان يعرفوا الوقت الذى يكون فيه القتال من الوقت الذى يحرم فيه (تفسير كبير)

يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ : اس میں دو تفسیری بحثیں ہیں:

➢ پہلی بحث یہ ہے کہ یہ کون سا دن تھا عام طور پر مفسرین کے تین اقوال ہیں: ❶ نو ذوالحجہ یوم عرفہ ❷ ١٠ ذوالحجہ یوم النحر ❸ اس سے ایک دن نہیں بلکہ تمام ایام حج مراد ہیں یعنی ایام منیٰ کلها اور عربی میں یوم کا لفظ اس طرح کثرت سے استعمال ہوتا ہے جیسے یوم صفين، یوم بعاث۔

ان تین اقوال کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے تفسیر قرطبی وتفسیر کبیر و دیگر تفاسیر۔

➢ دوسری بحث یہ ہے کہ ٩ ہجری کے حج کو "حج الاکبر" کسی خاص وجہ سے کہا گیا ہے یا ہر حج "حج اکبر" کہلاتا ہے اکثر مفسرین حضرات کی رائے یہ ہے کہ حج اکبر حج ہی کو کہتے ہیں کیونکہ عمرہ حج اصغر یعنی چھوٹا حج کہلاتا ہے۔ مگر بعض مفسرین کے نزدیک ٩ ہجری کے حج کو بعض خصوصیات کی وجہ سے "حج اکبر" کہا گیا ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے تفسیر البحر المحیط اور تفسیر کبیر۔

اَنَّ اللّٰهَ بَرِیٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ

یعنی (اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) انہیں امن دینے سے بری الذمہ اور دست بردار ہیں۔ (تفسیر ماجدی)

اعلان عام کا مختصر واقعہ

"براۃ کے مفہوم کو دوبارہ واذان من اللہ ورسولہ فرما کر دہرا دیا اور ٩ ہجری میں جو حج ہوا اس میں حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے ذریعہ مواقف حج میں اعلان کروادیا کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری ہے

اوراس کے علاوہ بھی بعض امور کا اعلان کروایا گیا تھا۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اعلان کرنے پر مامور فرمایا۔

صحیح بخاری (ج۲ص ۶۷۱) میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ جس حج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیقؓ کو امیر بنا کر بھیجا تھا اس میں انہوں نے یوم النحر (ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو) جن لوگوں کو اعلان کرنے کے لئے بھیجا تھا ان میں میں بھی تھا، تاکہ یہ لوگ منیٰ میں اعلان کردیں الا لا یحج بعد العام مشرک ولا یطوف بالبیت عریان (خبردار اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور کوئی شخص ننگے ہونے کی حالت میں بیت اللہ کا طواف نہ کرے۔مشرکین ننگے ہونے کی حالت میں بیت اللہ کا طواف کیا کرتے تھے۔اس لئے یہ اعلان کروایا۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر حج بنا کر بھیجا تھا پھر پیچھے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی بھیجا تاکہ ان کے ذریعہ اعلان کروایا جائے اور وجہ اس کی یہ تھی کہ آپ کی خدمت میں یہ رائے پیش کی گئی تھی کہ اہل عرب کا یہ طریقہ ہے کہ عہد اور نقض عہد کے بارے میں اسی شخص کے اعلان کو معتبر سمجھتے تھے جو خاص اسی قبیلے کا ہو جس سے معاہدہ تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ قبیلے کی حیثیت سے تو نہ تھا مسلمانوں کی جماعت کا امام ہونے کی حیثیت سے تھا اور دین اسلام کی طرف سے تھا لیکن احتمال تھا کہ لوگ اسے بنی ہاشم کا معاہدہ سمجھیں اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا جانا مناسب سمجھا جو بنی ہاشم ہی کے ایک فرد تھے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ سورہ براءۃ کے مطابق اعلان کرتے تھے اور مشرکین کو پوری طرح اعلان سناتے تھے چونکہ اتنے بڑے اجتماع میں شخص واحد کافی نہ تھا اس لئے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات کو بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کام پر لگایا۔معالم التنزیل (ص ۲۶۷ ج ۲) میں زید بن تبیع سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ آپ کو اس حج میں کیا پیغام دے کر بھیجا گیا تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ مجھے چار چیزوں کا اعلان کرنے کا حکم ہوا تھا، اوّل یہ کہ آئندہ بیت اللہ کا طواف کوئی شخص ننگا ہونے کی حالت میں نہ کرے۔دوم یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جس قبیلے سے کوئی معاہدہ ہے تو یہ معاہدہ صرف اپنی مدت تک ہے اور جس سے کوئی معاہدہ نہیں اس کو چار ماہ کی مہلت دی جارہی ہے (چار ماہ تک زمین میں چلیں پھریں) مسلمان ان سے کوئی تعرض نہ کریں گے یہ مدت ختم ہوجانے کے بعد ان کے خون کی حفاظت کی کوئی ذمہ داری نہ ہوگی۔سوم یہ کہ جنت میں مومن کے سوا کوئی شخص داخل نہ ہوگا۔چہارم یہ کہ اس سال کے بعد مشرکین اور مسلمین (حج میں) جمع نہ ہوں گے یعنی کسی مشرک کو اس سال کے بعد حج کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، نیز صاحب معالم التنزیل (ص ۲۶۶ ج ۲) لکھتے ہیں کہ یہ چار ماہ کی جو مدت مقرر کی گئی کہ اس کے بعد امان نہ ہوگی، اس کی ابتداء حج کے دن سے ہے جس میں براءۃ کا اعلان کیا گیا تھا اور یہ مدت دس ذوالحجہ سے لے کر دس ربیع الآخر تک تھی کیونکہ مدت کا شمار اعلان کے بعد ہی سے معتبر ہوسکتا ہے۔(انوار البیان) ☆☆☆

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّ

مگر جن مشرکوں سے تم نے عہد کیا تھا پھر انہوں نے تمہارے ساتھ کوئی قصور نہیں کیا اور

لَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ

تمہارے مقابلے میں کسی کی مدد نہیں کی سو ان سے ان کا عہد ان کی مدت تک پورا کردو

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۴﴾

بے شک اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو پسند کرتا ہے

خلاصہ

مشرکین کے وہ قبیلے جن کے ساتھ مسلمانوں کا میعادی معاہدہ ہے اور انہوں نے معاہدے کی کوئی خلاف ورزی نہیں کی اور نہ مسلمانوں کے خلاف ان کے دشمنوں کی کوئی مدد کی ہے ان کا معاہدہ اپنی مدت پوری ہونے تک جاری رکھا جائے گا۔ عہد اور معاہدے کو پورا کرنا اور نبھانا تقویٰ کا حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں سے محبت فرماتا ہے۔

چند عبارتیں

❶ جن کا عہد مبہم ہے ان کو چار ماہ گزرنے کے بعد جہاں پاؤ قتل کردو اور جن کے عہد کی مدت معین ہے اگر انہوں نے خود نہیں توڑا تو تم بھی اس میعاد تک عہد پورا کرو۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

❷ یہ استثناء ان قبائل کے لئے ہے جن کا معاہدہ میعادی تھا، پھر وہ اس پر برابر قائم رہے کچھ کوتاہی ایفائے عہد میں نہیں کی، نہ بذات خود کوئی کارروائی خلاف عہد کی اور نہ دوسرے بدعہدوں کو مدد پہنچائی (مثلاً بنی ضمرہ و بنی مدلج) ان کے متعلق اعلان کردیا گیا کہ میعاد معاہدہ منقضی ہونے تک مسلمان بھی برابر معاہدہ کا احترام کریں گے میعاد ختم ہونے کے بعد کوئی جدید معاہدہ نہیں۔ اس وقت ان کے لئے بھی وہی راستہ ہے جو اوروں کے لئے تھا۔ (تفسیر عثمانی)

❸ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا یعنی اپنی طرف سے اس عہد کو نبھانے اور پورا کرنے میں کچھ بھی کمی نہیں کی

وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاہد جب مسلمانوں کے مقابلہ میں کافروں کی اعانت کرنے لگے تو وہ ناقض عہد (یعنی عہد توڑنے والا) ہوگیا۔

یدل علیٰ ان المعاهد متی عاون علینا عدوالنا فقد نقض عهده (جصاص)

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ اور اسی تقویٰ و پرہیزگاری کی ایک فرد ایفائے عہد بھی ہے، جنگ ہو یا صلح، اسلام

بہرحال اخلاقی پابندیوں کے توڑ دینے کا روادار نہیں، عین عتاب وعقاب کے سیاق میں تقویٰ اور اخلاق صالح پر زور دینا قرآن مجید ہی کا حصہ ہے۔ (تفسیر ماجدی)

❹ امام نسفیؒ لکھتے ہیں:

لکن الذین لم ینکثوا فاتموا الیھم عھدھم ولا تجروھم مجراھم ولا تجعلوا الوافی کالغادر إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ یعنی ان قضیة التقویٰ ألا یسوی بین الفریقین فاتقوا اللہ فی ذلک (المدارک)

لیکن جنہوں نے معاہدہ نہیں توڑا ان کے ساتھ معاہدہ پورا کرو اور انہیں معاہدوں کو توڑنے والوں جیسا نہ بناؤ، وفا کرنے والوں کو دھوکا دینے والوں جیسا قرار نہ دو اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کو پسند فرماتا ہے اور تقویٰ کا تقاضہ یہ ہے کہ دونوں فریقوں کو برابر قرار نہ دو۔

❺ علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:

بقی لبنی ضمرة، وبنی مدلج حیین من کنانة من عھدھم تسعة اشھر فاتم الیھم عھدھم۔(روح المعانی)

یعنی بنی ضمرہ اور بنی مدلج جو کنانہ قبیلے کی دو شاخیں تھیں ان کے معاہدے کی مدت میں نو مہینے باقی تھے چنانچہ اس مدت تک ان کے ساتھ معاہدہ پورا کیا گیا۔

سُورَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۵

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ

پھر جب عزت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کردو

وَجَدتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ

اور پکڑو اور انہیں گھیر لو اور ان کی تاک میں ہر جگہ بیٹھو پھر

فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ۚ

اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو

إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝٥

بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے

خلاصہ

جب مہلت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو جہاں پاؤ جیسے چاہو قتل کرو اور انہیں پکڑو، گھیرو اور ہر جگہ ان پر گھات لگاؤ، پھر اگر وہ ایمان قبول کرلیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو ان سے جنگ نہ کرو اللہ پاک بہت بخشنے والا مہربان ہے۔

چار مہینے

بعض مفسرین حضرات کی رائے یہ ہے کہ ان چار مہینوں سے مراد ۱۰ ذوالحجہ سے لے کر ۱۰ ربیع الثانی تک کی مدت ہے اور ان چار مہینوں کو ”اشہر حرم“ یعنی حرمت والے مہینے اس لئے کہا گیا کہ ان میں اللہ پاک نے مشرکین کو مہلت دی تھی اور ان کے ساتھ لڑائی سے منع فرمایا تھا۔ ملاحظہ فرمایئے اس قول کے مطابق چند حوالے جن کے ضمن میں آیت کی تفسیر بھی واضح ہوجاتی ہے:

❶ دس ذوالحجہ سے لے کر چار مہینے جو مہلت دی گئی ہے جب وہ پوری ہوجائے تو پھر جہاں پاؤ انہیں تباہ کردو، ہاں اسلام کے حلقہ بگوش ہوجائیں تو چھوڑ دو۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

❷ الاشهر الحرم الاربعة هذه من العاشر ذی الحجة الی العاشر ربیع الثانی یعنی حرمت والے چار مہینے دس ذوالحجہ سے لیکر دس ربیع الثانی تک تھے۔ (فی ظلال سورۃ التوبۃ)

دوسرا قول

دوسرا قول یہ ہے کہ وہ مشرکین جنہوں نے عہد شکنی کی تھی ان کے لئے مہلت کی مدت محرم کے آخر تک تھی چنانچہ

''اشہر حرم'' سے مراد یہ ہے کہ جب حرمت والے معروف مہینے ختم ہو جائیں تو ان کے خلاف قتال شروع کر دیا جائے۔ یعنی یکم صفر سے جنگ شروع ہو جائے گی، اس قول کے چند حوالے تفسیر ابن کثیرؒ وغیرہ کے حوالے سے گزر چکے ہیں۔ مزید چند عبارتیں ملاحظہ فرمائیں:

قال الاصم: اريد به من لاعقد له من المشركين، فاوجب ان يمسك عن قتالهم حتى ينسلخ الحرم وهو مدة خمسين يوما على ماذكره ابن عباس لان النداء كان بذلك يوم النحر۔ (القرطبی)

امام اصمؒ فرماتے ہیں کہ مراد اس آیت میں وہ مشرکین ہیں جن سے مسلمانوں کا معاہدہ باقی نہیں رہا تھا ان مشرکین سے حرمت والے مہینے ختم ہونے تک قتال سے روکا گیا یعنی ان کو پچاس دن کی مہلت دی گئی یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق ہے۔ چونکہ اس مہلت کا اعلان دس ذوالحجہ کے دن کیا گیا تھا۔ (اس لئے پچاس دن بنے)

ایک جامع عبارت

حضرت مجاہد اور ابن اسحاق نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں جن اشہر الحرام کا ذکر ہے ان سے وہی مہینے مراد ہیں جن کا شروع سورۃ میں ذکر آیا ہے جن لوگوں کے ساتھ کوئی معاہدہ بلا تعیین مدت کا تھا اور جن سے کوئی عہد نہ تھا ان کو چار ماہ کی مہلت دی گئی اور جنہوں نے نقض عہد کیا تھا یعنی قریش مکہ ان کو چار ماہ کی مدت میں سے بیس دن ذی الحجہ کے اور محرم کا پورا مہینہ گزر جانے تک کی مہلت دی گئی۔ صاحب معالم التنزیل نے یہ بات لکھی ہے اور علامہ نسفیؒ نے بھی مدارک التنزیل میں ایسا ہی فرمایا ہے۔ صاحب روح المعانی نے بھی یوں ہی لکھا ہے کہ اشہر الحرام سے وہ مہینے مراد نہیں ہیں جو عرب میں معروف و مشہور تھے (یعنی ذیقعدہ، ذوالحج، محرم اور رجب، اہل عرب ان مہینوں میں قتال نہیں کرتے تھے اور اسلام کے ابتدائی دور میں بھی ان میں قتال ممنوع تھا) اور یہ اس لئے فرمایا کہ جس وقت براءۃ کا اعلان ہوا تھا ان میں صرف بیس دن ذی الحجہ کے اور ایک مہینہ محرم کا باقی رہ گیا تھا اور رجب تک پہنچنے کے لئے بیچ میں پانچ مہینے کا فصل تھا اگر ان پانچ مہینوں کا بھی حساب لگا دیا جائے تو میعاد لمبی ہو جاتی حالانکہ چار مہینوں سے زیادہ کسی کو مہلت نہیں دی گئی۔ آیت کریمہ میں یہ فرمایا کہ جب ''اشہر حرام'' نکل جائیں تو مشرکین کو قتل کرو جہاں بھی پاؤ ان کو پکڑو اور انہیں روک لو۔ روکنے کی تفسیر کرتے ہوئے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ان کو قلعہ بند کر دو، باہر نکلنے سے روک دو اور ان کے لئے ہر گھات کی جگہ میں بیٹھ جاؤ یعنی مکہ کے راستوں میں بیٹھو، مشرکین کو اس میں داخل نہ ہونے دو

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ یعنی اگر وہ شرک سے توبہ کر لیں اور اسلام قبول کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو ان پر چلنے پھرنے کی اور مکہ معظمہ میں داخل ہونے پر کوئی پابندی نہیں۔ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ...... جب اسلام قبول کر لیا تو زمانہ کفر میں جو کچھ کیا تھا سب ختم ہے اس پر دارو گیر (یعنی پکڑ) نہیں وَاحْصُرُوهُمْ سے دشمنوں کا محاصرہ کرنے کا جواز معلوم ہوا اور وَاقْعُدُوا لَهُمْ

كُلَّ مَرْصَدٍ سے معلوم ہوا کہ دشمنوں سے حفاظت کے لئے ان سے چوکنا رہنے کے لئے اپنے ملکوں اور شہروں میں چوکیاں مقرر کرنے کی ضرورت ہے۔ (انوار البیان)

تقریر عثمانیؒ

یعنی ان عہد شکنی کرنے والوں سے اگرچہ اب کوئی معاہدہ باقی نہیں رہا اس لئے علی الفور جنگ کی جاسکتی ہے، تاہم ''اشہر حرم'' کی رعایت مانع ہے کہ فوراً ان پر حملہ کیا جائے خواہ اس لئے کہ اس وقت تک اشہر حرم میں ابتداءً قتال کرنا ممنوع ہوگا یا مصلحۃً کہ تھوڑی سی بات کے لئے عام لوگوں میں کیوں تشویش پیدا کی جائے کیونکہ ان مہینوں میں قتال کی حرمت ان کے یہاں معروف و مسلم چلی آتی تھی۔ بہر حال ماہ محرم کے ختم تک ان کو مہلت دی گئی کہ جو چاہیں اپنا بندوبست کرلیں۔ اس کے بعد تطہیر جزیرۃ العرب کی خاطر جنگ سے چارہ نہیں جو کچھ جنگ میں ہوتا ہے۔ (مارنا، پکڑنا، گھیرنا، داؤ لگانا، گھات میں رہنا) وہ سب ہوگا۔ البتہ اگر بظاہر کفر سے توبہ کرکے اسلامی برادری میں داخل ہو جائیں جس کی بڑی علامت نماز ادا کرنا اور زکوٰۃ دینا ہے تو پھر مسلمانوں کو ان سے تعرض کرنے اور ان کا راستہ روکنے کی اجازت نہیں۔ رہا باطن کا معاملہ وہ خدا کے سپرد ہے مسلمانوں کا معاملہ اس کے ظاہر کو دیکھ کر ہوگا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کلمہ اسلام پڑھ کر نماز ادا نہ کرے یا زکوٰۃ نہ دے تو مسلمان اس کا راستہ روک سکتے ہیں امام احمدؒ امام شافعیؒ امام مالکؒ کے نزدیک اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ تارکِ صلوٰۃ اگر توبہ نہ کرے تو اسے قتل کردے (امام احمدؒ کے نزدیک ردۃً (یعنی مرتد ہونے کی وجہ سے) اور مالکؒ و شافعیؒ کے نزدیک حدًّا و تعزیرًا) امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اسے خوب زدوکوب کرے اور قید میں رکھے حتی یموت او یتوب (حتی کہ مرجائے یا توبہ کرے) بہر حال تخلیۂ سبیل کسی کے نزدیک نہیں۔ رہے مانعین زکوٰۃ ان کے اموال سے حکومت جبراً زکوٰۃ وصول کرے اور اگر وہ لوگ مل کر حکومت سے آمادہ پیکار (یعنی جنگ پر تیار) ہوں تو راہ راست پر لانے کے لئے جنگ کی جائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ پر جو جہاد کیا تھا اس کا واقعہ کتب حدیث و تاریخ میں مشہور و معروف ہے۔ (تفسیر عثمانی)

کلام برکت

جن سے وعدہ ٹھہر گیا تھا اور دغا ان سے نہ دیکھی ان کی صلح قائم رہی اور جن سے وعدہ کچھ نہ تھا ان کو فرصت ملی چار مہینے، اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دل کی خبر اللہ کو ہے ظاہر میں جو مسلمان ہو وہ سب کے برابر امان میں ہے۔ اور ظاہر مسلمانی کی حد ٹھہرائی ایمان لانا، کفر سے توبہ اور نماز اور زکوٰۃ۔ اسی واسطے جو شخص نماز چھوڑ دے یا زکوٰۃ پھر اس سے امان اٹھ گئی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ کے منکروں کو برابر کافروں کے قتل فرمایا۔ (موضح القرآن)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ بے نمازی کا تو اسلام ہی معتبر نہ تھا جبکہ آج بے نمازی لوگ مسلمانوں کے حکمران بنے بیٹھے ہیں اور خود کو وہ امت مسلمہ کا خیر خواہ قرار دیتے ہیں۔ والی اللہ المشتکیٰ۔

یہ آیت "آیت السیف" ہے

قرآن مجید کی یہ آیت مفسرین حضرات کے ہاں آیت السیف یعنی تلوار والی آیت کہلاتی ہے، امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

وهذه الآية الكريمة هي آية السيف التي قال فيها الضحاك بن مزاحم انها نسخت كل عهد بين النبي صلى الله عليه وسلم وبين احدٍ من المشركين وكل عقد وكل مدّةٍ (تفسير ابن كثير)

حضور پاک ﷺ کو چار تلواریں عطاء کی گئیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چار تلواریں دے کر بھیجا گیا:

بعث النبي صلى الله عليه وسلم باربعة اسيف:

❶ سيف في المشركين في العرب

پہلی تلوار مشرکین عرب کے خلاف عطاء فرمائی گئی جو اس آیت میں ہے:

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (تفسير ابن كثير)

باقی تین تلواریں غالباً یہ ہیں:

❷ اہل کتاب کے خلاف تلوار قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ الآية (التوبة ۲۹)

❸ منافقین سے قتال کی تلوار يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ (التوبة۷۳، التحریم۹) (تفسير ابن كثير)

❹ باغیوں سے قتال کی تلوار وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا الآية (الحجرات۹) (تفسیر ابن کثیر)

قتال فی سبیل اللہ کے حکم پر ناک چڑھانے والے ان چار تلواروں اور ان آیتوں پر غور کریں اور پھر سیرت طیبہ میں دیکھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تلواروں کو کیسے استعمال فرمایا اور ان آیتوں پر کس طرح سے عمل فرمایا۔

جنگ کی تاکید

جہاد کوئی سرسری حکم نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا تاکیدی حکم ہے۔ جس کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر یہاں اتنا کہنا بھی کافی تھا کہ جب حرمت والے مہینے ختم ہو جائیں تو مشرکین سے لڑو یا ان کو مارو۔ مگر یہاں تو پوری تاکید اور مکمل تفصیل کے ساتھ فیصلہ کن لڑائی کا پورا نصاب بتایا گیا۔

❶ ان کو ہر جگہ قتل کرو ❷ جس طرح چاہو قتل کرو (مُثلہ ممنوع ہے) ❸ ان کو پکڑو اور قید کرو ❹ اگر کہیں چھپ جائیں یا قلعہ بند ہو جائیں تو وہاں پہنچ کر ان کو گھیر لو ❺ ان کے راستوں پر ناکے لگاؤ اور ان کے گزرنے کی ہر جگہ پر گھات لگا کر بیٹھو اور ان کے ایک ایک فرد کو مارنے اور پکڑنے کی عسکری ترتیب بناؤ، صحراؤں اور بازاروں تک کی

ناکہ بندی کرو۔

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

اولها: قوله فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وذلك امر بقتلهم على الاطلاق فى اى وقت واى مكان (تفسیر کبیر)

قال المفسرون: المعنىٰ اقعدوا لهم على كل طريق ياخذون فيه الى البيت او الى الصحراء او الى التجارة۔ (تفسیر کبیر)

وَاقْعُدُوْا سے اس کے لفظی معنی مراد نہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ غنیم (یعنی دشمن) کی فکر میں لگے رہو اور یہی صورت وَاحْصُرُوْهُمْ کے لئے ہے۔

ليس معناه حقيقة القعود بل المراد ترقبهم وترصدهم (روح) واحصروهم اى امنعوهم عن الخروج اذا تحصنوا منكم بحصن (روح عن ابن عباس) (تفسیر ماجدی)

ایک گذارش

اس آیت میں جو جنگی تفصیل بیان ہوئی ہے اسے وہ مسلمان صرف ایک بار دل کی آنکھوں سے پڑھ لیں جنہوں نے جہاد فی سبیل اللہ کو اپنی زندگیوں سے نکالا ہوا ہے۔ خواہ کسی بھی بہانے سے، خواہ کسی بھی تاویل سے۔ پھر اپنے دل سے پوچھیں کہ ہم کیسے مسلمان ہیں...... جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ان احکامات کے لئے خود کو کبھی بھی تیار نہیں پایا۔ استغفر اللہ، استغفر اللہ۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ایک قول

کئی مفسرین حضرات کے نزدیک یہ آیت ان تمام آیات کو منسوخ کرنے والی ہے جن میں مشرکین سے درگزر کرنے کا حکم ہے۔

وهذه هى الآية المعروفة "بآية السيف" التى نسخت جميع آيات الامر بالصفح عن المشركين، والصبر على اذاهم (قرة العينين)

سُورَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ — آیت ٦

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ

اور اگر کوئی مشرک تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دیدو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنیں

ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ ﴿٦﴾

پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دو یہ اس لیے ہے کہ وہ لوگ بے سمجھ ہیں

خلاصہ

مہلت کے مہینے گزرنے کے بعد جب ان مشرکین کو قتل کرنے کا حکم نافذ ہو جائے اس وقت بھی اگر کوئی مشرک اسلام کی حقیقت سمجھنے کے لئے آپ کے پاس آ کر امان مانگے تا کہ اطمینان سے قرآن پاک اور اسلام کی حقانیت کے دلائل سن سکے تو آپ اس کو پناہ دے دیجئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سن اور سمجھ لے اس کے بعد اس کو اس کے امن کی جگہ پہنچا دیجئے تا کہ وہ سوچ سمجھ کر اپنی رائے قائم کرے۔ یہ پناہ دینے کا حکم اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ دین کی پوری خبر نہیں رکھتے اس لئے ان کو مزید موقع دیا جاتا ہے۔

اقوال و حوالے

اسلام کا دروازہ کھلا ہے

اگر کوئی مشرک رفع شکوک کے لئے آئے تو بڑی خوشی سے اجازت دی جائے۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

چند ضروری احکامات

علامہ ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب کوئی حربی امان طلب کرے تو اسے امان دینا جائز ہے۔ وہ امان طلب کر کے مسلمانوں کے پاس آئے، اللہ کا کلام سنے توحید کو سمجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل معلوم کرے تو اس کے لئے ایسا موقع فراہم کیا جائے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کوئی کافر ہم سے دلائل توحید کا اور دلائل رسالت کا مطالبہ کرے تا کہ وہ سمجھنے کے بعد دونوں باتوں کو مان لے تو ہمارے ذمہ واجب ہوگا کہ پوری حجت قائم کریں اور توحید و رسالت کو واضح طور پر بیان کریں اور جب کوئی شخص ہم سے توحید اور رسالت کے دلائل طلب کرے تو دلائل بیان کرنے اور حجت قائم کرنے سے پہلے اس کو قتل کرنا جائز نہیں۔ پھر لکھتے ہیں أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ سے معلوم ہوا کہ امام المسلمین پر واجب ہے کہ جو کوئی کافر حربی امان لے کر آئے اس کی حفاظت کرے تا کہ کوئی شخص اسے قتل نہ کر دے اور کسی طرح تکلیف نہ پہنچائے۔ نیز اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ جو لوگ اہل ذمہ

ہیں (یعنی ذمّی ہیں) امام المسلمین کے ذمہ ان کی حفاظت واجب ہے تا کہ کوئی مسلمان ان پر ظلم وزیادتی نہ کرے۔ کافر حربی کو واپس ان کی جائے امن پہنچانے کا جو حکم ہے اس سے یہ مستنبط ہوا کہ کافر حربی کو دارالاسلام میں مستقل طور پر قیام نہ کرنے دیا جائے۔ اس میں حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر ایک سال دارالاسلام میں رہ گیا تو ذمّی ہو جائے گا اور اہل ذمہ کے احکام اس پر نافذ ہوں گے جزیہ بھی مقرر کر دیا جائے گا۔ (احکام القرآن ص۸۴ ج۳) پھر فرمایا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو نہیں جانتے (کہ اسلام کیا ہے اور دعوت اسلام کی کیا حقیقت ہے اور اسلام قبول کرنے کی کیا ضرورت ہے؟) فلا بد من اعطائهم الامان حتى يسمعوا او يفهموا الحق (پس انہیں امان دینا ضروری ہے تا کہ وہ سن لیں یا حق کو سمجھ لیں) (مدارک) (انوار البیان)

اسلام کے کمالات

جن لوگوں نے اپنی طاقت کے زمانے میں مسلمانوں کو مارا، ستایا انہیں وطن سے نکالا ان پر حملے کئے اور ان کو جڑ سے ختم کرنے کے لئے بڑی بڑی جنگیں کیں ان کے ساتھ اسلام کا یہ حسن سلوک ہے کہ ان کو لڑائی سے پہلے چار مہینے کی مہلت دی جارہی ہے کہ اگر لڑنا چاہتے ہو تو تیاری کرلو اور سوچنا چاہتے ہو تو سوچ لو اللہ اکبر کبیرا۔ اسلام نے ثابت کر دیا کہ کمزور قوموں کو بلا مہلت کسی جگہ سے نکل جانے کا حکم دینا یا ان پر اچانک حملہ کر دینا بزدلی اور غیر شریفانہ فعل ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند افراد کے علاوہ باقی سب کے لئے امان کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ یہ ہے اسلام اور یہ ہے اس کا جہاد کہ اسلام جیسے جیسے طاقتور ہوتا جاتا ہے اسی قدر اس کے اخلاق بلند ہوتے چلے جاتے ہیں جبکہ دوسری قومیں جیسے جیسے طاقت پکڑتی جاتی ہیں اسی قدر وحشی، ظالم اور متکبر ہوتی جاتی ہیں۔ اس لئے زمین پر امن کے لئے اسلام اور مسلمانوں کا اس پر غالب رہنا ضروری ہے۔ اب اس آیت کے حکم ہی کو لے لیجئے کہ مہلت کی مدت گذرنے کے بعد بھی دعوت کا دروازہ کھلا ہے۔ اسلام کو اپنی حقانیت پر پورا اعتماد ہے اس لئے وہ سننے اور سمجھنے والوں کے لئے اپنا دروازہ ہر وقت کھلا رکھتا ہے۔ اور حق کی دعوت سنا کر پھر انہیں اپنے مقام تک واپس جانے کی بھی اجازت اور ضمانت دیتا ہے۔ نہتی آبادیوں پر اندھا دھند بمباری کرنے والے ان انسانی اور اخلاقی قدروں سے کس قدر محروم ہیں۔

طلبہ کے لئے آسان وجامع تفسیر

والمعنى وان جاءك احد من المشركين بعد انقضاء الاشهر لا عهد بينك وبينه واستامنك ليسمع ماتدعوا اليه من التوحيد والقرآن فأَمِنْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ويتدبره ويطلع علىٰ حقيقة الامر على ان المستامن لايوذى وليس له الاقامة فى دارنا ويمكن من العود ذٰلِكَ اى الامر بالإجارة فى قوله فأجره بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ بسبب انهم قوم جهلة لايعلمون ما الاسلام وما حقيقة ماتدعوا اليه، فلا بد من اعطائهم الامان حتى يسمعوا اويفهموا الحق۔ (المدارک)

★★★

سورۃ التوبۃ مدنیۃ آیت ۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُولِهٖٓ اِلَّا

بھلا مشرکوں کیلئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ہاں عہد کیونکر ہو سکتا ہے ہاں

الَّذِينَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ

جن لوگوں کے ساتھ تم نے مسجد حرام کے نزدیک عہد کیا ہے اگر وہ قائم رہیں

فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝

تو تم بھی قائم رہو بے شک اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو پسند کرتا ہے

خلاصہ

مشرکین کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے کیسے ''امان'' ہو سکتی ہے...... وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے منکر ہیں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں...... بار بار اپنے عہد اور معاہدے توڑتے ہیں اور وہ مسلمانوں کے بدترین دشمن ہیں۔ ایسے لوگوں کو امان دینا کیسے درست ہوسکتا ہے؟ ہاں ان میں سے جن کے ساتھ مسلمانوں نے حرم شریف میں معاہدہ کیا وہ جب تک اس معاہدے پر قائم رہیں تم بھی قائم رہو۔ بے شک عہد اور معاہدے کی پابندی تقویٰ کا ایک حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کو پسند فرماتا ہے۔

ان مشرکین کو قتل کرنے میں پریشانی محسوس نہ کرو

امام نسفیؒ لکھتے ہیں:

استفهام فی معنیٰ الاستنکار ای مستنکر ان یثبت لهٰؤلاء عهد فلا تطمعوا فی ذلك ولا تحدثوا به نفوسكم ولا تفكروا فی قتلهم۔ (المدارک)

یعنی استفہام بمعنیٰ انکار ہے کہ ان لوگوں کے لئے عہد اور امان کا قائم رہنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نزدیک ناپسندیدہ ہے پس تم اسکی خواہش نہ رکھو اور نہ دل میں ایسا سوچو اور نہ ان کے قتل کرنے میں کوئی فکر اور اندیشہ کرو۔

یہ برأت اور اعلان جنگ کی وجہ بیان فرمائی ہے

امام ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ اس آیت میں مشرکین سے اعلان برأت کرنے، انہیں چار مہینے کی مہلت دینے اور پھر ان پر کھلی تلوار چلانے کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ مشرکین کے لئے کس طرح سے امان ہوسکتی ہے؟ اور انہیں ان کی حالت پر کیسے

چھوڑا جاسکتا ہے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہیں...... ملاحظہ فرمایئے ابن کثیر کی یہ عبارت:

یبین تعالیٰ حکمته فی البرأة من المشرکین ونظرته ایاهم اربعة اشهر ثم بعد ذلك السیف المرهف این ثقفوا فقال تعالیٰ: كَيۡفَ يَكُونُ لِلۡمُشۡرِكِينَ عَهۡدٌ ای امان ویترکون فیماهم فیه وهم مشرکون باللّٰه کافرون به وبرسوله۔ (تفسیر ابن کثیر)

عجیب تفسیر

بعض مفسرین کے نزدیک عَهۡدٌ عِندَ ٱللَّهِ وَعِندَ رَسُولِهِۦٓ کا ترجمہ اس طرح سے ہے:

کیف یکون للمشرکین عهد عنداللّٰه یامنون به عذابه غدًا

یعنی مشرکین کو اللہ تعالیٰ کی وہ امان کیسے مل سکتی ہے جس کے ذریعہ کل قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ سکیں وکیف یکون لهم عند رسوله عهد یامنون به عذاب الدنیا اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ امان کیسے مل سکتی ہے جس کے ذریعہ وہ دنیا کے عذاب سے بچ سکیں۔ (تفسیر القرطبی)

ڈاکٹر عبداللہ عزام شہیدؒ نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے:

عهد عنداللّٰه یحمیهم من عذاب یوم القیامة وعهد عند رسوله یحمیهم من القتال فی الدنیا۔ (فی ظلال سورة التوبة)

خلاصہ اس پوری تفصیل کا یہ ہوا کہ مسلمانوں کو جہاد کا بنیادی نکتہ سمجھایا جارہا ہے کہ جن مشرکوں کو اللہ پاک اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم امان نہیں دیتے ان کے لئے تمہارے دل میں نرمی یا ہمدردی کی کیا گنجائش ہے؟ یہ لوگ امنِ عالم کے لئے اور انسانیت کے لئے ایک ایسا ناسور بن چکے ہیں جس کے کاٹنے ہی میں سب کی خیر ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

إِلَّا ٱلَّذِينَ عَٰهَدتُّمۡ عِندَ ٱلۡمَسۡجِدِ ٱلۡحَرَامِۖ:

یعنی مشرکین میں سے جن تھوڑے سے افراد نے اپنے عہد کو نبھایا ہے مسلمان بھی ان کے ساتھ اپنے معاہدے کو پورا کریں۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس سے مراد وہی قبیلہ بنی کنانہ کی دو شاخیں بنی ضمرہ اور بنی مدلج ہیں جنہوں نے معاہدے کی کوئی خلاف ورزی نہیں کی تھی۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قریش اور بنوبکر ہیں اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ قریش اور بنوبکر کے ساتھ تم نے جو معاہدہ حدیبیہ میں کیا ہے تو جب تک وہ اس معاہدے کو نبھائیں تم بھی ان کے ساتھ ٹھیک رہو مگر پھر بنوبکر اور قریش نے بنوخزاعہ پر حملہ کر کے اس معاہدے کو توڑ دیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

آیت مبارکہ کی مزید تشریح کے لئے ملاحظہ فرمائیے چند عبارات:

اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے دوستی؟

”خدا تعالیٰ کے دشمنوں سے کیسے دوستی ہو سکتی ہے ہاں جن سے معاہدہ ہے اگر وہ نبھائیں تو مسلمان بھی نبھاتے جائیں“۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

اعلانِ جنگ کی وجوہات

”گذشتہ رکوع سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جو لوگ قرآن کے آگے خمیدہ گردن نہ ہوں گے (یعنی سر نہیں جھکائیں گے) اور اس کو اپنا دستور العمل نہ بنائیں گے وہ باغی ہیں، ظاہر ہے کہ کسی حکومت کی حدود میں باغیوں کا وجود اس سلطنت کی تباہی کا موجب ہوگا، اس لئے کوئی دانشمند سلطنت اس امر کو گوارا نہیں کر سکتی کہ اس کی حدود میں مفسد اور فتنہ پرداز لوگ باقی رہیں، اس لئے قرآن حکیم نے ان باغیوں کو گذشتہ رکوع میں اعلان جنگ دے دیا، اس کے بعد ان کے لئے صرف دو ہی صورتیں باقی رہ گئی تھیں، اسلام قبول کریں، ورنہ اسلامی حکومت کی حدود سے باہر نکل جائیں اب بتایا جاتا ہے کہ ان کو اعلان جنگ دینے کے کون سے اسباب تھے قاعدہ ہے کہ اعلان جنگ دیتے وقت ان اسباب کا بھی ذکر کیا جاتا ہے جو اس جھگڑے کا باعث ہوئے ہیں۔ فتح مکہ کے روز عرب کی سرزمین میں ایک عظیم انقلاب ہوگیا، حکومت بدل جانے سے ہر چیز میں تغیر آجاتا ہے، کفار جب اپنے گرد و پیش دیکھیں گے کہ اس وقت زمام سلطنت ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جن کو ہم کل تک ذلیل خیال کرتے تھے تو ان کے رگِ حمیت میں جوش آجائے گا اور اس جنون و وارفتگی میں عجب نہیں مسلمانوں کا قتل عام شروع کردیں۔ انہیں خیال ہوگا کہ شاید اس مجنونانہ حرکت سے کھوئی ہوئی طاقت مل جائے یہ بالکل ظاہر ہے کہ اس سفاکی کے ارتکاب کے وقت وہ کسی قانون کے پابند نہ ہوں گے اور یہ تو بارہا تجربہ ہو چکا ہے کہ انہوں نے عہد ناموں کو توڑا اور مسلمانوں کو تکلیفیں دیں اس لئے ایسے باغیوں سے تعلقات رکھنا ایک لحہ کے لئے بھی جائز نہیں اور نہ اللہ و رسول کے نزدیک ان کے عہد ناموں کی کوئی عزت ہے، البتہ اس سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو اپنے عہد پر قائم رہے اور وہ صرف بنو ضمرہ اور بنو مدلج ہی تھے“۔ (تفسیر الفرقان)

اعلانِ برأت کی حکمت

”پچھلی آیات میں جو براۃ کا اعلان کیا گیا تھا، یہاں اس کی حکمت بیان فرماتے ہیں، یعنی ان مشرکین عرب سے کیا عہد قائم رہ سکتا ہے اور آئندہ کیا صلح ہو سکتی ہے جن کا حال تم مسلمانوں کے ساتھ یہ ہے کہ اگر کسی وقت ذرا قابو تم پر حاصل کرلیں تو ستانے اور نقصان پہنچانے میں نہ قرابت کا مطلق لحاظ کریں نہ قول و اقرار کا۔ چونکہ اتفاق سے تم پر غلبہ اور قابو حاصل نہیں ہے اس لئے محض زبانی عہد و پیمان کر کے تم کو خوش رکھنا چاہتے ہیں۔ ورنہ ان کے دل ایک منٹ کے لئے بھی اس عہد پر راضی نہیں، ہر وقت عہد شکنی کا موقع تلاش کرتے رہتے ہیں۔ چونکہ ان میں اکثر لوگ غدار اور بدعہد ہیں اسلئے اگر کوئی اِکا دُکا وفائے عہد کا خیال کرتا بھی ہے تو کثرت کے مقابلہ میں اس کی کچھ پیش نہیں جاتی

بہر حال ایسی دغاباز بدعہد قوم سے خدا اور رسول کا کیا عہد ہو سکتا ہے۔ البتہ جن قبائل سے تم بالخصوص مسجد حرام کے پاس معاہدہ کر چکے ہو۔ سو تم ابتداء کر کے نہ توڑو، جب تک وہ وفاداری کے راستہ پر سیدھے چلیں تم بھی ان سے سیدھے رہو اور بڑی احتیاط رکھو کہ کوئی حقیر سے حقیر بات ایسی نہ ہونے پائے جس سے تمہارا دامن عہد شکنی کی گندگی سے داغدار ہو، خدا کو وہی لوگ محبوب ہیں جو پوری احتیاط کرتے ہیں، چنانچہ بنو کنانہ وغیرہ نے مسلمانوں سے بدعہدی نہ کی تھی مسلمانوں نے نہایت دیانتداری اور احتیاط کے ساتھ اپنا عہد پورا کیا۔ اعلان براۃ کے وقت ان کے معاہدہ کی میعاد منقضی ہونے میں نو مہینے باقی تھے، ان میں معاہدہ کی کامل پابندی کی گئی۔" (تفسیر عثمانی)

وجوہاتِ قتال مع المشرکین

اس آیت مبارکہ سے ان "وجوہات" کا بیان شروع ہو گیا ہے جن کی بنیاد پر مشرکین کے ساتھ مسلمانوں کو جنگ وقتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے یعنی "مبرّرات القتال مع المشرکین" کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ

کیونکر صلح ہو اور اگر وہ تم پر غلبہ پائیں تو نہ تمہاری قرابت کا لحاظ کریں اور نہ عہد کا

يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۚ ﴿۸﴾

تمہیں اپنے منہ کی باتوں سے راضی کرتے ہیں اور ان کے دل نہیں مانتے اور ان میں سے اکثر بدعہد ہیں

خلاصہ

ان مشرکین کا کوئی عہد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک قابل رعایت کیسے ہوسکتا ہے......

اوران مشرکین سے تمہاری دوستی کس طرح سے قائم رہ سکتی ہے؟ جبکہ ان کا حال یہ ہے کہ اگر ان کو کسی وقت بھی ذرا موقع مل جائے اور وہ تم پر قوت پائیں تو وہ تمہارے بارے میں نہ کسی قرابت داری کی رعایت کریں نہ عہد وپیان کی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ لوگ معاہدہ کرنے کے وقت بھی دل میں اس کے پورا کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے، ان کا صلح کرنا مجبوری اور جہاد کے خوف سے ہوتا ہے دل سے نہیں۔ وہ تو صرف اپنی زبانی باتوں اور الفاظ سے تمہیں خوش کرنا چاہتے ہیں، ان کے دل تمہاری دشمنی سے بھرے پڑے ہیں اور ان میں سے اکثر لوگ فاسق یعنی عہد، معاہدہ توڑنے والے ہیں۔

ان سے دوستی کیسے ہوسکتی ہے؟

حضرت لاہوریؒ لکھتے ہیں:

ان سے دوستی کس طرح ہوسکتی ہے؟ اگر ان کا بس چلے تو پھر نہ رشتہ داری کا لحاظ کریں نہ عہد کی پابندی کو ملحوظ رکھیں یعنی ہر ممکن طریقہ سے تمہیں ایذاء دیں۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

اللہ پاک مسلمانوں کو سمجھاتے ہیں

اس آیت میں کافروں کا عمومی مزاج مسلمانوں کو سمجھایا گیا ہے اور اللہ پاک سے زیادہ علم کس کے پاس ہوسکتا ہے؟ کافر اسلام دشمنی پر بہت پکے ہوتے ہیں چنانچہ ان کو جب بھی مسلمانوں پر ہاتھ چلانے کی قوت ملتی ہے تو وہ کسی عہد معاہدے اور رشتہ داری کی پروانہیں کرتے مگر جب وہ مغلوب اور مجبور ہوتے ہیں تو امن، انسانیت اور اتفاق واتحاد کی میٹھی میٹھی باتیں کرنے لگتے ہیں۔ اور ان کی ان باتوں کا مقصد بھی مسلمانوں کو نہتا اور کمزور بنانا ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ مسلمانوں کو کافروں کی دشمنی سے متنبہ اور خبردار فرمایا ہے۔ حضرات صحابہ کرام اور

دور اوّل کے مسلمانوں نے قرآن پاک کی ان باتوں کو اپنے دل کا نظریہ بنالیا چنانچہ انہوں نے کافروں کی مسکراہٹوں، باتوں اور تہذیبوں سے کوئی دھوکا نہیں کھایا مگر دور حاضر کے مسلمانوں نے ان قرآنی فرمودات کو بھلا دیا ہے وہ کافروں کی اسلام دشمنی سے غافل ہو کر ان کے جال میں پھنستے چلے جا رہے ہیں جس کی وجہ سے ان کا دین اور دنیا دونوں تباہ ہو رہے ہیں۔

صاحب انوار البیان لکھتے ہیں:

آیات بالا میں جو کافروں اور مشرکوں کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ ''اگر تم پر غالب ہو جائیں تو کسی رشتہ داری اور معاہدہ کا لحاظ نہ کریں گے وہ تمہیں زبانی باتوں سے راضی رکھتے ہیں اور ان کے دل انکاری ہیں''۔ ہمیشہ سے کافروں اور مشرکوں کا یہی حال رہا ہے اور اب بھی مسلمانوں کے قتل وقتال سے بچنے کے لئے اور ان کے جذبہ جہاد کو ٹھنڈا کرنے کے لئے قومیت، وطنیت اور یک جہتی کی بنیاد پر اتحاد اور اتفاق کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ اور معاہدات بھی کر لیتے ہیں لیکن اگر کبھی ان کا اپنا موقع لگ جائے تو ہر طرح کے تعلقات توڑ کر، سارے معاہدوں کی پاسداری چھوڑ کر مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیتے ہیں۔ یہی حال ان فرقوں کا ہے جو فرقے اسلام کے نام لیوا ہیں لیکن اسلامی عقائد سے منحرف ہونے کی وجہ سے مسلمان نہیں بلکہ ان فرقوں کی بنیاد ہی اسلام اور مسلمانوں کی کمر میں خنجر گھونپنے پر ہے یہ لوگ اسلام کے نام پر مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں اور اتحاد واتفاق کی دعوت دیتے رہتے ہیں، لیکن اندر سے دشمنان اسلام ہونے کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں کوئی کسر نہیں رکھتے، جب بھی موقع لگتا ہے مسلمانوں کے قتل وخون سے باز نہیں آتے، صدہا سال سے یہی ہو رہا ہے۔ (انوار البیان)

کافر اپنی باتوں سے مسلمانوں کو خوش اور مطمئن کرتے ہیں چنانچہ اقوام متحدہ اور انسانی حقوق کے اداروں کو کافروں کی باتیں سمجھ لیں یہ تمام ادارے مسلمانوں کے جذبہ جہاد کو ختم کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ جبکہ اسلامی ملکوں پر بمباری اور فوج کشی کرنے والے کافروں کے لشکر ان کے دل ہیں۔ ان لشکروں نے اسلامی ملکوں کو پامال اور اسلامی عزتوں کو بے حرمت کیا ہے اور کر رہے ہیں۔ ان حالات میں قرآن پاک کی یہ آیت پوچھتی ہے کہ اے مسلمانو! ایسے کافروں سے کیسی دوستی؟ اور کیسے معاہدے؟......

کفر وشرک کی نحوست

ملاحظہ فرمایئے یہ عبارت:

دنیا میں صرف شرک ہی ایک ایسی چیز ہے جو انسان کے تمام محاسن اخلاق (یعنی اچھے اخلاق) کو برباد کر دیتی ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے ابتداء صرف شرک ہی کو سب سے بڑا سبب قرار دیا جس کی بناء پر مخالفین قابل اعتماد نہ رہے، اب ان آیات میں بتایا جاتا ہے کہ اس شرک کی وجہ سے ان میں اور کون سی بدعملیاں رونما ہوتی ہیں، اگر وہ مسلمانوں پر غالب آ جائیں تو پھر کسی قرابت اور عہد وپیماں کا لحاظ نہیں کرتے۔

اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ (۶۰:۲) اگر کافر تم کو (مغلوب) پائیں تو تمہارے دشمن ہو جائیں اور تم پر اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں برائی کے ساتھ چلائیں۔ اپنے دلفریب الفاظ اور ولولہ انگیز تقریروں سے تمہیں خوش کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ ان کے دل ویسے ہی حسد سے بھرے ہوئے ہیں، وہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ جس طرح بن پڑے ان کو تباہ کر دیں یا انہیں اپنا غلام بنالیں۔ (تفسیر الفرقان)

آج کل کی فرنگی قومیں

صاحب تفسیر ماجدی لکھتے ہیں:

گویا ان مشرک جاہلوں کی ذہنیت بھی آج کل کی مہذب فرنگی قوموں کی سی تھی کہ آپس کے معاہدوں میں لحاظ صرف وقتی مصلحت جوئی کا ہے۔ (تفسیر الفرقان)

بے شک یہ صرف ''اسلام'' ہی کی خصوصیت ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں کو ہر حال میں عہد اور معاہدے کی پابندی کا حکم دیتا ہے اور کافروں اور دشمنوں کے ساتھ کیے ہوئے معاہدے بھی پوری ایمانداری کے ساتھ نبھانے کا حکم فرماتا ہے۔ مسلمانوں نے اپنے معاہدے پورے کرنے میں جو عجیب اور ناقابل فراموش قربانیاں دی ہیں ان کے واقعات سے تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اس کے برعکس کافروں اور مشرکوں کی اکثریت صرف وقتی مصلحت کے تحت صلح اور معاہدے کا سہارا لیتی ہے اور جیسے ہی اسے قوت یا موقع ملتا ہے اس معاہدے کی خلاف ورزی کر کے مسلمانوں کو نقصان پہنچاتی ہے کاش مسلمان قرآن پاک کے ان احکامات کو سمجھیں اور ان پر عمل کریں تو وہ دوبارہ اپنی عظمت رفتہ حاصل کر سکتے ہیں۔ مگر افسوس کہ آج مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد کافروں کی نوکری، چاکری اور غلامی کو اپنی زندگی کا مقصد بنا چکی ہے۔ والی اللہ المشتکیٰ۔

اللہ اور رسول کے منکر تمہارے دوست کس طرح سے؟

علامہ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں یہ وجد آفرین عبارت تحریر فرماتے ہیں:

یقول تعالیٰ محرّضاً للمومنین علی معاداتھم والتبرّی منھم ومبیّناً انھم لا یستحقون ان یکون لھم عھد لشرکھم باللہ تعالیٰ و کفرھم برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ولانھم لو ظھروا علی المسلمین وادیلوا علیھم لم یبقوا ولم یذروا ولا راقبوا فیھم الا ولا ذمۃ۔

قال علی بن ابی طلحۃ و عکرمۃ والعو فی عن ابن عباس: الالّ القرابۃ والذمۃ العھد۔

یعنی...... اس آیت میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو مشرکوں سے دشمنی کرنے پر ابھارتا ہے اور ان سے برأت و بیزاری پر آمادہ فرماتا ہے اور اس بات کو بیان فرماتا ہے کہ یہ لوگ کسی معاہدے کے مستحق نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہیں...... اور اس وجہ سے کہ وہ اگر مسلمانوں پر قوت پائیں اور غالب آجائیں تو ان کے ساتھ کسی قرابت اور عہد کا لحاظ نہ کریں۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ الاِلّ کا معنیٰ قرابت اور الذمّۃ کا معنیٰ عہد ہے۔(تفسیر ابن کثیر)
یعنی ان کا سب سے بڑا جرم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، دوسرا بڑا جرم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنا اور تیسرا بڑا جرم مسلمانوں سے دشمنی رکھنا ہے۔قرآن پاک ان تین جرائم کو بہت بھیانک اور سخت جرائم قرار دیتا ہے۔ کاش مسلمان بھی ان جرائم کو بڑا سمجھیں اور ان جرائم کے مرتکب لوگوں سے دوستی نہ رکھیں...... آپ اس زمانے کے کافروں کو دیکھیں کہ انہوں نے ''اسلامی جہاد'' کو دہشت گردی کا نام دے کر اسے دنیا کا سب سے بڑا جرم قرار دے دیا ہے اور اس کے خلاف جنگ کے لئے کھڑے ہو گئے ہیں۔کاش مسلمان بھی اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ وفاداری کرتے اور اللہ اور اس کے رسول کے منکروں کو مجرم سمجھتے تو آج دنیا کی صورتحال ہی مختلف ہوتی۔

مشرکین فاسق کس طرح؟

اس آیت کے آخر میں مشرکین کے بارے میں فرمایا گیا ہے وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ کہ ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔تفصیل اس کی یہ ہے کہ ویسے تو ہر مشرک لازماً فاسق یعنی نافرمان ہوتا ہے مگر یہاں فسق یعنی نافرمانی کی ایک خاص قسم مراد ہے اور وہ ہے ''عہد شکنی'' یعنی معاہدہ کر کے اس کی خلاف ورزی کرنا...... اس لئے فرمایا گیا کہ ان میں سے اکثر فاسق ہیں کیونکہ بعض مشرک ایسے بھی تھے جو معاہدوں کی خلاف ورزی یعنی عہد شکنی نہیں کرتے تھے۔ قرآن پاک کے اس محتاط انداز سے چند اسباق آسانی سے سمجھے جاسکتے ہیں۔

1. جب کسی کی مخالفت کی جائے تو اس میں بھی سچ اور انصاف کا لحاظ رکھا جائے، چنانچہ جو چند گنے چنے مشرک عہد شکنی نہیں کرتے تھے ان کا خیال رکھتے ہوئے فرمایا گیا کہ ان کی اکثریت عہد شکن ہے ان کے تمام افراد نہیں۔
2. عہد شکنی اتنا گندا جرم ہے کہ بعض مشرک بھی اس سے عار کھاتے ہیں۔پس مسلمانوں کو تو عہد شکنی کی ہوا سے بھی بچنا چاہئے۔
3. اللہ تعالیٰ کی زمین پر بدترین لوگ تو کافر ہیں مگر ان کافروں میں بھی زیادہ فاسق اور بدترین وہ ہیں جو عہد شکنی کرتے ہیں جیسا کہ سورۃ انفال میں بیان ہو چکا ہے۔

امام نسفیؒ لکھتے ہیں:

وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ناقضون العهد (المدارک)

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

ای ناقضون العهد، وكل كافر فاسق ولكنه اراد هٰهنا المجاهرين بالقبائح ونقض العهد (القرطبی)

یعنی ''فاسقون'' سے مراد ہے عہد توڑنے والے۔ویسے تو ہر کافر فاسق ہے لیکن یہاں وہ مراد ہیں جو کھلم کھلا برے کام کرتے ہیں اور عہد توڑتے ہیں۔

فائدہ

صاحب تفسیر حقانی لکھتے ہیں:

انسان کے تمام اخلاق اور سب خوبیوں کے غارت کرنے کے لئے ایک شرک کافی ہے جو جہل اور حبِ دنیا اور خود غرضی اور مالک حقیقی کی احسان فراموشی پر مبنی ہے۔ (تفسیر حقانی)

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو کفار و مشرکین کی حقیقت سمجھنے کی توفیق عطاء فرمائے اور ہمیں ان کے ظاہری و باطنی شرور سے اپنی حفاظت میں رکھے۔ آمین یا ارحم الراحمین۔

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ

انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالا پھر اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکتے ہیں

اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹﴾

بے شک وہ برا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں

خلاصہ

یہ مشرکین کسی برحق عقیدے، نظریئے یا دین پر نہیں ہیں بلکہ وہ صرف دنیا کے پجاری اور حُبّ دنیا کے مریض ہیں، ان سے قتال کرنا اور دوستی ختم کرنا اس لئے ضروری ہے کہ یہ حقیر دنیا کی خاطر اللہ تعالیٰ کی آیات اور احکام کا انکار کرتے ہیں، تھوڑی سی حقیر دنیا کے چھن جانے کا جو ہم انہیں تھا اسکی وجہ سے انہوں نے ایمان قبول نہ کیا کیونکہ جو شخص دنیا ہی کو سامنے رکھے گا وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ پر نہیں چل سکتا، ایسے لوگ خود بھی ایمان قبول نہیں کرتے اور دوسروں کو بھی ایمان قبول نہیں کرنے دیتے، جن کاموں میں یہ لگے ہوئے ہیں ان کے یہ کام برے ہیں۔ (مستفاد من ابن کثیر وانوار البیان)

اس میں قتال کی ترغیب ہے

امام ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

يقول تعالىٰ ذمًا للمشركين وحثًا للمومنين علىٰ قتالهم اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا

یعنی اللہ تعالیٰ مشرکین کی مذمت کرنے کے لئے اور مسلمانوں کو ان کے خلاف جہاد پر ابھارنے کے لئے فرماتے ہیں اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا (تفسیر ابن کثیر)

دنیا کی محبت میں اتنا مست ہو جانا کہ ایمان پیچھے رہ جائے ایک خطرناک جرم ہے کیونکہ جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے انہیں ظلم، بدعہدی اور بد اخلاقی سے روکنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ ایسے لوگ دنیا کو بے ایمانی، ظلم اور بے حیائی سے بھر دیتے ہیں جس کا نقشہ آجکل کے حالات میں دیکھا جا سکتا ہے کہ طاقت کے زور پر ظلم اور بے حیائی کو پھیلایا جا رہا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

مشرکین کی خرابیوں کا سبب حُبّ دنیا ہے

صاحب معارف القرآن لکھتے ہیں:

اس کے بعد نویں آیت میں ان غدار مشرکین کی غداری کی علت اور ان کے مرض کا سبب بیان فرما کر ان کو بھی

ایک ہدایت نامہ دے دیا کہ اگر یہ غور کریں تو اپنی اصلاح کرلیں اور عام مسلمانوں کو بھی متنبہ کر دیا کہ جس سبب سے یہ لوگ غدر وخیانت میں مبتلا ہوئے اس سبب سے پورے طور پر پرہیز کو اپنا شعار بنالیں۔ اور وہ سبب ہے "حُبِّ دنیا" کہ دنیا کے مال ومتاع کی محبت نے ان کو اندھا کر دیا ہے تھوڑے سے پیسوں کے بدلہ میں اللہ کی آیات اور اپنے ایمان کو بیچ ڈالتے ہیں اور ان کا یہ کردار نہایت برا ہے۔ (معارف القرآن)

آخرت کی ذمہ داری محسوس نہ کرنا جرم ہے

"یعنی انہوں نے احکام الٰہی کی لازوال نعمت کے بجائے حاصل کیا تو کیا کیا؟ اس دنیائے فانی کی تھوڑی سی متاع ناپائیدار؟ یہاں ان کی بدعہدی کی اصلی لم (یعنی وجہ) بتادی کہ آخرت کا اعتقاد تو ان کو ہے نہیں اور آخرت کی کوئی ذمہ داری یہ اپنے دل میں نہیں پاتے"۔ (تفسیر ماجدی)

خواہشات کے پیچھے ایمان کو چھوڑنے والے

"ان نالائقوں نے خواہشات نفسانی کے پیچھے پڑ کر ایمان جیسی محبوب چیز کو چھوڑ دیا ہے بھلا ان سے کیسے دوستی ہو؟" (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

ان تمام عبارتوں کو باریکی سے پڑھیں...... دنیا پرستی کو آج ہمارے معاشرے میں بہت بڑا کمال، ہنر اور فن سمجھا جاتا ہے۔ اسی دنیا کی ظاہری چمک کی خاطر مسلمان اپنے ایمان سے ہاتھ دھو رہے ہیں...... حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ کتنا خطرناک اور برا جرم ہے۔ جو لوگ اس دنیا کی خاطر ایمان اور قرآن سے محروم ہیں ایسے لوگ قابل نفرت مجرم ہیں کیونکہ انہوں نے ایک حقیر اور ادنیٰ چیز کے پیچھے ایمان جیسی نعمت کو چھوڑ دیا ہے اور وہ دنیا پرستی کی چمک دکھا کر دوسرے لوگوں کو بھی ایمان سے روکتے ہیں۔ ایسے لوگ بدترین برائی میں مبتلا ہیں حضرت شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں:

یعنی یہ مشرکین وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی تھوڑی سی طمع اور اپنی اغراض واہواء (یعنی خواہشات) کی خاطر خدا کے احکام وآیات کو رد کر دیا۔ اس طرح خود بھی خدا کے رستہ پر نہ چلے اور دوسروں کو بھی چلنے سے روکا جو ایسے بدترین اور نالائق کاموں میں پھنسے ہوں اور خدا سے نہ ڈریں وہ عہد شکنی کے وبال سے کیا ڈریں گے اور اپنے قول واقرار پر کیا قائم رہیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

طلبہ علم کے لئے آیت کی آسان تفسیر

اِشْتَرَوْا استبدلوا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ بالقرآن ثَمَنًا قَلِيْلًا عرضا يسيرا وهو اتباع الاهواء والشهوات فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ فعدلوا عنه وصرفوا غيرهم اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اى بئس الصنيع صنيعهم. (المدارك)

یعنی اِشْتَرَوْا استبدلوا کے معنی میں ہے کہ انہوں نے قرآن پاک کی جگہ ایک گھٹیا چیز یعنی اپنی خواہشات کی پیروی کو اختیار کر لیا ان لوگوں کا یہ عمل بہت ہی برا ہے۔

کاش

کاش مسلمان اس آیت پر عمل کرتے ہوئے ان لوگوں کے کام کو برا سمجھیں جو دنیا کی خاطر ایمان اور قرآن سے محروم ہیں۔ پس مسلمان ان کی ظاہری ترقی اور چمک دمک سے ہرگز متاثر نہ ہوں۔

ایک ایمان کش دستر خوان

مفسرین میں سے امام مجاہدؒ کا قول یہ ہے کہ ثَمَنًا قَلِيْلًا تھوڑی سی قیمت سے مراد وہ دعوت ہے جو مشرکین کو ابوسفیان نے کھلائی تھی اسی کی وجہ سے انہوں نے مسلمانوں سے معاہدے توڑ دیئے۔ امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

یعنی المشرکین فی نقضھم العھود بأکلة اطعمھم ایاھا ابوسفیان، قاله مجاھد۔ (القرطبی)

آیت میں یہود کی طرف بھی اشارہ ہے

تفسیر حقانی میں ہے:

انہوں نے تھوڑی سی دنیا پر آیات الٰہی کو بیچ ڈالا یعنی فوائد دنیا کو دین پر مقدم رکھا اس میں یہود بنی قریظہ کی طرف بھی اشارہ ہے جو بدعہدی میں شامل تھے۔ (تفسیر حقانی)

غالباً یہ قول امام رازیؒ کی درج ذیل تحقیق سے لیا گیا ہے۔

الثانی، لایبعد ان تکون طائفة من الیھود اعانوا المشرکین علیٰ نقض تلك العھود، فکان المراد من ھذہ الآیة ذم الیھود۔ (تفسیر کبیر)

اچھے اخلاق صرف سچے دین کی پیروی میں

تفسیر الفرقان میں ہے:

وہ (مشرکین) اس فکر میں رہتے ہیں کہ جس طرح بن پڑے ان (مسلمانوں) کو تباہ کردیں یا انہیں اپنا غلام بنالیں، خود کسی مذہب کے پابند نہیں، اور ان کی زندگی فسق و فجور کا نمونہ ہوتی ہے، اس میں دراصل یہ حقیقت واضح کردی کہ ان کے عقائد کی بنیاد حق پر نہیں اور انسان کے اندر اخلاق فاضلہ صرف قانون الٰہی کی پابندی سے پیدا ہوسکتے ہیں۔ جب لامذہبیت ان میں اثر کر گئی ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیاوی فوائد کی خاطر دین کو بیچ ڈالتے ہیں اللہ کی آیات کو پردہ بنا کر بد اخلاقی پھیلاتے ہیں اور اس طرح لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ (تفسیر الفرقان)

خود کو سیکولر کہلوانے والے مسلمان بھی ''لامذہبیت'' کی اس بیماری میں مبتلا ہیں اور ان کے نزدیک بھی دین کے احکامات چھوڑ کر دنیا کے مفادات حاصل کرنا بڑی عقلمندی ہے۔ العیاذ باللہ۔

★★★

لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُونَ ۝١٠

یہ لوگ کسی مومن کے حق میں نہ رشتہ داری کا خیال کرتے ہیں اور نہ عہد کا اور یہی لوگ حد سے گزرنے والے ہیں

خلاصہ

یہ صرف تمہارے ہی نہیں ہر مسلمان کے دشمن ہیں، یعنی صرف یہی نہیں کہ ان لوگوں نے عہد کرنے والے مسلمانوں سے غداری کی اور ان کی قرابت اور عہد و پیمان کو پیچھے ڈال دیا بلکہ ان کا حال یہ ہے کہ کسی مسلمان کے بارے میں نہ قرابت کی رعایت کرنے والے ہیں نہ کسی عہد و پیمان کی ان کو مسلمان نام ہی سے دشمنی ہے، کوئی بھی مسلمان ہو موقع پانے پر اس کو نقصان پہنچانے کے لئے سب تعلقاتِ قرابت اور معاہدے توڑ دیتے ہیں، اس بارے میں ان کی ظلم وزیادتی حد سے بڑھی ہوئی ہے۔ (مستفاد از تفسیر عثمانی و معارف)

آیت میں تکرار نہیں ہے

بظاہر سورۃ توبہ کی آیت ۸ اور آیت ۱۰ کا مضمون ایک جیسا ہے مگر اکثر مفسرین کے نزدیک دونوں آیتوں میں تکرار نہیں ہے۔ امام نسفیؒ فرماتے ہیں کہ آیت ۸ میں تھا کہ وہ تم لوگوں کے ساتھ کسی قرابت وغیرہ کا لحاظ نہیں کرتے اور اس آیت میں ہے کہ کسی بھی مومن کی قرابت وغیرہ کا لحاظ نہیں کرتے پس آیت ۸ کا مفہوم خاص تھا ان مسلمانوں کے لئے جن سے مشرکین کا معاہدہ تھا اور آیت ۱۰ کا مفہوم سب مسلمانوں کے لئے عام ہے کہ یہ کسی مومن کو نہیں بخشتے۔

ولا تكرار، لان الاوّل على الخصوص حيث قال فيكم والثانى على العموم لانه قال فِي مُؤْمِنٍ (المدارك)

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ آیت ۸ میں تمام مشرکین کا بیان تھا جب کہ اس آیت میں یہودیوں کا بیان ہے کہ یہودی مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کسی چیز کا لحاظ نہیں کرتے۔

قال النحاس: ليس هذا تكريراً ولكن الاوّل لجميع المشركين والثانى لليهود خاصة (القرطبی)

دوسرا قول

بعض مفسرین کے نزدیک دونوں آیات کے مضمون میں تکرار ہے اور مقصد اس کا تاکید ہے کہ یہ لوگ اس جرم میں

اس قدر حد سے بڑھے ہوئے ہیں کہ عام انسانی قدروں کا بھی خیال نہیں رکھتے بلکہ اسلام دشمنی ان کے خون کا حصہ بن چکی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے یہ عبارت:

لَا يَرْقُبُونَ ...... الخ کی تکرار تاکید کے لئے ہے، مواخذہ اخروی اور دینی ذمہ داری سے اتر کر ایک چیز شرافت بھی ہے جس کے جوہر بلا قید ملت ہر قوم میں پائے جاتے ہیں، اور اس کا تقاضہ ہے کہ انسان قرابت اور اپنے قولی اقرار کا پاس بہر حال کرتا ہے، یہ ننگ انسانیت معاندین اسلام اس جوہر سے بھی محروم تھے۔ (تفسیر ماجدی)

حدود انسانیت سے گذرے ہوئے لوگ

حضرت لاہوریؒ تحریر فرماتے ہیں:

ان کو نہ کسی کے ایمان کی پروا ہے نہ رشتہ داری کا لحاظ ہے، نہ عہد کا پاس ہے یہ تو حدود انسانیت سے گذر چکے ہیں۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِی

اگر یہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو دین میں تمہارے بھائی

الدِّیْنِ ؕ وَنُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾

ہیں اور ہم سمجھ داروں کیلئے کھول کھول کر احکام بیان کرتے ہیں

خلاصہ

قتال فی سبیل اللہ کا مقصد دین کی سربلندی ہے...... اور زمین اور اس پر رہنے والوں کی اصلاح مطلوب ہے۔ اس لئے مشرکین وکفار کی بدعہدیوں اور دوسرے جرائم کے باوجود بھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ چنانچہ اب بھی اگر وہ کفر سے توبہ کر کے احکام اسلام (نماز، زکوٰۃ وغیرہ) کا اہتمام کریں تو نہ صرف یہ کہ وہ آئندہ کے لئے محفوظ ومامون ہوں گے بلکہ اسلامی برادری میں شامل ہو کر ان حقوق کے مستحق ہوں گے جن کے دوسرے مسلمان مستحق ہیں، جو کچھ بدعہدیاں اور شرارتیں پہلے کر چکے ہیں سب معاف کر دی جائیں گی۔ اہل علم کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے ان تمام احکامات پر خوب غور وفکر کر کے ان کو سمجھیں اور ان پر عمل کریں۔

مختصر تفسیر

امام قرطبی تحریر فرماتے ہیں:

فان تابوا ای عن الشرك والتزموا احكام الاسلام فاخوانكم ای فهم اخوانكم فی الدين قال ابن عباسؓ: حرمت هذه دماء اهل القبلة وقد تقدم هذا المعنىٰ وقال ابن زيد: افترض الله الصلوٰة والزكوٰة وابى ان يفرق بينهما، وابى ان يقبل الصلوٰة الا بالزكاة. (القرطبی)

یعنی اگر وہ شرک سے توبہ کر لیں اور اسلامی احکام کا پورا اہتمام کریں تو وہ تمہارے بھائی ہیں دین میں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس آیت نے اہل قبلہ کے خون (یعنی ناجائز قتل) کو حرام کر دیا۔ یہ مسئلہ پہلے گذر چکا ہے اور ابن زیدؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے نماز اور زکوٰۃ کو فرض فرمایا اور ان دونوں کے درمیان فرق کرنے سے انکار فرمادیا اور بغیر زکوٰۃ کے نماز قبول کرنے سے بھی انکار فرمادیا۔ (قرطبی)

نکتہ

حضرت شاہ صاحبؒ نے فی الدین کے لفظ سے یہ عجیب نکتہ بیان فرمایا ہے:

یہ جو فرمایا کہ بھائی ہیں حکم شریعت میں۔اس سے سمجھ لیں کہ جو شخص قرائن سے معلوم ہو کہ ظاہر میں مسلمان ہے اور دل سے یقین نہیں رکھتا، اس کو ظاہری حکم میں مسلمان گنیں مگر معتمد اور دوست نہ بنائیں۔(موضح القرآن)

اللہ پاک رحم فرمائے اب تو وہ لوگ جو اسلام کے یہ ظاہری تقاضے بھی پورے نہیں کرتے، نماز اور زکوۃ جیسے فرائض کا بھی اہتمام نہیں کرتے وہ مسلمانوں کے حکمران اور رہنما بنے ہوئے ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ وہ امت مسلمہ کے خیر خواہ اور نجات دہندہ ہیں۔اللهم ارحم امة محمد صلى الله عليه وسلم.

نکتہ

بعض مفسرین نے اسی آیت سے یہ بلیغ نکتہ سمجھا ہے کہ کفار اور مشرکین جب تک توبہ نہ کرلیں اس وقت تک اس قابل نہیں ہیں کہ ان پر اعتبار کیا جائے اور ان سے دوستی کی جائے اسی کی طرف آیت کے آخری حصے میں اشارہ ہے کہ ہم ان احکامات کو سمجھدار لوگوں کے لئے کھولتے ہیں۔ملاحظہ فرمائیے یہ عبارت:

اگر وہ (مشرکین و کفار) ابتدائی مدارج کو تسلیم کرلیں تو پھر ہمیں ان سے کوئی پرخاش نہیں، اہل علم اس حقیقت کو یاد رکھیں کہ شرک و بت پرستی کے دلدادہ اور یہودیت وعیسویت کے شیدائی ان کے کبھی دوست نہیں بن سکتے، پس وہ ایک لمحہ کے لئے بھی ان کی دوستی پر اعتماد نہ کریں۔(تفسیر الفرقان)

صاحب کشاف اور صاحب مدارک نے آیت کے آخری جملے وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ کو جملہ معترضہ قرار دیا ہے اور اس کا مطلب اس طرح سے فرمایا ہے:

كانه قيل: وان من تامل تفصيلها فهو العالم تحريضاً علىٰ تامل مافصل من احكام المشركين المعاهدين وعلى المحافظة عليها. (المدارك)

اسلامی برادری میں داخل ہونے کی تین شرطیں

صاحب معارف القرآن تحریر فرماتے ہیں:

''اس آیت نے واضح کردیا کہ اسلامی برادری میں داخل ہونے کے لئے تین شرطیں ہیں، اوّل کفر وشرک سے توبہ دوسرے نماز تیسرے زکوۃ، کیونکہ ایمان وتوبہ تو ایک امر مخفی (چھپی ہوئی چیز) ہے جس کی حقیقت کا عام مسلمانوں کو علم نہیں ہوسکتا اس لئے اس کی دو ظاہری علامتوں کو بیان کردیا گیا یعنی نماز اور زکوۃ......

آخر آیت میں معاہدین اور تائبین سے متعلقہ احکام مذکورہ کی پابندی کی تاکید کرنے کے لئے ارشاد فرمایا:

وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ یعنی ہم سمجھدار لوگوں کے لئے احکام کو خوب تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔''
(معارف القرآن)

★★★

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ

اور اگر وہ عہد کرنے کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین میں عیب نکالیں

فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴿۱۲﴾

تو کفر کے سرداروں سے لڑو ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں تاکہ وہ باز آئیں

خلاصہ

اگر یہ لوگ اپنے عہدو پیان کو توڑ ڈالیں (جس طرح بنوبکر نے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بنوخزاعہ پرحملہ کردیااور قریش نے حملہ آوروں کی مدد کی) اور کفر سے باز نہ آئیں بلکہ دین اسلام کے متعلق طعنہ زنی اور گستاخانہ عیب جوئی کرتے رہیں تو سمجھ لو کہ اس طرح کے لوگ ''ائمۃ الکفر'' (کفر کے سردار اور امام) ہیں کیونکہ ان کی حرکات دیکھ کراور باتیں سن کر بہت سے کم عقل اور بیوقوف لوگ ان کے پیچھے چل پڑتے ہیں، پس ایسے سرغنوں سے خوب جنگ کرو۔ کیونکہ ان کا کوئی قول وقسم اور عہدو پیان باقی نہیں رہا ممکن ہے تمہارے ہاتھوں سے کچھ سزا پاکر اپنی شرارت وسرکشی سے باز آجائیں یا کفروشرک سے توبہ کر کے مسلمان ہوجائیں۔ (ملخص از عثمانی)

ربط

مشرکین کے ساتھ قتال کے مبرّرات بیان ہورہے تھے یعنی وہ وجوہات جن کی بناء پر مشرکین سے قتال کیا جاتا ہے، درمیان میں اس قتال کی حد بتادی کہ جب تک وہ توبہ نہیں کرتے یہ قتال جاری رہے گا اب قتال کو فوری طور پر لازم کرنے والی دو چیزیں ارشاد فرمائی ہیں ❶ وہ معاہدہ کی خلاف ورزی کریں ❷ دین اسلام کی شان میں گستاخی کریں......اور مجاہدین کو ایک بڑا ہدف بتادیا کہ کفر کے اماموں اور سرداروں کو نشانہ بناؤ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ کفروشرک کی طاقت ٹوٹ جائے گی اور وہ بدعہدی اور فتنہ انگیزی کے قابل نہیں رہیں گے یا کفروشرک سے ہی باز آجائیں گے۔

کافروں کی طاقت اور شرارت توڑنے کا بہترین طریقہ قتال فی سبیل اللہ ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ○ (النساء ۸۴)

حضرت تھانویؒ کے نزدیک آیات کا ربط اس طرح سے ہے کہ آیت ﴿۷﴾ سے لے کر آیت ﴿۱۲﴾ تک فتح مکہ

سے پہلے نازل ہوئیں اور ان میں اس بات کی پیشین گوئی ہے کہ یہ مشرکین (جن سے حدیبیہ کے مقام پر معاہدہ ہوا تھا) اپنا معاہدہ توڑ دیں گے...... اس آیت (۱۲) میں بتایا گیا کہ جب وہ معاہدہ توڑ دیں تو ان کے ساتھ قتال ہوگا اور اس کے بعد آیت (۱۳) مشرکین کی طرف سے معاہدہ ٹوٹنے کے بعد نازل ہوئی اور اس میں مسلمانوں کو ان سے قتال کا حکم دیا گیا تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں تفسیر بیان القرآن۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اس آیت کریمہ میں ''ائمۃ الکفر'' کفر کے سرداروں سے قتال کا حکم ہے کفر کے سردار کون ہیں اس پر تھوڑا آگے چل کر بات ہوگی پہلے اس آیت کی مختصر تشریح حضرات مفسرین کے اقوال کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں:

تقریر قرطبیؒ

امام قرطبیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں درج ذیل قیمتی نکات بیان فرمائے ہیں:

(۱) استدل بعض العلماء بھذہ الآیۃ علیٰ وجوب قتل کل من طعن فی الدین۔ الخ

بعض علماء کرام نے اس آیت کو اس مسئلے کی دلیل بنایا ہے کہ جو کوئی بھی دین اسلام کی گستاخی کرے وہ واجب القتل ہے اور دین کی گستاخی کے دو مطلب ہیں (۱) دین کی طرف ایسی چیز منسوب کرنا جو اس کی شان کے مطابق نہ ہو (۲) دین اسلام کے کسی بھی حکم کی توہین کرنا...... آگے لکھتے ہیں:

وقال ابن المنذر: اجمع عامۃ اھل العلم علیٰ ان من سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیہ القتل

یعنی ابن منذرؒ فرماتے ہیں: اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو کوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے وہ واجب القتل ہے۔

(۲) اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ کے بارے میں کئی اقوال ہیں:

(۱) والمراد صنادید قریش...... فی قول بعض العلماء

بعض علماء کے نزدیک اس سے مراد قریش کے بڑے سردار ہیں جیسے ابوجہل، عتبہ، شیبہ۔

امام قرطبی اس قول پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ آیت جس وقت نازل ہوئی اس وقت تو قریش کا سرداری نظام ختم ہو چکا تھا کچھ مسلمان ہو چکے تھے اور کچھ امن مانگتے پھرتے تھے۔

(۲) من اقدم علی نکث العھد والطعن فی الدین یکون اصلاً وراساً فی الکفر۔

جو کافر بھی مسلمانوں سے کئے ہوئے معاہدے کی خلاف ورزی کرے اور دین کی گستاخی کرے وہ کفر کا سردار ہے۔

(۳) جن مشرکین نے بنوخزاعہ کے خلاف بنوبکر کا ساتھ دیا تھا وہ مراد ہیں چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک بار فرمایا ان ائمۃ الکفر میں سے اب صرف تین باقی رہ گئے ہیں۔ (القرطبی)

آسان تفسیر

صاحب انوار البیان لکھتے ہیں:

فَقَاتِلُوْهُمْ کی بجائے فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ فرمایا (یعنی ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لایا گیا)۔اس سے تمام مشرکین قریش مراد ہیں جو پورے عرب کے مشرکوں کے سرغنے بنے ہوئے تھے نہ ایمان قبول کرتے تھے اور نہ دوسروں کو قبول کرنے دیتے تھے اور قبائل عرب نے انہیں اپنا مقتدیٰ بنا رکھا تھا جو اس انتظار میں تھے کہ یہ لوگ مسلمان ہوں گے تو ہم بھی مسلمان ہو جائیں گے یا ''ائمة الكفر'' سے قریش کے سردار مراد ہیں جیسے ابو جہل اور سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابی جہل اور ابوسفیان بن حرب وغیرہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی کو اختیار فرمایا۔وہ فرماتے تھے کہ یہ آیت قریش مکہ کے سرداروں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے نقض عہد بھی کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظمہ سے جلاوطن کرنے کا مشورہ بھی دیا جب وہ دار الندوہ میں جمع ہوئے تھے اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ ان کی قسمیں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ تم ان سے جنگ کرو تا کہ یہ تمہارے دین پر طعن کرنے اور مقابلہ میں جنگ کے لئے کھڑے ہونے سے باز آجائیں اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کفر سے باز آجائیں (معالم التنزیل)

قریش مکہ تو عہد توڑ چکے تھے پھر حرف شرط کے ساتھ ان کے عہد توڑنے کو کیوں ذکر فرمایا؟ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نقض عہد پر قائم رہیں اور ایمان نہ لائیں تو ان سے قتال کرو۔احقر کے ذہن پر یہ وارد ہوا ہے کہ جملہ شرطیہ لا کر آئندہ آنے والوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور مطلب یہ ہے کہ قریش مکہ تو عہد توڑ ہی چکے ہیں ان کے علاوہ آئندہ بھی کافروں کی جو جماعت نقض عہد کرے اور تمہارے دین میں طعن کرے ان سے جنگ کرنا اور خاص کر کفر کے سرغنوں کو قتل کرنے کا اہتمام کرنا ان لوگوں کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں، ایسے لوگوں سے قتال کرتے رہو گے تو وہ تمہارے دین میں طعن کرنے اور جنگ کرنے کی ہمت سے باز رہیں گے۔(انوار البیان)

آیت مبارکہ کے الفاظ کی تشریح

تفسیر ماجدی میں ہے:

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ یعنی یہ عہد شکنی کر کے بجائے ایمان لانے کے کفر پر قائم رہیں۔

وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ ...... طعن کے لغوی معنیٰ نیزہ مارنے کے ہیں، طعن کا اطلاق سنجیدہ، علمی، عقلی، اختلاف رائے وعقیدہ پر نہیں ہوتا، طعن کہتے ہی ہیں اس بات کو جو دل کو چھید دے، زخمی کر دے۔طعن فی الدین سے مقصود تحقیق کسی درجہ بھی نہیں ہوتی، بلکہ دین کی توہین اور اہل دین کی دل آزاری ہوتی ہے۔ایسی زبان درازی اس روشن خیال بیسویں صدی میں بھی ہر قانون میں جرم ہے۔

فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ یہ سرداروں کے قتل کا حکم عوام کے قتل کی نفی نہیں ہے، سرداروں کی تصریح اہتمام

وخصوصیت وتاکید کے لئے ہے ان کے قتل سے عوام خود بخود منتشر یا مطیع ومنقاد ہونے لگیں گے۔

ای قاتلوا الکفار (بحر) وخص الائمة بالذکر لانهم هم الذین یحرضون الاتباع علی البقاء علی ا لکفر (بحر)

تخصیصهم بالذکر لان قتلهم اهم لا لانه لایقتل غیرهم (روح)

آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ معاہد جب معاہدہ کی کسی دفعہ کی بھی خلاف ورزی کرے یا دین پر طعن کرے تو وہ ناقض عہد (یعنی معاہدہ توڑنے والا) ہوجائے گا۔

فیه دلالة علیٰ أن اهل العهد متیٰ خالفوا شیئاً مما عوهدوا علیه وطعنوا فی دیننا فقد نقضوا العهد (الجصاص) (تفسیر ماجدی)

اَئِمَّةُ الْکُفْرِ یعنی کفر کے سردار کون؟

قرآن پاک کے احکامات قیامت تک کے لئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے اس آیت میں کافروں اور مشرکوں کو ان کی شرارتوں، گستاخیوں اور سازشوں سے باز رکھنے کا یہ نسخہ بیان فرمایا ہے کہ کفر کے اماموں سے لڑو۔ تب یہ لوگ اپنی شرارتوں اور گستاخیوں سے باز آجائیں گے اور ممکن ہے کفر وشرک سے بھی باز آکر مسلمان ہوجائیں۔

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

لعلهم ینتهون ای عن کفرهم وباطلهم واذیتهم للمسلمین و ذلك یقتضی ان یکون الغرض من قتالهم دفع ضررهم لینتهوا عن مقاتلتنا ویدخلوا فی دیننا. (القرطبی)

یعنی امید ہے کہ وہ باز آجائیں گے اپنے کفر سے اور باطل سے اور مسلمانوں کو ایذاء پہنچانے سے...... بس اس کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کا کافروں سے قتال کرنے کا مقصد ان کے ضرر کو دور کرنا ہو تاکہ وہ ہمارے خلاف جنگ سے باز رہیں اور ہمارے دین میں داخل ہوجائیں۔

لَعَلَّ کا لفظ قرآن پاک میں امید سے بڑھ کر یقین کے معنیٰ میں آتا ہے...... پس مطلب یہ ہوا کہ اے مسلمانو اگر کافروں کو ان کی شرارتوں، فتنہ انگیزیوں، گستاخیوں سے باز رکھنا چاہتے ہو اور ان میں دین اسلام خوب پھیلانا چاہتے ہو تو پھر کفر کے سرداروں سے لڑو...... تمہارا یہ مقصد حاصل ہوجائے گا۔

یہ قرآن پاک کی بیان فرمودہ عجیب جنگی حکمت عملی ہے۔ دراصل کفر اور شرک کا کوئی ایسا سچا نظریہ تو ہے نہیں کہ لوگ خود اس پر جمے رہیں۔ یہ چند لوگ ہوتے ہیں جو اپنی طاقت اور صلاحیتوں کے زور پر لوگوں کو کفر وشرک پر جمائے رکھتے ہیں...... اور چند دنیاوی مفادات ہوتے ہیں جنکی وجہ سے لوگ کفر وشرک پر اڑے رہتے ہیں۔ اب اگر کفر کے بڑے سرغنوں کو ختم کردیا جائے تو باقی کافروں کے لئے کفر وشرک پر قائم رہنے میں کوئی خاص کشش نہیں رہتی، پھر

مسلمانوں کے قتال کی وجہ سے انہیں اپنے دنیاوی مفادات بھی خطرے میں نظر آتے ہیں۔ یہ وہ وقت ہے جب عقل سے پردے ہٹتے ہیں اور لوگ اچھی طرح سے سوچنے لگتے ہیں۔ تب اسلام کی فطری کشش انہیں اپنی طرف کھینچتی ہے اور وہ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگتے ہیں۔

اَئِمَّۃَ الْکُفْرِ سے قتال کے دو معنیٰ بالکل واضح ہیں: ❶ پہلا یہ کہ ان لوگوں کو معلوم کرو جو کافروں کے نظریاتی اور انتظامی سردار ہیں۔ نظریاتی سرغنے وہ جو انہیں کفر وشرک پر قائم رکھتے ہیں، انہیں اسلام کے خلاف بھڑکاتے ہیں، ان کے سامنے اپنے باطل مذہب کی خوبیاں بیان کرتے ہیں اور ان میں کفر وشرک کا تعصب پیدا کرتے ہیں اور انتظامی سرغنے وہ جو کفر وشرک کی طاقت کے لئے اموال فراہم کرتے ہیں، سیاسی اتحاد قائم کرتے ہیں اور لشکروں کو چلاتے اور سنبھالتے ہیں۔

یہ بڑے سرغنے اگر راستے سے ہٹا دیئے جائیں تو باقی لوگ بہت تیزی سے امن اور ایمان کی طرف آجاتے ہیں۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگوں میں اس قرآنی نکتے کو بہت ملحوظ رکھا گیا ہے...... چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بہت کم افراد قتل ہوئے اور بہت زیادہ افراد اسلام میں داخل ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا کا منظر خود مشاہدہ فرمالیا۔

❷ دوسرا مطلب اس جملے کا یہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ جب دشمنوں کی طرف سے بدعہدی اور دین کے خلاف گستاخی اور منفی باتیں سامنے آئیں تو فوراً ان کے خلاف ''زوردار قتالِ عام'' شروع کردیں اور قتال اتنا طاقتور اور زوردار ہو کہ مسلمان کفر کے سرداروں تک بھی پہنچ جائیں...... ظاہر بات ہے کہ کفر کے سردار اور سرغنے تو بہت پردوں کے پیچھے بیٹھتے ہیں اور ان کی حفاظت کے لئے بڑے بڑے لشکر اور جتھے مامور ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان تک پہنچنا تبھی ممکن ہوگا جب قتال زوردار ہو اور راستے کی رکاوٹیں روند ڈالی جائیں۔ مقصد یہ ہے کہ اس آیت میں سرسری جنگ کی بجائے زوردار اور فیصلہ کن جنگ کا حکم دیا جارہا ہے۔ ایسی جنگ جو کفر کی جڑوں تک پہنچ جائے اور ان کو بھی کاٹ دے...... ملاحظہ فرمایئے تفسیر الفرقان کی یہ عبارت:

''اگر باوجود عہد کرنے کے پھر بھی یہ لوگ باز نہ آئیں، اپنی بات کی کچھ وقعت نہ کریں، ہر جگہ اسلام پر آوازے کسیں، مسلمانوں کو مورد طعن وتشنیع بنائیں اور اس امر کا اعلان کریں کہ جب تک اسلام کے نام لیوا برباد نہ ہوں گے کرہ ارض امن سے معمور نہ ہوگی، تو ایسے لوگوں کا بہترین علاج یہی ہے کہ ان کے رؤساء وامراء اور صاحبان سیاست کو بالکلیہ نیست ونابود کردیا جائے، اس لئے کہ قوم کی ترقی کا دار ومدار اور فتح وشکست کا انحصار انہی لیڈروں کے وجود پر ہوتا ہے، تمام اعمال قومی کے یہی ذمہ دار ہوتے ہیں، جس وقت یہ قتل کیے گئے قوم خود بخود ان ناشائستہ حرکات سے باز آجائے گی اور چاروں طرف امن وسلامتی نظر آنے لگے گی مگر یہ بہترین دل ودماغ نہایت ہی محفوظ ہوتے ہیں اور ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ دشمنوں کی زد میں نہ آجائیں، اس لئے ان فراعنہ وقت کو مارنے کے لئے قتل عام کی ضرورت

ہوگی کہ سرچشمہ کفر فنا ہو، لڑائی کا مقصد بھی دراصل یہی ہوتا ہے کہ مخالف قوت کے اعضاء وارکان فنا ہوجائیں جو فساد کے اصل بانی ہیں۔ (تفسیر الفرقان)

اب یہاں مزید ایک اور نکتہ سمجھنے کی ضرورت ہے، اسلام کی بنیاد تو الحمدللہ ایک واضح اور فطری عقیدے اور نظریئے پر ہے اس لئے اسے اپنے لوگوں کو مضبوط رکھنے کے لئے کسی کو گالی دینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ مگر کفر و شرک کی تو کوئی بنیاد نہیں ہے اس لئے کافروں کے سرغنے ہمیشہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ اپنے لوگوں کو کس طرح سے اپنے باطل مذہب پر پکا کریں۔ تب انہیں گستاخی، بدزبانی اور طعنہ بازی کا راستہ نظر آتا ہے۔ وہ اسلام کے خلاف بدزبانی کرتے ہیں، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتے ہیں اور مسلمانوں کو برا بھلا کہتے ہیں۔ اس طرح سے وہ اپنے لوگوں کو باطل مذہب پر پختگی فراہم کرتے ہیں۔ چنانچہ گستاخی، بدزبانی اور طعنہ زنی کے ماہر خطباء شعراء اور مصنفین بھی "ائمة الکفر" میں شامل ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کے آٹھ افراد کے بارے میں یہ حکم جاری فرمایا کہ اگر وہ کعبۃ اللہ کے پردوں کے ساتھ بھی لٹکے ہوئے ہوں تب بھی ان کو قتل کردو۔ چنانچہ ابن خطل نامی ایک بدزبان مشرک سرغنے کو اسی حالت میں قتل کیا گیا۔

مسلمانوں کے ممالک میں رہنے والے ذمیوں کی حفاظت مسلمانوں پر لازم ہے اور اسلام میں اس کی بہت سخت تاکید ہے لیکن اگر کوئی ذمّی اسلام پر طعنہ زنی یا بدزبانی کرے تو وہ ذمّی نہیں رہے گا اور اسے قتل کیا جائے گا۔ امام نسفیؒ لکھتے ہیں:

اذا طعن الذمی فی دین الاسلام طعنا ظاهرا جاز قتله لان العهد معقود معه علی ان لا يطعن فاذا طعن فقد نكث عهده وخرج من الذمة. (المدارك)

حضرت شاہ صاحبؒ بھی اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اگر ثابت ہو ایک کافر عیب دیتا ہے ہمارے دین کو وہ ذمّی نہ رہا'' (موضح القرآن)

چونکہ اسلام ایک مکمل اور محفوظ دین ہے اور اس دین ہی میں انسانوں کے لئے کامیابی ہے اور اس دین نے قیامت تک محفوظ رہنا ہے اسی لئے اسلام اس معاملے میں بہت محتاط اور حساس ہے۔ دنیا کے باقی مذاہب اسی چیز کے اہتمام سے محروم رہنے کی وجہ سے لوگوں کے ہاتھ کا کھلونا بن گئے۔ وہاں افراد کی عزت کا تو قانون ہے جبکہ دین کی عزت اور حرمت کا کوئی قانون نہیں۔ چنانچہ ان کے ادیان اور مذاہب محفوظ نہیں رہے اور ہر آئے دن ان میں تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں۔ اسلام اللہ پاک کا آخری اور سچا دین ہے۔ چنانچہ کسی کو اس بات کا حق نہیں دیا جاسکتا کہ وہ اسلام کی حرمت سے کھیلے۔ مسلمان قرآن پاک کے اس حکم کو سمجھتے ہیں چنانچہ وہ اسلام یا پیغمبر اسلام کے خلاف کسی طرح کی گستاخی برداشت نہیں کرسکتے۔ وہ اپنی جان دے سکتے ہیں مگر اسلام پر کوئی آواز کسے اس بات کو وہ گوارا نہیں کرسکتے۔ اللہ پاک مسلمانوں کے اس جذبے کو مزید مضبوطی عطاء فرمائے۔ بے شک اللہ پاک کے دین اور اللہ پاک کے قوانین کی حفاظت ہی انسانیت کا اصل جوہر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

اہم نکتہ

جولوگ دین یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی، بدزبانی اور گستاخی کرتے ہیں وہ شیطان کے خاص کارندے ہوتے ہیں ان لوگوں کو اگر نہ مارا جائے اور نفرت کا نشانہ نہ بنایا جائے تو شیطان ان کو اور ہمت دلاتا ہے اور وہ خود کو دانشور اور دینی پیشوا قرار دینے لگتے ہیں اور اپنی خرافات کو مذہب میں شامل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ یہودیت، نصرانیت اور دیگر مذاہب میں غور فرمائیں آپ کو بے شمار خرافات اور گستاخیاں مذہب کا حصہ نظر آئیں گی۔ اس لئے اسلام کی حفاظت کے لئے اس طرح کے مردود لوگوں کو ''ائمة الکفر'' قرار دے کر ان کو مارنے کا حکم دیا گیا اور مسلمانوں نے ہر زمانے میں اس حکم پر عمل کرنے کی مکمل جذبے کے ساتھ کوشش کی۔ جس کا فائدہ الحمدللہ ساری دنیا کے سامنے ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ

خبردار! تم ایسے لوگوں سے کیوں نہیں لڑتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور پیغمبر کو جلا وطن

الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ

کرنے کا ارادہ کیا اور انہوں نے پہلے تم سے عہد شکنی کی کیا تم ان سے ڈرتے ہو اللہ تعالیٰ

اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو

خلاصہ

اے مسلمانو! کیا تم ان لوگوں سے قتال نہیں کرتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظمہ سے نکال دینے کا ارادہ کیا اور پھر خود ہی جنگ کی ابتداء کی یعنی بنی خزاعہ کے مقابلہ میں جو تمہارے حلیف تھے بنی بکر کی مدد کی۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو اور قتال نہیں کرتے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو، اس کا حکم مانو اور قتال مت چھوڑو اگر تم مؤمن ہو تو ایمان کے تقاضوں کو پورا کرو جس میں حکمِ قتال کی تعمیل بھی ہے۔ (انوار البیان ملخص)

جہاد پر ابھارا جا رہا ہے

امام نسفیؒ آیت مبارکہ کی یہ جامع و مختصر تفسیر کرتے ہیں:

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ التی حلفوها فی المعاهدة وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ من مكة وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ بالقتال والبادی اظلم فما يمنعكم من ان تقاتلوهم وبخهم بترك مقاتلتهم وحضهم عليها ثم وصفهم بما يوجب الحض عليها من نكث العهد واخراج الرسول والبدء بالقتال من غير موجب اَتَخْشَوْنَهُمْ توبيخ على الخشية منهم فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ بان تخشوه فقاتلوا اعداءه اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

فاخشوه ای قضية الايمان الكامل ان لا يخشیٰ المومن الا ربه ولا يبالی بمن سواه (المدارك)

اس عبارت سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

❶ اس آیت میں قتال نہ کرنے پر عار دلائی گئی ہے۔

❷ اس آیت میں قتال کرنے پر ابھارا گیا ہے۔

❸ اس آیت میں وہ تین اسباب بیان فرمائے گئے ہیں جن کی وجہ سے قتال ضروری ہو گیا ہے: (الف) عہد شکنی۔ (ب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی دشمنی۔ (ج) بلاوجہ جنگ شروع کرنا۔

❹ کافروں سے ڈر کر ان سے جنگ نہ کرنا قابل مذمت فعل ہے۔

❺ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کے دشمنوں سے قتال کیا جائے۔

❻ ایمان کامل کا تقاضہ یہ ہے کہ مومن اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی پروانہ کرے۔

حضرت لاہوریؒ لکھتے ہیں:

اسبابِ مخاصمت (جنگ اور دشمنی کے اسباب) میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں، علاوہ اس کے ان کی خباثت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ اپنی قسموں کا کوئی لحاظ نہیں کرتے جب چاہتے ہیں توڑ ڈالتے ہیں۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

اور زیادہ جوش دلایا جا رہا ہے

”اس آیت میں مسلمانوں کو اور زیادہ جوش دلایا جاتا ہے کہ تم ان کفار سے کیوں نہیں جنگ کرتے، جنہوں نے اپنے عہدناموں کی پروانہ کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مبارکہ سے نکالنے کی کوشش کی۔

ایک جگہ آتا ہے: وَ اِذۡ یَمۡکُرُ بِکَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِیُثۡبِتُوۡکَ اَوۡ یَقۡتُلُوۡکَ اَوۡ یُخۡرِجُوۡکَ (۸:۳۰)

سورۃ ممتحنہ میں فرمایا: یُخۡرِجُوۡنَ الرَّسُوۡلَ وَ اِیَّاکُمۡ اَنۡ تُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰہِ رَبِّکُمۡ (۶۰:۱)

ایک مقام پر یوں ارشاد فرمایا: وَ اِنۡ کَادُوۡا لَیَسۡتَفِزُّوۡنَکَ مِنَ الۡاَرۡضِ لِیُخۡرِجُوۡکَ مِنۡہَا (۱۷:۷۶)

اور یہ بغض وعداوت صرف آپ ہی کی ذات کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ اب بھی ان مخالفین کی سعی وکوشش یہی ہے کہ آپ کے جانشینوں اور نام لیواؤں کو مرکز اسلام سے نکال دیں اور خود اس پر قابض ہو جائیں پھر ابتداء بھی انہی لوگوں کی طرف سے ہوئی ہے صلح نامہ حدیبیہ کو جس طرح بنوبکر نے توڑا اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ تم ان لوگوں سے کیوں نہیں جنگ کرتے کیا ان سے ڈرتے ہو، تمہیں تو صرف ایک اللہ ہی سے ڈرنا چاہئے اسی کے قانون کی حفاظت اور نشر و اشاعت کا خیال تمہیں ہر وقت دامن گیر رہے۔“ (تفسیر الفرقان)

ایمانی غیرت

”ایمان والوں کو انہیں کے ایمان کی غیرت اور واسطہ دلایا ہے کہ ان مردود کافروں سے ڈرنا ہی کیا، ڈرنے کے قابل تو بس اللہ ہی ہے جو ہر طرح کی قوت واختیار رکھتا ہے۔ اَتَخۡشَوۡنَہُمۡ کیا تم ان سے اس لئے ڈرتے ہو کہ وہ سامان اور جمعیت زیادہ رکھتے ہیں؟ ڈر ایسے موقع پر ایک حد تک امر طبعی ہے اور اس کا علاج ایمان باللہ کی تثبیت وتقویت ہے۔“ (تفسیر ماجدی)

یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان کو مضبوط کرنا طبعی خوف کا علاج ہے اس لئے ان کنتم مومنین فرما کر اس علاج کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

امام قرطبیؒ کا عجیب جملہ

امام قرطبیؒ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ای تخافوا عقابه فی ترک قتالهم، من ان تخافوا ان ينالكم فی قتالهم مكروه۔

یعنی اس سزا سے ڈرو جو جہاد نہ کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے نہ کہ اس تکلیف سے جو جہاد میں تمہیں پہنچ سکتی ہے۔

تقریرِ رازیؒ

امام رازیؒ نے اس آیت پر تفصیل سے لکھا ہے ذیل میں ان کے کلام کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیں:

ربط اعلم انه تعالیٰ لما قال فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ اتبعه بذكر السبب الذی يبعثهم علی مقاتلتهم فقال اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا

پچھلی آیت میں ائمۃ الکفر سے قتال کا حکم فرمایا اب اس آیت میں وہ اسباب ارشاد فرمائے ہیں جو ائمۃ الکفر کے خلاف قتال پر کھڑا کرنے والے ہیں......

تین اسباب: واعلم انه تعالیٰ ذكر ثلاثة اسباب الخ

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تین ایسے اسباب ذکر فرمائے ہیں جن میں سے اگر ایک بھی ان میں پایا جائے تو ان سے لڑنا لازم ہو جائے چہ جائیکہ تینوں اسباب جمع ہو جائیں:

❶ عہد شکنی...... پس معلوم ہوا کہ معاہدہ توڑنے والے کفار سے لڑنا دوسرے کفار کی بہ نسبت زیادہ افضل ہے تاکہ دوسروں کو تنبیہ ہو جائے۔

❷ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نکالنے کی فکر کرنا...... یہ وہ اہم ترین سبب ہے جس کی وجہ سے قتال لازم ہوتا ہے۔

❸ ان کی طرف سے قتال کا آغاز ہونا......

جہاد پر ابھارنے کے مزید چار اسباب

ان تین اسباب کے ذکر کے بعد ارشاد فرمایا: اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

اس کلام سے بھی قتال کرنے کے حکم کو مزید چار طرح سے قوت ملی:

❶ اتنے سارے اسباب کو بیان کرنے سے قتال کے حکم کی تاکید ہوئی ❷ جب کسی کو کہا جائے کیا تم اپنے دشمن سے ڈرتے ہو تو وہ اس بات میں عار محسوس کرتا ہے اور غیرت میں آجاتا ہے۔ یہاں بھی فرمایا گیا کیا تم ان کافروں

سے ڈرتے ہو؟ ❸ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ سے گویا یہ سمجھایا گیا کہ اگر تم نے کسی سے ڈرنا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اس سے ڈرو کیونکہ اس کی قدرت، بڑائی اور جلال کی کوئی حد نہیں ہے اور کافروں کی طرف سے زیادہ سے زیادہ جو نقصان تمہیں پہنچ سکتا ہے وہ ہے قتل ہونا (اور موت تو ویسے ہی آنی ہے) جبکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت کا شدید عذاب اور دنیا کی لازمی ذلت تمہیں پہنچے گی (اگر تم نے اس کی نافرمانی کی)۔

❹ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اگر تم ایمان والے ہو تو تم پر لازم ہے کہ قتال کے لئے نکلو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم جہاد پر نہیں نکلو گے تو ایمان والے نہیں رہو گے...... پس اس آیت میں ان سات امور کے ذریعہ قتال کے لئے ابھارا گیا۔

فتح مکہ کی ترغیب ہے

حضرت ابن عباس سے نقل کیا گیا ہے کہ یہ آیت ”فتح مکہ“ کی ترغیب میں نازل ہوئی ہے مگر حسن بصریؒ نے فرمایا کہ یہ ممکن نہیں کیونکہ سورۃ براۃ فتح مکہ کے ایک سال بعد نازل ہوئی ہے۔ (ملخص از تفسیر کبیر)

حضرت تھانویؒ کا خیال بھی یہی ہے کہ یہ آیات فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئیں اور ان میں ترغیب ہے فتح مکہ کی۔ مگر اکثر مفسرین حضرات اسی بات کے قائل ہیں کہ یہ آیات فتح مکہ کے بعد نازل ہوئیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُورَةُ التَّوبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۴، ۱۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ

ان سے لڑو تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے اور انہیں ذلیل کرے اور تمہیں

عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ

ان پر غلبہ دے اور مسلمانوں کے دلوں کو ٹھنڈا کرے۔ اور ان کے دلوں سے غصہ دور

قُلُوْبِهِمْ ؕ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾

کرے اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے توبہ نصیب کرے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے

خلاصہ

(اگر تم ایمان والے ہو تو اللہ تعالیٰ کا حکم مانو اور اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے قتال کا) پس تم ان سے قتال کرو (اللہ تعالیٰ کے اس حکم قتال میں بہت حکمتیں اور فائدے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں)

❶ اللہ تعالیٰ ان کافروں کو تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے گا۔ پہلے نافرمان قوموں کو عذاب فرشتوں اور دیگر طریقوں سے دیا جاتا تھا اب مجاہدین کو یہ شرف عطا ہوا کہ وہ دست قدرت کے آلہ کار بنا دیئے گئے۔

❷ اور اللہ تعالیٰ ان کافروں کو رسوا فرمائے گا۔ کافروں کی رسوائی سے کفر رسوا ہوگا اور کفر و شرک کی شوکت ٹوٹ جائے گی، ان کی قوت اور شوکت ہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے وہ مسلمانوں کو فتنے میں ڈالتے ہیں مگر جب وہ خود قید و غلامی کی رسوائی میں ہوں گے تو کفر و شرک کی آواز کمزور پڑے گی اور اسلام کی خوب اشاعت ہوگی۔

❸ اور اللہ پاک مسلمانوں کو ان کافروں پر غلبہ عطاء فرمائے گا۔ یہ غلبہ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے ہوگا مسلمان جب اس نصرت کو دیکھیں گے تو ان کے دل کا ایمان مضبوط ہوگا اور جب وہ غالب ہوں گے تو زمین پر اسلام یعنی اللہ تعالیٰ کا قانون نافذ کریں گے، یوں ساری مخلوق کو جہاد کا فائدہ پہنچے گا کیونکہ اسلامی نظام کے غلبے اور نفاذ میں ہر کسی کا فائدہ ہے۔

❹ اور اللہ پاک ایمان والوں کے دلوں کو شفاء دے گا، ان کے دل ٹھنڈے ہوں گے، مسلمان کا دل ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے کلمے کی سربلندی کے لئے بے چین اور اسلام کے غلبے کے لئے بے قرار رہتا ہے، اور کفر و شرک کی طاقت، قوت اور غلبہ دیکھ کر مسلمان کا دل پریشان رہتا ہے۔ جہاد کی برکت سے جب اسلام غالب اور کفر مغلوب ہوگا تو ایمان والوں کے دلوں کو سکون اور ٹھنڈک مل جائے گی ویسے بھی جہاد دل کی بہت سی بیماریوں کا علاج ہے مثلاً حب

دنیا، بزدلی، وہن، قوت غضبیہ کا غلط استعمال وغیرہ۔

❺ اور اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے غم اور رنج کو دور فرمادے گا...... یعنی ان کی حسرتیں خوشیوں میں بدل جائیں گی، کفر وشرک کے پجاریوں نے جو ظلم کئے ان کی وجہ سے ایک خاص قسم کی گھٹن مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔ کمزوری اور بے بسی کے دنوں میں کافروں کا ہر ظلم اور ان کی ہر بدزبانی ان کے دلوں پر زخم لگاتی ہے۔ جب جہاد کے بعد فتح ملے گی تو دلوں کا یہ سارا غم اور رنج ڈھل جائے گا۔

❻ اور اللہ پاک جہاد کی برکت سے جس پر چاہے گا توبہ کے دروازے کھول دے گا۔ کافر اپنی ذلت اور رسوائی دیکھ کر غور وفکر کریں گے اور مسلمانوں پر اترتی ہوئی نصرت دیکھ کر ان کا ذہن بدلے گا تب ان میں سے بہت سوں کو توبہ کی توفیق مل جائے گی اور خود مسلمانوں کو جہاد کرنے کی وجہ سے توبہ اور گناہوں سے معافی نصیب ہوگی۔

اللہ تعالیٰ علم والا اور حکمت والا ہے۔ وہی جانتا ہے کہ کس چیز میں بندوں کا فائدہ اور کس چیز میں نقصان ہے اور وہی ہر ایک کی حالت جان کر حکمت کا معاملہ کرتا ہے۔

بظاہر جنگ وقتال میں نقصان نظر آتا ہے مگر علم وحکمت والا رب اس حکم میں طرح طرح کے فائدے ارشاد فرما رہا ہے پس ایمان والوں کو اسی کی بات ماننی چاہئے۔

مختصر وجامع تفسیر

”اس آیت میں مشروعیت جہاد کی اصلی حکمت پر متنبہ فرمایا ہے قرآن کریم میں اقوام ماضیہ (گذری ہوئی قوموں) کے جو قصے بیان فرمائے ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب کوئی قوم کفر وشرارت اور انبیاء علیہم السلام کی تکذیب وعداوت میں حد سے بڑھ جاتی تھی تو قدرت کی طرف سے کوئی تباہ کن آسمانی عذاب ان پر نازل کیا جاتا تھا جس سے ان کے سارے مظالم اور کفریات کا دفعۃً خاتمہ ہو جاتا تھا۔

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○ (العنکبوت ۴۰)

کوئی شبہ نہیں کہ عذاب کی یہ اقسام بہت سخت، مہلک اور آئندہ نسلوں کے لئے عبرتناک تھیں لیکن ان صورتوں میں معذبین کو دنیا میں رہ کر اپنی ذلت ورسوائی کا نظارہ نہیں کرنا پڑتا تھا اور نہ آئندہ کے لئے توبہ ورجوع کا کوئی امکان باقی رہتا تھا، مشروعیت جہاد کی اصلی غرض وغایت یہ ہے کہ مکذبین ومتعنتین کو حق تعالیٰ بجائے بلا واسطہ عذاب دینے کے اپنے مخلص ووفادار بندوں کے ہاتھ سے سزا دلوائے، سزا دہی کی اس صورت میں مجرمین کی رسوائی اور مخلصین کی قدر افزائی زیادہ ہے۔ وفادار بندوں کا نصرت وغلبہ علانیہ ظاہر ہوتا ہے۔ ان کے دل یہ دیکھ کر ٹھنڈے ہوتے ہیں کہ جو لوگ کل تک انہیں حقیر وناتواں سمجھ کر ظلم وستم اور استہزاء وتمسخر کا تختہ مشق بنائے ہوئے تھے، آج خدا کی تائید ورحمت

سے انہی کے رحم وکرم یا عدل وانصاف پر چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ کفر و باطل کی شوکت ونمائش کو دیکھ کر جو اہل حق گھٹتے رہتے تھے یا جو ضعیف ومظلوم مسلمان کفار کے مظالم کا انتقام نہ لے سکنے کی وجہ سے دل ہی دل میں غیظ کھا کر چپ ہو رہتے تھے جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ ان کے قلوب تسکین پاتے ہیں اور آخری بات یہ ہے کہ خود مجرمین کے حق میں بھی سزادہی کا یہ طریقہ نسبتاً زیادہ نافع ہے، کیونکہ سزا پانے کے بعد بھی رجوع وتوبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے، بہت ممکن ہے کہ حالات سے عبرت حاصل کر کے بہت سے مجرموں کو توبہ نصیب ہو جائے، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا ہی ہوا کہ تھوڑے دنوں میں سارا عرب صدق دل سے دین الٰہی کا حلقہ بگوش بن گیا۔" (تفسیر عثمانی)

جہادی نکات از امام رازی رحمہ اللہ

امام رازیؒ نے ان دو آیات کی تفسیر میں کئی جہادی نکتے بیان فرمائے ہیں...... امام صاحب کی تقریر کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیے:

ربط

پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم دیا **اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا** اور اس کے ساتھ ایسی سات چیزیں بیان فرمائی جن میں سے ہر ایک اقدام جہاد کو لازم کرنے والی ہے۔ اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پھر جہاد کا حکم دہرایا ہے اور اس میں جہاد کے پانچ قسم کے فوائد کو ذکر فرمایا ہے۔

یُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَیْدِیْكُمْ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے گا۔ مسلمانوں کے ہاتھوں سے کافروں کو جو تکلیف پہنچتی ہے اللہ پاک نے اسے "عذاب" کا نام دیا۔ یہ عذاب کبھی قتل کی صورت میں ہوتا ہے کبھی قید کی صورت میں اور کبھی مال چھیننے کی صورت میں۔ عذاب میں یہ تمام صورتیں داخل ہیں۔

وَیُخْزِهِمْ اور اللہ پاک انہیں رسوا فرمائے گا، یہ رسوائی دنیا میں بھی ہوگی **وَیَنْصُرْكُمْ عَلَیْهِمْ** مسلمانوں کو غالب ہونے کی وجہ سے ان پر قوت ملے گی۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ان کی رسوائی اور مسلمانوں کا غلبہ ایک ہی چیز ہے تو آیت میں تکرار ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ ان کو ذلت اور رسوائی مسلمانوں کے ہاتھوں سے مل جائے مگر کسی آفت کی وجہ سے مسلمان غلبہ کا فائدہ نہ اٹھا سکیں تو **یَنْصُرْكُمْ عَلَیْهِمْ** نے بتا دیا کہ مسلمان اس فتح اور غلبے کا فائدہ اٹھائیں گے۔

وَیَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ قبیلہ خزاعہ کے لوگوں کو بنو بکر اور قریش سے تکلیف پہنچی تھی اللہ پاک نے ان کے دل بنو بکر کی شکست سے ٹھنڈے فرما دیئے اور یہ بات واضح ہے کہ اگر کسی کو اپنے دشمن کی طرف سے طویل عرصہ تک اذیت پہنچی ہو پھر اللہ تعالیٰ اس کو بہت عمدہ طریقے سے اپنے دشمن پر غالب کردے تو اس کو بہت عظیم خوشی نصیب ہوتی ہے اور یہ خوشی اس کے اندر قوت اور عزیمت پیدا کرتی ہے۔

وَیُذْهِبْ غَیْظَ قُلُوْبِهِمْ اور ان کے دلوں کے غم کو دور کردے۔ پس دلوں کی شفاء تو اس فتح اور نصرت کے

وعدے سے ہوئی اور دلوں کا غم فتح کے ملنے سے دور ہوا اس لئے دونوں میں تکرار نہیں ہے۔

ان آیات میں جو احوال بیان ہوئے ہیں وہ سب فتح مکہ کے ذریعہ مسلمانوں کو نصیب ہوئے اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ یہ آیات فتح مکہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ (تفسیر کبیر ملخص)

امام رازیؒ نے وَيَتُوبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ کے بھی دو معنیٰ بیان فرمائے ہیں ایک معنیٰ یہ بیان فرمایا ہے کہ جہاد کے ذریعہ خود مسلمان مجاہد کو توبہ کا اعلیٰ مقام نصیب ہوتا ہے۔ پھر جہاد کے ذریعہ مجاہد کو توبہ نصیب ہونے کی پانچ بہت دلچسپ وجوہات بیان فرمائی ہیں، طلبہ علم تفسیر کبیر میں ملاحظہ فرمالیں۔ جبکہ اکثر مفسرین کے نزدیک توبہ سے مراد کفار و مشرکین کی توبہ ہے امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

والذين تاب عليهم مثل ابى سفيان وعكرمة بن ابى جهل وسهيل بن ابى عمرو فانهم اسلموا...... (القرطبى)

یعنی ان تین حضرات کو اللہ پاک نے توبہ کی توفیق مرحمت فرمائی اور وہ مسلمان ہو گئے۔

یہ خوشخبری قیامت تک کے لئے ہے

علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں ایک سوال اور پھر اس کا جواب ذکر کیا ہے ملاحظہ فرمایئے صاحب انوار البیان کے قلم سے......

فائدہ

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ مکہ تو ۸ھ میں فتح ہو چکا تھا اور سورة براۃ ۹ھ میں نازل ہوئی پھر ان آیات میں کون سے جہاد کی ترغیب دی گئی ہے؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے صاحب روح المعانی ص ۶۲ ج ۱۰ پر لکھتے ہیں کہ سورة براۃ کی ابتدائی آیات فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی تھیں اور یہ آیات اس سے پہلے نازل ہو چکی تھیں (یعنی فتح مکہ سے بھی پہلے) الی آخرہ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد اور نصرت کی خوشخبری دی ہے اور یہ بتایا ہے کہ اہل کفر سے جو تمہیں تکلیف پہنچے گی اور ان کی شرارتوں کی وجہ سے جو تمہارے دل میں غیظ و غضب ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کو دور کر دے گا اور تمہاری مدد فرمائے گا اور کافروں کو ذلیل کرے گا اور تمہارے دلوں کو کافروں کی ذلت دکھا کر شفاء عطاء فرمائے گا۔ جس طرح اہل مکہ میں قتال کے لئے بعض چیزیں جمع ہو گئی تھیں کہ انہوں نے اپنا عہد توڑا اور تمہارے دین میں طعن کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جلاوطن کرنے کا مشورہ کیا اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کی پہل کی اس طرح کی بہت سی باتیں آئندہ بھی کافروں کی طرف سے پیش آ سکتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو تمہارے درمیان نہ ہوں گے کیونکہ وہ دنیا سے تشریف لے جا چکے ہوں گے اور ان کے بعد کوئی نبی اور رسول بھی نہیں لیکن اس طرح کے واقعات پیش آ سکتے ہیں اگر ایسا ہو تو ان سے لڑو تا کہ کافر ذلیل و خوار ہوں اور تمہارے دل ٹھنڈے ہوں۔ خطاب کا رخ حضرات صحابہ کو ہے لیکن عموم خطاب میں سب مسلمان داخل ہیں۔ (تفسیر انوار البیان)

نکتہ

امام نسفیؒ لکھتے ہیں:

ولما وبخهم الله علىٰ ترك القتال جرد لهم الامر به بقوله قَاتِلُوهُمْ ووعدهم النصر ليثبت قلوبهم ويصحح نياتهم بقوله يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِأَيْدِيكُمْ

پچھلی آیات میں قتال نہ کرنے پر عار دلائی تھی تو اس آیت میں جہاد کا صاف اور واضح حکم دیا اور فرمایا قَاتِلُوهُمْ اور مسلمانوں کے ساتھ اپنی نصرت کا وعدہ فرمایا تاکہ ان کے دلوں کو مضبوط کردے اور ان کی نیتوں کو خالص کردے چنانچہ فرمایا: يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِأَيْدِيكُمْ (المدارک)

تقریر لاہوریؒ

انہیں قتل کرو اللہ تعالیٰ انہیں تمہارے ہاتھوں سے سزا دینا چاہتا ہے تاکہ تمہارے سینے ٹھنڈے ہوں جس طرح انہوں نے تمہیں ایذاء دی تھی تم بھی بدلہ لے لو، اللہ تعالیٰ مومنوں کے دل کا غصہ نکلوائے گا ہاں ان کافروں میں سے جس کو چاہے گا ایمان دے دے گا۔ چنانچہ ابوسفیانؓ اور عکرمہؓ بن ابی جہل کو اسلام نصیب ہوا۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

نکتہ

ان آیات میں جو احوال و کیفیات اور فوائد بیان ہوئے ہیں وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تو پورے ہوئے جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے برحق ہونے کی ایک دلیل ہے اسی لئے مفسرین کرام نے ان آیات کو ”معجزات“ پر مشتمل آیات قرار دیا ہے...... اور پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب بھی مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم قتال پر ٹھیک طرح سے عمل کیا اللہ پاک نے یہ سارے فوائد ان کو بھی عطاء فرمائے۔ بے شک قتال فی سبیل اللہ اپنے تمام تر فوائد کے ساتھ قیامت تک جاری رہے گا۔

علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:

وقد انجز الله تعالىٰ جميع ما وعدهم به على اجمل مايكون فالآية من المعجزات لما فيها من الاخبار بالغيب ووقع ما اخبر عنه (روح المعانی)

صاحب کشافؒ لکھتے ہیں:

وقد حصل الله لهم هذه المواعيد كلها فكان ذلك دليلاً علىٰ صدق رسول الله صلى الله عليه وسلم وصحة نبوّته (كشاف)

مظلوموں کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کی مدد

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

وكانت خزاعة حلفاء النبی صلى الله عليه وسلم فانشد رجل من بنی بكر الخ

خزاعہ قبیلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیف تھا، قبیلہ بنو بکر کے ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی میں اشعار پڑھے، خزاعہ قبیلے کے کسی فرد نے اسے کہا اگر تو نے دوبارہ یہ حرکت کی تو میں تمہارا منہ توڑ دوں گا اس نے دوبارہ وہی اشعار کہے تو اس خزاعی نے اس کا منہ توڑ دیا اس پر دونوں قبیلوں میں قتال بھڑک اٹھا اور خزاعہ کے بہت سے افراد قتل کر دیئے گئے، عمرو بن سالم بنو خزاعہ کے ایک وفد کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو پوری بات بتائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ واقعہ سنا تو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا مجھ پر پانی ڈالو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل بھی کر رہے تھے اور یہ بھی فرما رہے تھے کہ اگر میں نے بنو خزاعہ کی مدد نہ کی تو اللہ تعالیٰ میری مدد نہ کرے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگی تیاری اور مکہ کی طرف خروج کا حکم دیا تو مکہ فتح ہو گیا۔ (القرطبی)

اس طرح آیت کریمہ میں وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ سے مراد خزاعہ کے مظلوم مسلمان ہیں۔ اس قبیلے کے کئی افراد مسلمان تھے۔ تحقیق کے لئے ملاحظہ فرمایئے تفسیر البحر المحیط۔

صاحب کشاف اور علامہ آلوسی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

انهم بطون من اليمن والسباء قدموا مكة واسلموا فلقوا من اهلها اذىً كثيرا فبعثوا الى رسول الله صلى الله عليه وسلم يشكون اليه فقال عليه الصلوٰة والسلام "ابشروا فان الفرج قريب"

یہ یمن اور سباء کے قبائل کے کچھ حضرات تھے جو مکہ آئے تھے انہوں نے اسلام قبول کیا تھا چنانچہ انہیں مکہ والوں کی طرف سے بہت تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے دکھ کی شکایت بھیجی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تمہیں خوشخبری ہو اچھے حالات بہت قریب ہیں۔'' (روح المعانی)

جن مومنین کے دلوں کو شفاء ملی وہ خزاعہ بھی ہیں اور یمن اور سباء کے یہ مظلوم حضرات بھی اس کے اولین مصداق ہیں مگر آیت کا مفہوم اور مصداق قیامت تک کے لئے عام ہے۔ امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

وهذا عام فى المومنين كلهم (ابن كثير)

یہ سب مسلمانوں کے لئے عام ہے کہ جہاد کی بدولت ان کے دل کو ٹھنڈک نصیب ہوتی ہے۔

مظلوموں کو مسرت کا حاصل ہونا ان کو کام پر کھڑا کرنے کے لئے ضروری ہے

تفسیر الفرقان میں ہے:

''تم جنگ کے لئے آگے بڑھو تو حسب ذیل فوائد حاصل ہوں گے:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک انبیاء علیہم السلام کے متبعین کی تعداد کم تھی اس لئے اس وقت تک امتوں کو عذاب دینے کا قانون یہ تھا کہ آفات ارضی وسماوی سے ان کو ہلاک کر دیا جاتا، مگر جب ایمانداروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا تو پھر خود ان کے ہاتھوں مخالفین کو ذلیل کیا جانے لگا اب خود مسلمان ہی اللہ تعالیٰ کا (مجازاً) دست عمل بن کر حق و صدق کی نشر واشاعت کریں گے۔ اور اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ کے مطابق ذلیل ہوں گے۔ جب ان لوگوں (یعنی مشرکوں، کافروں) کا قتل ضروری قرار پا گیا ہے تو بہتر ہے کہ یہ کام مسلمانوں کے ہاتھ سے سرانجام پائے، کیونکہ انہیں بے انتہا مظالم کا شکار ہونا پڑتا ہے، انسان کا فطری تقاضا ہے کہ مظلوم ہونے کے بعد جب تک ظالم سے انتقام نہ لے چکے اس کو سرور حاصل نہیں ہوتا، اس کی ہمت پست ہو جاتی ہے اس کے قوائے عملیہ بیکار ہو جاتے ہیں، اس لئے اب اگر مسلمان اپنے ہاتھ سے کفار کو قتل کریں گے تو ان کی طبیعت میں مسرت پیدا ہوگی اور آمادۂ کار ہو جائیں گے (یعنی کام پر کھڑے ہو جائیں گے) وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ اور قانون عدل کے مطابق اس سرور کا بدلہ ہوگا جو ابتداء میں ظالموں کو حاصل ہوا تھا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کفار میں سے قابل اصلاح افراد یقیناً حق کے تابع بن کر اللہ کی رحمت ومغفرت کے مستحق قرار پائیں گے۔" (تفسیر الفرقان)

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ

کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے ایسے لوگوں کو جدا ہی نہیں کیا جنہوں نے تم میں سے

وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ

جہاد کیا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو دلی دوست نہیں بنایا

وَلِيجَةً ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾

اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں سے باخبر ہے

خلاصہ

مشروعیت جہاد فی سبیل اللہ کی ایک اور حکمت یہ ہے کہ ایمان اور بندگی کے زبانی دعوے کرنے والے تو بہت ہیں، لیکن جب تک امتحان کی کسوٹی پر پرکھا نہ جائے تو کھرا کھوٹا ظاہر نہیں ہوتا۔ جہاد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ کتنے مسلمان ہیں جو اس کی راہ میں جان و مال قربان کرنے کو تیار ہیں اور اللہ، رسول اور مسلمان کے سوا کسی کو اپنا رازدار یا خصوصی دوست بنانا نہیں چاہتے، خواہ وہ ان کا کتنا ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو، یہ معیار ہے۔ جس پر مومنین کا ایمان پرکھا جاتا ہے، جب تک عملی جہاد نہ ہو صرف زبانی جمع خرچ سے کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی پوری خبر ہے پس اگر جہاد میں چستی کرو گے یا سستی کرو گے اسی کے موافق جزا دے گا۔ (ملخص از عثمانی و بیان القرآن)

جہاد کے ذریعے حقیقی اور سچے مسلمان ممتاز ہو جاتے ہیں

صاحب انوار البیان لکھتے ہیں:

”اس کے بعد جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا (الآیة) کیا تمہارا خیال ہے کہ تم یونہی چھوڑ دیے جاؤ گے اور تمہارا امتحان نہ ہوگا؟ ایسا خیال نہ کرو امتحان ضرور ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جان لے گا جنہوں نے جہاد کیا اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین سے سچی محبت کرنے والے عملی طور پر ان لوگوں سے علیحدہ ہو کر ممتاز ہو جائیں گے جنہوں نے جہاد سے جان چھڑائی اور جنہوں نے کافروں اور مشرکوں کو رازدار بنایا۔

یہ امتحان والا مضمون دیگر آیات میں بھی ہے، سورۂ آل عمران میں ہے:

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ (اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس حالت پر رکھنا نہیں چاہتا جس پر تم اب ہو جب تک کہ پاک کو ناپاک سے تمیز نہ فرمادے)

اور سورۃ عنکبوت میں فرمایا ہے:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ (کیا لوگوں نے گمان کیا ہے کہ صرف یوں کہنے سے چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی جانچ نہ کی جائے گی)۔ (انوار البیان)

جہاد مومن اور منافق میں امتیاز کرتا ہے

امام رازیؒ حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول نقل فرماتے ہیں:

قال: ولما فرض القتال تبين المنافق من غيره وتميز من يوالي المومنين ممن يعاديهم

یعنی جب اللہ تعالیٰ نے قتال فی سبیل اللہ کو فرض کیا تو منافق اور غیر منافق واضح ہو گئے اور مسلمانوں سے دوستی کرنے والے اور ان سے دشمنی کرنے والے بھی الگ الگ ہو گئے۔ (تفسیر کبیر)

نکتہ

پوری دنیا میں جہاں بھی جہاد ہوتا ہے وہاں آپ یہ منظر ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ کچھ مسلمان کفار کے خلاف جہاد کرتے ہیں جبکہ کچھ مسلمان کہلانے والے لوگ کافروں کے دوست، معاون اور ہم راز بن جاتے ہیں۔ جہاد شروع ہونے سے پہلے یہ سب طبقے خود کو مسلمان کہتے تھے مگر جیسے ہی جہاد شروع ہوتا ہے چھانٹ شروع ہو جاتی ہے اور منافق بھاگ بھاگ کر کافروں کے سائے میں پناہ ڈھونڈتے ہیں اور ان کو اپنی دوستی کا یقین دلاتے ہیں اور ان کے اتحادی بن جاتے ہیں یوں جہاد کی برکت سے مومن اور منافق الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

دو طرح کے امتحانات

امام رازیؒ کی رائے یہ ہے کہ آیت میں دو طرح کے امتحانات کا تذکرہ ہے پہلا امتحان یہ ہوتا ہے کہ ایمان کا دعویٰ کرنے والوں میں سے کون جہاد کرتا ہے اور کون نہیں کرتا۔ پھر جہاد کرنے والوں کا امتحان ہوتا ہے کہ ان میں کون اخلاص کے ساتھ جہاد کرتا ہے اور کون اپنی ذاتی اغراض کے لئے جہاد کے دوران کافروں سے یاریاں اور دوستیاں باندھتا ہے۔ پس جو اخلاص کے ساتھ جہاد کرتا ہے وہ مومن اور جو ذاتی اغراض کے لئے لڑتا ہے اور کافروں سے یاریاں بناتا ہے وہ منافق۔

امام صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

والمقصود من ذكرهذاالشرط ان المجاهد قد يجاهد ولايكون مخلصا بل يكون منافقا، باطنه خلاف ظاهره، وهو الذي يتخذ الوليجة من دون الله ورسوله والمومنين، فبين تعالىٰ انه لايتركهم الا اذا اتوا بالجهاد مع الاخلاص خاليا عن النفاق والرياء والتودد الى الكفار وابطال ما يخالف طريقة الدّين. (تفسيركبير)

اگر مسلمان ہو تو جہاد نہ چھوڑو

صاحب تفسیر الفرقان اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

’’تمام دنیا مسلمانوں کی دشمن ہے، ہر ایک اجنبی حکومت ان کو فنا کرنے کی فکر میں ہے اور کوئی غیر مسلم سلطنت ان کی طرف دست اعانت دراز کرتی ہے تو وہ مکر و فریب اور دجل وشیطنت کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا، اس لئے ضروری ہے کہ ان دشمنوں سے بچنے کے لئے مسلمانوں کو آمادۂ جہاد کیا جائے اور وہ اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ ان کی زندگی کا راز سربستہ جہاد فی سبیل اللہ میں پنہاں ہے اگر وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اسے ترک کر دیں گے تو چاروں طرف سے دشمن ان پر حملہ آور ہوں گے اور انہیں تباہ کر دیں گے، اس لئے فرمایا کہ جب تک تم میں سے مجاہدین کو ممتاز نہ کیا جائے گا تمہیں خاموش بیٹھنے نہ دیا جائے گا۔

ایک جگہ فرمایا: اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ (۲:۲۹) ایک مقام پر یوں ارشاد فرمایا: اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا (۲:۲۱۴) ایک جگہ اس طرح آتا ہے: مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰي مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ (۳:۱۷۹) اور اس جہاد سے مقصود قتل و خونریزی نہیں، بلکہ غرض یہ ہے:

(الف) اس نبی کی تعلیم سے تمہارے اخلاق کس درجہ مہذب وشائستہ ہوئے اور ہر ایک مسلمان نے فرداً فرداً آپ کی ذات اقدس سے کس قدر فائدہ اٹھایا، اس کو واضح کر دیا جائے۔

(ب) اس وقت اور آئندہ زمانہ کے لوگوں کو دکھا دیا جائے کہ اس امت میں اور گذشتہ امتوں میں اتباع انبیاء کے اعتبار سے کتنا فرق ہے، بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر کو یہ جواب دیا تھا:

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ

(ج) آئندہ چل کر تمہیں حکومت دی جائے گی، پس جب تک نبی کی نگرانی میں اس اہم ترین خدمت کے لئے تیار نہ ہو، کام نہیں چل سکے گا۔ گویا مسلمان ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا، تمہیں معلوم ہے جس وقت نبوت کے تیرہویں سال مدینہ کے ۷۳ مرد اور دو عورتیں اس لئے مکہ مکرمہ حاضر ہوئیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے شہر میں آنے کی دعوت دیں تو حضرت عباس نے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے کیا کہا تھا؟ انہوں نے کہا تھا: لوگو! تم جانتے ہو کہ قریش ان کے جانی دشمن ہیں اگر تم ان سے عہد کرتے ہو تو یہ سمجھ لینا کہ یہ ایک نازک اور مشکل کام ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عہد باندھنا سرخ وسیاہ لڑائیوں کو مول لینا ہے۔ ؎

لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

(تفسیر الفرقان)

آیت میں جنگوں کی طرف اشارہ ہے

اس آیت کی تفسیر میں حضرت لاہوریؒ لکھتے ہیں:

’’کفار کی سرکوبی اور تباہی تمہارے ہاتھوں سے ہوگی، تمہیں میدان جنگ میں اترنا پڑے گا اور اس میں کھرے اور کھوٹے کی تمیز بھی ہو جائے گی‘‘۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

دین کی خاطر اپنے عزیزوں، قریبوں سے قتال کرنا

یعنی اصل امتحان کا موقع تو اب آیا ہے، جب اپنے عزیزوں قریبوں سے قتال کرنا ہوگا اور اللہ اور اسلام کی خاطر اپنے ہر تعلق، ہر محبت کو قربان کرنا پڑے گا۔ (تفسیر ماجدی)

ولیجہ؟ غیروں سے یاری

ولیجہ کا لفظ ولوج سے ہے جس کا معنیٰ ہے دخول۔ امام قرطبی لکھتے ہیں: وقال ابو عبیدۃ: کل شیء ادخلته فی شیء لیس منه فهو ولیجة...... یعنی ہر وہ چیز جسے تم غیر چیز میں داخل کرو تو یہ ’’ولیجہ‘‘ ہے۔

والرجل یکون فی القوم ولیس منهم ولیجة

ایک آدمی کسی قوم میں شامل ہو جائے حالانکہ وہ ان میں سے نہ ہو تو یہ ولیجہ کہلاتا ہے۔

پس اے مسلمانو! یہ کافر و مشرک تمہارے غیر ہیں تم ان میں خود کو شامل نہ کرو اور نہ ان کو اپنا رازدار بناؤ۔

امام قرطبی فرماتے ہیں: ولیجہ کا ایک معنیٰ بطانہ بھی ہے یعنی اتحادی اور خاص دوست۔ (بطانہ کے لفظ کی تحقیق سورۃ آل عمران میں گذر چکی ہے)

وقیل: ولیجة بطانة: والمعنیٰ واحد نظیره

لاتتخذوا بطانة من دونکم (آل عمران ۱۱۸) وقال الفراء ولیجة بطانة من المشرکین یتخذونهم ویفشون الیهم اسرارهم ویعلمونهم امورهم۔ (القرطبی)

امام قرطبیؒ آیت کا ترجمہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

’’ام حسبتم ان تترکو امن غیر أن تبتلوا بما یظهر به المومن والمنافق (قرطبی)

کیا تم نے گمان کرلیا کہ تم چھوڑ دیئے جاؤ گے بغیر اس کے کہ تم کو اس چیز کے ذریعہ آزمایا جائے گا جس سے مومن اور منافق ظاہر ہو جاتے ہیں۔ (القرطبی)

معارف القرآن میں ہے:

اس آیت میں مخلص مسلمان کی دو علامتیں بتادی گئیں، اول یہ کہ اللہ کے واسطے کفار سے جہاد کریں، دوسرے یہ کہ کسی غیر مسلم کو اپنا رازدار دوست نہ بنائیں...... آیت مذکورہ میں جو لفظ ولیجہ آیا ہے اس کے معنی دخیل اور بھیدی کے ہیں اور ایک دوسری آیت میں اس معنی کے لئے لفظ ’’بطانہ‘‘ استعمال کیا ہے...... مراد اس سے ایسا آدمی جو اندر کے رازوں

سے واقف ہو (معارف القرآن)

تفسیر مظہری میں ہے:

ولیجہ کا معنی ہے اندرونی دوست راز دار (تفسیر مظہری)

آئندہ مجاہدین کے ہمیشہ موجود رہنے کا اشارہ

علامہ ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں:

وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ میں اس طرف اشارہ ہے کہ امت محمدیہ میں مخلص مجاہدین کے پائے جانے کی امید رکھنا چاہئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں ایک گروہ مسلسل ایسا ہوتا رہے گا جو اللہ کے احکام کو قائم کرے گا کوئی انکی مدد نہ کرے اور کوئی مخالفت کرے ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا (یعنی اللہ ان کا مددگار اور حامی ہوگا کسی کی مخالفت ان پر اثر انداز نہ ہوگی) وہ اسی حالت پر قائم رہیں گے کہ اللہ کا حکم آجائے گا (قیامت برپا ہوجائے گی) یہ حدیث حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے صحیحین میں منقول ہے (تفسیر مظہری)

خلاصہ

مشرکین مکہ کا مسجد حرام کی خدمت کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتا جبکہ وہ مشرک اپنے شرک پر کھلم کھلا قائم ہیں۔ یہ اپنے شرکیہ عقائد اور اعمال کی وجہ سے اس قابل ہرگز نہیں کہ مسجد حرام کا انتظام سنبھالیں اور وہاں عبادت کریں اگر کرنا بھی چاہیں تو انہیں اس سے روکا جائے گا۔ ان کے سب اچھے اعمال بے کار ہیں اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

اس لئے:

ان کے ساتھ براءۃ کا اعلان بالکل حق ہے اور یہ اعلان بھی برحق ہے کہ اگلے سال کوئی مشرک حج نہیں کرے گا۔

اور ان کے ساتھ قتال بھی حق ہے مسجد حرام کی خدمت کی وجہ سے ان کو چھوڑا نہیں جا سکتا بلکہ مسجد حرام کو ان کے وجود سے پاک کرنا ضروری ہے۔

آیت کا پہلا موضوع

❶ حضرت لاہوری لکھتے ہیں:

مشرکین اگر بعض اعمال صالحہ کے پابند ہوں تو ان کے خلاف جہاد رک نہیں جائے گا لہذا قریش مکہ کے خلاف جہاد اس وجہ سے ترک نہیں کیا جا سکتا کہ وہ مسجد حرام کے مجاور ہیں (حاشیہ حضرت لاہوری)

تفسیر الفرقان میں بھی یہی موضوع اختیار کرتے ہوئے لکھا ہے:

جب چاروں طرف سے دشمن مسلمانوں کو گھیرے ہوئے ہیں تو ضروری ہے کہ ہر ایک فرزند اسلام جہاد کیلئے ہر وقت آمادہ رہے اس موقع پر بعض کمزور طبیعتیں مختلف قسم کے حیلے بہانے کرکے اس فکر میں رہتی ہیں کہ ان کو جہاد کی

شرکت سے مستثنیٰ کر دیا جائے، آگے چل کر بتایا جائے گا جنگ کیلئے تیاری نہ کرنا اور ایسے اسباب فراہم کرنا

جن کی بناپر جنگ میں شریک نہ ہوسکیں، نفاق ہے بس آج ہر مسلمان اپنے حالات کا اندازہ لگا کر خود ہی اس امر کا فیصلہ کرلے کہ وہ کہاں تک نفاق میں مبتلا ہے، آئندہ آیات میں ان عذروں اور رکاوٹوں کو بیان کیا جاتا ہے جو جنگ شروع ہونے کے وقت عام طور پر پیدا کی جاتی ہیں، ہر ایک عذر لنگ کی حقیقت مستورہ کو بے نقاب کرکے بتایا جائے گا کہ یہ سب باتیں غلط اور مہمل ہیں اور ہر ایک مسلمان کو جہاد کی تیاری کرنی پڑے گی۔ (تفسیر الفرقان)

آیت کا دوسرا موضوع

امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں بیان فرمایا ہے جس کا خلاصہ صاحب تفسیر حقانی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

❷ مکہ کے بت پرست قدیم سے خانہ کعبہ کی تعمیر کرتے تھے اور ایام حج میں لوگوں کو پانی بھی پلایا کرتے تھے اسلام کے مقابلے میں وہ اپنی نیکیوں پر فخر کرتے تھے کہ ہم مجاور بیت اللہ اور اس کے خادم ہیں ہم سے بڑھ کر اللہ کے نزدیک کس کا رتبہ ہے؟ پھر اس پر بھی (یعنی اس کے باوجود بھی) محمد (ﷺ) ہم سے لڑنے اور معاہدے ختم کرنے کا حکم دیتے ہیں؟ چنانچہ یہود نے بھی اس بارہ میں انکی تصدیق کرکے یہی کہا کہ تم ہی اللہ کے نزدیک بڑے درجے رکھتے ہو اس کے جواب میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (حقانی بتغییر)

امام قرطبیؒ نے بھی آیت کے اس موضوع کی تصدیق ان الفاظ میں فرمائی ہے:

أرادليس لهم الحج بعد مانودی فیهم بالمنع عن المسجد الحرام وكانت امور البيت كالسّدانة والسقاية والرّمادة إلى المشركين فبين انهم ليسوا أهلا لذلك بل أهله المؤمنون

یعنی بیت اللہ کے معاملات مشرکین کے پاس تھے اور اعلان کیا جارہا تھا کہ اب ان کا مسجد حرام میں داخلہ بند ہے تو اسکی وجہ بیان فرمائی کہ مشرکین مسجد حرام کی خدمت کے اہل نہیں ہیں اس کے اہل تو ایمان والے ہیں۔

آیت کا تیسرا موضوع

جو اکثر مفسرین (قرطبی، کبیر، روح، موضح القرآن) نے بیان فرمایا ہے درج ذیل ہے:

❸ إن العباس لما أسر و عير بالكفر وقطعية الرحم قال تذكرون مساوئنا ولا تذكرون محاسننا فقال عليّ ألكم محاسن؟ قال نعم إنا لنعمر المسجد الحرام ونحجب الكعبة ونسقي الحاج ونفك العاني فنزلت هذه الآية رداً عليه فيجب إذا على المسلمين تولى احكام المساجد ومنع المشركين من دخولها. (قرطبی)

اسی کو صاحب انوار البیان تفسیر معالم التنزیل کے حوالے سے یوں بیان کرتے ہیں:

معالم التنزیل ص ۲۷۳ ج ۲ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب غزوہ بدر کے موقع پر عباسؓ کو قید کرلیا گیا تو مسلمانوں نے عباسؓ کو عار دلائی کہ تم کفر اختیار کئے ہوئے ہو اور تمہارے اندر قطع رحمی بھی ہے

(کیوں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین نے مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا) اس بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سخت باتیں کہہ دیں تو اس کے جواب میں عباسؓ نے کہا آپ لوگ ہماری برائیاں تو ذکر کرتے ہیں کیا بات ہے ہماری خوبیاں ذکر نہیں کرتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس خوبیاں بھی ہیں؟ عباس نے کہا کہ ہاں! ہم مسجد حرام آباد کرتے ہیں اور کعبہ کی دربانی کرتے ہیں اور حجاج کو پانی پلاتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ (آخر تک) نازل فرمائی۔ اور یہ بتایا کہ مشرکوں کا یہ کام نہیں کہ مسجدوں کو آباد کریں مشرک ہوتے ہوئے مسجد کی آبادکاری کا کوئی معنیٰ نہیں کعبہ شریف تو شرک کے دشمن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا تھا۔ کعبہ اور کعبہ کی مسجد کی بنیاد توحید پر ہے، جو لوگ اپنے اقرار و اعمال سے یہ گواہی دے رہے ہیں کہ ہم کافر ہیں، یعنی اللہ کے بھیجے ہوئے دین کو نہیں مانتے ان کا مسجد کو آباد کرنا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔ کیونکہ وہاں یہ لوگ شرک کرتے ہیں، اگر ظاہری کوئی آبادی کر دی یعنی اس کے متولی بن کر کچھ درودیوار کی دیکھ بھال کر لی تو کفر اور شرک جیسی بغاوت کے سامنے یہ بے حقیقت ہے پھر مسجد حرام میں جاتے تھے سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے، ایسا آباد کرنا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک آباد کرنے میں شمار نہیں ہے۔

صاحبِ معالم التنزیل ص۲۷۳ ج۲ لکھتے ہیں:

ای مـایـنبغی للمشرکین ان یعمروا مساجد الله او جب علی المسلمین منعهم من ذلك لأن المساجد انما تعمر لعبادة الله وحده فمن کان کافرا بالله فلیس من شانه ان یعمرها.

یعنی مسجدوں کو آباد کرنا مشرکوں کا کام نہیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر واجب کیا ہے وہ مشرکوں کو اللہ کے گھر سے روکیں کیونکہ مسجدیں خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت سے آباد ہوتی ہیں، جو اللہ کا منکر ہے مسجدوں کو آباد کرنا اس کا کام نہیں ہے (انوار البیان)

آیات کی مختصر و جامع تشریح

حضرت شیخ الاسلام لکھتے ہیں:

پہلے فرمایا تھا کہ مسلمان بدون (یعنی بغیر) امتحان کے یونہی نہیں چھوڑے جا سکتے، بلکہ بڑے بڑے عزائم اعمال مثلاً جہاد وغیرہ میں انکی ثابت قدمی دیکھی جائے گی اور یہ کہ تمام دنیا کے تعلقات پر کس طرح خدا و رسول کی جانب کو ترجیح دیتے ہیں اس رکوع میں یہ بتلایا کہ خدا کی مساجد حقیقۃً ایسے ہی اولوالعزم مسلمانوں کے دم سے آباد رہ سکتی ہیں جبکہ ان میں خدائے واحد کی عبادت انکی شان کے لائق ہو "ذکر اللہ" کرنے والے کثرت سے موجود ہوں، جو بے روک ٹوک خدا کو یاد کریں، لغویات و خرافات سے ان پاک مقامات کو محفوظ رکھیں، یہ مقصد کفار و مشرکین سے کب حاصل ہو سکتا ہے؟ دیکھیں مشرکین مکہ بڑے فخر سے اپنے کو "مسجد حرام" کا متولی و خادم کہتے تھے۔ مگر ان کی بڑی

خدمت گزاری یہ تھی کہ پتھر کی سینکڑوں مورتیاں کعبہ میں رکھ چھوڑی تھیں ان کی نذر و نیاز کرتے اور منتیں مانتے تھے، بہت سے لوگ ننگے طواف کرتے تھے ذکر اللہ کی جگہ سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے اور خدا واحد کے سچے پرستاروں کو وہاں تک پہنچنے کی اجازت نہ دیتے تھے، لے دے کر ان کی بڑی خدمت یہ تھی کہ حاجیوں کے لئے پانی کی سبیلیں لگادیں، حرم شریف میں چراغ جلادیا، یا کعبہ پر غلاف چڑھادیا یا کبھی ضرورت ہوئی تو شکست وریخت کی مرمت کرادی، مگر یہ اعمال محض بے جان اور بے روح تھے۔ کیونکہ جب مشرک کو خدا کی صحیح معرفت حاصل نہیں تو کسی عمل میں اس کا قبلہ توجہ اور مرکز اسلام خدائے وحدہ لاشریک، کی ذات منبع الکمالات نہیں ہوسکتی اس لئے کافر کا کوئی عمل خدا کے نزدیک زندہ اور معتد بہ نہیں ہے، (اسی کو حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ سے تعبیر فرمایا) الغرض کفار و مشرکین جو اپنے حال وقال سے اپنے کفر و شرک پر ہر وقت شہادت دیتے رہتے ہیں، اس لائق نہیں کہ ان سے مساجد اللہ خصوصاً مسجد حرام کی حقیقی تعمیر (آبادی) ہوسکے۔ (تفسیر عثمانی)

" اَنْ يَّعْمُرُوْا کا ترجمہ عمارت عربی محاورہ میں ضد ہے ویرانگی کی، سو عمارت کے تحت میں مسجدوں کا آباد کرنا، ان میں داخل ہونا، انکی تعمیر کرنا، انکی خدمت کرنا سب کچھ آ گیا"

عمارة المسجد تكون بمعنيين احداهما زيارته والكون فيه والاخر بنيانه وتجديد ما التزم منه (جصاص). (تفسیر ماجدی)

مشرکوں کا اعتبار نہیں

''اس سے پہلے یہ معلوم ہوا کہ جو لوگ کفر و شرک کے اعمال کا ارتکاب کرتے ہیں ان کی تمام تر زندگی باطل پرستانہ سعی وکوشش کی مجسم تصویر ہوتی ہے، وہ اگر بعض اعمال صالحہ کے پابند ہوں، فرشتے بن کر لوگوں کے سامنے آئیں، اور اپنی معصومیت سے عوام الناس کو فریفتہ کر کے انہیں یہ بتادیں کہ ہم تمارے مقدس مقامات کا احترام کریں گے تمہارے مذہبی وسیاسی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت نہ کریں گے اور تمہیں ہر طرح آرام پہنچانے کی کوشش عمل میں لائیں گے تو مسلمانوں کو چاہیے کہ ان جھوٹے وعدوں پر ہرگز اعتماد نہ کریں اور انکی باتوں میں آکر جنگ سے باز نہ رہیں، کیونکہ یہ اعلان صرف اس لئے کیا جاتا ہے کہ فرزندانِ اسلام ان کے خلاف نہ اُٹھ کھڑے ہوں اور جہاد نہ شروع کردیں ان لوگوں کے وعدوں پر اعتماد کرنا خود اپنے آپ کو تباہ کرنا ہے وہ ان وعدوں کے کبھی پابند نہ ہونگے'' (تفسیر الفرقان)

طلبہ کے لئے آیت کے الفاظ کی آسان تفسیر

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ ماصح لهم وما استقام اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ

مسجد الله مكى وبصرى يعنى المسجد الحرام، وانما جمع فى القراءة بالجمع لا نه قبلة المساجد فعامره كعامر جميع المساجد ولان كل بقعة منه مسجدٌ او أريد جنس المساجد

واذا لم يصلحوا لان يعمروا جنسها دخل تحت ذلك ان لا يعمروا المسجد الحرام الذی هو صدر الجنس وهو آكد اذ طريقه طريق الكناية كما تقول: فلان لا يقرء كتب الله فانه انفىٰ لقراءة القرآن من تصريحك بذلك ﴿شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ﴾ باعترافهم بعبادة الاضام وهو حال من الواو فی يعمروا والمعنىٰ ما استقام لهم ان يجمعوا بين امرين متضادين عمارة متعبدات الله مع الكفر بالله وبعبادته ﴿اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۖۚ وَفِی النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ﴾ دائمون (المدارك)

اللہ تعالیٰ کی مسجدیں وہی آباد کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ دی اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرا سو وہ لوگ امیدوار ہیں کہ ہدایت والوں میں سے ہوں

خلاصہ

مساجد کو آباد رکھنا صرف ان لوگوں کا کام ہے جو دل سے اللہ، رسول اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز، زکوٰۃ اور اسلامی فرائض کی پابندی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اس لئے مساجد کی حفاظت اور تطہیر کی خاطر جہاد کے لئے تیار رہتے ہیں ایسے مؤمنین جو دل، زبان، ہاتھ پاؤں، مال و دولت ہر چیز سے اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرمانبردار ہیں ان کا فرضِ منصبی ہے کہ مساجد کو آباد رکھیں اور تعمیر مساجد کے جھوٹے دعوے رکھنے والے مشرکین کو خواہ وہ اہل قرابت ہی کیوں نہ ہوں وہاں سے نکال باہر کریں کیونکہ ان کے وجود سے مساجد اللہ کی آبادی نہیں بربادی ہے۔ (خلاصہ تفسیر عثمانی وغیرہ)

نکتہ

مساجد کی حفاظت جہاد سے ہے اور جہاد کی دعوت اور تربیت مساجد سے ہے مساجد آباد کرنا ایمان والے مجاہدین کا کام ہے، مجاہدین مساجد سے دور ہوتے ہیں تو ان کا جہاد کمزور پڑ جاتا ہے۔ مجاہدین کے ذمہ لازم ہے کہ مساجد کو آباد رکھیں اور مساجد کی حفاظت کریں۔ آیت مبارکہ میں غور فرمائیں اور اس کے سیاق وسباق (آگے پیچھے کی آیات) کو دیکھیں تو یہ نکتہ آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فوائد

❶ آیت میں ایمان باللہ کا ذکر ہے ایمان بالرسول کا نہیں؟ جواب اس کا یہ ہے کہ ایمان باللہ میں ایمان بالرسول خود بخود آ گیا کیونکہ یہ دونوں لازم ملزوم ہیں اور کلمہ شہادت سے لیکر اذان اقامت اور تشہد میں دونوں کا تذکرہ ساتھ ساتھ ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ آیت میں نماز اور زکوٰۃ کا بھی تذکرہ ہے اور یہ وہ چیزیں ہیں جن کو رسول لائے

ہیں اس لئے ایمان بالرسول بھی ثابت ہوگیا۔ ولم یذکر الایمان بالرسول علیه السلام لما علم ان الایمان باللّٰه قرینة الایمان بالرسول لا قترانهما فی الاذان والاقامة وکلمة الشهادة وغیرها، اودل علیه بقوله وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَی الزَّكٰوةَ (المدارک)

۲ وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرے یعنی دین کے معاملے میں غیر اللہ سے ڈر کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے یا اللہ کے سوا کسی سے ڈر کر اسکی عبادت نہ کرے۔ طبعی خوف مراد نہیں ہے درندے اور سانپ بچھو سے ڈرنا اس کے منافی نہیں ہے۔

إن قیل: ما من مؤمن الّا وقد خشی غیر اللّٰه، ومازال المومنون والا نبیاء یخشون الاعداء من غیر هم قیل له: المعنیٰ ولم یخش الا اللّٰه مما یعبد فان المشرکین کانوا یعبدون الاوثان ویخشونها ویرجونها جواب ثان ای لم یخف فی باب الدین الا اللّٰه (القرطبی)

"اور یہ جو ارشاد فرمایا کہ اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرے اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ دین کے معاملہ میں کسی کے خوف سے اللہ کے حکم کو ترک نہ کرے ورنہ خوف کی چیزوں سے ڈرنا اور دہشت کھانا تو تقاضائے عقل وفطرت ہے، درندے اور زہریلے جانور، چور ڈاکو سے طبعی طور پر ڈرنا اس کے خلاف نہیں، یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جب جادوگروں نے رسیوں کے سانپ بنا کر دکھلائے تو ڈر گئے۔

فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی، اس لئے ایذاء اور نقصان پہنچانے والوں سے طبعی خوف نہ حکم قرآنی کے خلاف ہے، نہ رسالت اور ولایت کے، ہاں اس خوف سے مغلوب ہو کر اللہ تعالیٰ کے احکام میں خلل ڈالنا یا ان کو ترک کر دینا یہ مؤمن کی شان نہیں، یہی اس جگہ مراد ہے۔" (معارف القرآن)

۳ اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مساجد کی تعمیر وعبادت میں کیا کیا کام آتے ہیں؟ امام نسفیؒ لکھتے ہیں:

عمارتها رم ما استرم منها وقمها و تنظیفها وتنویر ها بالمصابیح وصیانتها مما لم تبن له المساجد من احادیث الدنیا لأنها بنیت للعبادة والذکر ومن الذکر درس العلم

۱ مسجد میں ٹوٹ پھوٹ ہو جانے پر اسکی اصلاح کرنا ۲ جھاڑو دینا ۳ اسے پاک صاف رکھنا ۴ چراغوں وغیرہ سے روشنی کا انتظام کرنا ۵ وہ چیزیں جن کیلئے مساجد کو نہیں بنایا گیا جیسے دنیا کی باتیں وغیرہ ان سے مساجد کی حفاظت کرنا۔ مساجد تو عبادت اور ذکر کیلئے بنائی گئی ہیں اور ذکر میں علم پڑھنا پڑھانا بھی شامل ہے۔ (المدارک)

تفسیر مظہری میں ہے:

عمارت مساجد سے اس جگہ مراد ہے ہمیشہ عبادت، ذکر الٰہی اور علم وقرآن کی تعلیم سے مسجدوں کو آباد رکھنا۔ مسجدوں کی آبادکاری کے ذیل میں آتا ہے مسجد کو بنانا، سجانا، روشن کرنا، اور نامناسب امور سے اس کی حفاظت کرنا مثلاً خرید وفروخت اور دنیا کی باتوں سے اس کو پاک کرنا۔ (مظہری)

انوار البیان میں ہے:

مسجد بنانا اور اس کا نظم ونسق سنبھالنا، مرمت کرنا، نمازیوں کی واقعی ضرورتیں پوری کرنا یہ سب مسجد کی آبادکاری میں داخل ہے لیکن مسجد کی آبادکاری جو دوسری شان سے ہے وہ اس سے بڑھکر ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مساجد کو نمازیوں سے، ذکر سے، تلاوت سے، تعلیمی حلقوں سے تدریس قرآن سے آباد رکھا جائے کیونکہ مساجد کی اصل بناء انہی امور کے لئے ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ مسجد کا دھیان رکھتا ہے تو اس کے لئے ایمان کی گواہی دے دو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ (مشکوۃ عن الترمذی وابن ماجه)۔ (تفسیر انوار البیان)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد نبوی شریف میں جہاد کی باقاعدہ دعوت دی جاتی تھی وہیں سے جہاد کا اعلان ہوتا تھا جہاد کیلئے اموال جمع کیئے جاتے تھے اور جہاد کی تشکیل ہوتی تھی۔ مساجد کو ان کاموں سے بھی آباد رکھنا چاہیے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

۴ فَعَسٰۤی اُولٰٓئِکَ اَنۡ یَّکُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُہۡتَدِیۡنَ

ایسے لوگوں کیلئے وعدہ ہے کہ وہ اپنے مقصود کو پہنچ جائیں گے جو نجات اور جنت ہے (ماجدی) یعنی اللہ تعالیٰ ان کو جنت تک پہنچنے کا راستہ بتادے گا۔ دنیا میں اللہ کی طاعت اور عبادت میں لگنا نصیب ہوگا اور پھر یہ طاعت اور عبادت جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ بن جائے گی۔ (انوار لبیان)

فائدہ

تفسیر ابن کثیر اور دیگر تفاسیر میں اس آیت کے ذیل میں فضائل مساجد پر احادیث جمع فرمائی ہیں۔ تعمیر مساجد کی فضیلت، مساجد میں صفائی کرنے کی فضیلت، مساجد میں بیٹھنے کی فضیلت وغیرہ اور وہ روایات بھی جمع فرمائیں ہیں جن میں مساجد کو دنیاوی باتوں سے پاک رکھنے کی تاکید ہے۔

اہل اسلام کو چاہیے کہ مساجد کی طرف لوٹ آئیں اور مساجد کو خوب خوب آباد کریں، دنیا بھر کی مساجد کی حفاظت کریں اور مساجد کی آزادی اور حفاظت کی خاطر جہاد کریں اور دینی تحریکوں کو چاہیے کہ وہ ہالوں اور ہوٹلوں کے بجائے مساجد کو آباد کریں اس سے انکی تحریکیں فتنوں سے محفوظ رہیں گی اور ان میں خالص دینی روح پیدا ہوگی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُورَةُ التَّوْبَة مَدَنِيَّة　آیت ۱۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ

کیا تم نے حاجیوں کا پانی پلانا اور مسجد حرام کا آباد کرنا اس کے برابر کردیا جو

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ

اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑا اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ برابر نہیں

عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۹

ہیں اور اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو راستہ نہیں دکھاتا

خلاصہ

حاجیوں کو پانی پلانے والے اور مسجد حرام کی تعمیر وخدمت کرنے والے لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان لوگوں کے برابر نہیں ہوسکتے، جو ایمان لائے اور جنہوں نے جہاد فی سبیل اللہ کیا...... جو ایمان نہیں لائے وہ کبھی ایمان والے مجاہدین کے برابر نہیں ہوسکتے خواہ کعبہ شریف کی جتنی خدمت کرلیں اور حاجیوں کا جتنا اکرام کرلیں...... اور جو ایمان لائے ہیں ان میں بھی جہاد کرنے والے مؤمن ان مسلمانوں سے افضل ہیں جو حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں اور مسجد حرام کی تعمیر وخدمت میں مشغول رہتے ہیں...... یعنی جہاد فی سبیل اللہ ''احب الاعمال الی اللہ'' ہے...... اللہ تعالیٰ ایسی باتوں کی سمجھ ظالموں کو عطا نہیں فرماتے......

اقوال وحوالے

ترک جہاد کے دوسرے عذر کی نفی

حضرت لاہوریؒ لکھتے ہیں:

مسلمان مسجد میں بیٹھ کر ذکر وفکر کرنے اور ان کے آباد رکھنے کو ترک جہاد کا عذر نہیں بنا سکتے۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

ایمان بھی افضل اور جہاد بھی افضل

''ایمان اور جہاد میں سے ہر ایک افضل ہے سقایہ (حاجیوں کو پانی پلانے) اور عمارۃ (مسجد حرام کی تعمیر) ہر ایک سے یعنی ایمان بھی دونوں سے افضل ہے اور اس سے جواب ہوگیا مشرکین کا کہ ان میں ایمان نہ تھا اور جہاد بھی دونوں سے افضل ہے اس سے جواب ہوگیا بعض مؤمنین کا جو ایمان کے بعد سقایہ اور عمارت کو جہاد سے افضل سمجھتے

تھے۔"(بیان القرآن "تسہیل")

جہاد مسجد حرام کا متولی بننے سے بھی افضل ہے

"اس سے معلوم ہوا کہ ایمان تو تمام اعمال سے افضل ہے ہی، جہاد فی سبیل اللہ بھی حجاج کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی دیکھ بال اور تولیت سے افضل ہے۔"

اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا: لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ یہ لوگ اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اصل مقصود جہاد کی افضلیت کا بیان ہے

مفسرین حضرات نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا جامع خلاصہ حضرت شیخ الاسلام کی اس تحریر میں ملاحظہ فرمائیں۔

"مشرکین مکہ کو اس پر بڑا ناز تھا کہ ہم حاجیوں کی خدمت کرتے، انہیں پانی پلاتے، کھانا کپڑا دیتے اور مسجد حرام کی مرمت یا غلاف کعبہ یا روشنی وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں اگر مسلمان اپنے جہاد و ہجرت وغیرہ پر نازاں ہیں تو ہمارے پاس عبادات کا یہ ذخیرہ موجود ہے۔ ایک زمانہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابلے میں اس طرح کی بحث کی تھی بلکہ صحیح مسلم میں ہے کہ ایک دفعہ چند مسلمان آپس میں جھگڑ رہے تھے (یعنی بحث کرر ہے تھے) کوئی کہتا تھا کہ میرے نزدیک اسلام لانے کے بعد حاجیوں کو پانی پلانے سے زیادہ کوئی عبادت نہیں۔ دوسرے نے کہا میرے خیال میں اسلام کے بعد بہترین عمل مسجد حرام کی خدمت ہے مثلاً جھاڑ و دینا یا روشنی وغیرہ کرنا تیسرا بولا کہ جہاد فی سبیل اللہ تمام عبادات و اعمال سے افضل و اشرف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ڈانٹا کہ تم "جمعہ" کے وقت منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر اسطرح بحثیں کرر ہے ہو، ذرا صبر کرو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے فارغ ہو جائیں گے آپ سے یہ چیز دریافت کر لی جائے گی چنانچہ جمعہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الخ یعنی حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کا ظاہری طور پر بسانا، ایمان باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ میں سے کسی ایک کے برابر عمل نہیں ہو سکتا افضل ہونا تو کجا؟ (یعنی افضل ہونا تو دور کی بات ہے) یہاں جہاد کیساتھ ایمان باللہ کا ذکر یا تو اس لئے کیا کہ مشرکین کے فخر و غرور کا جواب بھی ہو جائے کہ تمام عبادات کی روح ایمان باللہ ہے، اس روح کے بغیر حاجیوں کو پانی پلانا یا مسجد حرام کی خدمت کرنا محض مردہ عمل ہے۔ تو یہ بے جان اور مردہ عمل ایک زندہ جاوید عمل کی برابری کیسے کر سکتا ہے؟ وَمَا يَسْتَوِى الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ (فاطر رکوع ۳) اور اگر مؤمنین کے باہمی اعمال کا موازنہ کرنا ہے تو ایمان باللہ کا ذکر جہاد فی سبیل اللہ کی تمہید کے طور پر ہوگا۔ اصل مقصود جہاد وغیرہ عزائم اعمال کی افضلیت کا بیان فرمانا ہے ایمان کے ذکر سے تنبیہ فرما دی کہ جہاد فی سبیل اللہ ہو یا کوئی عمل ایمان کے بغیر ہیچ اور لاشئے محض ہے...... ان عزائمِ اعمال جہاد ہجرت وغیرہ کا تقوّم بھی ایمان باللہ سے ہوتا ہے اور اس نکتہ کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جو فہم سلیم رکھتے

ہیں ظالمین (بے موقع کام کرنے والوں) کی ان حقائق تک رسائی نہیں ہوتی۔ (تفسیر عثمانی ”تسہیل“)

خودکو جہاد سے مستثنٰی کرنے والوں کو تنبیہ

”گزشتہ آیات میں ابتدائی تعلیم (یعنی بنیادی احکام) پر زور دیا گیا تھا، اب ایک شخص اسی کو اپنی زندگی کا انتہائی مقصد بنالیتا ہے اور کہتا ہے نماز پڑھنا اور دوسرے لوگوں کو چند اعمال کا پابند کرنا ہی حقیقت اسلام ہے، ان ہی باتوں کو وہ اعلیٰ تعلیم خیال کرتا ہے (یعنی مکمل دین) اور انکی وجہ سے اپنے آپ کو حقیقی جہاد فی سبیل اللہ سے مستثنٰی کرنا چاہتا ہے، مگر حسب ذیل آیات حقیقت کو یوں بے نقاب کرتی ہیں۔ اَجَعَلۡتُمۡ سِقَایَةَ الۡحَآجِّ الخ ......

آگے لکھتے ہیں:

قرآن نے دوسری جگہ اسی (جہاد فی سبیل اللہ) کو احب الاعمال الی اللہ قرار دیا اور فرمایا

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيۡنَ يُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمۡ بُنۡيَانٌ مَّرۡصُوۡصٌ (۶۱:۴)

آگے لکھتے ہیں:

اس طرح یقین کرلو کہ مساجد الٰہی کی تعمیر اور مجاہد فی سبیل اللہ میں برابر کوئی نسبت نہیں اور جو یہ خیال کرے کہ دونوں برابر ہیں تو قرآن حکیم ان کو ظالم کے نام سے یاد کرتا ہے اس لئے کہ قوموں کی حیات وممات کے راز سے وہ واقف نہیں، اگر تمہیں خیال ہو کہ احادیث میں افضل الاعمال نماز کو کہا گیا ہے تو وہ بھی اپنے درجہ میں ٹھیک ہے، یعنی انفرادی حیثیت میں وہی بہترین عمل ہے مگر جب قوم کی زندگی اور موت کا سوال ہوگا تو اسوقت اعلیٰ ترین عمل یہی جہاد فی سبیل اللہ قرار دیا جائے گا۔ (تفسیر الفرقان)

نکتہ

پچھلی آیت میں یہ سبق تھا کہ مجاہدین مساجد کی تعمیر کریں، انہیں آباد رکھیں اور انکی حفاظت وتطہیر کریں یہ انکی لازمی ذمہ داری ہے......اور اس آیت میں یہ سبق ہے کہ مساجد کی آبادی حتیٰ کہ مسجد حرام کعبہ شریف کی آبادی اور خدمت بھی جہاد فی سبیل اللہ کے برابر نہیں ہے...... دراصل حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کی تعمیر وخدمت کرنا ایسے اعمال ہیں جن میں بے حد روحانی کشش ہے اس لئے کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان انہیں میں مشغول ہو کر جہاد سے منہ موڑلیں......

یہ کام بھی مسلمانوں نے خود ہی کرنے ہیں مگر ساتھ ساتھ انہوں نے فریضہ جہاد کو بھی زندہ رکھنا ہے اور جہاد ان کاموں سے افضل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے غالباً اسی آیت کے مفہوم کو سامنے رکھ کر عابد الحرمین حضرت فضیل بن عیاضؒ کو وہ اشعار لکھے تھے جو مشہورِ عالم ہیں ؎

یا عابد الحرمین لو ابصرتنا

لعلمت انك بالعبادة تلعب

حضرت فضیل بن عیاضؒ نے بھی ان کے اس دعوے کی تصدیق فرمائی کہ جہاد فی سبیل اللہ بے شک زیادہ فضیلت

والاعمل ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

پس مجاہدین کرام کو جہاد فی سبیل اللہ جاری رکھتے ہوئے مساجد کی تعمیر و آبادی اور حفاظت کی ترتیب بنانی چاہیے۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ

اور اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو راستہ نہیں دیتا۔

’’آخر آیت میں وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ فرما کر بتلا دیا کہ یہ کوئی دقیق اور باریک بات نہیں بلکہ بالکل واضح ہے کہ ایمان سارے اعمال کی بنیاد اور ان سب سے افضل ہے، اور یہ کہ جہاد بہ نسبت عمارت مسجد اور سقایۃ الحجاج کے افضل ہے، مگر اللہ تعالیٰ بے انصاف لوگوں کو سمجھ نہیں دیتا اس لئے وہ ایسی کھلی اور ظاہری باتوں میں بھی کج بحثی کرتے رہتے ہیں۔ (معارف القرآن)

تھوڑا سا غور فرمائیں

آج اگر ایک مسلمان کو یہ سعادت نصیب ہو جائے کہ وہ اپنے مال سے مسجد حرام اور خانہ کعبہ کی تعمیر اور دیکھ بھال کرے اور حجاج کرام کی خدمت کرے تو ایسے مسلمان کو کتنا خوش نصیب سمجھا جائے گا اور بے شک وہ ہے بھی خوش نصیب...... مگر جہاد فی سبیل اللہ کا عمل اس شخص کے عمل سے بھی اعلیٰ اور افضل ہے پس مجاہد کی خوش نصیبی کا خود اندازہ لگا لیجئے...... واللہ اعلم بالصواب

سعادت تو جان و مال کی قربانی میں ہے

تفسیر حقانی میں ہے: ’’رہا حاجیوں کا پانی پلانا جس پر حضرت عباسؓ کو بھی فخر تھا اور جس کو وہ جہاد اور ہجرت کے برابر سمجھتے تھے اسکی نسبت فرمایا کہ کیا یہ کام اللہ اور قیامت پر ایمان لانے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے برابر ہو سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں یہ کام ان کو سعادت کا راستہ نہیں دکھائے گا۔ سعادت تو جان اور مال اللہ کی راہ میں صرف کرنے سے حاصل ہوتی ہے سو وہ ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ میں ہے۔ (تفسیر حقانی)

سُوْرَۃُ الْاَنْفَالِ مَدَنِیَّۃٌ آیت ۲۰،۲۱،۲۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ

جو لوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑے اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے لڑے

وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾

اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کیلئے بڑا درجہ ہے اور وہی لوگ مراد پانے والے ہیں

یُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِیْهَا نَعِیْمٌ

انہیں ان کا رب اپنی طرف سے مہربانی اور رضا مندی اور باغوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں انہیں

مُّقِیْمٌ ﴿۲۱﴾ ۙ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۲﴾

ہمیشہ کا آرام ہوگا ان میں ہمیشہ رہیں گے بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا ثواب ہے

خلاصہ

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا ان لوگوں کا اللہ تعالیٰ کے قرب میں بہت اونچا درجہ ہے اور یہی لوگ مکمل اور پورے کامیاب ہیں اللہ تعالیٰ ان کو خوشخبری دیتا ہے اپنی طرف سے بڑی رحمت کی، اور بڑی رضامندی کی اور ایسی جنتوں کی جن میں ان کے لئے دائمی نعمتیں ہونگی یہ ان جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کے پاس بہت بڑا اجر ہے......

اقوال و حوالے

مبارکبادیاں

ایمان و ہجرت کے بعد جانی اور مالی جہاد کرنے والوں کا درجہ بہت بلند ہے ایسے لوگوں کو رحمت، رضوان اور جنت کی مبارکبادیاں مل رہی ہیں، ان نعمتوں سے کبھی علیحدہ نہیں کیے جائیں گے۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

پورے کامیاب یہی لوگ ہیں

اور پورے کامیاب یہی لوگ ہیں کیونکہ ان کے مقابلہ میں جو مشرک ہیں ان کو تو کامیابی کا کوئی درجہ ہی حاصل نہیں اور جو مسلمان ہیں اگرچہ کامیابی میں وہ بھی شریک ہیں مگر ان صفات (ہجرت اور جہاد) والوں کی کامیابی ان سے بڑھی ہوئی ہے اس لئے کامیاب یہی لوگ ہیں۔ (بیان و معارف تسہیل)

انسانیت کے بلند ترین درجے تک پہنچانے والی چار صفات

امام رازیؒ نے یہ عجیب نکتہ بیان فرمایا ہے:

فقال : ان من کان موصوفابھذہ الصفات الاربعة کان اعظم درجة عنداللّٰہ الخ

امام رازیؒ کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے:

اس آیت میں بتایا گیا کہ جس شخص میں چار صفات ہونگی اس کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا درجہ ہوگا۔ وہ چار یہ ہیں ❶ ایمان ❷ ہجرت ❸ اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال سے جہاد کرنا ❹ اللہ کے راستے میں جان سے جہاد کرنا۔

ہم نے جو یہ کہا کہ ان چار صفات والے لوگ انتہاء درجے کی بلندی اور مقام پر ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ انسان کے پاس تین ہی چیزیں ہوتی ہیں ❶ روح۔ ❷ بدن۔ ❸ مال۔...... جہاں تک روح کا تعلق ہے تو جب اس سے کفر دور ہوگیا اور اس میں ایمان آ گیا تو وہ سعادت کے بڑے مرتبے تک پہنچ گئی...... باقی رہا بدن اور مال تو ہجرت کی وجہ سے وہ دونوں نقصان میں پڑے اور جہاد کی وجہ سے ان دونوں کو ہلاکت کی جگہ ڈالا گیا...... ظاہر بات ہے کہ جان اور مال انسان کو محبوب ہیں اور انسان کبھی بھی اپنی محبوب چیز کو ہلاکت میں نہیں ڈالتا مگر اس وقت جب اُسے اس سے بھی زیادہ محبوب چیز ملنے کی اُمید ہو...... پس اگر مجاہدین کے نزدیک اللہ کی رضا اپنی جان اور مال سے زیادہ محبوب نہ ہوتی تو وہ کبھی اپنی جان و مال کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے قربان کرنے پر تیار نہ ہوتے...... پس ثابت ہوگیا کہ ان چار صفات کا حاصل کرنے والا انسان بشریت کے بلند ترین درجے اور ملائکہ کے پہلے درجے تک پہنچ جاتا ہے۔ (انبیاء علیہم السلام کا درجہ اس سے بہت بلند ہے) (تفسیر کبیر)

صاحب تفسیر حقانی نے بھی اسی مضمون کو تھوڑے سے فرق سے بیان فرمایا ہے طالب علم وہاں سے ملاحظہ فرمالیں یہاں ان کے چند جملے پیش خدمت ہیں آپ اس پر خوب غور فرمائیں۔

واضح ہو کہ انسان کے لئے تین چیزیں ہیں روح، بدن، مال۔ جب تک وہ تینوں کو مہذب اور درست نہ کرے گا سعادت کا منہ نہ دیکھے گا۔ روح کی تہذیب (یعنی پاکی اور اصلاح) یہ ہے کہ اللہ اور قیامت پر ایمان لاوے۔ روح جب منور ہوجاتی ہے تو اپنے حیز طبعی (یعنی اصل مقام) عالم نور اور عالم سرور کی طرف بے خود ہوکر کھنچی جاتی ہے ......اور مال کے صرف کرنے کا موقع بنی نوع (انسانوں) کی نفع رسانی اور انکو ورطہ ہلاکتِ جاودانی (یعنی ہمیشہ کی ہلاکت) سے نکال کر کرسی سعادت پر بٹھانے میں ہے اور اپنے محبوب حقیقی (اللہ تعالیٰ) کا نام پاک زمین پر روشن کرنے میں ہے اور اس راستہ میں جو سدِ راہ (یعنی رکاوٹ) ہیں ان کو دور کرنے میں ہے اور اس کا نام جہاد ہے ...... جہاد کیا ہے؟ گویا جلتوں کو آگ میں سے نکالنا یا ڈوبتوں کو تھامنا ہے۔ اس میں جان اور بدن اور مال تینوں صرف ہوتے ہیں اور انکی پوری تہذیب (یعنی پاکی اور اصلاح) اور آراستگی ہوجاتی ہے اور یہ لوگ گویا ہمیشہ کیلئے توحید اور حق

پرستی کا نشان زمین پر چھوڑ جاتے ہیں...... جس کے صلہ میں ان کو سعادت عظمیٰ اور حیات جاودانی عطا ہوتی ہے۔اس لئے اوّل ان کے مساعی جمیلہ کو بیان فرماتا ہے اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ...... الخ یہ تین کام ہوئے ایمان لانا، ہجرت کرنا، جہاد کرنا، اب ان کے نتائج ذکر کرتا ہے اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ان کا درجہ خدا کے نزدیک بہت بڑا ہے یہ ایک بات ہوئی وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ اور وہی کامیاب اور بامراد ہیں یہ دوسری بات ہوئی۔ یُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ کہ ان کا رب اپنی رحمت کی انہیں بشارت دیتا ہے ان کا رب اپنی رحمت اور جو کچھ مقام عشق میں لطف دے رہا ہے وہ بیان سے باہر ہے یہ تیسری بات ہوئی اس تیسری بات میں پھر تین چیزیں ہیں، اوّل رضوان، اپنی خوشنودی کی بشارت کہ اللہ ان سے ہمیشہ خوش رہے گا۔ دوم جنت یعنی ایسے باغ ملیں گے کہ جن میں نعیم وناز دائمی ہیں۔ سوم اس میں ہمیشہ رہا کریں گے یہ تین انعام تو ان کے تین مساعی جمیلہ (ایمان، ہجرت، جہاد) کے بدلہ میں تھے مگر اپنی طرف سے خدا تعالیٰ ایک اور بہت بڑے انعام کی خوشخبری سناتا ہے وہ ہے اجر عظیم اسکی تفسیر میں علماء کے بہت اقوال ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اَجْرٌ عَظِیْمٌ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی اجر نہیں۔ (تفسیر حقانی تسہیل)

ایمان، ہجرت اور جہاد کا بدلہ رحمت، جنت اور رضوان

امان ابوحیان نے تفسیر البحر المحیط میں یہ ایمان افروز نکتہ لکھا ہے...... پہلے عربی عبارت ملاحظہ فرمائیں کہ اس میں خوب چاشنی ہے۔

ولماكانت الاوصاف التى تحلّوا بها وصاروا بها عبيده حقيقة هى ثلاثة الايمان والهجره والجهاد بالمال والنفس قوبلوافى التبشير بثلاثةٍ الرحمة والرضوان والجنات فبدأ بالرحمة لا نها الوصف الاعم الناشئ عنها تيسيرالايمان لهم وثنى بالرضوان لانه الغاية من احسان الرّب لعبده وهو مقابل الجهاد اذ هو بذل النفس والمال، وقدم على الجنات لانّ رضاء الله عن العبد افضل من اسكانهم الجنة وفى الحديث الصحيح "ان الله تعالىٰ يقول ياهل الجنة هل رضيتم؟ فيقولون يا ربناكيف لانرضىٰ وقد با عدتنا عن نارك، وادخلتنا جنتك ،فيقول لكم عندى أفضل من ذالك فيقولون: وما افضل من ذالك؟ فيقول: أحل عليكم رضائى فلا اسخط عليكم بعدها واتىٰ ثالثا بقوله وَجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِیْهَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ اى دائم لاينقطع وهذا مقابل لقوله وهاجروا لانهم تركوا اوطانهم التى نشؤوافيها وكانوا فيها منعمين فاثروا الهجرة على دار الكفر إلى مستقر الايمان والرسالة فقوبلواذالك بالجنات ذوات النعيم الدائم (البحر المحيط)

یعنی وہ صفات تین ہیں جن سے مزین ہو کر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے حقیقی بندے بنے ❶ ایمان ❷ ہجرت ❸ مال وجان سے جہاد...... تو انہیں اُن کے مقابلے میں تین چیزوں کی خوشخبری دی گئی ❶ رحمت ❷ اللہ پاک کی رضا ❸ جنت۔ ان تین انعامات میں سب سے پہلے رحمت کو ذکر فرمایا جو سب سے عام اور ضروری ہے جو ایمان کی بدولت نصیب ہوتی ہے پھر اس کے بعد رضوان کو لایا گیا یعنی اللہ پاک کی رضا، کیونکہ یہ اللہ پاک کا اپنے بندے پر سب سے بڑا احسان ہے اور یہ جہاد کا بدلہ ہے کیونکہ جہاد میں جان و مال کی قربانی ہوتی ہے اور ''رضوان'' (یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا) کا تذکرہ جنت سے پہلے فرمایا کیونکہ اللہ پاک کی رضا جنت میں داخل کرنے سے زیادہ افضل نعمت ہے حدیثِ صحیح میں آیا ہے اللہ تعالیٰ جنت والوں سے فرمائے گا کیا تم راضی ہو؟ وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب ہم کیسے راضی نہ ہوں آپ نے ہمیں اپنی آگ سے بچایا اور جنت میں داخل فرمایا اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے پاس تمہارے لئے اس سے بھی بڑھ کر افضل چیز ہے وہ عرض کریں گے اس سے افضل کیا چیز ہے اللہ پاک فرمائے گا میں تم سے راضی ہو گیا اب کبھی ناراض نہیں ہوں گا...... اور تیسرے نمبر پر جنتوں کی ہمیشہ ہمیشہ کی نعمتوں کا ذکر فرمایا یہ ہجرت کا بدلہ ہے کیونکہ انہوں نے اپنے وہ وطن چھوڑے جن میں وہ پلے بڑھے تھے اور انہیں وہاں ہر طرح کی سہولتیں میسر تھیں مگر انہوں نے مرکز ایمان و رسالت کی طرف ہجرت کو ترجیح دی تو اس کے بدلے میں ان کو جنتوں کی دائمی نعمتیں عطا کی جائیں گی۔

حضرت شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں:

پہلی آیت میں تین چیزوں کا ذکر تھا ❶ ایمان ❷ جہاد ❸ ہجرت۔ ان تین پر بشارت بھی تین چیزوں کی دی ❶ رحمت ❷ رضوان ❸ خلود الجنۃ۔ ابوحیانؒ نے لکھا ہے کہ رحمت ایمان پر مرتب ہے، ایمان نہ ہو تو آخرت میں خدا کی رحمت و مہربانی سے کوئی حصہ نہیں مل سکتا اور رضوان جو بہت ہی اعلیٰ مقام ہے جہاد فی سبیل اللہ کا صلہ ہے مجاہد فی سبیل اللہ تمام نفسانی حظوظ و تعلقات ترک کر کے خدا کے راستہ میں جان و مال نثار کرتا ہے اور خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے انتہائی قربانی پیش کرتا ہے۔ لہٰذا اس کا صلہ بھی انتہائی ہونا چاہیے اور وہ حق تعالیٰ شانہ کی رضا کا مقام ہے۔ باقی ''ہجرت'' وہ خدا کیلئے وطنِ مولوف اور گھر بار چھوڑنے کا نام ہے۔ اس لئے مہاجر کو خوشخبری دی گئی کہ تیرے وطن سے بہتر وطن اور تیرے گھر سے بہتر گھر تجھ کو ملے گا جس میں ہمیشہ اعلیٰ درجہ کی آرائش و راحت سے رہنا ہوگا، جس سے ہجرت کرنے کی کبھی نوبت نہ آئے گی۔ (تفسیر عثمانی)

کامیاب لوگ

تفسیر الفرقان میں ہے:

''حدیث میں آتا ہے: انا امرکم بخمس اللّٰہ امرنی بھن ،الجماعۃ، والسمع، والطاعۃ، والھجرۃ، والجھاد فی سبیل اللہ میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں اور مجھے اللہ کی طرف سے ایسا ہی ارشاد ہوا ہے، لزومِ جماعت، احکام کا سننا، اطاعت امیر، ترک وطن اور جہاد فی سبیل اللہ پس کامیاب وہی رہیں گے

جواس اعلیٰ تعلیم کی جانب قدم بڑھائیں گے اور اپنی زندگی جہاد فی سبیل اللہ کے لئے وقف کر دینگے، اس کے اختیار کرنے سے انسان کے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں: ان السیف محاءٌ للخطایا (احمد) اور جنت کے ابواب بھی اسی تلوار کے سائے میں ہیں: ان ابواب الجنة تحت ظلال السیوف (مسلم) پھر کون ہے جو اس جنت کا خریدار ہے۔ (تفسیر الفرقان)

جنت کی نعمتیں ہمیشہ کے لئے

" مُّقِيْمٌ " کے لفظ نے اسے صاف کر دیا کہ انعامات جنت جتنے بھی ہوں گے مستقل، پائیدار، دائمی ہوں گے مسافرانہ انداز کے وقتی، عارضی نہ ہوں گے۔ استعارة للدائم (روح) دائم (بیضاوی)

بِرَحْمَةٍ اور رِضْوَانٍ کے صیغہ نکرہ رحمت اور رضوان الٰہی کی عظمت و کثرت کے اظہار کے لئے ہیں۔

نکرالرحمة والرضوان للتفخیم والتعظیم (بحر)

اَبَدًا یہاں خلود کے ساتھ اَبَدًا کی بھی تصریح اس لئے کردی ہے کہ محض خلود کے معنٰی زمانہ طویل کے بھی آتے ہیں اکد الخلود بالتابید لانه قد یستعمل للمکث الطویل (بیضاوی) اور یہ حقیقت ایک بار اور صاف ہوگئی ہے کہ اجر جنت، عظیم وگرانقدر ہونے کے ساتھ ساتھ دائمی اور لازوال اور غیر منقطع بھی ہوگا۔" (ماجدی)

اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ میں اسم تفضیل کا صیغہ لانے پر جو ظاہری اشکال محسوس ہوتا ہے امام رازیؒ نے اس کے تین جوابات بیان فرمائے ہیں، طلبہ علم تفسیر کبیر میں ملاحظہ فرمالیں۔

اللہ پاک کی رضا کے طلب گار

ان آیات کریمہ سے معلوم ہوا کہ جہاد فی سبیل اللہ سے ایک مؤمن کو اللہ پاک کے قرب خاص (جس کا اشارہ عنداللہ کے لفظ میں ہے) میں بڑے درجات ملتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ پاک کی رضا نصیب ہوتی ہے۔ پس مسلمانوں کو جہاد میں سبقت کرنی چاہیے اور وہ لوگ جنھوں نے جہاد کو اپنی زندگیوں سے یکسر نکال دیا ہے ان کو فکر کرنی چاہیے۔ (واللہ اعلم بالصوب)

سُورَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۲۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ

اے ایمان والو! اپنے باپوں اور بھائیوں سے دوستی نہ رکھو اگر وہ ایمان

اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ

پر کفر کو پسند کریں اور تم میں سے جو ان سے دوستی رکھے گا سو وہی

هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

لوگ ظالم ہیں

خلاصہ

ایمان والوں کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور حکم پر قریبی رشتہ داروں کو ترجیح نہ دیں۔ اور اگر ان کے قریبی رشتہ دار کفر پر پکے ہوں تو ان سے دوستی نہ رکھیں جس نے یہ غلطی کی اور اپنے قریبی رشتہ داروں کی محبت میں آ کر ہجرت اور جہاد کو چھوڑا تو ایسے لوگ ظالم ہوں گے۔

آیت مبارکہ کا ربط اور جہادی مضامین

۱ کوئی خونی رشتہ جہاد کے لئے رکاوٹ نہ بنے

کوئی دنیاوی تعلق اور کوئی نسلی وخونی رشتہ جہاد سے مانع نہیں ہوسکتا (یعنی یہ چیز جہاد چھوڑنے کا عذر نہیں بن سکتی) (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

۲ وہ تعلقات جو ہجرت وجہاد میں خلل انداز ہوں

''پچھلی آیات میں بتلایا تھا کہ جہاد و ہجرت اعظم وافضل ترین اعمال ہیں۔ بسا اوقات ان دونوں اعمال میں خویش واقارب، کنبہ اور برادری کے تعلقات خلل انداز ہوتے ہیں۔ اس لئے فرمادیا کہ جن لوگوں کو ایمان سے زیادہ کفر عزیز ہے، ایک مؤمن انہیں کیسے عزیز رکھ سکتا ہے۔ مسلمان کی شان یہ نہیں کہ ان سے رفاقت اور دوستی کا دم بھرے حتیٰ کہ یہ تعلقات اس کے ہجرت وجہاد سے مانع ہوجائیں، ایسا کرنے والے گناہ گار بن کر اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں'' (تفسیر عثمانی)

۳ جہاد میں اپنے قریبی رشتہ داروں سے لڑنا پڑے تب بھی دریغ نہ کرے

''مسلمانوں کو کفار سے اعلاناً جنگ کا حکم دیا گیا جہاں فریق مخالف میں سے ان کو اپنے بال بچوں، کنبہ برادری

(یعنی خاندان) سے لڑنا پڑتا تھا۔ ایک شخص مسلمان ہوتا تھا اور اس کے باقی رشتہ دار کافر دشمن اسلام ہوتے تھے۔ اور عموماً ہجرت کا حکم بھی صادر ہوا تھا جسمیں کنبہ، بھائی بند اور جگر کے ٹکڑے جدا ہوتے تھے، تجارت بگڑتی تھی، افلاس کا منہ دیکھنا پڑتا تھا یہ ساری باتیں ایسی تھیں جو انسان کو فطری طور پر جہاد و ہجرت سے باز رکھتی تھیں مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات طے تھی کہ دنیا میں سچائی اور توحید کے انوارات پھیلانے کے لئے مسلمانوں کو مدینہ منورہ میں جمع ہو کر کفر و بت پرستی کی سیاہی کو تلوار سے دھونا ہے اس لئے تاکید کے ساتھ حکم فرمایا دیا یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کہ اے ایمان والو! اگر تمہارے باپ اور بھائی کفر کو پسند کریں تو تم ان کو دوست نہ بناؤ اور جو ایسا کرے گا وہ بے انصاف و ظالم ہوگا۔ (تسہیل از تفسیر حقانی)

فائدہ

یہ دراصل امام رازیؒ کی تحقیق ہے وہ اس آیت کو اعلان براَة کے ساتھ جوڑتے ہیں کہ جب یہ حکم ملا کہ مشرکوں سے براَة یعنی معاہدے ختم اور جنگ شروع ہونے کا اعلان کیا جائے تو مسلمانوں کو اس جنگ کے لئے ذہنی طور پر تیار کیا جا رہا ہے تو جس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو چھوڑ کر رشتہ داروں کو ترجیح دی وہ اپنا بہت بڑا نقصان کرے گا...... خود پر بڑا ظلم کرے گا۔

امام صاحبؒ لکھتے ہیں:

اعلم أن المقصود من ذکرهذه الایة ان یکون جوابا عن شبهة اخری ذکروها فی أن البراءة من الکفار غیرممکنة، و تلك الشبهة ان قالوا ان الرجل المسلم قدیکون ابوه کافراو الرجل الکافر قدیکون ابوه اوأخوه مسلماًوحصول المقاطعة التامة بین الرجل وأبیه وأخیه کالمتعذرالممتنع، واذاکان الامرکذلك کانت تلك البراءة التی امرالله بها، کالشاق الممتنع المتعذر، فذکرالله تعالیٰ هذه الایة لیزیل هذه الشبهة.(تفسیرکبیر)

رشتہ داروں کے ساتھ حد سے زیادہ بڑھے ہوئے تعلق کی مذمت

”آیات مذکورہ میں ہجرت اور جہاد کے فضائل کا بیان آیا ہے، جن میں وطن اور اعزہ، اقارب اور احباب واصحاب اور اموال واملاک سب کچھ چھوڑنا پڑتا ہے، اور ظاہر ہے کہ انسان کی طبیعت پر یہ کام سب سے زیادہ شاق اور دشوار ہیں، اس لئے اگلی آیت میں ان چیزوں کے ساتھ حد سے زیادہ تعلق اور محبت کی مذمت فرما کر مسلمانوں کے ذہنوں کو ہجرت و جہاد کے لئے آمادہ کیا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا: یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ الایة...... ماں باپ، بہن بھائی اور تمام رشتہ داروں سے تعلق کو مضبوط رکھنے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی ہدایت سے سارا قرآن بھرا ہوا ہے۔ مگر اس آیت میں یہ بتلا دیا کہ ہر تعلق کی ایک حد ہے، ان میں سے ہر تعلق خواہ ماں

باپ اور اولاد کا ہو، یا حقیقی بھائی بہن کا، اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کے مقابلے میں نظر انداز کرنے کے قابل ہے، جس موقع پر یہ دونوں رشتے ٹکرا جائیں تو پھر رشتہ و تعلق اللہ و رسول کا ہی قائم رکھنا چاہیے، اس کے مقابلہ میں سارے تعلقات سے قطع نظر کرنا چاہیے۔ (بیان و معارف القرآن)

ایک اور عجیب ربط

پچھلی آیات میں ہجرت اور جہاد کرنے والوں کے لئے بہت بڑی بڑی بشارتیں تھیں اس آیت میں اشارہ فرمایا کہ یہ دونوں کام آسان نہیں ہیں ان میں سے اپنے خونی رشتوں سے بھی ٹکراؤ اور جدائی ہوتی ہے اسی لئے مہاجر اور مجاہد اتنے بڑے انعامات کے مستحق ہوتے ہیں تفسیر مدارک وغیرہ میں ہے کہ یہ آیت مکہ مکرمہ سے ہجرت کے بارے میں نازل ہوئی کہ جب یہ حکم آیا کہ کسی کا ایمان بغیر ہجرت کے قبول نہیں ہوگا تو کچھ لوگ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مدینہ منورہ کی طرف بھاگ پڑے جبکہ کچھ کے بیوی، بچے اور رشتہ داران سے چمٹ گئے اور کہنے لگے کہ ہم تو تمہارے بغیر برباد اور ضائع ہو جائیں گے۔ اس وقت ان لوگوں نے یہ خوفناک غلطی کی کہ دل کی نرمی کا شکار ہو کر مکہ مکرمہ رک گئے اور ہجرت سے محروم رہے۔ ایسے لوگوں کو ظالم قرار دیا گیا۔ الغرض ہجرت اور جہاد کافی مشکل اعمال ہیں پچھلی آیات میں ہجرت و جہاد کرنے والوں کے لئے بشارتیں تھیں۔ اور اس آیت میں ہجرت و جہاد چھوڑنے والوں کے لئے وعید ہے...... امام رازیؒ نے اشکال فرمایا ہے کہ یہ سورۃ فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی تو ان آیات کو مکہ سے ہجرت پر کیسے محمول کیا جا سکتا ہے؟...... علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں جواب دیا ہے کہ سورۃ توبہ کے فتح مکہ کے بعد نازل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سورۃ کا اکثر حصہ فتح مکہ کے بعد نازل ہوا چنانچہ بعض آیات کا فتح مکہ سے پہلے نازل ہونا اس کے منافی نہیں بلکہ ممکن ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ایک سخت وعید

اوپر جو عبارتیں آپ نے پڑھی ہیں ان میں آیت کے آخری حصے فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ کا مطلب بھی واضح ہو گیا...... مگر امام قرطبیؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل فرمایا ہے کہ یہاں ظالم مشرک کے معنیٰ میں ہے کہ جو تم میں سے اُن سے دوستی کرے گا وہ ظالم یعنی مشرک ہو جائے گا۔

قال ابن عباسؓ : هو مشرك مثلهم لانّ من رضي بالشرك فهو مشرك (القرطبی)

یعنی حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وہ بھی انکی طرح مشرک ہے کیونکہ جو شرک پر راضی ہو وہ مشرک ہے۔

اہم سبق

مسلمانوں کو دنیا میں ایک عظیم مقصد کے لئے بھیجا گیا ہے۔ پورے عالم میں اسلام کی دعوت اور سربلندی کی خاطر مسلمان ہر وقت ہجرت اور جہاد کیلئے تیار رہتا ہے۔ پس اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ خود کو حد سے زیادہ ”گھریلو انسان“

نہ بنالے کہ بس اپنے گھر کا ہو کر اجتماعی ذمہ داریوں سے غافل ہو جائے۔ والدین، اولاد، اہل خانہ اور رشتہ داروں کی محبت خود پر اتنی غالب نہ کرلے کہ پھر انہیں جہاد کی خاطر چھوڑ نہ سکے ہر انسان نے مرجانا ہے۔ وہ لوگ بھی دنیا سے چلے گئے جنہوں نے سب کچھ چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ آپ نے پچھلی آیت میں پڑھ لیا کہ ان کے لئے اللہ پاک کے خاص قرب میں خوشیاں ہی خوشیاں نعمتیں ہی نعمتیں اور رحمتیں ہی رحمتیں ہیں۔ اور وہ لوگ بھی مرگئے جو اپنے اہل خانہ اور بچوں کے ساتھ چمٹے رہے اور ہجرت و جہاد سے محروم رہے ایسے لوگوں کو مرتے ہی عذاب کا سامنا کرنا پڑا۔ دنیا میں ہر کسی نے دوسرے سے جدا ہونا ہی ہوتا ہے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اللہ پاک کی رضا کے لئے یہ جدائی برداشت کرتے ہیں اور دنیا و آخرت میں اس کا خوب خوب بدلہ پاتے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اصل رشتہ اسلام و ایمان کا رشتہ ہے نسبی وطنی تعلقات سب اس پر قربان کرنے ہیں

"(اس آیت سے سمجھ آنے والا) ایک بنیادی مسئلہ (یہ) ہے کہ رشتہ داری اور دوستی کے سارے تعلقات پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق مقدم ہے، جو تعلق اس سے ٹکرائے وہ توڑنے کے قابل ہے، صحابہ کرام کا وہ عمل جس کی وجہ سے وہ ساری اُمت سے افضل و اعلیٰ قرار پائے یہی چیز تھی کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی جان و مال قربان اور ہر رشتہ و تعلق کو قربان کر کے زبان حال سے کہا ؎

تو نخلِ خوش ثمر کیستی کہ سرود و سمن

ہمہ ز خویش بریدند و با تو پیوستند

بلال حبشیؓ، صہیب رومیؓ، سلمان فارسیؓ اور قریش مکہ، انصار مدینہ تو (الگ الگ قوموں، قبیلوں سے ہونے کے باوجود) بھائی بھائی ہوگئے اور بدر اور احد کے میدان میں باپ بیٹے بھائی بھائی کی تلواریں آپس میں ٹکرا کر اسکی شہادت دی کہ ان کا مسلک یہ تھا کہ

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد

فدائے یک تن بیگانہ کا شنا باشد

اللّٰهم ارزقنا اتباعهم واجعل حبّك أحبَّ الأشياء الينا وخشيتك اخوف الاشياء عندنا." (معارف القرآن)

سُورَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ

کہہ دے اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں

عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا

اور برادری اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور سوداگری جس کے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو

وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ

اور مکانات جنہیں پسند کرتے ہو تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے

سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

سے زیادہ پیارے ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیجے اور اللہ تعالیٰ

الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾

نافرمانوں کو راستہ نہیں دکھاتا

خلاصہ

اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات اس لئے نہیں مانتے ......اور ہجرت اور جہاد اس لئے نہیں کرتے کہ تمہیں خیال ہے کہ اس کی وجہ سے تمہیں اپنے گھر والوں اور خاندان والوں سے جدا ہونا پڑے گا......اور تمہارے اموال ضائع ہو جائیں گے اور تمہاری تجارت بند ہو جائے گی اور تمہیں آرام دہ مکانوں سے نکل کر بے آرام ہونا پڑے گا......تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے عذاب کا انتظار کرو...... جو اس تن آسانی اور دنیا طلبی پر آنے والا ہے...... جو مشرکین کے تعلقات یا دنیوی خواہشات میں پھنس کر احکام الٰہیہ کی تعمیل نہ کریں ان کو حقیقی کامیابی کا راستہ نہیں مل سکتا۔ حدیث میں ہے کہ جب تم بیلوں کی دم پکڑ کر کھیتی باڑی پر راضی ہو جاؤ گے اور ''جہاد'' چھوڑ بیٹھو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسی ذلت مسلط کر دے گا جس سے کبھی نہیں نکل سکو گے یہاں تک کہ پھر اپنے دین یعنی جہاد فی سبیل اللہ کی طرف واپس آجاؤ۔ (تفسیر عثمانی بالتسہیل)

آیت کا موضوع

امام ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

ثم امر اللّٰه تعالیٰ رسوله ان یتوعّد من آثر اهله وقرابته وعشیرته علی اللّٰه ورسوله

وجهاد في سبيله فقال: قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ الاية

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ اُن کو وعید سنائیں (یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیں) جو اپنے گھر والوں رشتہ داروں اور خاندان والوں کو اللہ، رسول اور جہاد فی سبیل اللہ پر ترجیح دیتے ہیں پس ارشاد فرمایا: قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ (تفسیر ابن کثیر)

ہجرت کے مقام پر جہاد کا تذکرہ

پہلے ہجرت کی بات چل رہی تھی مگر اس آیت میں ہجرت کا لفظ نہیں ہے بلکہ جہاد کا تذکرہ ہے اسکی ایک وجہ حضرت تھانویؒ یوں بیان فرماتے ہیں:

مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ سے مراد چونکہ من العمل بامر الله ورسوله ہے اس میں ہجرت بھی آگئی اور جہاد کی تصریح سے مقصود مبالغہ ہے کہ ہجرت تو پھر بھی سہل (یعنی آسان) ہے مطلوب تو یہ ہے کہ جہاد کو بھی اشیاء مذکورہ پر ترجیح دی جائے جس میں اپنی جان اور کبھی ان عزیزوں کی جان کو جبکہ ان سے مقابلہ ہو جاوے بے قدر اور ہیچ سمجھنا پڑتا ہے۔ (بیان القرآن)

"مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ سے مراد من العمل بامر الله ورسوله یعنی احکام خدا اور رسول پر عمل سے عزیز تر

وفي الكلام حذف اي احب اليكم من امتثال امر الله تعالىٰ ورسوله (بحر)

وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ ...... ہجرت سے ایک درجہ ترقی کر کے یہاں نام جہاد فی سبیل اللہ لے دیا گیا ہے کہ ہجرت تو پھر بھی ہلکی چیز ہے مسلمانوں کو تو جہاد کو بھی ہر دنیوی و مادّی تعلق پر غالب رکھنا چاہیے۔" (تفسیر ماجدی)

فائدہ

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات سے بھی محبت ہو اور ان کی ذات سے بھی محبت ہو۔ امام ابن کثیرؒ نے اس پر کئی احادیث مبارکہ ذکر فرمائی ہیں تفسیر ابن کثیر میں ملاحظہ فرمالیں۔

مسلمان کا جہاد چھوڑنا قابلِ تعجب ہے

"پھر کس قدر تعجب ہے کہ ایمان باللہ کا دعویٰ کرنے کے بعد دنیاوی ضرورتوں کی وجہ سے تم جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کردو، اور اگر ایسا کیا تو اسکے معنی یہ ہونگے کہ تم اللہ کے عذاب کو دعوت دے رہے ہو، جو غلامی و محکومی کی صورت میں نازل ہوگا۔ (تفسیر الفرقان)

ایمان سے بھی دور اور عقل سے بھی دور

اللہ تعالیٰ کی وعید پر نظر نہ رکھنا اور رشتہ داریوں اور تجارتوں اور گھروں کا دھیان رکھنا اور ان کی محبت میں جہاد اور ہجرت کو چھوڑ دینا یہ ایمان سے بھی دور ہے اور عقل سے بھی۔ (انوار البیان)

جہاد سے روکنے کے لئے شیطان کا مورچہ

امام قرطبیؒ نے اس آیت مبارکہ کے ذیل میں درج ذیل حدیث ذکر فرمائی ہے:

إن الشيطان قعد لابن آدم ثلاث مقاعد: قعدله فی طريق الاسلام فقال لم تذردينك ودين ابآئك فخالفه واسلم، وقعد له فی طريق الهجرة فقال له أتذر مالك واهلك فخالفه وهاجر ثم قعد فی طريق الجهاد فقال له تجاهد فتقتل فينكح اهلك ويقسم مالك فخالفه وجاهد فحق على الله ان يدخله الجنة.

یعنی شیطان آدمی کے لئے تین راستوں پر مورچہ لگاتا ہے (یعنی اسکی تاک میں بیٹھتا ہے) ❶ وہ اسلام قبول کرنے کے راستے میں بیٹھتا ہے اور آدمی سے کہتا ہے تم کیوں اپنا اور اپنے آباواجداد کا دین چھوڑتے ہو آدمی اسکی بات نہیں مانتا اور اسلام قبول کرلیتا ہے۔ ❷ وہ اس کے ہجرت کے راستے میں بیٹھتا ہے اور اسے کہتا ہے کیا تم اپنے مال اور گھر والوں کو چھوڑ رہے ہو (یعنی مال اور اہل واولاد کی محبت کا جذبہ جگا کر ہجرت سے روکتا ہے) آدمی اس کی بات نہیں مانتا اور ہجرت کرلیتا ہے۔ ❸ پھر شیطان جہاد کے راستے میں بیٹھتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ تم جہاد کروگے تو مارے جاؤگے پھر تمہاری بیوی کی شادی (کسی اور سے) کردی جائے گی اور تمہارا مال تقسیم کردیا جائے گا، آدمی اسکی بات نہیں مانتا اور جہاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لازم فرمالیا ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔ (القرطبی)

(امام قرطبیؒ نے اسے حدیث صحیح قرار دیا ہے)

اس آیت میں جہاد کی فضیلت کا بیان ہے

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

وفی قوله ﴿وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ﴾ دليل على فضل الجهاد، و ايثاره علىٰ راحة النفس وعلائقها بالاهل والمال

یعنی اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ﴾ میں جہاد کی فضیلت پر دلیل ہے اور اس پر کہ جہاد کو ترجیح دینی چاہیے نفس کی راحت پر اور مال واہل سے محبت اور تعلق پر۔ (القرطبی)

آہ! ایسے لوگ کم ہیں

" بیضاویؒ نے لکھا ہے کہ آیت (کے حکم) میں بڑی شدت ہے اور کم ہیں ایسے لوگ جو اس (وعید) سے بچے رہتے ہیں۔ یعنی جن کو اللہ، رسول اور جہاد کی محبت ہر چیز سے زائد ہو ایسے لوگ کم ہیں"۔ (تفسیر مظہری)

امام نسفیؒ نے بھی اسی غم کا رونا رویا ہے وہ فرماتے ہیں:

والآية تنعى على الناس ماهم عليه من رخاوة عقدالدين واضطراب حبل اليقين ،

إذلاتجد عنداورع الناس مايستحب له دينه علی الأباء والابناء والاموال والحظوظ یعنی یہ آیت لوگوں پر نوحہ کررہی ہے (یعنی غم اور افسوس کا رونا رورہی ہے) انکی اس حالت کی وجہ سے جس پر وہ ہیں، یعنی دین کے معاملات میں ڈھیلا پن اور یقین میں بہت کمزوری۔ لوگوں میں سے جو زیادہ متقی ہیں وہ بھی دین کے معاملات کو ماں باپ، اولاد، اموال اور خواہشات سے زیادہ محبوب نہیں رکھتے۔

اب تو یہ جرم عار بھی نہیں

امام بیضاویؒ اور امام نسفیؒ نے تو اپنے زمانے کا رونا رویا ہے وہ اگر آج کے حالات دیکھ لیتے تو معلوم نہیں غم سے انکی کیا حالت ہوتی۔ اب تو مسلمان حد درجہ ''گھریلو ملازم'' اور ''مال کے نوکر'' بن گئے ہیں...... اکثر لوگ اپنی گھریلو زندگیوں، اولاد کی شادیوں اور خاندانی مسائل میں محدود ہو کر رہ گئے ہیں اور ایک مکان کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا بنانے کی فکر میں رہتے ہیں...... ان کی زندگیاں کئی ماہ تک جاری رہنے والی شادیوں میں برباد ہو رہی ہیں...... اور مال کمانا اور زیادہ سے زیادہ جمع کرنا ہی بڑا کمال بن چکا ہے۔ آج مال اور اولاد کی خاطر لوگ دین سے دور ہوتے ہیں، کافروں کے ملکوں میں کمانے کے لئے جاتے ہیں اور بڑے مکانات کی ہوس میں ہر ناجائز کام کرتے ہیں...... اور جہاد کا تو دور دور تک ان کے دماغوں میں تصور اور خیال بھی نہیں ہے...... چنانچہ ان کی حالت دیکھ کر زمانے کے کافر یہی کہتے پھرتے ہیں کہ جہاد غربت کی وجہ سے ہوتا ہے، چنانچہ صرف غریب مسلمان ہی جہاد کرتے ہیں اس لئے انکو مال کمانے اور مال بنانے پر لگاؤ تو یہ جہاد چھوڑ دیں گے...... ان حالات میں یہ آیت آسمانی بجلی کی طرح کڑک کر اعلان کرتی ہے کہ اپنے اہل اولاد، خاندان، مالِ تجارت اور مکان کو جہاد پر ترجیح دینے والو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا انتظار کرو...... (واللہ اعلم بالصواب)

تمام مسلمانوں سے گزارش ہے کہ وہ اس آیت مبارکہ کا صرف ترجمہ ہی چند بار پڑھ لیں اور اس عذاب سے بچنے کی دعا کریں جس کا تذکرہ اس آیت میں ہوا ہے......

ایک ناصحانہ عبارت

''ایمان قبول کرنے کے بعد ایمان کے تقاضے انسان کو شرعی احکام پر عمل کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ شرعی احکام میں بہت سی ایسی چیزیں آجاتی ہیں جو نفس پر گراں ہوتی ہیں ان میں سے ہجرت بھی ہے جہاد بھی ہے حرام مال کا چھوڑنا بھی ہے۔ شریعت کے مطابق اپنوں سے قطع تعلق کرنا بھی ہے اور بہت سے امور ہیں جو نفس کو ناگوار ہیں۔ جو لوگ یہ جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا خالق و مالک ہے اور اس کا حق سب سے زیادہ ہے اور مال بھی اس نے دیا ہے اور رشتہ داریاں بھی اسی نے پیدا فرمائی ہیں انہیں اسلامی احکام پر عمل کرنے میں کچھ بھی دشواری نہیں ہوتی وہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کو ہر چیز پر ترجیح دیتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے اندر تین چیزیں ہوگی انکی وجہ سے وہ ایمان کی مٹھاس پالے گا۔
پہلا شخص جسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دوسری تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں۔ دوسرا وہ شخص جو کسی بندہ سے صرف اللہ کے لئے محبت کرے۔ تیسرا وہ شخص جسے اللہ نے کفر سے بچادیا ہو اور وہ واپس کفر میں جانے کو برا سمجھے جیسے آگ میں ڈالے جانے کو برا سمجھتا ہے۔ (رواہ البخاری)

نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہ ہوگا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ، اسکی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔ (رواہ البخاری ص ۷ ج ۱)

ایمان کی مٹھاس سے یہ مراد ہے کہ طاعات اور عبادات میں لذت محسوس ہونے لگے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی حاصل کرنے کیلئے ہر طرح کی مشقتیں اور تکلیفیں برداشت کرنا آسان ہوجائے۔ (تفسیر انوار البیان)

اس آیت کا براءۃ سے تعلق

امام رازیؒ کے نزدیک اس آیت کا تعلق بھی براءۃ یعنی اعلان جنگ کے حکم سے ہے۔ براءۃ کے حکم میں جس جنگ کا اعلان تھا اس میں بہت قربانی کا امکان تھا۔ مد مقابل رشتہ دار اور اپنے قبائل تھے، مال، تجارت، مکانات، سب کچھ ختم ہونے کا امکان تھا تو مسلمانوں کو بتایا جا رہا ہے کہ ان چیزوں کو اللہ اور رسول کے حکم اور جہاد کے راستے کی رکاوٹ نہ بننے دو، جو بنائے گا وہ عذاب کا شکار ہوگا۔ اور بعض مفسرین کے نزدیک آیت میں ان کے لئے وعید ہے جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی ان کو بتایا گیا کہ عنقریب مکہ فتح ہوگا تو تم ذلیل وخوار ہوجاؤ گے۔ علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:

حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ای بعقوبته سبحانه لكم عاجلاً أو آجلاً على ماروى عن الحسن واختاره الجبائى، وروى عن ابن عباس ومجاهدومقاتل انه فتح مكة (روح المعانی)
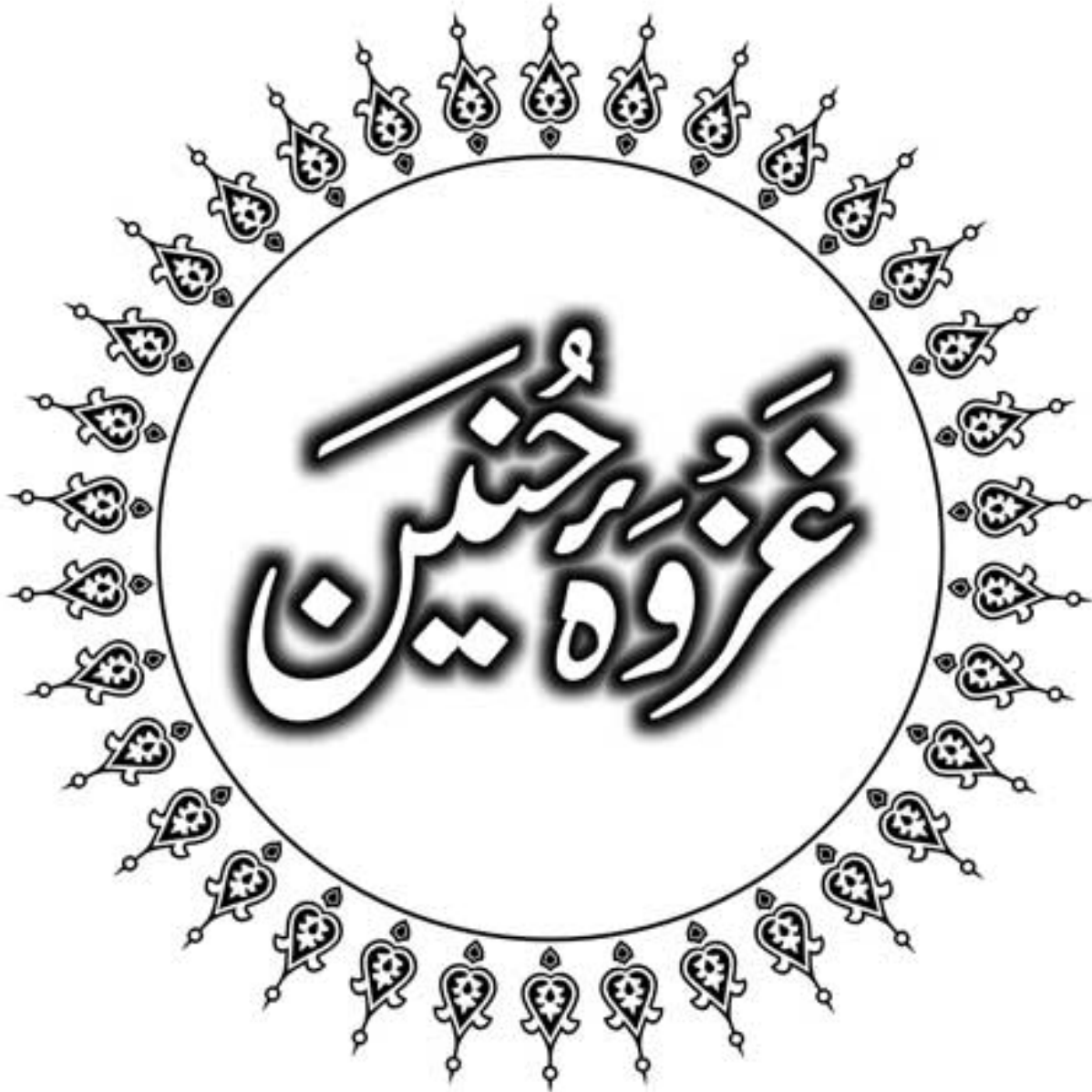
شوال ۸ھ

سورۃ توبہ آیت ۲۵ ۲۶ ۲۷ میں غزوہ حنین کا بیان ہے ملاحظہ فرمایئے غزوہ حنین کا مختصر واقعہ

غزوہ حنین

وہ جنگی معرکہ جسکی کمان بھی سرورِدوعالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے فرشتے نازل فرمائے اس غزوہ کے بہت سے واقعات اور حالات خلافِ توقع عجیب انداز میں ظاہر ہوئے جن میں غور کرنے سے انسان کے ایمان میں قوت اور عمل میں ہمت پیدا ہوتی ہے۔ اور اس غزوہ میں مسلمانوں کے لئے بہت سے اہم اسباق اور نصیحتیں ہیں۔

۲شوال ۸ھ (یکم فروری ۶۳۰ء)

حنین مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک مقام کا نام ہے، جو مکہ مکرمہ سے دس میل سے کچھ زیادہ فاصلے پر واقع ہے، رمضان ۸ھ ہجری میں جب مکہ مکرمہ فتح ہوا، اور قریش مکہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے، تو عرب کا ایک بہت بڑا مشہور بہادر جنگجو اور مالدار قبیلہ ہوازن جس کی ایک شاخ طائف کے رہنے والے بنو ثقیف بھی تھے، ان میں ہلچل مچ گئی، انہوں نے جمع ہو کر یہ کہنا شروع کیا کہ مکہ فتح ہو جانے کے بعد مسلمانوں کو کافی قوت حاصل ہو گئی ہے، اس سے فارغ ہونے کے بعد لازمی ہے کہ ان کا رخ ہماری طرف ہوگا، اس لئے دانشمندی کی بات یہ ہے کہ ان کے حملہ آور ہونے سے پہلے ہم خود ان پر حملہ کر دیں، اس کام کے لئے قبیلہ ہوازن نے اپنی سب شاخوں کو جو مکہ سے طائف تک پھیلی ہوئی تھیں جمع کر لیا، اس قبیلہ کے سب بڑے چھوٹے بجز چند معذور افراد کے جن کی تعداد ۱۰۰ سو سے بھی کم تھی، باقی سب ہی جمع ہو گئے، اس تحریک کے لیڈر مالک بن عوف، تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے اور اسلام کے بڑے علمبردار ثابت ہوئے، اس وقت مسلمانوں کے خلاف حملہ کا سب سے زیادہ جوش انہی میں تھا قبیلہ کی عظیم اکثریت نے ان کی رائے سے اتفاق کر کے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں، اس قبیلہ کی چھوٹی چھوٹی شاخیں بنو کعب اور بنو کلاب اس رائے سے متفق نہیں ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ان کو کچھ بصیرت دیدی تھی، انہوں نے کہا اگر مشرق سے مغرب تک ساری دنیا بھی محمد (ﷺ) کے خلاف جمع ہو جائے گی تو وہ ان سب پر ہی غالب آئیں گے، ہم خدائی طاقت کے ساتھ جنگ نہیں کر سکتے، باقی سب کے سب نے معاہدے کئے، اور مالک ابن عوف نے ان سب کو پوری قوت سے جنگ پر قائم رہنے کی ایک تدبیر یہ حکم دے کر کی کہ ہر شخص کے تمام اہل وعیال بھی ساتھ چلیں، اور اپنا اپنا پورا مال بھی ساتھ لے کر نکلیں، جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ میدان سے بھاگنے لگیں تو بیوی بچوں اور مال کی محبت ان کے پاؤں کی زنجیر بن جائے، میدان سے گریز کا ان کے لئے کوئی موقع ہی نہ رہے۔ ان کی تعداد کے بارے میں اہل تاریخ کے مختلف اقوال ہیں، حافظِ حدیث علامہ ابن حجر وغیرہ نے راجح اس کو قرار دیا ہے کہ چوبیس یا اٹھائیس ہزار کا مجمع تھا اور بعض حضرات نے چار ہزار کی تعداد بیان کی ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ سب اہل وعیال عورتوں بچوں سمیت تعداد چوبیس یا اٹھائیس ہزار ہوں، اور لڑنے والے نوجوان ان میں چار ہزار ہوں۔

بہر حال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ میں ان کے خطرناک عزائم کی اطلاع ملی تو آپ نے ان کے مقابلے پر جانے کا عزم فرما لیا، مکہ مکرمہ پر حضرت عتابؓ بن اُسید کو امیر بنایا اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو ان کے ساتھ لوگوں کو اسلامی

تعلیمات سکھانے کے لئے چھوڑا اور قریش مکہ سے اسلحہ اور سامان جنگ عاریت کے طور پر مانگا، صفوان بن امیہ جو قریش کا سردار تھا بول اُٹھا کہ کیا آپ یہ سامانِ جنگ ہم سے غصب کر کے لینا چاہتے ہیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں بلکہ عاریت کے طور پر لیتے ہیں جس کی واپسی ہمارے ذمہ ہوگی، یہ سن کر اس نے ۱۰۰ اسو زر ہیں مستعار دیں اور نوفل بن حارث نے ۳۰۰۰ تین ہزار نیزے اسی طرح پیش کر دیئے، امام زہریؒ کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چودہ ہزار صحابہ کا لشکر لیکر اس جہاد کی طرف متوجہ ہوئے جن میں بارہ ہزار مہاجرین وانصار تھے، جو فتح مکہ کے لئے آپ کے ساتھ آئے تھے اور دو ہزار وہ مسلمان تھے جو مکہ اور اطراف مکہ کے لوگوں میں سے بوقت فتح مسلمان ہو گئے تھے، اور جن کو طلقاء کہا جاتا ہے، اکثر مورخین اسلامی لشکر کی تعداد بارہ ہزار بیان کرتے ہیں۔ شوال کی چھٹی تاریخ ہفتہ کے دن آپ ﷺ اس غزوہ کے لئے نکلے، اور فرمایا انشاء اللہ کل ہمارا قیام خیف بنی کنانہ کے اس مقام پر ہوگا جہاں جمع ہو کر قریش مکہ نے مسلمانوں کے خلاف مقاطعہ کے لئے عہد نامہ لکھا تھا۔

یہ چودہ ہزار مجاہدین کا لشکر تو جہاد کے لئے نکلا ان کے ساتھ مکہ کے کئی لوگ مرد وعورتیں تماشائی بن کر نکلے، جن کے دلوں میں عموماً یہ تھا کہ اگر اس موقع پر مسلمانوں کو شکست ہوگی تو ہمیں بھی اپنا انتقام لینے کا موقع ملے گا، اور یہ کامیاب ہوں تو بھی ہمارا کوئی نقصان نہیں۔

اسی قسم کے لوگوں میں ایک شیبہ بن عثمان بھی تھے، جنہوں نے بعد میں مسلمان ہو کر خود اپنا واقعہ بیان کیا کہ غزوہ بدر میں میرا باپ حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے اور چچا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا جس کا جوشِ انتقام اور انتہائی غیظ میرے دل میں تھا، میں اس موقع کو غنیمت جان کر مسلمان کے ساتھ ہولیا کہ جب کہیں موقع پاؤں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر دوں، میں ان کے ساتھ ہو کر ہر وقت موقع کی تلاش میں رہا، یہاں تک کہ اس جہاد کے ابتدائی وقت میں جب مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑے اور وہ بھاگنے لگے تو میں موقع پا کر حضور (ﷺ) کے قریب پہنچا، مگر دیکھا کہ داہنی طرف حضرت عباسؓ آپ کی حفاظت کر رہے ہیں اور بائیں طرف ابو سفیان ابن حارث، اس لئے میں پیچھے کی طرف پہنچ کر ارادہ ہی کر رہا تھا کہ یکبارگی تلوار سے آپ پر حملہ کروں کہ یکا یک آپ ﷺ کی نظر مجھ پر پڑی، اور آپ ﷺ نے مجھے آواز دی کہ شیبہ یہاں آؤ اپنے قریب بلا کر دست مبارک میرے سینہ پر رکھ دیا، اور دعا کی کہ یا اللہ اس سے شیطان کو دور کر دے، اب جو میں نظر اُٹھاتا ہوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے دل میں اپنے آنکھ، کان اور جان سے بھی زیادہ محبوب ہو جاتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا جاؤ کفار کا مقابلہ کرو، اب تو میرا یہ حال تھا کہ میں اپنی جان آپ پر قربان کر رہا تھا، بڑی بے جگری کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اس جہاد سے واپس آئے تو میں خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے میرے دل کے تمام خیالات کی نشاندہی کر دی کہ تم مکہ سے اس نیت سے چلے تھے، اور میرے گرد میرے قتل کے لئے گھوم رہے تھے، مگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ تم سے نیک کام لینے کا تھا جو ہو کر رہا۔

اس طرح کا واقعہ نضر بن حارث کو پیش آیا کہ وہ بھی اسی نیت سے حنین گئے تھے، وہاں پہنچ کر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معصومیت اور محبت ڈال دی اور وہ ایک مجاہد بن کر دشمنوں کی صفوں سے ٹکرا گئے۔

اسی سفر میں ابو بردہ بن نیار کو یہ واقعہ پیش آیا کہ مقام اوطاس پر پہنچ کر دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے تشریف رکھتے ہیں، اور ایک اور شخص آپ کے پاس بیٹھا ہے آپ ﷺ نے ذکر فرمایا کہ میں سو گیا تھا یہ شخص آیا اور...... میری تلوار اپنے قبضہ میں لے کر میرے سر پر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اے محمد ﷺ! اب بتلاؤ تمہیں کون میرے ہاتھ سے بچا سکتا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ اللہ بچا سکتا ہے، یہ سن کر تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی، ابو بردہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اجازت دیجئے کہ میں اس دشمنِ خدا کی گردن ماردوں، یہ دشمن قوم کا جاسوس معلوم ہوتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابو بردہ خاموش رہو اللہ تعالیٰ میری حفاظت کرنے والا ہے جب تک کہ میرا دین سارے دینوں پر غالب نہ آجائے، اور آپ ﷺ نے اس شخص کو کوئی ملامت بھی نہ فرمائی، اور آزاد چھوڑ دیا۔

مقام حنین پر پہنچ کر مسلمانوں نے پڑاؤ ڈالا تو حضرت سہیل بن حنظلہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ خبر لے کر حاضر ہوئے کہ ایک گھڑ سوار آدمی ابھی دشمن کی طرف سے آیا ہے وہ بتلا رہا ہے کہ قبیلہ ہوازن پورا کا پورا مع اپنے سب سامان کے مقابلہ پر آگیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر تبسم فرمایا اور کہا کہ پرواہ نہ کرو یہ سارا سامان مسلمانوں کے لئے مال غنیمت بن کر ہاتھ آئے گا۔

اس جگہ ٹھہر کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہؓ بن حدرد کو جاسوس بنا کر بھیجا کہ دشمن کے حالات کا پتہ چلائیں، وہ ان کی قوم میں جا کر دو دن رہے، سب حالات دیکھتے سنتے رہے، ان کے لیڈر اور کمانڈر مالک بن عوف کو دیکھا کہ اپنے لوگوں سے کہہ رہے ہیں کہ محمد (ﷺ) کو اب تک کسی بہادر تجربہ کار قوم سے سابقہ نہیں پڑا، مکہ کے بھولے بھالے قریشیوں کا مقابلہ کر کے انہیں اپنی طاقت کا زعم ہو گیا، اب ان کو پتہ لگے گا، تم سب لوگ صبح ہوتے ہی اس طرح صف بندی کرو کہ ہر ایک کے پیچھے اس کے بیوی بچے اور مال ہو، اور اپنی تلواروں کی میانوں کو توڑ ڈالو، اور سب مل کر یکبارگی حملہ بولو، یہ لوگ جنگ کے بڑے تجربہ کار تھے، اپنی فوج کے چند دستوں کو مختلف گھاٹیوں میں چھپا دیا تھا۔

اس طرف کفار کے لشکر کی یہ تیاریاں تھیں اور دوسری طرف مسلمانوں کا یہ پہلا جہاد تھا جس میں چودہ ہزار سپاہی مقابلہ کے لئے نکلے تھے، اور سامان جنگ بھی ہمیشہ سے زیادہ تھا اور یہ لوگ بدر و احد کے میدانوں میں یہ دیکھ چکے تھے کہ صرف تین سو تیرہ بے سامان لوگوں نے ایک ہزار کے لشکر جرار پر فتح پائی، تو آج اپنی کثرت اور تیاری پر نظر کر کے حاکم اور بزار کی روایت کے مطابق ان میں سے بعض کی زبان سے ایسے کلمات نکل گئے کہ آج تو یہ ممکن نہیں کہ ہم کسی سے مغلوب ہو جائیں آج تو مقابلہ کی دیر ہے کہ دشمن فوراً بھاگے گا۔

مالک الملک والملکوت کو یہی چیز ناپسند تھی کہ اپنی طاقت پر کوئی بھروسہ کیا جائے، چنانچہ مسلمانوں کو اس کا سبق اس طرح ملا

کہ جب قبیلہ ہوازن نے قرارداد کے مطابق یکبارگی حملہ بولا اور گھاٹیوں میں چھپے ہوئے دستوں نے چار طرف سے گھیرا ڈال دیا، گرد وغبار نے دن کو رات بنادیا تو صحابہ کرامؓ کے پاؤں اکھڑ گئے اور بھاگنے لگے، صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر سوار پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے بڑھ رہے تھے اور بہت تھوڑے سے صحابہ کرامؓ جن کی تعداد تین سو اور بعض نے ایک سو یا اس سے بھی کم بتلائی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمے رہے، وہ بھی یہ چاہتے تھے کہ آپ ﷺ آگے نہ بڑھیں۔

یہ حالت دیکھ کر آپ ﷺ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ بلند آواز سے صحابہ کو پکارو کہ وہ لوگ کہاں ہیں جنہوں نے شجرہ کے نیچے جہاد کی بیعت کی تھی، اور سورۃ بقرہ والے حضرات کہاں ہیں، اور وہ انصار کہاں ہیں جنہوں نے جان کی بازی لگانے کا عہد کیا تھا، سب کو چاہیے کہ واپس آئیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں ہیں۔

حضرت عباسؓ کی ایک آواز بجلی کی طرح دوڑ گئی اور یکایک سب بھاگنے والوں کو پشیمانی ہوئی اور بڑی دلیری کے ساتھ لوٹ کر دشمن کا پورا مقابلہ کیا اور اسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی مدد بھیج دی۔ اُن کا کمانڈر مالک بن عوف اپنے اہل وعیال اور سب مال کو چھوڑ کر بھاگا اور طائف کے قلعہ میں جا چھپا اور پھر باقی پوری قوم بھاگ کھڑی ہوئی، ان کے ستر سردار مارے گئے، بعض مسلمانوں کے ہاتھ سے کچھ بچے زخمی ہوگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے منع فرمایا، ان کا سب مال مسلمانوں کے قبضہ میں آیا چھ ہزار جنگی قیدی، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں، چار ہزار اوقیہ چاندی ہاتھ آئی۔

غزوہ حنین کے بارے میں نازل ہونے والی ان آیات میں سے پہلی اور دوسری آیت میں اسی مضمون کا بیان ہے، ارشاد فرمایا کہ جب تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے غرہ ہوگیا تھا پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کارآمد نہ ہوئی اور زمین باوجود فراخی کے تم پر تنگ ہوگئی، پھر تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی تسلی نازل فرمائی اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر اور ایسے لشکر فرشتوں کے نازل کردیئے، جن کو تم نے نہیں دیکھا، اور کافروں کو تمہارے ہاتھ سے سزا دلوادی۔

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ یعنی پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور سب مسلمانوں پر اپنی تسلی نازل فرمادی۔

معنی اس کے یہ ہیں کہ غزوۂ حنین کے ابتدائی حملہ میں جن صحابہ کرامؓ کے پاؤں اکھڑے گئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب پر اپنی تسلی نازل فرمادی جس سے ان کے اُکھڑے ہوئے قدم جم گئے اور بھاگنے والے پھر لوٹ آئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان صحابہ پر جو مضبوطی کے ساتھ محاذ پر جمے رہے تسلی نازل فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اپنی فتح قریب نظر آنے لگی اور چونکہ تسلی کی یہ دو قسمیں تھیں ایک بھاگنے والوں کی دوسری رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمے رہنے والوں کی اسی طرف اشارہ کرنے لئے عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ کو علیحدہ علیحدہ تکرار عَلٰی کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔

اور اس کے بعد فرمایا وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا یعنی ایسے لشکر نازل فرمائے جن کو تم نے نہیں دیکھا،

اس سے مراد عام طور پر لوگوں کا نہ دیکھنا ہے، احاد وافراد سے جو بعض روایتوں میں اس لشکر کا دیکھنا منقول ہے وہ اس کے منافی نہیں۔

پھر فرمایا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ یعنی کافروں کو اللہ تعالیٰ نے سزا دی اور کافروں کی یہی سزا ہے، سزا سے مراد ان کا مسلمانوں کے ہاتھوں مفتوح اور مغلوب ہونا ہے جو واضح طور پر مشاہدہ میں آیا، مطلب یہ ہے کہ دنیاوی سزا تھی، جو فوری طور پر مل گئی، آگے آخرت کے معاملہ کا ذکر بعد کی آیات میں اس طرح آیا ہے:

ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ''یعنی پھر اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں توبہ نصیب کردیں، اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے بڑی رحمت کرنے والے ہیں'' اس میں اشارہ ہے کہ اس جہاد میں جن لوگوں کے ہاتھوں مغلوب اور مفتوح ہونے کی سزا مل چکی ہے اور ابھی تک وہ اپنے کفر پر قائم ہیں، ان میں سے بھی کچھ لوگوں کو توفیقِ ایمان نصیب ہوگی، چنانچہ ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔

تقسیمِ غنائمِ حنین

طائف سے چل کر آپ ذی القعدہ الحرام کو جعرانہ پہنچے جہاں مالِ غنیمت جمع تھا، چھ ہزار قیدی، چوبیس ہزار اونٹ چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی یہاں پہنچ کر آپ ﷺ نے دس دن سے زیادہ ہوازن کا انتظار کیا کہ شاید وہ اپنے عزیزوں بچوں اور عورتوں کو چھڑانے آئیں لیکن جب دس بارہ روز کے انتظار کے بعد بھی کوئی نہ آیا تب آپ ﷺ نے مالِ غنیمت غانمین پر تقسیم کردیا۔ (ابن حجر، فتح الباری ج ۸ ص: ۳۸ا ابن سید الناس، عیون الاثر ج ۲، ص: ۱۹۳)

تقسیمِ غنائم کے بعد ہوازن کا وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، جس میں نو آدمی تھے اسلام قبول کیا اور آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اور بعد ازاں اپنے اموال اور اہل وعیال کی واپسی کی درخواست کی، آپ ﷺ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہ اسی قبیلہ کی تھیں۔ اس قبیلہ کے خطیب زہیر بن ضرد نے کھڑے ہوکر عرض کیا: یارسول اللہ! ان اسیروں میں آپ (ﷺ) کی پھوپھیاں، خالائیں، اور گود کھلانے والیاں ہیں، اگر کسی بادشاہ یا امیر سے ہمارے اس قسم کے تعلقات ہوتے تو بہت مہربانی ہوتی اور آپ (ﷺ) کی شان تو ان سب سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔ ہم پر جو مصیبت آئی ہے وہ آپ پر مخفی نہیں، آپ ہم پر احسان کیجئے اللہ آپ پر احسان کرے گا اور یہ شعر پڑھے۔

امنن علینا رسول اللہ فی کرم   فانک المرء نرجوہ وندخر

آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے تمہارا بہت انتظار کیا اور اب غنائم تقسیم ہوچکے ہیں دو چیزوں میں سے ایک چیز اختیار کرلو قیدی یا مال۔ وفد نے کہا: آپ (ﷺ) نے ہم کو مال اور حسب میں اختیار دیا ہے ہم حسب نسب کو اختیار کرتے ہیں اور اونٹ اور بکری کے بارے میں آپ (ﷺ) سے کچھ نہیں کہتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے اور خاندان بنی ہاشم وبنی المطلب کے حصہ میں جو کچھ آیا ہے وہ سب

تمہارا ہے لیکن اور مسلمانوں کے حصہ میں جو کچھ جاچکا ہے اس کی بابت تم ظہر کی نماز کے بعد کھڑے ہو کر کہنا میں سفارش کروں گا، چنانچہ ظہر کی نماز کے بعد وفدِ ہوازن کے خطباء نے فصیح و بلیغ تقریریں کیں، اور اپنے قیدیوں کی رہائی کے لئے مسلمانوں سے درخواست کی، بعدازاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے۔ اوّل اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی اور پھر فرمایا: تمہارے یہ بھائی ہوازن مسلمان ہو کر آئے ہیں، میں نے اپنا اور اپنے خاندان کا حصہ ان کو دے دیا ہے۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اور مسلمان بھی ان کے قیدی واپس کردیں۔ جو شخص خوشی اور طیب خاطر سے ایسا کردے تو بہتر ہے ورنہ میں بعد میں اس کا معاوضہ دینے کے لئے تیار ہوں، سب نے کہا کہ ہم طیب خاطر سے اس پر راضی اور خوش ہیں۔ اس طرح چھ ہزار قیدی دفعۃً آزاد کردیئے گئے۔ (ابن حجر، فتح الباری ج ۸ ص ۲۶)

انہیں اسیران جنگ میں آپ کی رضاعی بہن حضرت شیماء بھی تھیں، لوگوں نے جب ان کو گرفتار کیا تو انہوں نے کہا: میں تمہارے پیغمبر کی بہن ہوں، لوگ تصدیق کے لئے آپ ﷺ کی خدمت میں لائے شیماء نے کہا اے محمد (ﷺ) میں تمہاری بہن ہوں اور علامت بتائی کہ لڑکپن میں ایک مرتبہ تم نے دانت سے کاٹا تھا، جس کا یہ نشان موجود ہے۔ آپ (ﷺ) نے پہچان لیا، مرحبا کہا اور بیٹھنے کے لئے چادر بچھادی، فرطِ مسرت سے آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا: اگر تم میرے پاس رہنا چاہو تو نہایت عزت واحترام کے ساتھ تم کو رکھوں گا، اگر اپنے قبیلہ میں جانا چاہو تو تم کو اختیار ہے، شیما نے کہا میں اپنے قوم میں جانا چاہتی ہوں اور مسلمان ہوگئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چلتے وقت کچھ اونٹ اور بکریاں اور تین غلام اور ایک باندی عطا فرمائی۔ (ابن حجر الاصابہ (۶۳۷)، ج ۴: ص ۳۴۴)

فتح مکہ میں جو معززینِ قریش اسلام میں داخل ہوئے، ہنوز مذبذب الاعتقاد تھے، ایمان ان کے دلوں میں راسخ نہ ہوا تھا جن کو اصطلاح قرآن میں مولفۃ القلوب کہا گیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم غنائم کے وقت ان کو بہت انعامات دیئے۔ کسی کو سو، کسی کو دو سو اور کسی کو تین سو اونٹ دیئے۔ (ابن حجر کتاب وجلد مذکور ص: ۳۸ زرقانی کتاب وجلد مذکور ص: ۳۶)

الغرض جو کچھ دیا گیا وہ اشراف قریش کو دیا گیا انصار کو کچھ نہیں دیا۔ اس لئے انصار کے بعض نوجوانوں کی زبان سے یہ لفظ نکلے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو تو دیا ہے ہم کو چھوڑ دیا حالانکہ ہماری تلواریں اب تک ان کے خون سے ٹپکتی ہیں، بعض نے کہا کہ مشکلات اور شدائد میں تو ہم کو بلایا جاتا ہے اور مالِ غنیمت دوسروں پر تقسیم کردیا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انصار کو جمع کر کے فرمایا، اے انصار! یہ کیا بات ہے جو میں سن رہا ہوں۔ انصار نے کہا یا رسول اللہ ہم میں کے سربر آوردہ اور سمجھدار اور اہل الرائے لوگوں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا البتہ بعض نوجوانوں نے ایسا کہا ہے۔ آپ نے فرمایا اے گروہ انصار! کیا تم گمراہ نہ تھے اللہ تعالیٰ نے تم کو میرے واسطہ سے ہدایت دی، آپس میں تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ سے تمہارے دل

ملا دیئے تم فقیر اور کنگال تھے، اللہ نے میرے ذریعہ سے تم کو مالا مال کیا۔ انصار نے کہا آپ ﷺ جو فرماتے ہیں وہ بالکل بجا ہے اور درست ہے، بے شک اللہ اور اس کے رسول کا ہم پر بڑا احسان ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم میری تقریر کا یہ جواب دے سکتے ہو کہ اے محمد! جب لوگوں نے تجھ کو جھٹلایا ہم نے تیری تصدیق کی، جب تو بے یار و مددگار تھا اس وقت ہم نے تیری مدد کی، جب تو بے سہارا اور بے ٹھکانہ تھا تو ہم نے تجھ کو ٹھکانہ دیا، جب تو مفلس تھا تو ہم نے تیری یاری اور غمگساری کی، اے گروہ انصار! کیا تمہارے دل اس بات سے رنجیدہ ہوئے کہ میں نے اس دنیائے دوں جس کی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں، کچھ متاع قلیل اور درا ہم معدود چند لوگوں کو تالیف قلوب کے لئے دیئے اور تمہارے اسلام و ایمان اور ایقان و اذعان پر بھروسہ کر کے تم کو چھوڑ دیا۔

بخاری کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ قریش کو قتل و قید کی مصیبتیں پہنچی ہیں (یعنی مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کو جانی اور مالی طرح طرح کی اذیتیں پہنچی ہیں) اس لئے اس داد و دہش سے ان کے نقصان کی کچھ تلافی کرنا چاہتا ہوں اور ان کے دلوں کو اسلام سے مانوس کرنا چاہتا ہوں کہ غزوات میں ان کے بھائی بند قتل اور قید ہوئے اور طرح طرح کی ذلتیں اور مصیبتیں ان کو پہنچیں، جن سے اللہ تعالیٰ نے تم کو محفوظ رکھا، پس تالیف قلب کے لئے ایسے لوگوں کو مال دینا مناسب ہے اور تم اہل ایمان ہو، ایمان اور ایقان کی بے مثال اور لازوال دولت سے مالا مال ہو۔ کیا تم اس پر راضی نہیں کہ لوگ تو اونٹ اور بکری لے کر اپنے گھر واپس ہوں اور تم اللہ کے رسول کو اپنے ساتھ لے کر جاؤ؟ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر ہجرت امر تقدیری نہ ہوتا تو میں بھی انصار میں سے ہوتا، اگر لوگ ایک گھاٹی کو چلیں اور انصار دوسری گھاٹی کو تو میں انصار کی گھاٹی کو اختیار کروں گا۔ اے اللہ! تو انصار پر اور ان کی اولاد اور اولاد در اولاد پر رحم اور مہربانی فرمانا۔

یہ فرمانا تھا کہ انصار جاں نثار چیخ اُٹھے اور روتے روتے داڑھیاں تر ہو گئیں اور کہا ہم اس تقسیم پر دل و جان سے راضی ہیں کہ اللہ کا رسول ہمارے حصہ میں آیا اس کے بعد مجمع برخواست ہو گیا۔

احکام و مسائل

ان واقعات کے ضمن میں بہت سے احکام و ہدایات اور ضمنی فوائد آئے ہیں، وہی ان واقعات کے بیان کرنے کا اصل مقصد ہیں۔

آیات مذکورہ میں سب سے پہلی ہدایات تو یہ دی گئی کہ مسلمانوں کو کسی وقت بھی اپنی جمعیت اور طاقت پر غرّہ نہ ہونا چاہیے، جس طرح کمزوری اور بے سامانی کے وقت ان کی نظر اللہ تعالیٰ کی نصرت و امداد پر رہتی ہے اسی طرح قوت و طاقت کے وقت بھی ان کا مکمل اعتماد صرف اللہ تعالیٰ کی امداد ہی پر ہونا چاہیے۔

غزوۂ حنین میں مسلمانوں کی تعدادی کثرت اور سامان حرب کے کافی ہونے کی وجہ سے بعض صحابہ کرام کی زبان پر

جو بڑا بول آ گیا تھا کہ آج تو کسی کی مجال نہیں جو ہم سے بازی لیجا سکے، اللہ تعالیٰ کو اپنی اس محبوب جماعت کی زبان سے ایسے کلمات پسند نہ آئے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابتدائی حملہ کے وقت مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے، اور بھاگنے لگے، پھر اللہ تعالیٰ کی غیبی امداد سے یہ میدان فتح ہوا۔

مفتوح و مغلوب کفار کے اموال میں عدل وانصاف اور احتیاط

دوسری ہدایت اس واقعہ سے یہ حاصل ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کے لئے مکہ کے مفتوح غیر مسلموں سے جو سامانِ جنگ زرہیں اور نیزے لئے تھے یہ ایسا موقع تھا کہ ان سے زبردستی بھی یہ چیزیں لی جاسکتی تھیں، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عاریت کہہ کر لیا تھا اور پھر سب کو ان مستعار چیزیں واپس کر دیں۔

اس واقعہ نے مسلمانوں کو دشمنوں کے ساتھ پورے عدل وانصاف اور رحم وکرم کے معاملہ کا سبق دیا۔

تیسری ہدایت اس ارشاد نبوی ﷺ سے حاصل ہوئی جس میں حنین کی طرف جاتے ہوئے خیف بنی کنانہ میں قیام کے وقت فرمایا کہ کل ہم ایسے مقام پر قیام کریں گے جس میں بیٹھ کر ہمارے دشمن قریش مکہ نے مسلمانوں کے خلاف مقاطعہ کی قرارداد پر معاہدہ کیا تھا اس میں اشارہ ہے کہ جب مسلمانوں کو حق تعالیٰ نے فتح وقوت عطا فرمادی تو اپنے پچھلے مصیبت کے دور کو نہ بھلادیں، تاکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا ہو سکے، ہوازن کے شکست خوردہ لوگوں کے بار بار حملہ آور ہونے اور تیر برسانے کے جواب میں رحمت للعالمین کی زبان مبارک سے بددعاء کے بجائے ان کے لئے ہدایت کی دعاء مسلمانوں کو یہ سبق دے رہی ہے کہ مسلمانوں کی جنگ وجہاد کا مقصد صرف دشمن کو زیر کرنا نہیں، بلکہ ان کو ہدایت پر لانا ہے، اس لئے اس کی کوشش سے کسی وقت غفلت نہ ہونی چاہیے۔

تیسری آیت نے یہ ہدایت کردی کہ جو کفار جنگ میں مغلوب ہو جائیں ان سے بھی مایوس نہ ہوں کہ شاید اللہ تعالیٰ ان کو پھر اسلام وایمان کی ہدایت دیدیں، جیسا کہ وفد ہوازن کے واقعہ اسلام سے ثابت ہوا۔

وفدِ ہوازن کی درخواست پر ان کے جنگی قیدیوں کی واپسی کے وقت جب صحابہ کرامؓ کے مجمع سے آنحضرت ﷺ نے سوال کیا اور مجمع کی طرف سے یہ آوازیں آئیں کہ ہم سب ان کی واپسی کے لئے خوش دلی سے رضامند ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو کافی نہ سمجھا بلکہ جدا جدا ہر ایک کی اجازت معلوم کرنے کا اہتمام فرمایا۔

اس سے ثابت ہوا کہ حقوق کے معاملہ میں جب تک خوش دلی کا اطمینان نہ ہو جاوے کسی کا حق لینا جائز نہیں مجمع کے رعب یا لوگوں کی شرم سے کسی کا خاموش رہنا رضامندی کے لئے کافی نہیں، اسی سے حضرات فقہاء نے فرمایا کہ کسی شخص پر اپنی وجاہت کا رعب ڈال کر کسی دینی مقصد کے لئے اس سے چندہ لینا بھی درست نہیں کیونکہ ایسے حالات میں بہت سے شریف آدمی محض شرما شرمی سے کچھ دیدیتے ہیں، پوری رضامندی نہیں ہوتی، اس طرح کے مال میں برکت بھی نہیں ہوتی۔ (ماخوذ معارف "سیرت المصطفیٰ ﷺ")

سُوْرَةُ التَّوْبَة مَدَنِيَّة — آیت ۲۵، ۲۶، ۲۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ

اللہ تعالیٰ بہت سے میدانوں میں تمہاری مدد کرچکا ہے اور حنین کے دن جب

اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ

تم اپنی کثرت پر خوش ہوئے پھر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور تم پر زمین باوجود

الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ

اپنی فراخی کے تنگ ہوگئی پھر تم پیٹھ پھیر کر ہٹ گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے اپنے

سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ

رسول پر اور ایمان والوں پر تسکین نازل فرمائی اور وہ فوجیں اتاریں کہ جنہیں تم نے نہیں دیکھا

وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ

اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کی یہی سزا ہے۔ پھر اس کے بعد جسے اللہ تعالیٰ چاہے توبہ

مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾

نصیب کرے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے

خلاصہ

جہاد میں فتح اللہ تعالیٰ کی نصرت سے نصیب ہوتی ہے، اے مسلمانو! قلتِ تعداد کو عذر بنا کر جہاد نہ چھوڑو اور جب تمہاری تعداد زیادہ ہو تو اس پر فخر و ناز نہ کرو۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے تمہیں کتنی لڑائیوں میں اپنی نصرت دے کر غالب فرمایا مثلاً غزوہ بدر، غزوہ بنی قریظہ، غزوہ بنی نضیر، حدیبیہ، غزوہ خیبر اور فتح مکہ...... اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں حنین میں بھی جس کا قصہ عجیب و غریب ہے اپنی نصرت سے غلبہ عطا فرمایا جبکہ واقعہ یہ ہوا تھا کہ تم اپنی زیادہ تعداد پر ناز کر رہے تھے پھر وہ زیادہ تعداد تمہارے کسی کام نہ آئی اور کفار کی تیراندازی اور حملے سے تمہیں ایسی پریشانی پہنچی کہ زمین تم پر باوجود کشادہ ہونے کے تنگ ہوگئی اور تم میں سے اکثر افراد میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر اپنی نصرت اور فتح کے یقین کا خاص سکون نازل فرمایا اور مسلمانوں پر بھی سکینت نازل فرمائی اور مدد کیلئے آسمان سے ایسے فرشتے نازل فرمائے جن کو عام طور پر تم نے نہیں دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو تمہاری تلواروں سے سزا دی کہ انہیں شکست، ذلت، موت، اور قید و بند کا سامنا ہوا پھر اللہ تعالیٰ ان کافروں میں سے جس کو

چاہے توبہ نصیب کر دے چنانچہ ان میں سے بہت سے مسلمان ہو گئے اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والا ہے کہ کافروں کو بھی توبہ کی توفیق دے کر معاف فرما دیتا ہے اور بہت رحمت کرنے والا ہے کہ اپنے اولیاء کو شکست کے بعد فتح سے ہمکنار فرما دیتا ہے۔

غزوۂ حنین میں مسلمانوں کے لئے عجیب اسباق

سبق نمبر ۱ قلت تعداد کو جہاد چھوڑنے کا عذر نہ بناؤ

حضرت لاہوریؒ لکھتے ہیں:

قلتِ تعداد مانع جہاد نہیں ہو سکتی فتح خدا تعالیٰ کے ارادہ سے ہوتی ہے خواہ فوج اسلام تھوڑی ہی ہو، بلکہ بعض اوقات کثرتِ فوج کے گھمنڈ نے مسلمانوں کو نیچا دکھایا۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

اعلان براءۃ میں تمام مشرکوں سے اعلان جنگ کیا جا رہا ہے ایسے وقت میں مسلمانوں کو یہ سبق یاد دلانے کی ضرورت تھی کیونکہ مسلمانوں کی تعداد اتنی تو بہرحال نہ تھی کہ ایک وقت میں تمام مشرکوں سے بیک وقت لڑ سکتے تب ان کو یاد دلایا کہ ہم نے کس کس میدان میں تمہاری نصرت کی اور تمہیں غلبہ ملا حالانکہ تمہاری تعداد بہت کم تھی اور جب ایک بار تمہاری تعداد زیادہ تھی اور تم اس تعداد کی وجہ سے دھوکے میں پڑے تمہیں شکست کا منہ دیکھنا پڑا مگر اللہ تعالیٰ کی نصرت نے تمہیں تھام لیا اس لئے اپنی نظر اسباب پر نہیں اللہ تعالیٰ کے حکم اور نصرت پر رکھو۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ملاحظہ فرمائیں یہ عبارت:

بعض لوگ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ ہماری تعداد کم تھی، ہمارے پاس سامان حرب نہیں، ہم ویسے بھی کمزور اور ناتواں ہیں اور مخالفین تعداد کے اعتبار سے شان وشوکت کے اعتبار سے سامان حرب کی فراوانی اور ذرائع و وسائل کی کثرت کے اعتبار سے ہم پر کہیں زیادہ فوقیت رکھتے ہیں، اس لئے ایسے موقع پر دشمن سے جنگ کرنی ہلاکت کے مترادف ہے اور خود قرآن میں تصریح ہے وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ (یعنی وہ لوگ اس آیت کا غلط مطلب نکال کر خود کو جہاد سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں) ان لوگوں کو جواب دیا جاتا ہے لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ الآیۃ ان آیات نے بتادیا کہ قلیل تعداد کا عذر کر کے مسلمانوں کو جہاد فی سبیـــل اللہ سے نہ رکنا چاہیے اس لئے کہ جنگ میں کامیابی کے لئے کثرت تعداد کا ہونا ضروری نہیں، بلکہ صبر واستقامت، استقلال وثابت قدمی اور ایثار وسر فروشی کی ضرورت ہے۔ (تفسیر الفرقان)

سبق نمبر ۲ اپنی کثرت اور فوجی قوت پر گھمنڈ نہ کرو

ملاحظہ فرمائیے یہ دلنشین عبارت جس کی ہر سطر میں علم وعرفان کا نور چمک رہا ہے۔

"پچھلی آیت میں تنبیہ کی گئی تھی کہ جہاد فی سبیل اللہ کے وقت مؤمنین کو کنبہ، برادری، اموال واملاک وغیرہ کسی چیز پر نظر نہ ہونی چاہیے۔ (یعنی ان چیزوں میں پھنس کر جہاد کو نہیں چھوڑنا چاہیے)"

یہاں (ان آیات میں) آگاہ فرمایا ہے کہ مجاہدین کو خود اپنی فوجی جمعیت و کثرت پر گھمنڈ نہ کرنا چاہیے۔ نصرت و کامیابی اکیلے خدا کی مدد سے ہے۔ جس کا تجربہ پہلے بھی تم بہت میدانوں میں کر چکے ہو۔ بدر، قریظہ، ونضیر اور حدیبیہ وغیرہ میں جو کچھ نتائج رونما ہوئے وہ محض امداد الٰہی و تائید غیبی کا کرشمہ تھا، اب اخیر میں غزوہ حنین کا واقعہ تو ایسا صریح اور عجیب وغریب ''نشان آسمانی'' نصرت و امداد کا ہے۔ جس کا اقرار سخت معاند دشمنوں تک کو کرنا پڑا ہے۔ فتح مکہ کے بعد فوراً آپ کو اطلاع ملی کہ ہوازن وثقیف وغیرہ بہت سے قبائل عرب نے ایک لشکر جرار تیار کر کے بڑے ساز و سامان سے مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا ہے یہ خبر پاتے ہی آپ نے دس ہزار مہاجرین وانصار کی فوج گراں لے کر جو مکہ فتح کرنے کے لئے مدینہ سے ہمراہ آئی تھی، طائف کی طرف کوچ کر دیا دو ہزار طلقاء (یعنی نئے مسلمان ہونے والے حضرات) بھی جو فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئے تھے آپ کے ہمراہ تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ بارہ ہزار کی عظیم الشان جمعیت کیل کانٹے سے لیس ہو کر میدان جہاد میں نکلی۔ یہ منظر دیکھ کر بعض صحابہ کرامؓ سے رہا نہ گیا اور بے ساختہ بول اُٹھے کہ (جب ہم بہت تھوڑے تھے اس وقت ہمیشہ غالب رہے تو) آج ہماری اتنی بڑی تعداد کسی سے مغلوب ہونے والی نہیں۔ یہ جملہ ''مردان توحید'' کی زبان سے نکلنا ''بارگاہ احدیت'' میں ناپسند ہوا۔ ابھی مکہ سے تھوڑی دور نکلے تھے کہ دونوں طرف لشکر مقابل آ گئے۔ فریق مخالف کی جمعیت چار ہزار تھی جو سر کو کفن باندھ کر اور سب عورتوں، بچوں کو ساتھ لیکر ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے پوری تیاری سے نکلے تھے اُونٹ گھوڑے، مویشی اور گھر کا کل اندوختہ کوڑی کوڑی کر کے اپنے ہمراہ لے آئے تھے ہوازن کا قبیلہ تیر اندازی کے فن میں سارے عرب میں شہرت رکھتا تھا اس کے بڑے ماہر تیر اندازوں کا دستہ وادی حنین کی پہاڑیوں میں گھات لگائے بیٹھا تھا صحیحین میں براء بن عازبؓ کی روایت ہے کہ پہلے معرکہ میں کفار کو ہزیمت ہوئی اور وہ بہت سامال چھوڑ کر پسپا ہو گئے یہ دیکھ کر مسلمان سپاہی غنیمت کی طرف جھک پڑے۔ اس وقت ہوازن کے تیر اندازون نے گھات سے نکل کر ایک دم دھاوا بول دیا۔ آن واحد میں چاروں طرف سے اسقدر تیر برسائے کہ مسلمانوں کو قدم جمانا مشکل ہو گیا۔ اول طلقاء میں بھاگڑ پڑی۔ آخر سب کے پاؤں اکھڑ گئے زمین باوجود فراخی کے تنگ ہو گئی کہ کہیں پناہ کی جگہ نہ ملتی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم مع چند رفقاء کے دشمنوں کے نرغہ میں تھے۔ ابو بکرؓ، عمرؓ، عباسؓ، علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ رضی اللہ عنہم وغیرہ تقریباً سو یا اسی ۸۰ صحابہ بلکہ بعض اہل سیر کی تصریح کے موافق کل دس نفوس قدسیہ (عشرہ کاملہ) میدان جنگ میں باقی رہ گئے جو پہاڑ سے زیادہ مستقیم نظر آتے تھے یہ خاص موقع تھا جبکہ دنیا نے پیغمبرانہ صداقت و توکل اور معجزانہ شجاعت کا ایک محیر العقول نظارہ ان ظاہری آنکھوں سے دیکھا آپ ﷺ سفید خچر پر سوار ہیں عباسؓ ایک رکاب اور ابو سفیان بن الحارثؓ دوسری رکاب تھامے ہوئے، چار ہزار کا مسلح لشکر پورے جوش انتقام میں ٹوٹا پڑتا ہے، ہر چہار طرف سے تیروں کا مینہ برس رہا ہے، ساتھی منتشر ہو چکے ہیں مگر رفیق اعلیٰ آپ ﷺ کے ساتھ ہے ربانی تائید اور آسمانی سکینہ کی غیر مرئی بارش آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کے گنے چنے رفیقوں پر ہو رہی ہے جس کا اثر آخر کار بھاگنے والوں تک پہنچتا ہے۔ جدھر سے ہوازن وثقیف کا سیلاب بڑھ رہا ہے، آپ ﷺ کی

سواری کا منہ اس وقت بھی اسی طرف ہے اور ادھر بھی آگے بڑھنے کے لئے خچر کو مہمیز کر رہے ہیں۔ دل سے خدا کی طرف لو لگی ہے اور زبان پر نہایت استغنا اور اطمینان کے ساتھ انا النبی لاکذب. انا ابن عبدالمطلب جاری ہے یعنی بے شک میں سچا پیغمبر ہوں اور عبدالمطلب کی اولاد ہوں۔ اسی حالت میں آپ نے صحابہ کو آواز دی إلیّ عباد الله انا رسول الله خدا کے بندو! ادھر آؤ، یہاں آؤ کہ میں خدا کا رسول ہوں پھر آپ کی ہدایت کے موافق حضرت عباسؓ جو نہایت جہیر الصوت (یعنی بلند آواز) تھے اصحاب سَمُرہ کو پکارا جنہوں نے درخت کے نیچے حضور کے ہاتھ پر بیعتِ جہاد کی تھی، آواز کا کانوں میں پہنچنا تھا کہ بھاگنے والوں نے سواریوں کا رخ میدان جنگ کی طرف پھیر دیا، جس کے اونٹ نے رخ بدلنے میں دیر کی وہ گلے میں زرہ ڈال کر اونٹ سے کود پڑا اور سواری چھوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹا، اسی اثناء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی سی مٹی اور کنکریاں اٹھا کر لشکر کفار پر پھینکیں جو اللہ کی قدرت سے ہر کافر کے چہرے اور آنکھوں پر پڑی، ادھر حق تعالیٰ نے آسمان سے فرشتوں کی فوجیں بھیج دیں جن کا نزول غیر مرئی طور پر مسلمانوں کی تقویت وہمت افزائی اور کفار کی مرعوبیت کا سبب ہوا پھر کیا تھا کفار کنکریوں کے اثر سے آنکھیں ملتے رہے، جو مسلمان قریب تھے انہوں نے پلٹ کر حملہ کر دیا آناً فاناً میں مطلع صاف ہو گیا، بہت سے بھاگے ہوئے مسلمان لوٹ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو دیکھا لڑائی ختم ہو چکی۔ ہزاروں قیدی آپ ﷺ کے سامنے بندھے کھڑے ہیں اور مالِ غنیمت کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں فَسُبحان من بیده ملکوت کل شیءٍ. اس طرح کافروں کو دنیا میں سزا دی گئی۔ (تفسیر عثمانی)

سبق ۳ اللہ تعالیٰ کی نصرت کے واقعات یاد کرنے سے قوت ملتی ہے

آیت مبارکہ کا آغاز اس بات سے ہوا کہ یقیناً اللہ پاک نے کئی جنگوں کے موقع پر تمہاری نصرت فرمائی تمہیں غلبہ عطاء فرمایا۔ حضرات مفسرین نے آیت کے نزول کے وقت تک ایسے اسّی ۸۰ مواقع ذکر فرمائے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کی واضح نصرت نازل ہوئی۔

امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وقیل : ان المواطن التی نصر الله فیها النبی علیه السلام والمومنین ثمانون موطناً

یعنی وہ مواقع جہاں اللہ پاک نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی نصرت فرمائی ہے ان کی تعداد اسّی ہے۔

تفسیر ماجدی میں ہے:

بے شک اللہ نے بہت سے موقعوں پر تمہاری نصرت فرمائی ہے جیسے جنگ بدر میں اور فتح مکہ کے موقع پر...... اور بنو قریظہ و بنو نضیر کے مقابلہ میں وقس علیٰ ہذا نصرت غیبی اور تائید ایزدی کا منظر تو کہنا چاہیے کہ ہر موقع پر نمایاں رہتا تھا علماء نے اسّی ایسے مواقع گنائے ہیں۔ (تفسیر ماجدی)

فان ائمة التاریخ والعلماء والمغازی نقلوا انها کانت ثمانین موطنا۔ (البحر المحیط بحوالہ تفسیر ماجدی)

سورۃ توبہ کی ان آیات میں مشرکین کے ساتھ کھلی جنگ کا اعلان ہے تو اس موقع پر انہیں ماضی کے وہ واقعات یاد دلائے گئے جن میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی غیبی اور ظاہری نصرت فرمائی پس معلوم ہوا کہ جہاد کے وقت اللہ تعالیٰ کی نصرت کے قدیم واقعات کو یاد کرنے سے ہمت بڑھتی ہے اور حوصلہ جوان ہوجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر پختہ یقین مضبوط ہوجاتا ہے اور اسباب سے نظر ہٹ جاتی ہے۔ پس مجاہدین کو اس چیز کا التزام کرنا چاہیے اس تالیف میں بھی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کو تفصیل سے ذکر کرنے کا مقصد یہی ہے کہ ان واقعات سے جہاد مکمل طور پر سمجھ آجاتا ہے اور قرآن پاک کے جہادی مضامین کو سمجھنا بھی آسان ہوجاتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سبق نمبر ۴ | جس گناہ کی وجہ سے نصرت اٹھے اسے چھوڑ دیں تو نصرت واپس آجاتی ہے

غزوۂ حنین میں عُجُب یعنی اپنی تعداد پر فخر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نصرت ہٹ گئی تھی مگر جب لشکر اسلام کے پاؤں اکھڑے اور انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اللہ تعالیٰ کی نصرت واپس آگئی، ملاحظہ فرمائیے یہ عبارت:

سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مفسر تھانویؒ نے کہا ہے کہ مراد اس سے مطلق یعنی عام تسلی نہیں وہ تو آپ ﷺ کو اور جو صحابہؓ آپ ﷺ کے ہمراہ گئے تھے انہیں حاصل ہی تھی اور اسی بناء پر وہ ثابت قدم بھی رہے، بلکہ مراد اس سے تسلی خاص ہے جس سے غلبہ کی امید ہوگئی، مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ ترکِ عُجُب (یعنی عُجُب اور فخر کو چھوڑنا) نزول سکینہ کا سبب ہوجاتا ہے۔ (تفسیر ماجدی)

پس سبق یہ ملا کہ جب مجاہدین کو محسوس ہو کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت نہیں آرہی تو وہ فوراً اپنی نیتوں اور اعمال کا محاسبہ کریں اور جو غلطی نظر آئے اس سے فوراً توبہ کرلیں اللہ تعالیٰ کی نصرت ان کے شامل حال ہوجائے گی۔ واللہ اعلم بالصواب

سبق نمبر ۵ | جہاد کرتے ہوئے خود کو ٹھیک کریں

ان تین آیات میں بالکل واضح طور پر بتایا گیا کہ مجاہدینِ اسلام سے جہاد کے دوران ایک غلطی ہوئی مگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اسکی اصلاح کرلی تو فوراً نصرت نازل ہوگئی۔ پس مسلمان کو یہ سبق ملا کہ اصلاح کے نام پر جہاد چھوڑ کر نہ بیٹھ جائیں بلکہ جہاد کرتے رہیں اور کوئی غلطی ہوجائے تو جہاد جاری رکھتے ہوئے اس کی اصلاح بھی کریں۔ دیکھیں غزوہ حنین کے اس لشکر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان طلقاء یعنی اہل مکہ کو بھی لے آئے جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور پھر اسی جہاد کے مختلف مراحل اور مناظر نے ان کے ایمان کو بے حد قوی اور مضبوط بنا دیا اور مستقبل میں چل کر ان میں سے کئی افراد نے بہت اونچے کارنامے سرانجام دیئے۔ اگر مسلمان اس پورے سبق پر غور کریں تو جہاد کے خلاف اُٹھنے والے بہت سے مغالطوں اور وسوسوں کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سبق ۶ | جہاد کفر سے توبہ کا بہت بڑا ذریعہ ہے

ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ

یہ قرآنی حقیقت مسلمانوں کے لئے ایک بہت بڑا سبق ہے کہ مسلمانوں کے جہاد کرنے کی وجہ سے اللہ پاک کافروں کو کفر سے توبہ کی توفیق عطا کرتا ہے۔ یہی مضمون پہلے اسی سورۃ کی آیت ۱۵ میں گزر چکا ہے اور اب اس آیت میں بھی اسے دہرایا گیا ہے۔ غزوہ حنین کے واقعہ کو قریب سے دیکھیں اسکی برکت سے اللہ پاک نے کتنے کافروں کو توبہ کی توفیق دی اور وہ پکے مسلمان بن گئے...... مثلاً

❶ مکہ کے وہ پکے کافر جو لشکر اسلام میں مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کیلئے نکلے تھے کفر سے تائب ہوئے۔

❷ قبیلہ ہوازن وثقیف کے لوگ جو اپنے قیدی چھڑانے آئے تھے وہ مسلمان ہوئے۔

❸ وہ قیدی جو مسلمانوں نے رہا کئے تھے ان میں سے بہت سے مسلمان ہوئے۔

❹ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس خوفناک کفریہ لشکر کا سردار عوف بن مالک نصری بعد میں خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کر مسلمان ہوا اور اس نے اس موقع پر جو اشعار پڑھے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال شجاعت سے وہ بے حد متاثر ہوا۔

صاحب انوار البیان لکھتے ہیں:

انہیں میں مالک بن عوف بھی تھا جو بہت بڑی جمعیت لیکر مقابلہ کے لئے حنین میں آیا تھا جب شکست ہوئی تو طائف جا کر قلعہ بند ہو گیا لیکن آنحضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچنے پر واپس آیا اور مسلمان ہو گیا آپؐ نے اس کو اس کی قوم پر عامل بھی بنایا نیز اور بھی بہت سے بنی ہوازن کے لوگ مسلمان ہوئے جو جنگ میں قتل ہونے سے بچ گئے تھے، طائف میں جا کر آپ ﷺ نے محاصرہ فرمایا پھر محاصرہ کے بعد واپس تشریف لے آئے بعد میں وہ لوگ بھی مسلمان ہو گئے، اس کے بعد بڑے بڑے دشمنوں نے اسلام قبول کیا اور مستحق جنت ہوئے، زمانہ کفر میں جو کیا تھا اللہ تعالیٰ نے سب معاف فرمایا۔ مالک بن عوفؓ نے اسلام قبول کر کے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بیان کرتے ہوئے چند اشعار کہے، اہل علم کی دلچسپی کے لئے نقل کئے جاتے ہیں:

ما ان رأیت ولا سمعت بمثلہ — فی الناس کلھم بمثل محمد
اوفی واعطی للجزیل اذا جتدی — ومتی تشاء یخبرك عما فی غد
و اذا الکتیبۃ عردت انیابھا — بالسمھری وضرب کل مھند
فکانہ لیث علی اشبالہ — وسط الھباءۃ خادر فی مرصد

جن کا ترجمہ یہ ہے:

❶ میں نے تمام لوگوں میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نہ دیکھا نہ سنا

❷ خوب زیادہ مالِ کثیر کا دینے والا جب کہ وہ سخاوت کرے۔ اور جو تو چاہے تو تجھے اس بات کی خبر دے دے جو کل ہونے والی ہے (وہ جو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بنی ہوازن کے مال کل انشاء اللہ مسلمانوں کے لئے مال غنیمت ہوں گے اس کی طرف اشارہ ہے) (علم غیب اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے، انبیاء علیہم السلام مستقبل کے بارے میں جو بتاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے خبر دینے سے بتاتے ہیں یعنی وحی کے ذریعہ)۔

❸ ❹ اور جب لشکر اپنے دانتوں کو پیسنے لگے نیزوں کے ساتھ اور ہر تلوار استعمال کر لی جائے تو گویا وہ شیر ہے جو غبار کے درمیان اپنے بچوں کی نگرانی کر رہا ہو ہر گھات کی جگہ میں۔

ذکر ھا الحافظ ابن کثیر فی البدایة ص ۳٦۱ ج ٤ والخادر (بالخاء) الاسد الذی اختفی فی اجمته کما فی القاموس (اسے حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنھایہ میں ذکر کیا ہے، الخادر اس شیر کو کہتے ہیں جو اپنی کچھار میں چھپا ہوا ہو) خلاصہ یہ کہ جہاد کی بدولت بہت زیادہ کافروں کو توبہ کی توفیق ملتی ہے پس جو مسلمان چاہتے ہیں کہ کافر زیادہ سے زیادہ مسلمان ہوں تو وہ جہاد کے فریضے کو زندہ کریں...... توبہ کا یہ مفہوم قرآن پاک کی اور بھی کئی آیات میں آیا ہے مثلاً ملاحظہ فرمایئے سورۃ النصر اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَ الۡفَتۡحُ ۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سبق ۷ | حضور اکرم ﷺ کے وارث بہادر ہونے چاہئیں

اس غزوہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس بے مثال شجاعت کا مظاہرہ فرمایا اور قرآن پاک کے ان الفاظ میں اسکی طرف اشارہ ہے ثُمَّ اَنۡزَلَ اللّٰہُ سَکِیۡنَتَہٗ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ اللہ پاک کا خاص سکینہ ثابت قدم رہنے والوں پر نازل ہوتا ہے...... تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بہادری، شجاعت اور جنگی مہارت سے یہ سبق ملا کہ اس امت کی قیادت کرنے والے علماء اور حکمران بھی عام لوگوں سے زیادہ بہادر اور زیادہ جنگجو ہوں...... اللہ اکبر کبیرا چار ہزار کا لشکر تیروں کی بوچھاڑ کر رہا تھا اور مسلسل یلغار کر رہا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہی کی طرف آگے بڑھ رہے تھے، مقابلہ فرما رہے تھے، رجزیہ اشعار کے ذریعہ للکار رہے تھے اور اپنے لشکریوں کو آوازیں دے رہے تھے...... معلوم ہوا کہ شجاعت، بہادری اور جنگ بازی بھی ایمان والوں کا کام اور اہل روحانیت کا شیوہ ہے۔

بخاری کی روایت ہے کہ ایک شخص حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا اے ابو عمارة! کیا آپ لوگ حنین کے دن پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے تھے حضرت براءؓ نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹھ نہیں پھیری۔ اس روایت کے آخر میں حضرت براءؓ فرماتے ہیں کنا واللہ اذا احمر الباس نتقی به وان الشجاع منا للذی یحاذی به یعنی النبی صلی الله علیه وسلم (القرطبی)

یعنی اللہ پاک کی قسم جب لڑائی بہت سخت گرم ہو جاتی تھی تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آڑ لیا کرتے تھے اور ہم میں بہادر وہ ہوتا تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب جا کر لڑتا تھا......

اس زمانے کے علماء اہل تقویٰ اور دیندار لوگوں کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرنی چاہیے اور اپنے اندر بہادری، شجاعت اور جنگی مہارت پیدا کرنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے تب ہی یہ امت طوفانوں سے نجات پائے گی...... اللہ پاک ہم سب کو اپنے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع نصیب فرمائے۔

سبق ۸ | مغلوب کافروں کے ایمان سے مایوس نہ ہوں

معارف القرآن میں ہے:

تیسری آیت (ثُمَّ يَتُوبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ الآیۃ) نے یہ ہدایت کردی کہ جو کفار مقابلہ میں مغلوب ہوجائیں ان سے بھی مایوس نہ ہوں کہ شاید اللہ تعالیٰ ان کو پھر اسلام وایمان کی ہدایت دے دیں جیسا کہ وفد ہوازن کے واقعہ اسلام سے ثابت ہوا۔ (معارف القرآن)

سبق ۹ | جو دین کو دنیا پر ترجیح دے گا اللہ تعالیٰ اسے دین و دنیا دونوں عطا فرمائے گا

امام رازیؒ نے ان تین آیات پر ایک عجیب نکتہ لکھا ہے جس کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

پچھلی آیت میں جب اللہ پاک نے حکم دیا کہ رشتہ دار، خاندان، اموال، تجارت اور مکانات میں دل نہ لگاؤ اور دین کی مصلحت کو مقدم رکھو اور اللہ پاک کو علم ہے کہ یہ چیز بہت مشکل اور بھاری ہے تو ان آیات میں ایک واقعہ کے ذریعہ یہ سمجھایا کہ جو دین کی خاطر دنیا چھوڑے گا اللہ پاک اس کو دنیا بھی عطا فرمادے گا۔

چنانچہ حنین کا واقعہ ذکر فرمایا کہ مسلمانوں کے پاس کافی طاقت تھی مگر جب انہیں اپنی کثرت پر گھمنڈ ہوا تو وہ پسپا ہوگئے پھر اس پسپائی کے عالم میں وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑائے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں قوت دے دی یہاں تک کہ کفار کے لشکر کو شکست ہوگئی...... اس سے یہ ثابت ہوا کہ انسان جب دنیا پر بھروسہ کرتا ہے تو دین دنیا دونوں سے محروم ہوجاتا ہے اور جب اللہ پاک کی اطاعت کرتا ہے اور دین کو دنیا پر ترجیح دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے احسن طریقے سے دین اور دنیا دونوں عطا فرمادیتے ہیں...... پس اس میں ان لوگوں کے لئے تسلی تھی جنہیں دین کی خاطر اپنے آباء اولاد اور مکان وتجارت چھوڑنے کا حکم دیا گیا تھا اور بطور اشارہ ان سے وعدہ تھا کہ اگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے سب کچھ چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ انہیں ان کے رشتہ دار، اموال اور مکانات بھی بہترین طریقے سے لوٹائے گا۔ ملاحظہ فرمائیے امام صاحبؒ کی عبارت کا آخری حصہ۔

ثم فی حال الا نهزام لما تضرعوا الی الله قواهم حتی هز موا عسکر الکفار وذلك یدل علی ان الانسان متی اعتمد علی الدنیا فاته الدین والدنیا ومتی اطاع الله ورجح الدین علی الدنیا اتاه الله الدین والدنیا علیٰ احسن الوجوه فکان ذکر هذا تسلیة لاولئك الذین امرهم الله بمقاطعة الآباء والابناء والاموال والمساکن لاجل مصلحة الدین وتصبیراً لهم علیها ووعدالهم علی سبیل الرمز بانهم ان فعلوٰ ذلك فالله تعالیٰ یو صلهم الی اقاربهم واموالهم

ومساكنهم على احسن الوجوه (التفسير الكبير)

سبق نمبر ۱۰ | کافروں کے لئے اصل چیز شکست ہی ہے

وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ میں یہ سبق دیا کہ کافروں کا اصل انجام شکست اور ذلت ہی ہے، اگر انہیں کبھی کوئی فتح وغیرہ ملتی ہے تو کفر کے حق ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ مسلمانوں کی کسی کمزوری وغیرہ کی وجہ سے ملتی ہے پس مسلمان اگر اس بات کو اپنے دل میں بٹھالیں تو کبھی بھی کافروں کی قوت سے مرعوب اور خوفزدہ نہ ہوں۔

تفسیر ماجدی میں ہے:

وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اور یہی کافروں کے لئے بدلہ ہے چنانچہ حنین میں کافروں کو شکست کی ذلت نصیب ہوئی ستر آدمی قتل ہوئے ہزار ہا کی تعداد میں قید ہوئے جن میں فقط عورتیں ہی چھ ہزار تھیں مال غنیمت میں مسلمانوں کو ۲۴ ہزار اونٹ اور ۴۰ ہزار بھیڑ بکریوں کے علاوہ ۴ ہزار اوقیہ چاندی بھی ہاتھ لگی۔

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے جدید ایڈیشن جلد ۲ ص ۱۷۵ ک ۱، وک ۲ کا بیان ہے:

''غرض یہ کہ چند گھنٹوں ہی کے اندر دشمن کو ہزیمت کامل ہوگئی اور یہ اس سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے کل بارہ آدمی کام آئے اور قیدیوں کی بہت بڑی تعداد ہاتھ آئی جن میں چھ ہزار تو اکیلی عورتیں اور بچے ہی تھے اور بہ طور غنیمت ۲۴ ہزار اونٹ ہاتھ آئے۔''

اور یہاں یہ عام قانون بھی بتادیا کہ اصلاً کفر کی سزا بے ہی شکست، ذلت، عذاب دنیوی تاوقتیکہ کوئی عارض اس کے منافی نہ ہو۔ (تفسیر ماجدی)

اسباق اور بھی ہیں

غزوۂ حنین اسلام کا ایک اہم معرکہ ہے اس میں مسلمانوں کے لئے اسباق بہت زیادہ ہیں یہاں صرف ان دس اسباق کو ذکر کیا گیا ہے جو قرآنی آیات کے الفاظ سے سمجھ آرہے ہیں باقی احادیث اور سیرت میں اس غزوے کا مطالعہ کریں تو بہت سے اہم اسباق ملتے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

امام نسفیؒ لکھتے ہیں: (والله غفور) بستر كفر العدو بالاسلام (رحيم) بنصر الولي بعد الانهزام یعنی اللہ پاک غفور ہے کہ دشمن کافروں کو اسلام کی توفیق عطا فرماتا ہے اور رحیم ہے کہ اپنے اولیاء کو شکست کے بعد غلبے سے ہمکنار کرتا ہے۔ (المدارک)

یہ آیت آیاتِ احکام میں سے ہے

غزوۂ حنین کے تذکرے پر مشتمل ان آیات سے حضرات فقہاء کرام نے کئی مسائل کو سمجھا ہے بطور مثال ایک مسئلہ

اس عبارت میں ملاحظہ فرمایئے:

فقہاء مفسرین نے اس آیت کو بھی ''آیات احکام'' میں شمار کیا ہے اور چونکہ حدیثِ مالک میں ذکر آیا ہے کہ اس جہاد میں ''صفوان'' مشرک بھی شریک تھا اس لئے اس سے بعض فقہی مسائل بھی مستنبط کئے ہیں امام مالکؒ کی رائے ہے کہ مشرکین کے خلاف جہاد میں مشرک سے مدد لینا جائز نہیں بجز اس صورت کے کہ وہ مشرک خادم بن کر شریک ہو جائے۔

قال مالك ولم يكن ذلك بامر رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا ارى ان يستعان بالمشركين على المشركين الا ان يكونوا خدمًا (قرطبی)

دوسرے ائمہ فقہ ابو حنیفہؒ و شافعیؒ و ثوریؒ و اوزاعیؒ کی رائے میں جب کلمۂ اسلام غالب ہو رہا ہو تو اس کے لئے مشرکین سے استعانت جائز ہے۔

وقال ابو حنيفه والشافعي والثوري والاوزاعي لاباس بذلك اذا كان حكم الاسلام هو الغالب وانما تكره الاستعانة بهم اذا كان حكم الشرك هو الظاهر (قرطبی)۔ (تفسیر ماجدی)

کلام برکت

حضرت شاہ صاحبؒ نے ان تین آیات پر جو عبارت لکھی ہے اس میں ایک عجیب قسم کی چاشنی، علم اور والہانہ پن ہے۔ طلبہ کی دلچسپی کے لئے یہ عبارت من وعن پیش خدمت ہے:

''فتح مکہ کے بعد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ مکے اور طائف کے بیچ کافر جمع ہیں لڑائی کو، حضرت ان پر چلے، دس ہزار مسلمان ساتھ تھے اول سے، اور دو ہزار مل لئے مکے سے، پہاڑوں کے بیچ گزارا فوج کا تنگی سے تھا کم کم گزرنے لگے، قوم ہوازن گرد میں چھپے تھے، جب مکے والے گزرنے لگے وہ ان پر آ گرے، یہ الٹے بھاگے، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والے بھی بکھر گئے، حضرت پیادہ ہو کر جنگ کو مستعد ہوئے، حضرت عباس نے بلند آواز سے پکارا انصار کو، اس آواز پر مہاجر و انصار پہنچے تب لڑائی ہوئی اور اللہ نے فتح دی، اول کسی مسلمان نے کہا تھا کہ ہم تھوڑوں کو بہت جگہ فتح ملی ہے اب تو ہم ہیں دس ہزار، حق تعالیٰ نے ادب دیا تا کہ اسباب پر نظر نہ رکھیں پھر ان کافروں میں اکثر مسلمان ہوئے''۔ (موضح القرآن)

اے ایمان والو! مشرک تو پلید ہیں سو اس برس کے بعد مسجد حرام کے نزدیک نہ آنے پائیں اور اگر تم تنگدستی سے ڈرتے ہو تو آئندہ اللہ تعالیٰ اگر چاہے تمہیں اپنے فضل سے غنی کردے گا بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے

خلاصہ

جب اللہ تعالیٰ نے شرک کی قوت کو توڑ کر جزیرۃ العرب کا مرکزی مقام مکہ معظمہ فتح کرا دیا اور عرب کے قبائل جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے تب ۹ ھ میں یہ اعلان کرایا گیا کہ آئندہ کوئی مشرک (یا کافر) مسجد حرام میں داخل نہ ہو بلکہ اس کے نزدیک یعنی حدود حرم میں بھی نہ آنے پائے کیونکہ ان کے دل شرک و کفر کی نجاست اور گندگی سے اس قدر پلید اور ناپاک ہیں کہ اس سب سے بڑے مقدس مقام اور توحید و ایمان کے مرکز میں داخل ہونے کے لائق نہیں اس کے بعد صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرۃ العرب سے مشرکین اور یہود ونصاریٰ سب کو نکال دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت کے موافق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ حکم عملاً نافذ ہوا اب بطور استیلا (یعنی غلبہ) یا توطّن (یعنی وطن بنانے کے) کفار کے وہاں رہنے پر مسلمانوں کا رضامند ہونا جائز نہیں بلکہ اپنی استطاعت کے مطابق جزیرۃ العرب کو مشرکوں اور کافروں سے پاک رکھنا مسلمانوں کا فریضہ ہے۔

حرم میں مشرکین کی آمد و رفت بند کر دینے سے مسلمانوں کو اندیشہ ہوا کہ تجارت وغیرہ کو بڑا نقصان پہنچے گا اور جو سامانِ تجارت یہ لوگ لاتے تھے وہ نہیں آئے گا اس لئے تسلی دی کہ اس سے مت گھبراؤ تم کو خوشحالی عطاء فرمانا تو صرف اللہ تعالیٰ کے "چاہنے" پر موقوف ہے وہ چاہے گا تو کچھ دیر نہ لگے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا اللہ تعالیٰ نے سارا ملک مسلمان کر دیا مختلف ملکوں اور شہروں سے تجارتی سامان آنے لگا بارشیں خوب ہوئیں جس سے پیداوار بڑھ گئی فتوحات اور غنیمت کے دروازے کھول دیئے گئے۔ اہل کتاب وغیرہ سے جزیہ کی رقوم وصول ہونے لگیں، الغرض مختلف طرح سے اللہ تعالیٰ نے غنا اور خوشحالی کے اسباب جمع فرما دیئے بے شک اللہ پاک کو ہر چیز کا پورا علم ہے اور اس کا کوئی

حکم حکمت سے خالی نہیں (تفسیر عثمانی تسہیل)

آیت مبارکہ کا موضوع

’’مشرکین کے ساتھ جہاد کرنے میں اگر بعض دنیاوی ضروریات کے میسر نہ آنے کا خطرہ لاحق ہو تو یہ عذر بھی مانع جہاد نہیں ہوسکتا اگر وہ ضرورت واقعی ہے تو اللہ تعالیٰ کسی دوسری جگہ سے پوری کر دے گا حاصل یہ ہے کہ اقتصادی خطرات بھی مانع جہاد نہیں ہوسکتے۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)‘‘

امام رازیؒ نے بھی اسی سے ملتی جلتی بات لکھی ہے کہ جب کفار کے ساتھ کھلم کھلا اعلان جنگ اور برات کا اعلان ہوا تو یہ شبہ ہوا کہ اس سے تو مسلمانوں کی معیشت کو سخت نقصان پہنچے گا تو آیت میں اس کا جواب آ گیا ملاحظہ فرمائیے تفسیر کبیر۔

اسی موضوع کی وضاحت کے لئے درج ذیل عبارت بھی چشم کشا ہے:

کفار و مشرکین کے ساتھ تجارتی تعلقات ہیں مسلمانوں کی آمدنی کے ذرائع ان مخالفین ہی کے ہاتھ میں ہیں اور انہیں سے روپیہ وصول ہوتا ہے اگر مسلمانوں کو ان دشمنان دین کے ساتھ جنگ کرنے کی دعوت دی جائے تو وہ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ ان کے ساتھ برسرپیکار ہونے کی وجہ سے ہمارے تمام ذرائع آمدنی مسدود ہو جائیں گے کہیں سے روپیہ وصول نہ ہوگا اور چاروں طرف سے غربت و افلاس ہم پر حملہ آور ہوگا اس لئے مصلحت اس امر کی مقتضی ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ جنگ ہی نہ کی جائے ورنہ تمام قوم کی قوم برباد ہو جائے گی اس غلط فہمی کو قرآن حکیم یوں دور فرماتا ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ (الآیۃ)

حج کے زمانہ میں عام طور پر دستور تھا کہ تجارت کی چیزیں وہاں کثرت سے آتیں اور خرید و فروخت کا سلسلہ جاری ہوتا ذوالمجنۃ اور عکاظ کی منڈیاں خصوصاً اس بات کے لئے مشہور تھیں وہاں میلے لگتے بڑے بڑے تاجر اپنی دکانیں کھولتے اور مختلف قبائل اپنے مفاخر قومی بیان کرتے، جب اس سال مشرکین کا داخلہ بند ہو گیا تو قدرتی طور پر اس خیال کا آنا ضروری تھا کہ اب ہماری ضروریات کیونکر مہیا ہوں گی کیونکہ کفار کے نہ آنے سے آمدنی کے تمام ذرائع مسدود ہو گئے، اور بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ من این نعیش؟ اب کس طرح گزارہ ہوگا، ان کے جواب میں فرمایا کہ مشرکین تو یکسر ناپاک ہیں، امراض کے جراثیم ان کے رگ و پئے میں سرایت کئے ہوئے ہیں شرک و بت پرستی اور خیالات فاسدہ کی اشاعت ان کی فطرت بن گئی ہے جہاں جائیں گے یہ بیماریاں ان کے ساتھ ہوں گی اور ہر جگہ وبائے عام کی طرح پھیل جائیں گی اس لئے ایسے ناپاک لوگوں کا مسجد حرام کے قریب بھی آنا حرام ہونا ضروری ہے، ہاں اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ ان کے نہ آنے سے تمہاری تجارت بند ہو جائے گی تو تم اس بدظنی کو دل سے نکال دو اور محض اس وجہ سے جہاد فی سبیل اللہ کو ترک نہ کر دو اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں جو مسلمانوں کو دولت مند کر دینے کا وعدہ دیا تو دیکھو یہ الفاظ کس قدر جلد پورے ہو کر رہے قیصر و کسریٰ کے خزانوں پر چند ہی روز میں

مسلمانوں نے قبضہ کرلیا اور تمام مہذب دنیا ان کے زیر نگیں ہوگئی۔ (تفسیر الفرقان)

عصرِ حاضر کا سب سے بڑا بت معیشت

مکہ کے نئے مسلمان ہونے والے لوگوں کی نظر بس سامنے موجود ''روزی'' پر تھی اور یہ روزی مشرکین کی طرف سے گزر کر آرہی تھی۔ آیت نے سمجھایا کہ اپنی ظاہری نظروں پر نہ جاؤ۔ اللہ علیم اور حکیم کی بات مانو...... اور یاد رکھو تمہاری روزی اللہ پاک کے چاہنے میں ہے وہ چاہے گا تو روزی کے انبار لگا دے گا۔ یہ آیت سننے والوں نے اللہ تعالیٰ کے وعدے پر یقین کیا اور معیشت تباہ ہونے کے ڈر سے جہاد نہیں چھوڑا تو اللہ پاک نے ان کے لئے معیشت اور روزی کا مسئلہ ہی ختم فرمادیا...... وہ اتنے مالدار ہوگئے کہ مال کی کوئی حیثیت ہی نہ رہی۔ ہر طرف فتوحات تھیں اور غنیمتیں...... زکوٰۃ دینے والوں کو یہ مشکل پڑتی تھی کہ کس کو دیں کوئی لینے والا نہ ملتا تھا...... اب آج کے زمانے کو دیکھیں کفار و مشرکین نے ''معیشت'' کے تمام ظاہری دروازوں پر قبضہ کر کے مسلمانوں کو ''تیسری دنیا'' قرار دے دیا ہے اور ہر طرح سے کوشش اور پروپیگنڈہ کر کے معیشت کو سب سے بڑا بت بنادیا ہے جس کی نعوذ باللہ لوگ پوجا کرتے ہیں اور مسلمان حکمرانوں اور اکثر عوام کے دلوں میں یہ بٹھا دیا ہے کہ معیشت میں ترقی ہی اصل کام ہے...... اور جہاد مسلمانوں کو پسماندہ اور غریب کرتا ہے اور ان کی معیشت کو برباد کرتا ہے۔

قرآن کریم کی یہ آیت اس بت کو پاش پاش کرتی ہے اور مسلمانوں کو سمجھاتی ہے کہ رزق تو پاک ہونا چاہئے یہ کیا کہ تم نے اپنی روزی نجس اور ناپاک مشرکوں اور کافروں سے وابستہ کرلی ہے۔

روزی اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے۔ اس پر توکّل کر کے جہاد کرو تو پھر وہ تمہیں اپنے چھپے ہوئے خزانے دکھائے گا اور تمہیں ان کافروں کا محتاج نہیں رہنے دے گا اللہ پاک کے علم پر اعتماد کرو اپنی معلومات پر نہیں...... اور اللہ پاک کی حکمت کو مانو اپنی ظاہری عقل کو نہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ

نَجَسٌ اردو زبان میں ناپاک کو کہتے ہیں مگر عربی میں یہ مصدر ہے۔ جس کا معنیٰ ہے ''ناپاکی'' اور یہ مبالغہ کے لئے لایا گیا ہے کہ مشرک تو سراسر نجاست کا ظاہری و باطنی ڈھیر ہیں۔ یہ ایسا جملہ ہے جو مسلمانوں کو ایک ایسا بہترین اور مضبوط نظریہ عطاء کرتا ہے کہ وہ دنیا کی چمک، عیاشی اور فحاشی میں ڈوبے ہوئے کافروں اور مشرکوں سے ذرہ برابر متاثر نہیں ہوتے کیونکہ ان کے رب نے انہیں سمجھا دیا ہے کہ مشرک تو سراسر نجاست اور گندگی کا ڈھیر ہیں۔

تفسیر ماجدی میں ہے:

نَجَسٌ تو اردو کے برخلاف عربی میں مصدر ہے، باب سمِع یسمع سے بہ معنیٰ گندگی یا نجاست کے اور تثنیہ وجمع اور مذکر و مونث سب کے لئے یکساں آتا ہے، یہاں مراد مشرکین کی نجاست پر زور دینا ہے کہ وہ نجاستِ مجسّم ہیں۔

اخبر عنهم المصدر للمبالغة كانهم عين النجاسة او المراد ذو نجس (روح) اى

ذو نجس وهو مصدر (مدارك). (تفسیر ماجدی)

تفسیر معارف القرآن میں نجاست کی تین قسمیں بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

آیت مذکورہ میں کلمہ اِنَّمَا لایا گیا ہے جو حصر کے لئے استعمال ہوتا ہے اس لئے اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ کے معنیٰ یہ ہو گئے کہ مشرکین نری نجاست ہی ہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ عام طور پر مشرکین میں تینوں قسم کی نجاستیں ہوتی ہیں، کیونکہ بہت سی ظاہری ناپاک چیزوں کو وہ ناپاک نہیں سمجھتے اس لئے ان ظاہری نجاستوں سے بھی نہیں بچتے جیسے شراب اور اس سے بنی ہوئی چیزیں، اور معنوی نجاست غسلِ جنابت وغیرہ کے تو وہ معتقد ہی نہیں، اسی طرح عقائد فاسدہ اور اخلاق رذیلہ کو بھی وہ کچھ (برا) نہیں سمجھتے۔ (معارف القرآن)

آیت مبارکہ کے احکامات

اس آیت کو مدنظر رکھ کر حضرات مفسرین اور فقہاء نے کئی بحثیں اور احکامات لکھے ہیں، مثلاً:

❶ مسجد الحرام سے مراد تمام حدود حرم ہے صرف کعبہ شریف اور اس کے گرد والی مسجد نہیں۔

❷ کفار و مشرکین کی یہ نجاست قلبی، روحانی اور معنوی ہے نہ کہ نجاستِ اجسام۔

❸ حدود حرم، مسجد حرام اور دیگر مساجد میں کفار کے داخلے کا حکم...... بطور غلبہ اور وطن بنانے کے تو کسی کے نزدیک جائز نہیں البتہ بطور مسافر وغیرہ کے مسئلے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

ان تمام مسائل کی تحقیق اور معلومات کے لئے ملاحظہ فرمایئے تفسیر المدارک، القرطبی، احکام القرآن (جصاص)، روح المعانی، بیان القرآن وغیرہا۔

یہود و نصاریٰ بھی اس حکم میں مشرکین کی طرح ہیں

”حدیثوں سے تمام جزیرۂ عرب کا یہی حکم ثابت ہے، مشرکین کے لئے بھی اور یہود و نصاریٰ کے لئے بھی، چنانچہ حسبِ وصیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تمام جزیرۂ عرب میں اس قانون کا نفاذ ہو گیا اور فقہ حنفی کی رو سے مراد اس سے قرب و دخول بہ طورِ توطّن یا استیلاء کے ہے کہ یہ ناجائز ہے، ورنہ مسافرانہ امام کی اجازت سے اگر امام کے نزدیک خلاف مصلحت نہ ہو مضائقہ نہیں۔“ (تفسیر ماجدی)

یہ بہت بڑا مجاہدہ تھا

”عرب کا ملک کوئی زراعتی تو تھا نہیں، قریش کی آمدنی کا دارومدار تجارت ہی پر رہتا تھا، تو مسلموں کو یہ خوف پیدا ہونا بالکل قدرتی تھا کہ اگر مشرکوں سے معاشی و تجارتی تعلقات منقطع ہو گئے تو آخر کھائیں گے پہنیں گے کہاں سے؟

یہاں اسی طرف سے اطمینان دلایا جا رہا ہے، قریش نہ صرف اندرون عرب کی تجارت پر چھائے ہوئے تھے اور ہر منڈی اور سالانہ میلے پر ان کا قبضہ تھا بلکہ ایشیاء اور یورپ کے درمیان بین الاقوامی تجارت پر بھی ان کا قدم جما ہوا تھا، ان سے تجارتی مقاطعہ کرنا کوئی معمولی مجاہدہ نہ تھا۔“ (تفسیر ماجدی)

روزی دینا اللہ پاک کا کام ہے

حضرت تھانوی نے یہ عجیب نکتہ تحریر فرمایا ہے جو تفسیر ماجدی کی عبارت میں ملاحظہ فرمائیے:

اِنْ شَآءَ (اگر چاہے گا) سے مقصود اس حقیقت پر متوجہ کرنا ہے کہ اسے (یعنی اللہ تعالیٰ کو) ان سے وعدہ پورا کرنے کے لئے کسی لمبے چوڑے سامان کی ضرورت نہیں محض اس کی مشیّت کافی ہے چنانچہ جب اس کی مشیّت ہوئی سارا ملک مسلمان ہو گیا سامان تجارت دور دور سے بہ کثرت آنے لگا بارشیں اچھی ہوئیں پیداوار خوب ہونے لگی فتوحات اور غنیموں کے دروازے کھل گئے اہل کتاب وغیرہ سے جزیہ کی رقم وصول ہونے لگی غرض مشیت کی ایک حرکت نے اسبابِ غنا ہر طرح کے جمع کر دیئے۔ (تفسیر ماجدی)

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۲۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ

ان لوگوں سے لڑو جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور نہ اسے حرام جانتے ہیں

مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ

جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اور سچا دین قبول نہیں کرتے ان لوگوں میں سے

اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾

جو اہل کتاب ہیں یہاں تک کہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں

خلاصہ

مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ وہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے قتال کریں ان سے برابر لڑتے رہیں یہاں تک کہ (یا تو وہ ایمان لے آئیں یا) مسلمانوں کے غلبے کو تسلیم کر کے ان کے محکوم بن کر جزیہ ادا کریں یہود و نصاریٰ کے خلاف جہاد کا یہ حکم اس لئے دیا جا رہا ہے کیونکہ وہ۔

❶ اللہ تعالیٰ پر جیسا ایمان لانا چاہئے ویسا ایمان نہیں لاتے یہی ان کے خلاف جہاد کو واجب کرنے کی اصل وجہ ہے یعنی ان کا کفر

❷ اور وہ آخرت کو بھی ٹھیک طرح سے نہیں مانتے

❸ وہ ان چیزوں کو حرام قرار نہیں دیتے جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا

❹ وہ حق دین کو اختیار نہیں کرتے

ان چار وجوہات کی وجہ سے ان کے خلاف جہاد جاری رکھو یہاں تک کہ ان کی قوت، حکومت اور شوکت ٹوٹ جائے۔ اور وہ اسلام کے غلبے اور قانون کو تسلیم کرلیں اور مسلمانوں کی رعایا بن کر ان کو جزیہ ادا کریں معلوم ہوا کہ یہ چار خرابیاں جن میں پائی جائیں گی ان کے خلاف جہاد ہوگا...... یعنی اس آیت میں بتلا دیا گیا کہ تمام کافروں کے مغلوب ہونے تک جہاد ہوگا...... کیونکہ اہل کتاب عام کافروں کے مقابلے میں اچھے سمجھے جاتے ہیں اور وہ اپنی نسبت انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابوں کی طرف بھی کرتے ہیں تو جب ان چار خرابیوں کی وجہ سے ان کے خلاف جہاد کا حکم ہے تو عام کافروں کے لئے یہ حکم بطریق اولیٰ ثابت ہوگا۔

مسلمانوں کے لئے روزی کا انتظام

اس آیت کا پچھلی آیت کے ساتھ ربط بیان کرتے ہوئے کئی مفسرین نے فرمایا ہے کہ پچھلی آیت میں مسلمانوں سے

وعدہ تھا کہ وہ معاشی نقصان کے ڈر سے جہاد نہ چھوڑیں اللہ پاک عنقریب انہیں غنی فرمادے گا تو اس آیت میں فرمادیا کہ مسلمانوں کے لئے دنیا بھر کے کافروں سے جزیہ آئے گا جس سے ان کی روزی کا بہترین بندوبست ہوجائے گا ......امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

لما حرم اللّٰہ تعالیٰ علی الکفار ان یقربوا المسجد الحرام وجد المسلمون الخ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو حرم شریف آنے سے منع فرمادیا تو بعض مسلمانوں کے دل میں اس تجارت کے ختم ہونے کا اندیشہ آیا جو وہ مشرکین سے کرتے تھے تو اللہ پاک نے (پچھلی آیت میں) فرمایا وان خفتم عیلۃ الخ۔

ثم احل فی ھذہ الایۃ الجزیۃ وکانت لم توخذ قبل ذلک فجعلھا عوضا مما منعھم من موافاۃ المشرکین بتجارتھم (القرطبی)

یعنی اس آیت میں اللہ پاک نے جزیہ کو حلال فرمادیا جو پہلی امتوں میں نہیں لیا جاتا تھا اور اس کو اس نقصان کا عوض بنادیا جو مشرکین کے ساتھ تجارت ختم ہونے سے مسلمانوں کو پہنچا تھا۔

مشرکین سے قتال کے بعد اہل کتاب سے قتال کا حکم

بعض مفسرین نے اس آیت کا ربط یہ بیان فرمایا ہے کہ پچھلی آیات میں مشرکین کے خلاف مکمل اور فیصلہ کن جہاد کا نصاب تھا اب یہاں سے اہل کتاب کے خلاف جہاد کا حکم دیا جارہا ہے اس میں غزوہ تبوک کی ترغیب بھی ہے۔ امام ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

وھذہ الایۃ الکریمۃ اول الامر بقتال اھل الکتاب بعد ماتمھدت امور المشرکین ودخل الناس فی اللّٰہ افواجا واستقامت جزیرۃ العرب امر اللّٰہ رسولہ بقتال اھل الکتابین الیھود والنصاریٰ۔

یعنی یہ آیت اہل کتاب کے خلاف (عمومی) جہاد کے پہلے حکم کے طور پر نازل ہوئی اس کے بعد کے مشرکین کا معاملہ کافی حد تک نمٹ چکا تھا اور لوگ فوج در فوج مسلمان ہورہے تھے اور جزیرہ عرب راہ راست پر آچکا تھا تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو یہود ونصاریٰ اہل کتاب کے خلاف جہاد کا حکم دیا (تفسیر ابن کثیر)

غزوہ تبوک کی تمہید

تفسیر مظہری میں ہے:

مجاہد نے کہا ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رومیوں سے جہاد کا حکم دیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی اس کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک پر تشریف لے گئے (تفسیر مظہری)

آیت میں تمام کافروں سے قتال کا حکم ہے

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فأمر سبحانه و تعالیٰ بمقاتلۃ جمیع الکفار لإصفاقهم علی هذاالوصف یعنی اللہ تبارک تعالیٰ نے اس آیت میں تمام کافروں سے لڑنے کا حکم دیا ہے اس لئے کہ یہ (چار) خرابیاں تمام کافروں میں پائی جاتیں ہیں۔ (القرطبی)

حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

یعنی ہر ایسی جماعت سے لڑنا پڑے گا جوان امراض کا شکار ہو یہاں تک کہ وہ لوگ اسلام کے جھنڈے کے سامنے سر نہ جھکا دیں (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اس آیت میں دنیا کے تمام کافروں سے قتال کا حکم ہے تو پھر اس میں اہل کتاب کا خاص طور پر تذکرہ کس وجہ سے ہے؟ حضرات مفسرین نے اس کی کئی جوابات دیئے ہیں، تین جواب یہاں پیش خدمت ہیں:

❶ ”اہلِ کتاب کی خصوصیت اس لئے کی گئی ہے کہ یہ ممکن تھا کہ مسلمانوں کو ان کے مقابلہ میں جہاد وقتال کرنے سے اس بناء پر جھجک ہو کہ یہ لوگ کسی درجہ میں ایمان رکھتے ہیں۔ تورات، انجیل اور حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام پر ان کا (جیسا تیسا) ایمان ہے تو ممکن تھا کہ انبیاء سابقین اور انکی کتابوں کے ساتھ ان کا منسوب ہونا مسلمانوں کے لئے جہاد سے رکاوٹ کا سبب بن جائے اس لئے بالتخصیص ان کے ساتھ قتال کا ذکر کردیا۔“ (معارف القرآن)

❷ اہل کتاب زیادہ بڑے مجرم ہیں کیونکہ ان کی کتابوں میں اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ موجود تھا اور وہ حق کو پہچاننے کے باوجود اس کا انکار کر رہے تھے اس لئے آیت میں خاص طور پر ان کا تذکرہ کردیا گیا امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

ولکونهم عالمین بالتوحید والرسل والشرائع والملل، وخصوصاً ذکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم و ملته وامته، فلما انکروه تاکدت علیهم الحجة وعظمت منهم الجریمة (القرطبی)

❸ تفسیر الفرقان میں ہے:

اگر آپ غور کر کے دیکھیں تو دنیا میں سب سے بڑے دو مذہب ہیں ”یہودیت ونصرانیت“ ان میں زمانہ دراز تک انبیاء کا سلسلہ قائم رہا اور ان کے پاس کتب الٰہیہ بھی موجود ہیں پہلے ان کے حالات دیکھو باوجود اہل کتاب ہونے کے انہوں نے کیسے کیسے غلط عقائد اپنی طرف سے بنالئے ہیں جب ان کی دروغ بیانیوں کی یہ کیفیت ہے تو اور مذہب والے تو ان سے کہیں زیادہ خراب حالت میں ہیں پھر جب اہل کتاب کے ساتھ جنگ کرنی ضروری ہے تو باقی ادیان کے ساتھ بدرجہ اولیٰ لازمی ہوگی اس لئے قرآن حکیم صرف اہل کتاب کے عقائد واعمال پر بحث کرتا ہے اسی پر دوسرے مذاہب کو قیاس کرلو۔ (تفسیر الفرقان)

وہ دس بحثیں جو اس آیت کی تفسیر میں اہل علم نے فرمائی ہیں

جہادی آیات میں سے یہ آیت کریمہ بہت سے احکامات، فوائد اور نکات پر مشتمل ہے حضرات مفسرین نے اس

آیت میں درج ذیل بحثیں فرمائی ہیں۔

❶ جزیہ کن کافروں سے قبول کیا جائے گا اور کن سے نہیں؟

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مشرکین عرب کے علاوہ تمام کافروں سے جزیہ لیا جا سکتا ہے۔ خواہ وہ اہل کتاب ہوں یا مجوسی ہوں یا مشرک جبکہ مشرکین عرب کے لئے صرف اسلام ہے یا تلوار حضرات مفسرین نے ائمہ کرام کے اقوال کو دلائل اور تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

❷ اسلام کا حکم یہ ہے کہ کافروں کو پہلے اسلام کی دعوت دی جائے اگر مان لیں تو وہ ہمارے بھائی ہو گئے اگر نہ مانیں تو جزیہ کی دعوت دی جائے کہ مسلمانوں کے محکوم بن کر رہو اور جزیہ ادا کرو وہ مان جائیں تو ٹھیک نہ مانیں تو قتال کیا جائے مگر اس آیت میں دعوت ایمان کا تذکرہ نہیں ہے۔ مفسرین نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ جن کافروں تک اسلام کا پیغام پہنچ چکا ہو ان کو لڑائی سے پہلے دعوت دینا ضروری نہیں ہے۔

❸ جزیہ کا کیا معنی ہے؟ یہ خالص عربی لفظ ہے یا کسی عجمی لفظ کا معرّب ہے؟ جزیہ کا مطلب ہے بدلہ تو کافروں سے جو جزیہ لیا جاتا ہے وہ کس چیز کا بدلہ ہے؟ مفسرین نے اس میں بہت تفصیلی کلام فرمایا ہے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جزیہ قتل کا بدلہ ہے چونکہ ان کو قتل نہیں کیا گیا اس لئے اس کے بدلے جزیہ وصول کیا جا رہا ہے۔

معارف القرآن میں ہے:

وجہ یہ ہے کہ کفر و شرک اللہ اور اللہ کے رسول کی بغاوت ہے جس کی اصلی سزا قتل ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے ان کی سزا میں تخفیف کر دی کہ اگر وہ اسلامی حکومت کی رعیت بن کر عام اسلامی قانون کے تحت رہنا منظور کریں تو ان سے ایک معمولی رقم جزیہ کی لے کر چھوڑ دیا جائے گا اور اس ملک کا باشندہ ہونے کی حیثیت سے ان کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت اسلامی حکومت کی ذمہ ہوگی ان کی مذہبی رسوم میں کوئی مزاحمت نہ کی جائے گی اس رقم کو جزیہ کہا جاتا ہے (معارف القرآن)

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ جزیہ قومی خدمات کا بدلہ ہے کہ ہر مسلمان پر جہاد وغیرہ قومی خدمات لازم ہیں جبکہ ذمیوں کو اس کے بدلے مال دینا ہوتا ہے بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ جزیہ کفر کا بدلہ ہے کہ چونکہ وہ کافر ہیں تو اس کفر کی وجہ سے ان پر جزیہ ہے یہ قول کافی کمزور ہے۔ زیادہ بہتر پہلا قول ہے کیونکہ اللہ پاک نے فرمایا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ کہ ان سے قتال کرو اور آخر میں فرمایا حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ یہاں تک وہ جزیہ دے دیں تو معلوم ہوا کہ جزیہ قتل کا بدلہ ہے۔ تفصیلات کے لئے تفاسیر ملاحظہ فرمائیں۔

❹ جزیہ کی مقدار کیا ہوگی؟ حضرات مفسرین نے اس پر خوب دل کھول کر لکھا ہے، تفاسیر ملاحظہ فرمالیں۔

❺ عَنْ يَّدٍ سے کیا مراد ہے؟ بعض حضرات کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں کسی کو اپنا وکیل نہیں بنا سکتے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ وہ اسلام کا غلبہ تسلیم کر کے ماتحت ہو کر اور

فرمانبردار اور تابع ہو کر جزیہ ادا کریں بعض مفسرین حضرات فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ وہ نقد ہاتھ در ہاتھ جزیہ دینا منظور کریں اکثر مفسرین نے عَنْ یَّدٍ کے معنی پر خوب لکھا ہے شائقین حضرات ملاحظہ فرمالیں۔

حضرت تھانوی لکھتے ہیں عن ید کا حاصل یہ ہے کہ ان کی شوکت نہ رہے اور صٰغِرُوْنَ کا حاصل یہ ہے کہ وہ شریعت کے قوانین متعلقہ معاملات وسیاسیات کو اپنے ذمے رکھیں۔ (بیان القرآن)

❻ وَهُمْ صٰغِرُوْنَ کا کیا مطلب ہے اس پر مفسرین نے کافی اقوال اور روایات جمع فرمائی ہیں خلاصہ ان کا یہ ہے کہ ذمی ذلیل ہو کر جزیہ ادا کریں پھر اس ذلت کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ ظاہری طور پر بھی ان کو جزیہ لیتے وقت ذلیل کیا جائے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے محکوم ہو کر رہیں اور مسلمانوں کے عام قوانین کی پابندی کریں اور جزیہ ادا کریں محکوم ہونا سب سے بڑی ذلت ہے اور یہ کافی ہے۔

❼ بعض مفسرین حضرات نے اس آیت مبارکہ کے ذیل میں ''ذمیوں'' کے احکامات بھی بیان فرمائے ہیں کہ ان کو کیا حقوق حاصل ہوں گے اور ان پر کیا کیا پابندیاں ہوں گی۔ علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں وہ خط بھی نقل فرمایا ہے جو حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف سے جاری ہوا تھا اور اس میں ذمیوں کے مفصل حالات مذکور ہیں۔ اس دور میں اس خط کو پڑھ کر دل میں ہوک سی اٹھتی ہے کہ اس زمانے میں اسلام اور مسلمانوں کو کتنی عزت حاصل تھی اور آج ان کا کیا حال ہے، شائقین حضرات تفسیر ابن کثیرؒ میں یہ معاہدہ نامہ ملاحظہ فرمالیں:

❽ ذمی اگر اسلام قبول کرلیں تو ان سے جزیہ ساقط ہوجائے گا یا نہیں؟ امام رازیؒ نے ائمہ کرام کے اقوال نقل فرمائے ہیں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اسلام قبول کرتے ہی جزیہ ساقط ہوجائے گا۔

❾ اگر کسی علاقے کے ذمی جزیہ دینے سے انکار کردیں تو ان کے ساتھ قتال ہوگا ان کا علاقہ دارالحرب قرار پائے گا ان کی عورتیں مال فئے بن جائیں گی امام قرطبیؒ نے اس مسئلے کی تفصیل لکھی ہے۔

❿ اس آیت کی تفسیر میں سب سے اہم بحث یہ کی گئی ہے کہ یہود ونصاریٰ تو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں جبکہ اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے تو اس کا کیا جواب ہے؟ مفسرین کرام نے اس پر صفحات کے صفحات لکھے ہیں اور یہ حقیقت ثابت فرمائی ہے کہ ان کا اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان اس طرح نہیں ہے جس طرح ہونا چاہئے بلکہ ان کا یہ غلط ایمان خالص کفر ہے اور ان کا کفر اتنا سخت ہے کہ اس سے زمین آسمان بھی پھٹ پڑتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ (سورہ مریم ۸۸ تا ۹۱)

ترجمہ: اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنالیا یقیناً تم سخت بات زبان پر لائے ہو کہ جس سے ابھی آسمان پھٹ جائیں اور زمین چر جائے اور پہاڑ ٹکڑے ہو کر گر پڑیں اس لئے کہ انہوں نے رحمٰن کے لئے بیٹا تجویز کیا۔

الغرض مفسرین حضرات نے دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ یہود و نصاریٰ کا اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان قابلِ قبول اور ٹھیک ایمان نہیں ہے۔

وایمانهم الذی یزعمونه لیس علی ماینبغی فهو کلا ایمان (روح المعانی)

یعنی ان کا وہ ایمان جسے وہ ایمان سمجھتے ہیں درحقیقت ایمان نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ صرف اللہ تعالیٰ اور آخرت کا نام لینا تو کافی نہیں ہے بلکہ اس طرح ایمان لانا ضروری ہے جس طرح کا ایمان اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے۔

مزید تفصیل کے لئے معتبر تفاسیر ملاحظہ فرمائیے۔

فائدہ

یہ ہیں وہ دس بحثیں جو اس آیت کریمہ کی تفسیر میں اکثر مفسرین کرام نے تفصیل کے ساتھ لکھی ہیں اس تالیف میں ان بحثوں کو نہیں لکھا جا رہا ہے جس کی وجوہات یہ ہیں۔

❶ آیت کا بنیادی پیغام اور حکم یہ ہے کہ مسلمان ساری دنیا کے کافروں تک دین کی دعوت پہنچائیں اور جو کافر بھی اس دعوت کو ٹھکرائے اس سے قتال کریں اور اسے اسلام اور مسلمانوں کا محکوم بنائیں...... یہ آیت ''اقدامی جہاد'' کا حکم دیتی ہے اور مسلمانوں کے دل میں پورے عالم پر اسلام کو غالب کرنے کا جذبہ پیدا کرتی ہے افسوس کہ اس وقت مسلمانوں کی اکثریت نے جہاد کو چھوڑ رکھا ہے اور اقدامی جہاد کا تو تصور بھی مسلمانوں میں کمزور پڑتا جا رہا ہے۔ ان حالات میں ''جزیہ'' جیسی اونچی بحثیں کرتے ہوئے دل روتا ہے آج کہاں جزیہ اور کہاں ذمی؟ اب تو مسلمان خود محکوم میں اور کافروں کو ٹیکس دے کر جی رہے ہیں۔ اس وقت تو اس آیت کے بنیادی حکم یعنی جہاد کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے جہاد عام ہوگا تو جزیہ بھی آئے گا اور ذمی بھی بنیں گے تب فقہاء کرام اور مفسرین کی وہ محنتیں کام آئیں گی جو انہوں نے یہ مسائل سمجھانے میں صرف فرمائی ہیں۔

❷ یہ تمام بحثیں الحمد للہ کتب حدیث، فقہ اور تفسیر میں مذکور ہیں یہاں اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔

ایک درد بھری عبارت

علامہ آلوسیؒ نے تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے کہ کافروں کو ذلت کے ساتھ جزیہ ادا کرنا چاہئے۔ پھر اس ذلت کی کیا صورت ہوگی اس پر کئی اقوال لکھنے کے بعد نہایت دردمندی کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں کہ ہمارے آج کل کے حکمران ان اقوال پر عمل نہیں کرتے بلکہ اگر کوئی ذمی اپنے وکیل کے ہاتھ جزیہ بھجوادے تو وہ بھی قبول کر لیتے ہیں ایسے لوگ اسلام کو کمزور کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے نمٹے...... وہ لکھتے ہیں:

وکل الاقوال لم نر الیوم لها اثراً لان اهل الذمه فیه قد امتازوا علی المسلمین والامرللّٰه عزوجل

بکثیر حتی انه قبل منهم ارسال الجزیه علی ید نائب منهم واصح الروایات انه لایقبل ذلك منهم بل یکلفون ان یاتوا بانفسهم مشاة عامل الله تعالیٰ من کان سببا له بعدله۔ (روح المعانی)

یہ تو تھا علامہ الوسیؒ کا زمانہ۔ بہرحال اس وقت جزیہ تو آ رہا تھا بس وصول کرنے کے طریقے میں جو کوتاہی تھی اس پر علامہ آلوسیؒ اپنے دکھ اور رنج کا اظہار فرما رہے ہیں مگر آج تو جزیہ کا عملی طور پر نام ونشان تک نہیں ہے ہماری بزدلی کم ہمتی اور دنیا پرستی نے یہ دن لائے کہ ہم اپنی آئندہ نسلوں کے لئے کفر کی غلامی کا طوق چھوڑ کر جاتے ہیں ہمارے اسلاف نے اسلام کے ایک ایک حکم کو اپنی جان سے قیمتی سمجھا چنانچہ وہ کامیاب ہو گئے جبکہ ہم نے اپنی جان ہی کو قیمتی سمجھا ہوا ہے چنانچہ ہم بے قدر ہو گئے۔ عصر حاضر کے ایک مفسر نے علامہ آلوسیؒ کی مذکورہ بالا عبارت پڑھ کر اپنے زمانے کا نقشہ کچھ یوں کھینچا ہے: (یہ عبارت بہت غور سے پڑھیں)

" پھر آخر میں فرمایا وَهُمْ صٰغِرُوْنَ اس حالت میں جزیہ دیں کہ وہ ذلیل ہوں بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ وہ کھڑے ہو کر ادا کریں اور جو مسلمان لینے والا ہو وہ بیٹھ کر وصول کرے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے ذمی کا گلا پکڑ کر یوں کہا جائے گا کہ اعط الجزیہ یا ذمی (اے ذمی جزیہ دے) اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ وصول یابی کرنے والا یوں کہے ادحق الله تعالیٰ یا عدو الله (اے اللہ کے دشمن اللہ تعالیٰ کا حق ادا کر) حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ذمیوں کے ذلیل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں جو احکام دیئے جائیں گے ان پر عمل کریں گے اور مسلمانوں کی ماتحتی میں رہیں گے (بس ذلت سے یہی مراد ہے) یہ اقوال صاحب روح المعانی نے (ص ۷۹ ج ۱۰) نقل کئے ہیں پھر آخیر میں لکھا ہے کہ آج کل مسلمانوں کا ان میں سے کسی قول پر بھی عمل نہیں وہ اپنے نائب کے ذریعہ ہی بھیج دیتے ہیں۔ ان سے لے لیا جاتا ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان کو مجبور کیا جائے کہ خود لے کر آئیں، پیدل آئیں سوار نہ ہوں اور اس کی خلاف ورزی اسلام کے ضعف کی وجہ سے ہو رہی ہے الی آخرہ، صاحب روح المعانی نے اپنے زمانہ کے ملوک اور امراء کی شکایت کی کہ مسلمان امراء نائب سے جزیہ قبول کر لیتے ہیں۔ آج تو یہ حال ہے کہ مسلمان کسی ملک میں جزیہ لینے کا قانون جاری کرتے ہی نہیں یہ لوگ کافروں سے ڈرتے ہیں جزیہ مقرر نہیں کرتے بلکہ ملک میں رہنے والے کافروں کو مسلمان سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور ان کا اکرام کرتے ہیں ان کو اسمبلی کا ممبر بھی بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہمت اور حوصلہ دے اور کفر اور کافر کی قباحت اور شناعت اور نجاست اور بغض اور نفرت مسلمانوں کے دلوں میں ڈال دے تاکہ اہل کفر کو ذلیل سمجھیں اور ذلیل بنا کر رکھیں۔" (تفسیر انوار البیان)

آیت مبارکہ کے احکامات کو سمجھنے کے لئے چند آسان سوالات

1. اللہ پاک کے ساتھ کفر کرنا بڑا گناہ ہے یا کسی کو قتل کرنا؟
2. کفر بڑا گناہ ہے یا ڈاکہ ڈالنا؟

۳ کفر بڑا گناہ یا چوری کرنا؟

۴ کفر بڑا گناہ ہے یا زنا کرنا؟

۵ کفر بڑا گناہ ہے یا منشیات کی سمگلنگ کرنا؟

۶ کفر بڑا گناہ ہے یا کسی حکومت کے خلاف بغاوت کرنا؟

جواب

ان تمام سوالوں کا ایک ہی جواب ہے کہ کفر کرنا ان تمام گناہوں سے بڑا گناہ اور ان تمام جرائم سے بڑا جرم ہے۔

تو پھر!

چور، ڈاکو، قاتل کو سزا دینے پر انسانی حقوق کا کوئی شور نہ اٹھے اور کافر کو کفر کی سزا دینے پر دل میں ہمدردی آئے تو معلوم ہوا کہ دل میں اپنی قدر زیادہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی کم نعوذ باللّٰہ من ذالک

دوسرا سوال

کینسر کا مرض خوفناک موت کی طرف بڑھ رہا ہو۔ ڈاکٹر حکم دے کہ اس مریض کو اگر بچانا ہے تو اسے فلاں فلاں چیزوں کی پرہیز کراؤ اور اس کے جسم کا فلاں حصہ آپریشن سے کاٹ دو۔ آپ بتایئے ڈاکٹر کا یہ حکم مریض کے لئے خیر خواہی ہے یا دشمنی؟

یقیناً خیر خواہی...... اب دیکھیں کفر کا مریض ایک خطرناک موت اور لافانی عذاب کی طرف بڑھ رہا ہے ایک کافر کا کفر پر مر جانا بہت بڑا عذاب ہے کہ اب اس کے بچنے اور نجات پانے کی کوئی صورت نہیں دائمی عذاب، دائمی مصیبت۔ اب اسلام اس مریض کو جہنم سے بچانے کے لئے اسے عزت وغیرہ اُن چیزوں سے پرہیز کرواتا ہے جو چیزیں اسے اپنے کفر پر پختہ کرتی ہیں تو یہ اسلام کی طرف سے اس کے لئے خیر خواہی ہے یا دشمنی؟

ایک بالکل واضح بات

اگر اسلام میں جہاد نہ ہوتا، اگر اسلام میں جزیہ نہ ہوتا، اگر اسلام میں کفر کو ذلت دینے کے احکامات نہ ہوتے تو ہم لوگوں تک یہ دین نہ پہنچتا اور نعوذ باللہ ہم بھی کفر کے عذاب میں گرفتار ہوتے مگر افسوس کہ جس عمل نے ہمیں اسلام تک پہنچایا ہم نے اسی عمل کو چھوڑ کر اپنی آئندہ نسلوں کو کفر کا ترنوالہ بننے کے لئے چھوڑ دیا ہے...... اللہ پاک رحم فرمائے اور امت مسلمہ کو اپنے فرائض ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا ارحم الراحمین

فائدہ

اس زمانے میں جو کافر اسلامی ملکوں میں رہتے ہیں یا جو کافر ان ملکوں کا باقاعدہ ویزہ لے کر آتے ہیں ان کو قتل کرنا جائز نہیں دور حاضر کے علماء کا یہی فتویٰ ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

من ظلم معاهدا او انتقصه او كلفه فوق طاقته أو اخذ شيئًا منه بغير طيب نفسٍ منه فانا حجيجه يوم القيمة (القرطبی عن ابوداؤد)

یعنی جو کسی معاہد پر ظلم، زیادتی کرے گا یا اسکی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ ڈالے گا یا اس کی مرضی کے بغیر اس کی کوئی چیز لے لے گا تو میں (حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم) قیامت کے دن اس کی طرف سے وکالت کروں گا۔

حضرات فقہا کرام نے بعض چیزیں ایسی لکھی ہیں جن سے عہد اور ذمہ ختم ہو جاتا ہے مثلاً دین اسلام کے خلاف کھلم کھلا کام کرنا، دین کی گستاخی کرنا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنا وغیرہ۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائے کتب تفسیر وفقہ (واللہ اعلم بالصواب)

کلام برکت

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

پہلے حکم ہوا کہ مشرکوں سے لڑو اور ملک سے نکالو اب حکم ہوا اہل کتاب سے لڑائی کا کہ یہ بھی دین حق سے منکر ہیں اور اللہ کو اور آخرت کو جیسے چاہئے نہیں مانتے لیکن ان سے جزیہ قبول رکھا بشرطیکہ ادنی، اعلیٰ سب ذلیل ہو کر جزیہ دیا کریں باقی عرب کے مشرکوں سے جزیہ ہرگز قبول نہیں (اس کے لئے اسلام ہے یا تلوار) اور جہان کے مشرک سے حنفی پاس (یعنی احناف کے نزدیک) قبول ہے جزیہ ہر مہینے میں پانچ آنے یا دس یا سوا روپیہ موافق حال اور ذلیل رہنا یہ کہ سواری میں، لباس میں، راہ چلنے میں، ہتھیار باندھنے میں مسلمان کی برابری نہ کریں اور بھی بہت بندوبست ہیں۔ (موضح القرآن)

اہلِ علم کے لئے تحفہ

اہل کتاب سے قتال کی جو وجوہات اس آیت میں بیان فرمائی گئی ہیں ان میں بظاہر آپس کا اشتراک نظر آتا ہے امام قرطبیؒ کی یہ عبارت اس اشکال کو رفع کرتی ہے۔

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وذلك بيان للذنب الذى اوجب العقوبة وقوله وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ تاكيد للذنب فى مخالفة الاعمال ثم قال۔ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ زيادة للذنب فى مخالفة الاعمال ثم قال وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ اشارة إلى تاكيد المعصية بالانحراف والمعاندة والانفة عن الاستسلام۔ ثم قال مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ تاكيد للحجة لانهم كانوا يجدونه مكتوبا عندهم فى التوراة والانجيل ثم قال حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ فبين الغاية التى تمتد اليها العقوبة وعين البدل الذى ترتفع به۔ (القرطبى)

★★★

سُوْرَۃُ التَّوْبَۃِ مَدَنِیَّۃٌ آیت ۳۰

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَقَالَتِ الْیَھُوْدُ عُزَیْرُ ابْنُ اللّٰہِ وَقَالَتِ النَّصٰرَی الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰہِ ذٰلِکَ قَوْلُھُمْ بِاَفْوَاھِھِمْ یُضَاھِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قٰتَلَھُمُ اللّٰہُ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ ﴿۳۰﴾

اور یہود کہتے ہیں کہ عزیر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے اور عیسائی کہتے ہیں مسیح اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں وہ کافروں کی سی باتیں بنانے لگے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرے یہ کدھر الٹے جارہے ہیں

خلاصہ

یہود ونصاریٰ سے قتال کی وجوہات میں سے یہ بھی ہے کہ......

بعض یہودی کہتے ہیں عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور اکثر عیسائی کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں یہ ان کے اپنے منہ سے کہی ہوئی اور گھڑی ہوئی باتیں ہیں یہ لوگ ماضی کے مشرکوں جیسی باتیں کر رہے ہیں اللہ ان کو غارت کرے یہ کدھر بہکے جارہے ہیں۔

ایمان والوں کو یہود ونصاریٰ سے قتال پر ابھارا جارہا ہے

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

وھذا اغراءٌ من اللہ تعالیٰ للمومنین علیٰ قتال الکفار من الیھود والنصاریٰ لمقالتھم ھذہ المقالۃ الشنیعۃ والفریۃ علی اللہ تعالیٰ

یعنی اس آیت میں مسلمانوں کو یہود ونصاریٰ کافروں کے خلاف قتال پر ابھارا جارہا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس پر کیسی بری اور بہتان والی بات کرتے ہیں (پس اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرنے اور توحید چھوڑنے کی وجہ سے ان کے خلاف جہاد کیا جائے)۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت لاہوریؒ لکھتے ہیں:

یہود ونصاریٰ کے انبیاء ہمارے قریب تر زمانہ کے ہیں لیکن جب یہ لوگ توحید کو چھوڑ کر شرک میں مبتلا ہو چکے ہیں اور ان سے لڑنا لازم ہے تو باقی قومیں جن کے انبیاء علیہم السلام ان سے بھی پرانے ہیں وہ بطریق اولیٰ راہ راست سے زیادہ دور ہو چکی ہیں لہٰذا مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ساری قوموں کو درست کریں۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

ایک سوال کا جواب

عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں یہ عمومی طور پر یہودیوں کا عقیدہ نہیں ہے تو قرآن مجید نے اس کو کیسے بیان فرمایا:

جواب ❶ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بنو قریظہ کے یہودیوں کا یہ عقیدہ تھا اگر ان کا یہ عقیدہ نہ ہوتا تو وہ قرآن پاک کی اس آیت پر اعتراض کرتے مگر ان کا اعتراض کرنا ثابت نہیں ہے البتہ اس کے بعد والی آیت پر انہوں نے اعتراض کیا کہ ہم تو اپنے علماء اور راہبوں کی عبادت نہیں کرتے جیسا کہ قرآن پاک نے بتایا ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جواب دیا کہ حلال و حرام کرنے کا اختیار دے دینا یہ عبادت کرنا ہی ہے ملاحظہ فرمایئے (قرطبی عثمانی بیان القرآن)

جواب ❷ یہود کے بعض بڑے مذہبی رہنماؤں کا یہ عقیدہ تھا مثلاً سلام بن مشکم، نعمان بن ابی اوفی، شاس بن قیس، مالک بن صیف بعد میں اس عقیدے کے لوگ ختم ہو گئے۔ (قرطبی)

جواب ❸ ابن کا معنی نسلی اور حقیقی بیٹا نہیں بلکہ محبوب اور مجازی بیٹا ہے جبکہ نسلی اور حقیقی بیٹے کے لئے قرآن میں ولد کا لفظ استعمال ہوا ہے، بہرحال مجازی طور پر بھی کسی کو اللہ تعالیٰ کا ابن یعنی بیٹا کہنا سخت گمراہی، کفر اور گستاخی ہے امام قرطبی فرماتے ہیں:

ویقال ان بعضهم یعتقدها بنوة حنو ورحمة وهذا المعنیٰ ایضا لایحل ان تطلق البنوة علیه وهو کفر.

صاحب تفسیر ماجدی نے اسی قول کو اختیار کیا ہے ملاحظہ فرمایئے ان کی یہ عبارت جو حضرت عزیر علیہ السلام کے تعارف سے شروع ہوئی ہے۔

''عُزیر'' یا توریت کے تلفظ میں ''عزرا'' (متوفی غالباً ۴۵۸ ق م)

یہود کے مذہبی نوشتوں (یعنی مذہبی تحریروں) میں نبی سے زیادہ کاتب کی حیثیت سے مشہور ہیں بخت نصر (۶۰۴ تا ۵۶۱ ق م) کے حملہ یروشلم اور اس کی کامل تباہی اور بربادی (۵۸۶ ق م) کے بعد جب توریت کے نسخے یہود کے پاس بالکل غائب ہو گئے تو انہیں عزیر (عزرا) نے توریت کو ازسرنو اپنی یادداشت سے لکھ دیا اور اس لئے انہیں یہود ''مثل موسیٰ'' تسلیم کرتے ہیں بلکہ بعض نے غلو کر کے اس مرتبہ سے بھی بڑھا دیا ہے۔

ابن اللہ...... عربی میں ابن اور ولد دو الگ الگ مفہوم رکھنے والے لفظ ہیں، اردو کے لڑکے اور بیٹے کے مرادف اور انگریزی میں بھی ان کے مقابلے میں بائبل کی مذہبی اصطلاحیں (CHILD OF GOD) اور (SON OF GOD) کی الگ الگ ہیں، ابن اللہ جو ترجمہ ہے (CHILD OF GOD) کا، اس سے مراد صُلبی یا حقیقی فرزند نہیں بلکہ خدا کا لاڈلا یا چہیتا یا فرزندِ معنوی و مجازی ہے، جیسے قرآن ہی میں ایک دوسری جگہ اہل کتاب ہی کی زبان سے

استعمال ہوا ہے نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَ اَحِبَّآؤُہٗ یہاں ابناء اللہ کے کھلے ہوئے معنیٰ یہی مجازی اولاد کے ہیں۔ یہود اسی معنیٰ میں حضرت عزیر علیہ السلام کو اپنا ''مُطاعِ کُل'' اور بارگاہ حق میں محبوب مطلق مانتے ہیں۔ مسیحیت کی دو گمراہیاں ایک شدید اور دوسری شدید تر الگ الگ ہیں، ایک ہے حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا ولد (Son of God) قرار دینا، اس کا ذکر قرآن مجید میں جہاں آیا ہے اکثر بہت سخت وعید کے ساتھ آیا ہے تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ وغیرہا۔ دوسری گمراہی ہے حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا فرزند مجازی (Child of God) قرار دینا، قرآن نے اس عقیدہ کو ''ابن اللّٰہیت'' سے تعبیر کیا ہے، یہ گو بجائے خود شدید ہے پھر بھی ''ولد اللّٰہیت'' کا عقیدہ اس سے اشد ہے...... ہمارے بعض قدیم مفسرین بھی اس نکتہ تک پہنچ گئے ہیں کہ یہاں ابنیت سے مراد ابنیت نسبی و نسلی نہیں بلکہ لاڈو پیار والی ابنیت ہے اور یہ بھی کفر ہے۔

قال ابن عطية ويقال ان بعضهم يعتقدها بنوّة حنوٍ ورحمة وهذا المعنى ايضا لايحل ان تطلق البنوة عليه وهو كفر۔ (قرطبی)۔ (تفسیر ماجدی)

دو اہم نکتے

❶ حضرات مفسرین نے کئی واقعات لکھے ہیں، ان سب کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کو پوری تورات یاد ہوگئی تھی جو انہوں نے بنی اسرائیل کو سنائی اور لکھوائی پھر بنی اسرائیل نے تورات کے اصل نسخے نکال کر موازنہ کیا تو حضرت عزیر علیہ السلام کی لکھوائی ہوئی تورات بالکل ٹھیک اور مکمل نکلی اس پر بنی اسرائیل ان سے چمٹ گئے اور ان کو طرح طرح کے القابات دینے لگے۔ جبکہ مسلمان اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر کر سکتے ہیں کہ ہر زمانے میں لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کو پورا قرآن پاک یاد ہوتا ہے۔ یہ اسلام کی عظمت اور واضح افضلیت کی دلیل ہے۔

❷ یہود و نصاریٰ کے دل میں اللہ پاک کی عظمت اور قدر و منزلت نہیں تھی اس لئے وہ انسانوں کو ان کے مقام سے بڑھا کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرتے تھے پس مسلمانوں کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قدر کو پہچانیں اور کسی کے مقام کو بھی اللہ تعالیٰ تک بڑھانے کی گستاخی نہ کریں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

قَوْلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ

یعنی یہود و نصاریٰ بھی ماضی کے کافروں جیسی باتیں کرتے ہیں۔

یہ ماضی کے کافر کون ہیں؟ ملاحظہ فرمائیے چند اقوال......

❶ وہ جاہل مشرک قومیں جو اللہ تعالیٰ کی تجسیم کی قائل تھیں اور عقیدہ ''حلول'' یا ''اوتار'' کی ماننے والی تھیں، اشارہ خاص مشرکینِ یونان کی جانب ہے، انہی کے ''حکماء و فلاسفہ'' کے اقوال سے پہلی صدی عیسوی کے یہود و نصاریٰ دونوں ہی متاثر ہوگئے تھے اور ان کی مشرکانہ تعلیمات کو برابر اپنے عقائد کا جزو بناتے چلے گئے۔ (ماجدی)

❷ مشرکین مکہ مراد ہیں، جن کی گمراہی قدیم تھی اور فرشتوں کو نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ (قرطبی)

❸ خود ان کے گمراہ اسلاف مراد ہیں۔ (قرطبی)

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

یعنی اہل کتاب ہو کر مشرکوں کی ریس کرنے لگے۔ (موضح القرآن)

(پس ان سے بھی مشرکوں کی طرح قتال ہوگا)

قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ کا عام معنیٰ تو مفسرین نے یہی کیا ہے کہ اللہ پاک ان کو ہلاک کرے جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس کے معنیٰ لعنت کے ہیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، اس سے بھی مسلمانوں کو قتال کی ترغیب ملی کہ ایسے ملعون لوگوں سے قتال کرنا چاہیے تاکہ لعنت عام نہ ہو اور یہ لوگ ملعون ہیں تو مطلب ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نصرت سے دور اور محروم ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُورَةُ التَّوبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۳۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ

انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا خدا بنالیا ہے اور مسیح

ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ

ابن مریم کو بھی حالانکہ انہیں حکم یہی ہوا تھا کہ ایک اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اس کے سوا

اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾

کوئی معبود نہیں وہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے

خلاصہ

یہود ونصاریٰ سے قتال کی وجوہات میں سے یہ بھی ہے کہ

وہ عقیدے کے شرک کے ساتھ ساتھ عمل کے شرک میں بھی مبتلا ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے علماء اور راہبوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا رب بنا رکھا ہے اور حضرت مسیح بن مریم کو بھی رب بنا رکھا ہے۔

یعنی وہ اپنے علماء اور مشائخ کو حلال وحرام کے فیصلے کرنے کا اختیار دیتے ہیں اور اس معاملے میں ان کی اس طرح اطاعت کرتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جاتی ہے۔ پس یہ بھی توحید فی الطاعۃ کا انکار اور شرک ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کو تو اللہ تعالیٰ کا (نعوذ باللہ) بیٹا اور جزء مانتے ہیں۔ حالانکہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ فقط ایک معبود برحق کی عبادت کریں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور وہ ان کے شرک سے بلند اور پاک ہے۔

اقوال وحوالے

علماء سوء اور بناوٹی صوفیوں کے پجاری

حضرت لاہوریؒ لکھتے ہیں:

خدا تعالیٰ اور اس کے قانون اور اس کے انبیاء علیہم السلام کا اتباع چھوڑ کر علماءِ سوء اور بناوٹی صوفیوں کے پیچھے لگ گئے ہیں اور ان سے وہی تعلقات قائم کرلئے ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص تھے۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

رومہ کے پوپ

" ان دونوں فرقوں نے ایک اور غضب ڈھا رکھا تھا وہ یہ کہ یہود نے اپنے احبار یعنی مولویوں کو اور نصاریٰ نے اپنے درویشوں اور مسیح علیہ السلام کو خدا بنا رکھا تھا، احبار اور رہبان کو خدا بنانے کی یہ صورت تھی کہ وہ تورات اور انجیل کے

خلاف اور عقل کے خلاف جو فتویٰ دیتے تھے یہ اسے خدا کے حکم کے برابر جانتے تھے، روما کے پوپ خدائی کرتے تھے۔" (تفسیر حقانی تسہیل)

ایک روایت

اس آیت کی تفسیر میں اکثر مفسرین حضرات نے یہ روایت پیش کی ہے: (یہ ترمذی کی روایت ہے)

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ جو پہلے نصرانی تھے (بعد میں مسلمان ہوئے) انہوں نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس وقت میری گردن میں سونے کی صلیب تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عدی اپنی گردن سے اس بت کو نکال کر پھینک دو۔ میں نے اس کو پھینک دیا، واپس آیا تو آپ ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ پڑھ رہے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم عالموں اور درویشوں کی عبادت تو نہیں کرتے پھر یہ کیوں فرمایا کہ احبار اور رہبان کو رب بنالیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا یہ بات نہیں کہ یہ لوگ جو چیز تمہارے لئے حرام کر دیں تم اسے حرام کر لیتے ہو اور جو چیز حلال کر دیں تم اسے حلال کر لیتے ہو؟ میں نے کہا کہ ہاں یہ بات تو ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ان کی عبادت ہے۔ (معالم التنزیل ص ۲۵۸ ج ۲ انوار البیان)

آسمانی وحی کے احکامات کو چھوڑنے والے

"کتب سماویہ (یعنی آسمانی کتابوں سے ان لوگوں نے) کچھ سروکار نہ رکھا تھا، محض احبار و رہبان کے احکام پر چلتے تھے اور ان کا یہ حال تھا کہ تھوڑا سا مال یا جاہی (عزت و مقام کا) فائدہ دیکھا اور حکم شریعت کو بدل ڈالا" (تفسیر عثمانی)

آجکل بھی دنیادار دانشور اور بدعتی نقلی پیر لوگوں کو قرآن وسنت سے ہٹا کر اپنی پیروی پر لگا لیتے ہیں اور اس طرح کے لوگ جہاد سے بھی محروم ہو جاتے ہیں، حضرت شاہ صاحب ؒ لکھتے ہیں:

عالم کا قول عوام کو سند ہے جب تک وہ شرع سے سمجھ کر کہے جب معلوم ہو کہ طمع سے کہا پھر وہ سند نہیں۔ (موضح القرآن)

دورِ حاضر کی ایک پریشانی

صاحبِ انوار البیان لکھتے ہیں:

اب دورِ حاضر میں جبکہ آزاد منش لوگ اسلامی احکام پر چلنے میں دشواری محسوس کرتے ہیں اور دشمنان اسلام سے متاثر ہیں، کہتے ہیں کہ حضرات علماء کرام جمع ہو کر میٹنگ کریں اور اسلامی احکام کے بارے میں غور و فکر کریں اور فلاں فلاں احکام کو بدل دیں یا ہلکا کر دیں اور فلاں فلاں حرام چیزوں کو حلال قرار دے دیں، یہ ان لوگوں کی جہالت اور حماقت کی بات ہے، اگر علماء ایسا کرنے بیٹھیں گے تو کافر ہو جائیں گے اور کسی حرام چیز کو حلال قرار دے دیں گے تو ان کے حلال کر دینے سے حلال نہ ہوگی۔ (انوار البیان)

امام نسفیؒ لکھتے ہیں:

اِتَّخَذُوْٓا ای اهل الكتاب اَحْبَارَهُمْ علماء هم وَرُهْبَانَهُمْ نساكهم اَرْبَابًا الهة من دون الله حيث اطاعوهم فی تحليل ما حرم الله وتحريم ما احل الله كما يطاع الارباب فی اوامرهم ونواهيهم۔(المدارک)

آجکل کے مغرب زدہ حکمران بھی یہی بات کہتے ہیں کہ علماء کرام عوام کو صحیح دین پیش کریں اوران کے نزدیک صحیح دین وہ ہے جس میں جہاد نہ ہو اور جو دین کافروں کو پسند ہو۔نعوذ باللہ،نعوذ باللہ......

ایک تحقیقی عبارت

"انہوں نے اللہ کے ہوتے ہوئے اپنے علماء اور اپنے مشائخ کو بھی اپنا پروردگار بنا رکھا ہے یعنی انہیں مستقلاً ایسا صاحبِ اختیار مان رکھا ہے کہ گویا وہی معبود اور رب ہیں، جو چاہیں جائز کردیں جو چاہیں وہ حرام ٹھہرادیں، سارے اختیارات شریعت وقانون سازی کے گویا انہی کو حاصل ہیں۔مسیحیوں کے ہاں فرقہ کیتھولک میں پوپ (پاپائے روم) بہ حیثیت نائبِ مسیح علیہ السلام آج بھی سارے اختیارات علانیہ رکھتا ہے اور فرقہ پروٹسٹنٹ نے بھی عملاً سارے اختیارات کلیسا(CHURCH) کودے رکھے ہیں، یہود کے ہاں بھی رِبّیوں کے احکام، خود توریت کی تعلیمات پر غالب آگئے تھے۔"

الاكثرون من المفسرين قالوا ليس المراد من الارباب انهم اعتقدوا فيهم انهم الٰهة العالم بل المراد انهم اطاعوهم فی اوامرهم و نواهيهم۔(تفسیر کبیر)

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ یعنی اللہ کی "توحید فی الطاعۃ" چھوڑ کر......خدا کی خدائی سے تو یہ لوگ بھی انکار نہیں کرتے لیکن عملاً اس کی طاعت واطاعت میں دوسروں کو بھی شریک کئے ہوئے ہیں۔(تفسیر ماجدی)

سُورَةُ التَّوبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۳۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ

چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی روشنی کو اپنے مونہوں سے بجھادیں اور اللہ تعالیٰ اپنی روشنی کو پورا کیے بغیر

يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾

نہیں رہے گا اور اگرچہ کافر ناپسند ہی کریں

خلاصۂ کلام

یہود ونصاریٰ سے قتال کی وجوہات میں سے یہ بھی ہے کہ

وہ دین اسلام کے سخت دشمن ہیں اور وہ اس دین کو مٹانا چاہتے ہیں وہ لوگ اس دین برحق کا انکار اور اس سے دشمنی کرتے ہیں جو کفر ہے وہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور یعنی دین اسلام کو اپنے منہ کی پھونکوں (سازشوں، مخالفتوں، اعتراضوں اور شرارتوں) سے بجھادیں...... مگر اللہ پاک ان کافروں کے نہ چاہنے کے باجود اپنے اس نور کو پورا فرمائے گا۔

اقوال وحوالے

❶ مذاق (یعنی ذوق) تو ان کا بگڑا ہوا ہے لیکن وہ دینِ حق اسلام کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہونے دے گا۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

❷ یعنی توحید خالص اور اسلام کا آفتاب جب چمک اٹھا پھر یہ دوغلی باتیں اور مشرکانہ دعاوی کہاں فروغ پاسکتے ہیں، یہ کوشش کہ بے حقیقت اور بے مغز باتیں بنا کر اور فضول بحث وجدل کر کے نورِ حق کو مدہم کردیں، ایسی ہے کہ کوئی بے وقوف منہ سے پھونکیں مار کر چاند یا سورج کی روشنی کو بجھانا اور ماند کرنا چاہے۔ یادرکھو خواہ یہ کتنے ہی جلیں مگر خدا نورِ اسلام کو پوری طرح پھیلا کر رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

ایک خبر ایک وعدہ

آیتِ مبارکہ میں ایک خبر دی گئی کہ یہود ونصاریٰ اور ان جیسے دوسرے کافر دین اسلام کو مٹانا چاہتے ہیں اور اس کے لئے وہ مسلسل کوشش کرتے رہتے ہیں، یہ خبر قرآن پاک کی اور بھی کئی آیات میں مختلف طریقے سے دی گئی ہے۔ پس مسلمانوں کو اپنے ان دشمنوں سے ہوشیار اور خبردار رہنا چاہئے اور ان کی قوت اور طاقت کو ختم کرنے کی خوب فکر اور محنت کرنی چاہئے کیونکہ دینِ حق کے دشمن تمام انسانیت کے دشمن ہیں جو لوگوں کو نور سے ہٹا کر ظلمت اور اندھیرے میں

دھکیلتے ہیں اور سچائی سے ہٹا کر ان میں کفر کے گندے بیج بوتے ہیں...... پھر اس آیت میں یہ اشارہ بھی دیا گیا کہ یہ کم عقل لوگ اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ دین اسلام کو اسی طرح بجھا دیں گے جس طرح کوئی اپنی پھونک سے چراغ بجھا دیتا ہے، حالانکہ دین اسلام کسی انسان کا جلایا ہوا چراغ نہیں یہ تو اللہ تعالیٰ کا نور ہے اور اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھانا کسی کے بس کی بات نہیں ہے...... اور آیت کے آخر میں وعدہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی خوب نصرت فرمائے گا اور اس نور کو حدِ کمال تک پہنچائے گا۔

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

ثم انہ تعالیٰ وعد محمداً صلی اللہ علیہ وسلم مزید النصرۃ والقوۃ واعلاء الدرجۃ وکمال الرتبۃ فقال وَيَأْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا کہ ان کی خوب نصرت فرمائے گا اور دین اسلام کو قوت، بلند درجہ اور کمال مرتبہ عطا فرمائے گا چنانچہ ارشاد فرمایا وَيَأْبَى اللّٰهُ ...... الآیۃ (تفسیر کبیر)

کھلی صداقت

تفسیر ماجدی میں ہے:

آیت کی صداقت پر امت کی ساڑھے تیرہ سو سال کی پوری تاریخ گواہ ہے۔ یہود، نصاریٰ، مشرکین، ملحدین، غرض ہر مخالف و معاند، مکر و حیلہ، زور و جبر کے مختلف درجوں اور طریقوں سے اسلام کی بیخ کنی میں لگا ہوا ہے، لیکن اس کے باوجود اسلام ہے کہ پھیلتا ہی جاتا ہے اور پیروان اسلام کی تعداد میں اضافہ ہی روز افزوں ہے، یہاں تک کہ مسیحی مشنریوں کو اعتراف ہے کہ روپیہ کے بے دریغ خرچ کرنے اور اپنے نہایت درجہ مستحکم نظام کے باوجود مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کے مشن افریقہ وغیرہ میں ناکام ہی رہے۔ (تفسیر ماجدی)

بہت بڑی تسلی

آیت مبارکہ میں مسلمانوں کے لئے بہت بڑی تسلی اور خوشخبری ہے کہ اسلام کے خلاف ہونے والے حملوں، سازشوں اور اعتراضات کی حیثیت ان پھونکوں سے زیادہ نہیں ہے جو کوئی بیوقوف شخص سورج کو بجھانے کے لئے مارے...... پس مسلمانوں کا فرض ہے کہ اللہ کے نور یعنی دین اسلام پر مضبوطی سے عمل پیرا ہو جائیں...... وہ جس قدر اللہ تعالیٰ کے نور پر کاربند ہوں گے اسی قدر مضبوط اور غالب ہوں گے۔ اور کفار کی ساری طاقت، محنت اور سازشیں مکڑی کے جالے اور منہ کی پھونکوں سے زیادہ طاقت نہیں رکھتیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

قرآن پاک کی یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب اسلام جزیرۃ العرب تک محدود تھا، جبکہ عیسائیوں اور یہودیوں کی سلطنتیں اور حکومتیں دنیا کے بڑے حصے پر چھائی ہوئی تھیں...... مگر قرآن پاک کے وعدے کے مطابق اسلام کا نور پھیلتا چلا گیا اور کچھ ہی عرصہ میں اس نے ایک بڑے جہان کو منور کر دیا۔ والحمد للہ رب العالمین۔

سُورَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ — آیت ۳۳

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ

اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اسے سب دینوں پر غالب

كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

کرے اور اگرچہ مشرک ناپسند کریں

خلاصہ

دین اسلام دنیا میں غالب ہونے کے لئے آیا ہے، اللہ پاک نے اپنے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت یعنی قرآن پاک اور دین حق یعنی اسلام دے کر بھیجا ہے تاکہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب کردے اگرچہ مشرکین جن میں یہود ونصاریٰ بھی شامل ہیں جتنا بھی نہ چاہیں۔ پس یہود ونصاریٰ اور دوسرے مشرکین اس دین کے غلبے کو روکنے کی پوری کوشش کریں گے تو ان کے خلاف مسلمانوں کو جہاد کرنا ہوگا تاکہ ان کی قوت ٹوٹ جائے اور وہ دین اسلام کے راستے کی رکاوٹ نہ بن سکیں۔

اقوال وحوالے

یہ دین نازل ہی اسی لئے ہوا ہے

❶ اللہ تعالیٰ ان مشرکوں کی منشاء کے خلاف اسلام کو سارے دینوں پر غالب کردے گا اور یہ دین نازل ہی اسی لئے ہوا ہے۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

❷ اس نے اپنا "رسول"، "ہدایت" اور "دین حق" دے کر بھیجا تاکہ سب غلط اور بُرا وہام مذاہب پر غالب ہو کر بنی آدم کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو تھام لے، سو وہ دین حق کو غالب ہی کر کے رہے گا چنانچہ صحابہ کے عہد میں ایسا ہو چکا یعنی وہ روشنی مشرق سے مغرب تک پھیل گئی اور عہد مہدی علیہ السلام میں پھر پھیلے گی۔ (تفسیر حقانی)

❸ اسلام کا غلبہ باقی ادیان پر معقولیت اور حجت ودلیل کے اعتبار سے، یہ تو ہر زمانہ میں بحمد اللہ نمایاں طور پر حاصل رہا ہے، باقی حکومت وسلطنت کے اعتبار سے وہ اس وقت حاصل ہوا ہے اور ہوگا، جبکہ مسلمان اصول اسلام کے پوری طرح پابند اور ایمان وتقویٰ کی راہوں میں مضبوط اور جہاد فی سبیل اللہ میں ثابت قدم تھے یا آئندہ ہوں گے اور دین حق کا ایسا غلبہ کہ باطل ادیان کو مغلوب کر کے بالکل صفحۂ ہستی سے محو کردے، یہ نزول مسیح علیہ السلام کے بعد قرب قیامت میں ہونے والا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

۴ ''محققین نے کہا ہے کہ اسلام کا غلبہ سارے ادیان پر عقل واستدلال کی رو سے تو مطلق ہے اور کسی وقت و زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں، البتہ مادی غلبہ اہل اسلام کی صلاحیت واہلیت کے ساتھ مخصوص ومشروط ہے، بہت سے مفسرین اس طرف بھی گئے ہیں کہ اسلام کے غلبۂ کامل کا ظہور ومشاہدہ قرب قیامت میں ہوگا جب نزول مسیح علیہ السلام کے وقت دوسرا دین موجود نہ رہ جائے گا۔''

واکثر المفسرین علی الاحتمال الثانی قالوا وذلک عند نزول عیسی علیه السلام فانه حینئذ لا یبقیٰ دین سوی الاسلام.(روح)(تفسیر ماجدی)

اسلام کے غلبے کی تین صورتیں

''غالب ہونے کی تین صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ دلیل اور حجت کے ساتھ غلبہ ہو اور یہ غلبہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ کوئی بھی شخص خواہ دین آسمانی کا مدعی ہو خواہ بت پرست ہو، خواہ آتش پرست ہو، خواہ اللہ تعالیٰ کے وجود کا منکر ہو، خواہ ملحد ہو اور زندیق ہو وہ اپنے دعویٰ اور اپنے دین کو لے کر دلیل کے ساتھ مسلمانوں کے سامنے نہیں آسکتا اور اپنے دعویٰ کو صحیح ثابت نہیں کر سکتا، اسلام کے دلائل سے یہود ونصاریٰ اور مشرکین، زنادقہ اور ملحدین سب پر حجت قائم ہے اس اعتبار سے دین اسلام ہمیشہ سے غالب ہے۔ اسلام دین کامل ہے انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ دیگر تمام ادیان کے ماننے والے صرف چند تصورات اور خود تراشیدہ معتقدات کو لے کر بیٹھے ہیں۔ عبادات، معاملات، مناکحات، معیشت اور معاشرت، سیاست اور حکومت، اخلاق اور آداب کا کوئی مذہبی نظام ان کے پاس نہیں ہے، اسلام نے انسانوں کو ہر شعبۂ زندگی کے احکام دیئے ہیں اور اخلاق عالیہ کی تعلیم دی ہے۔

دوسری صورت اسلام کے غالب ہونے کی یہ ہے کہ دنیا میں بسنے والے کفر وشرک چھوڑ کر اسلام قبول کرلیں اور دنیا میں اسلام ہی اسلام ہو اور اس کا راج ہو، ایسا قیامت سے پہلے ضرور ہوگا۔ حضرت عیسیٰ اور حضرت مہدی علیہما السلام کے زمانے میں اسلام خوب اچھی طرح پھیل جائے گا اور زمین عدل وانصاف سے بھر جائے گی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دنیا میں دوبارہ تشریف آوری کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ویبطل الملل حتی یهلک اللّٰه فی زمانه الملل کلها غیر الاسلام۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام ملتوں کو باطل کردیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے زمانہ میں اسلام کے علاوہ ساری ملتوں کو ختم فرمادیں گے۔ (مسند احمد ص ۴۳۷ ج ۲)

تیسری صورت اسلام کے غالب ہونے کی یہ ہے کہ مسلمان اقتدار کے اعتبار سے دوسری اقوام پر غالب ہوجاتا ہے اور یہ ہو چکا ہے۔ جب مسلمان جہاد کرتے تھے، اللہ کے دین کو لے کر آگے بڑھتے تھے اور اللہ کی رضا پیش نظر تھی اس وقت بڑی بڑی حکومتیں پاش پاش ہوگئیں۔ قیصر وکسریٰ کے ملکوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا، ان میں سے جو

قیدی پکڑے گئے وہ غلام باندی بنائے گئے اور مشرکین اور اہل کتاب میں بہت سے لوگوں نے جزیہ دینا منظور کرلیا اور مسلمانوں کے ماتحت رہے، صدیوں یورپ اور ایشیا، افریقہ کے ممالک پر مسلمانوں کا قبضہ رہا اور اس وقت یہی تین بر اعظم دنیا میں معروف تھے اور اب بھی مسلمانوں کی حکومتیں زمین کے بڑے حصے پر قائم ہیں۔ اگر اب بھی جہاد فی سبیل اللہ کے لئے کھڑے ہوجائیں اور آپس میں اتفاق واتحاد کرلیں، کافروں سے بغض رکھیں کافروں کی حکومتوں کو اپنا سہارا نہ بنائیں تو اب بھی وہی شان واپس آسکتی ہے جو پہلے تھی۔

اقتدار والے غلبہ کے اعتبار سے بھی اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوچکا ہے اور آئندہ پھر اس کا وقوع ہوگا، انشاء اللہ۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زمین پر مٹی سے بنا ہوا کوئی گھر یا بالوں سے تیار کیا ہوا کوئی خیمہ ایسا باقی نہ رہے گا جس میں اللہ تعالیٰ اسلام کا کلمہ داخل نہ فرمادے، عزت والے کی عزت کے ساتھ اور ذلت والے کی ذلت کے ساتھ، حدیث کی روایت کرنے کے بعد حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بس تو پھر سارا دین اللہ ہی کے لئے ہوگا۔ (مشکوٰۃ ص ۱۶ از مسند احمد) (یعنی) جن کو اللہ تعالیٰ عزت دے گا انہیں کلمہ اسلام کا قبول کرنے والا بنادے گا اور جن کو اللہ ذلیل کرے گا وہ مقتول ہوگا یا مجبور ہوکر جزیہ ادا کرے گا۔" (انوار البیان)

اس آیت میں جہاد کی دعوت ہے

"اہل کتاب کو بہترین مذہب دیا گیا مگر انہوں نے اس کی تعلیم کو بالکل بگاڑ دیا، اب مذہب کے مقصد اصلی کو پورا کرنے کے لئے ایک رسول آیا ہے جس کا دین تمام دینوں پر غالب ہوکر رہے گا۔ یہود ونصاریٰ اس مذہب کو نیچا دکھانے کی فکر میں رہیں گے اس لئے مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ ان کو کمزور کردیں۔"

احادیث میں تفصیل کے ساتھ اس فتح وکامرانی کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ زوی لی الارض مشارقھا ومغاربھا وسیبلغ ملك امتی مازوی لی منھا اللہ تعالیٰ نے زمین کے مشرق ومغرب کو لپیٹ کر میرے سامنے رکھ دیا، جس قدر زمین لپیٹ دی گئی وہ سب میری امت کے زیر حکومت ہوگی۔

مسند امام احمد میں ہے: انہ ستفتح لکم مشارق الارض ومغاربھا وان عمالھا فی النار الامن اتقیٰ اللہ وادی الامانۃ، زمین کے مشرق ومغرب تمہارے لئے مفتوح ہوں گے اور اس کے حکام میں سے صرف وہی لوگ جنت کے مستحق ہوں گے جو تقویٰ اللہ اختیار کریں اور ادائے امانت کے خوگر ہوں۔ (تفسیر الفرقان)

اسلام کے غلبے کی احادیث

اکثر مفسرین کے نزدیک آیت میں جس غلبے کا تذکرہ ہے اس کا مطلب اسلام کا تمام ادیان پر ظاہری اور اقتدار والا غلبہ ہے، امام نسفیؒ فرماتے ہیں:

لیظھرہ لیعلیہ (المدارک) جلالین میں بھی اظہار کا ترجمہ اعلاء سے کیا ہے اور یہی حال دیگر مفسرین کرام کا ہے حتیٰ کہ امام ابن کثیرؒ نے اس آیت کا صرف یہی ایک مفہوم مراد لے کر وہ احادیث ذکر فرمائی ہیں جن میں اسلام کے غالب آنے اور زمین پر اس کے چھا جانے کا تذکرہ ہے۔ ملاحظہ فرمائیے تفسیر ابن کثیر......

ایک دلچسپ بحث

امام قرطبیؒ نے اس آیت کے ذیل میں اس مسئلے پر بحث کی ہے کہ حضرت امام مہدی کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ہونا متواتر احادیث سے ثابت ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی امام مہدی نہیں ہیں، بلکہ دونوں الگ الگ شخصیات ہیں اور وہ روایت غلط ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہی امام مہدی قرار دیا گیا ہے...... ملاحظہ فرمائیے اس بحث کی تفصیل کے لئے تفسیر قرطبی (اس زمانہ میں کئی لوگ نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدی ہونے کا دعویٰ کر دیتے ہیں اس لئے اس بارے میں صحیح علم ہونا ضروری ہے تا کہ فتنوں سے حفاظت رہے)

عجیب نکتہ

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے مراد دین اسلام کا دیگر مذاہب پر ظاہری غلبہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کے طور پر فرمایا ہے کہ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کہ وہ دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب فرمائے گا تو ظاہر بات ہے کہ وعدہ اس چیز کا ہوتا ہے جو ابھی موجود نہ ہو تو اس کے آئندہ موجود ہونے کا وعدہ کیا جاتا ہے اب اگر غلبے سے مراد دلیل اور حجت کا غلبہ ہو تو یہ غلبہ تو اُس زمانے میں بھی موجود تھا چنانچہ غلبے سے مراد قوت اور اقتدار والا غلبہ ہے جو اس زمانے میں اسلام کو حاصل نہیں تھا مگر بعد میں اس وعدے کے مطابق یہ غلبہ عطاء فرمایا گیا تو یہ آیت بھی معجزات میں سے ہے کہ جس غلبے کا وعدہ کیا گیا تھا وہ الحمد للہ حاصل ہو گیا...... امام صاحب کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

واعلم ان ظهور الشيء على غيره قد يكون بالحجة وقد يكون بالكثرة والوفور وقد يكون بالغلبة والاستيلاء ومعلوم ان الله تعالىٰ بشّر بذلك ولا يجوز ان يبشر الا بامر مستقبل غير حاصل وظهور هذا الدين بالحجة مقرر معلوم، فالوا جب حمله على الظهور بالغلبة. (تفسیر کبیر)

آگے لکھتے ہیں کہ اس آیت کا تقاضا تو یہ تھا کہ دین اسلام تمام ادیان پر غالب آجاتا مگر مکمل طور پر تو ایسا نہیں ہوا اور ہند، چین اور روم اور دیگر کافر ملکوں میں اسلام مکمل غالب نہیں آیا تو اس کے کئی جوابات ہیں، ایک یہ کہ دنیا کے جتنے بڑے ادیان ہیں اسلام ان پر کئی مقامات پر غالب آیا، جزیرہ عرب میں مشرکوں اور یہودیوں پر، ملک شام میں عیسائیوں پر اور مجوسیوں پر ان کے ممالک میں اور بت پرستوں پر ترکی اور ہند کے اطراف میں وغیرہ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اسلام کا مکمل غلبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مہدی علیہ السلام کی تشریف آوری پر ہوگا۔

فثبت ان الذی اخبر اللہ عنہ فی ہذہ الآیة قد وقع وحصل وکان ذلک اخبارا عن الغیب فکان معجزا۔ (تفسیر کبیر)

وقال السدی: ذلک عند خروج المہدی، لا یبقیٰ احد الا دخل فی الاسلام او ادی الخراج۔ (تفسیر کبیر)

اسلامی غلبے کے عناصر

امام رازیؒ کی رائے وزنی معلوم ہوتی ہے کیونکہ پچھلی آیات میں بھی جہاد کا تذکرہ تھا اور آگے کی آیات بھی غزوہ تبوک سے متعلق ہیں اور خود ان آیات کے بارے میں بھی اکثر مفسرین کا فرمانا ہے کہ یہ غزوہ تبوک کی ترغیب میں نازل ہوئی ہیں۔ پس غلبے سے مراد قوت اور اقتدار والا غلبہ ہے۔ پھر اس آیت مبارکہ کے الفاظ میں غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا ظاہری غلبہ چند چیزوں کے ساتھ مشروط ہے۔ هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ سے اشارہ ملا کہ مسلمانوں میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوں اور جب آپ تشریف لے جائیں تو آپ کا کوئی ''خلیفہ'' موجود ہو معلوم ہوا کہ اسلامی غلبے کے لئے مسلمانوں میں جماعت اور خلافت کا قیام اہم کردار ادا کرتا ہے۔

بِالْهُدٰى سے اشارہ ملا کہ قرآن مجید ہی مسلمانوں کا رہنما اور دستور ہو، مسلمان قرآن پاک ہی کو اپنا قانون بنائیں اور اسی کو اپنا نظام اور دستور بنائیں۔ وَدِيْنِ الْحَقِّ سے اشارہ ملا کہ اسلام کی حقانیت، اس کا نفاذ اور اس کا غلبہ مسلمانوں کے پیش نظر ہو اور لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ سے اشارہ ملا کہ مسلمان اسلام کے غلبے کے لئے اسلام کے مخالفین سے جہاد کریں۔

چنانچہ جب بھی مسلمان ایک خلیفہ اور امیر پر متفق ہوئے اور انہوں نے قرآن کو اپنا قانون اور دستور بنایا اور وہ اسلام کی حقانیت اور تنفیذ کے لئے خود آگے بڑھے اور انہوں نے جہاد فی سبیل اللہ کو پوری قوت سے جاری کیا تو انہیں یہ غلبہ نصیب ہوا...... اب بھی الحمدللہ مسلمان جہاں جہاد کرتے ہیں غالب اور کامیاب ہوتے ہیں...... اب ایک اور بات پر غور فرمائیں...... تمام مفسرین لکھ رہے ہیں کہ متواتر احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ جب مسلمان حضرت امام مہدی کی امارت اور خلافت پر متحد ہوں گے اور جب وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا امیر بنا کر جہاد کریں گے تو ساری دنیا پر غالب آجائیں گے...... معلوم ہوا کہ غلبے کا راز خلافت اور جہاد میں پوشیدہ ہے...... اللہ پاک مسلمانوں میں ان دونوں چیزوں کا احیاء فرمائے۔ آمین۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۳۴،۳۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ

اے ایمان والو! بہت سے عالم اور فقیر لوگوں کا مال

اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ

ناحق کھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہیں اور جو لوگ

يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ

سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى

انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے جس دن وہ جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا پھر اس سے ان کی

بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ

پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی یہ وہی ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا

فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾

سو اس کا مزہ چکھو جو تم جمع کرتے تھے

خلاصہ

یہود ونصاریٰ سے قتال کی وجوہات میں سے یہ بھی ہے کہ :

ان کی مذہبی قیادت بے حد گمراہ اور لالچی ہو چکی ہے ان کے اکثر علماء اور مشائخ حرام طریقے سے مال حاصل کرتے ہیں اور دنیا کی خاطر دین کو بیچتے ہیں اور لوگوں کو دین اسلام سے روکتے ہیں (پس ایسے لوگوں کا قوت اور اقتدار میں رہنا انسانیت کے لئے کتنا بڑا نقصان ہے) ان کے عام لوگوں نے علماء اور مشائخ کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور علماء اور مشائخ کی حالت یہ ہے کہ وہ مال اور دنیا کے بے حد حریص اور لالچی ہیں اور مال اور عہدے کی وجہ سے دینِ حق کو قبول نہیں کرتے بلکہ اور لوگوں کو بھی دینِ حق سے روکتے ہیں اور یہ یہود ونصاریٰ دنیا میں معاشی اور اقتصادی ناہمواری اور ظلم عام کرتے ہیں (یہ لوگ ناجائز سرمایہ داری کے ذریعہ انسانوں کے حقوق پامال کرتے ہیں) یہ لوگ مال کو ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے پس ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے، قیامت کے دن اس مال سے ان کو عذاب دیا جائے گا......

یہود و نصاریٰ کے مذہبی رہنماؤں کی خاص نشانی

تفسیر حقانی میں ہے:

یہود و نصاریٰ کے عالم اپنی کتابوں میں تحریف کرنے کے عادی تھے وہ لوگوں کو طرح طرح کے شبہات میں مبتلا کرتے تھے جیسا کہ آج کل مشنری کرتے ہیں۔اب مسلمانوں کو ان کی ایک خباثت بتا کر ان کے فریب سے مطلع فرماتا ہے کہ وہ مکار لوگ فریب کر کے مال مارتے اور اسکو جمع کرتے ہیں، اللہ کی راہ میں خود صرف کرنا نہیں جانتے جیسا کہ ہندوؤں کے برہمن اور پنڈت کرتے ہیں، پس ایسے لالچیوں کی بات کا کیا اعتبار ہے، ایسے مال کو قیامت میں گرم کر کے ان کے منہ اور پیٹھ اور پہلو پر داغ دیئے جائیں گے۔

اس آیت میں ان مسلمانوں کی طرف بھی اشارہ ہے جو زکوۃ نہیں دیتے۔ زکوۃ دینے کے بعد مال جمع کرنا جمہور کے نزدیک جائز ہے (کچھ شرائط کے ساتھ)۔ یہود و نصاریٰ کے احبار اور رہبان جو کچھ جال پھیلاتے اور بہروپ بدلتے تھے سب مال و زر کے لئے تھا جس کا انجام جہنم میں داغ دیا جانا ہوگا۔ یہود و نصاریٰ پر کیا موقوف ہے یہ مال و زر کی طمع ایسی بلا ہے کہ جس سے انسان بمشکل نجات پا سکتے ہیں۔مسلمانوں کے بعض گروہوں کو بھی اس مہلک مرض نے ہلاک کیا ہے۔اولیاء کرام کا بہروپ بدل کر درویشوں، پیرزادوں نے وہ ڈھنگ بنائے ہیں کہ اللہ کی پناہ۔کہیں میلہ، کہیں نذر و نیاز کا طریقہ اور پھر اس بزرگ کے (نعوذ باللہ) خدائی اختیارات کے قصے۔اور پھر ان علماء سوء کا ان کی تاویلات کرنا اور ان پر علمی قلعی چڑھا کر ان کو رواج دینا، کہیں راگ و رنگ کی مجالس کو اور جملہ لہو ولعب کو دین بنانا اور بحث میں علمی زور دکھانا، پھر پیر صاحب کا اپنی تعظیم و تکریم کے احکام جاری کرنا، سجدے کرانا، نذرانے وصول کرنا اور در پردہ شہوات و لذات کے مزے اڑانا سب پرانے احبار و رہبان کی تقلید ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اتباع نصیب کرے۔(آمین) (تفسیر حقانی تسہیل)

ان دو آیات کے مضامین

ان دو آیات پر حضرات مفسرین نے بہت تفصیل سے لکھا ہے اور درج ذیل امور پر مفصل کلام فرمایا ہے:

1. یہود و نصاریٰ کی اور ان کے علماء و مشائخ کی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی حب دنیا، حرص اور ظالمانہ سرمایہ داری
2. مسلمانوں کو ان بیماریوں سے بچنے کی تلقین اور دنیا پرست علماء کی مذمت
3. کنز کا مفہوم کہ کون سا مال کنز کہلاتا ہے اور کون سا نہیں
4. سونے چاندی کو اصل مال قرار دے کر ذکر فرمایا گیا ہے جبکہ مقصد ہر طرح کا مال اور جاگیر ہے اس کے دلائل
5. زکوۃ اور دیگر حقوق واجبہ ادا کرنے کے بعد مال جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟
6. زکوۃ ادا نہ کرنے کی سخت وعیدیں اور مال جمع کرنے کی وعیدیں اور ان کا مطلب
7. مسلمانوں کو اپنے لئے کونسی چیزیں ذخیرہ کرنی چاہئیں، احادیث میں تین چیزوں کا زیادہ تذکرہ آیا ہے:

(الف) ذکر کرنے والی زبان (ب) شکر کرنے والا دل (ج) دین اور آخرت کے معاملات میں تعاون کرنے والی بیوی

❽ یہ آیت صرف یہود ونصاریٰ کے لئے ہے یا مسلمانوں کے لئے بھی؟

❾ ان احادیث مبارکہ کا تذکرہ جن میں اس بات کا بیان ہے کہ مسلمانوں میں بھی یہود ونصاریٰ والی بیماریاں پھیل جائیں گی۔

❿ حضرت ابوذر غفاریؓ اور دیگر اہل زُہد کا تذکرہ۔

تقریباً اکثر مفسرین نے یہ تمام بحثیں ذکر فرمائی ہیں، شائقین حضرات تفاسیر میں ملاحظہ فرمالیں۔

ایک دعاء

تفسیر ابن کثیر میں مسند احمد کے حوالے سے یہ روایت بیان فرمائی گئی ہے:

سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: اذا كنز الناس الذهب والفضة فاكنزوا هؤلاء الكلمات

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے ارشاد فرمایا: جب لوگ سونا چاندی کو ذخیرہ کرنے لگیں تو تم ان کلمات (یعنی اس دعاء) کو ذخیرہ کرو:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الثَّبَاتَ فِی الْاَمْرِ وَالْعَزِیْمَةَ عَلَی الرُّشْدِ وَاَسْئَلُکَ شُکْرَ نِعْمَتِکَ وَاَسْئَلُکَ حُسْنَ عِبَادَتِکَ وَاَسْئَلُکَ قَلْبًا سَلِیْمًا وَاَسْئَلُکَ لِسَانًا صَادِقًا وَاَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِ مَا تَعْلَمُ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُکَ لِمَا تَعْلَمُ اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ. (تفسیر ابن کثیر)

سُورَةُ التَّوبَة مَدَنِيَّة — آیت ۳۶

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ

بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں مہینوں کی گنتی بارہ مہینے ہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب میں جس دن

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ

سے اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان پیدا کیے ان میں سے چار عزت والے ہیں یہی سیدھا دین

الْقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا

ہے سو ان میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو اور تم سب مشرکوں سے لڑو جیسے

يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝۳۶

وہ سب تم سے لڑتے ہیں اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے

خلاصہ

یہود ونصاریٰ، مشرکین اور تمام کفار کا ایک جرم یہ بھی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو اپنی خواہشات کی خاطر بدلتے رہتے ہیں اور ان احکامات کے اوقات میں بھی اپنی مرضی سے تبدیلیاں کرتے رہتے ہیں، اس لئے بہت واضح ہدایت دی جارہی ہے کہ مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ ہے یعنی ایک سال بارہ قمری مہینوں پر مشتمل ہوتا ہے اور ان میں سے چار مہینے ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب زیادہ ادب والے مہینے ہیں، پس اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ سال اور مہینے دینی احکامات میں معتبر ہیں جن میں چار ادب والے مہینے بھی ہوتے ہیں اور ادب والے یہ چار مہینے قمری سال میں ہوتے ہیں پس قمری سال ہی اللہ تعالیٰ کا مقرر فرمودہ سال ہے۔ حرمت والے مہینوں کا یہ حکم ہے کہ ان میں گناہ اور ظلم سے بچنے کا زیادہ اہتمام کیا جائے جب یہود ونصاریٰ اور تمام مشرکین کے جرائم معلوم ہوگئے تو اے مسلمانو! تم ان تمام مشرکین سے ہر حال میں لڑو، ان سے قتال کرو جیسے وہ تم سب سے ہر حال میں لڑتے ہیں اور یہ بات دل میں بٹھالو کہ اللہ تعالیٰ کی مدد متقی لوگوں کے ساتھ ہے اور جہاد کے وقت جہاد کرنا تقوے کا اہم تقاضا ہے......

آیت کا ربط

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

اعلم ان هذا شرح النوع الثالث من قبائح اليهود والنصارىٰ والمشركين وهو اقدامهم على السعي في تغييرهم احكام الله

یعنی یہ یہود ونصاریٰ اور مشرکین کی خرابیوں کی تیسری قسم کا بیان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات میں تبدیلی کی جسارت کرتے ہیں۔ (تفسیر کبیر) (پس یہ آیت بھی وجوہات قتال کے بیان پر مشتمل ہے)

جہاد ہمیشہ رہے گا

"یہاں تک (کی آیات میں) یہ بات ثابت ہوگئی کہ کسی بڑی سے بڑی مذہبی جماعت کا تقدس (یعنی یہود، نصاریٰ اور ان کے علماء مشائخ کا نام نہاد تقدس) ہمیں جہاد فی سبیل اللہ سے روک نہیں سکتا، اب بتایا جاتا ہے کہ اشہر حرم اور مقدس مہینوں میں بھی جنگ نہیں رک سکتی بلکہ ہمیشہ جاری رہے گی۔" (تفسیر الفرقان)

آیت کا تعلق جہاد وقتال سے ہے

تفسیر حقانی میں ہے:

پھر ان باتوں میں سے ایک بات بیان فرماتا ہے جو جہاد وقتال سے مناسب تھی۔ (تفسیر حقانی)

نکتہ

مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ مہینوں میں گڑبڑ کرتے تھے اور ان کو اپنی مرضی سے آگے پیچھے کرتے رہتے تھے مفسرین میں سے بعض کی رائے ہے کہ انہوں نے یہ بری عادت یہود ونصاریٰ سے سیکھی تھی۔

تفسیر ماجدی میں ہے:

''امام رازیؒ نے حسب معمول اس پر تفصیل وتحقیق سے گفتگو کی ہے اور لکھا ہے کہ عربوں کے ہاں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام وحضرت اسماعیل علیہ السلام کے وقت سے سنہ قمری چلا آتا تھا، جس سے ماہ حج کبھی کسی موسم میں پڑتا تھا کبھی کسی میں، لیکن عربوں نے دیکھا کہ اس سے تجارت وغیرہ میں نقصان ہوتا ہے تو انہوں نے مصالح دین کا خیال نہ کر کے اور ان پر مصالح دنیوی کو ترجیح دے کر یہود ونصاریٰ سے حساب کبیسہ سیکھ لیا اور اپنے مہینوں میں کچھ کچھ روز کے بعد ایک مہینہ بڑھا کر حج وغیرہ کا زمانہ بہ حساب شمسی متعین کر دیا اور یہ صریح مصالح شریعت میں دست اندازی ہے علماء سلف نے آیت سے یہ حکم بھی مستنبط کیا ہے کہ مسلمانوں پر اپنے معاملات وعبادات میں سنہ قمری عربی کی پابندی واجب ہے اور سنہ عجمی وسنہ رومی شمسی کی پابندی جائز نہیں۔

قال اهل العلم الواجب على المسلمين بحكم هذه الآية ان يعتبروا في بيوعهم ومدد ديونهم واحوال زكاتهم وسائر احكامهم السنة العربية بالاهلّه ولا يجوز لهم اعتبار السنة العجمية والرومية۔ (تفسیر کبیر) (تفسیر ماجدی)

چار مہینوں کی حرمت

اس آیت مبارکہ کے ذیل میں بھی حضرات مفسرین نے اس پر بحث فرمائی ہے کہ چار حرمت والے مہینوں میں مسلمانوں کی طرف سے قتال کی ابتداء کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یعنی ان مہینوں میں قتال کی حرمت باقی ہے یا نہیں؟......

امام ابن کثیرؒ نے دونوں اقوال اور ان کے دلائل کو تفصیل سے ذکر فرمایا ہے، تفسیر ابن کثیر میں ملاحظہ فرمالیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ لکھتے ہیں:

ہمیشہ حکم شرع میں برس ہے بارہ مہینے کا، نہ کم نہ زیادہ اور دین ابراہیمؑ میں چار مہینے حرام تھے، ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب، کہ ان میں لڑنا حرام تھا۔ ملک عرب میں امن تھا تا (کہ) لوگ دور اور نزدیک کے حج وعمرہ کرسکیں اب اکثر علماء کے پاس (یعنی علماء کے نزدیک) یہ حکم نہیں، اس آیت سے بھی نکلتا ہے کہ کافروں سے لڑنا ہمیشہ روا (یعنی جائز) ہے اور ظلم کرنا ہمیشہ گناہ ہے (اور) ان مہینوں میں (ظلم کرنا) زیادہ (بڑا گناہ ہے) لیکن بہتر ہے کہ اگر کوئی کافر ان مہینوں کا ادب مانے تو ہم بھی اس سے ابتداء نہ کریں لڑائی کی۔ (موضح القرآن)

خیر یہ تو ایک اختلافی مسئلہ ہے اور پہلے جمہور کا قول گزر چکا ہے مگر دو باتوں پر سب کا اتفاق ہے ایک یہ کہ اگر کفار مسلمانوں پر حملہ کردیں تو مسلمانوں کو جوابی کارروائی کرنی ہوگی ان مہینوں کا خیال کر کے ہاتھ روکنا جائز نہیں ہوگا۔

حضرت لاہوریؒ جو چار مہینوں میں حرمت قتال کے قائل ہیں تحریر فرماتے ہیں:

مسلمانوں کو چونکہ ساری دنیا سے لڑائی کرنی ہوگی، اس لئے فوج محمدی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کو ہر سال میں چار ماہ آرام کیلئے دیئے جائیں گے ان مہینوں میں مسلمان خود لڑائی نہیں چھیڑیں گے، ہاں اگر کفار حملہ کردیں گے تو مجبوراً لڑنا ہی پڑے گا۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

اس لئے تمام دنیا کے مسلمان ان مہینوں کا احترام کریں گے مگر اس حرمت سے یہ مراد نہیں کہ تم بے دست و پا ہو کر بیٹھ جاؤ بلکہ جب مخالفین تم کو متحد ہو کر تباہ کرنا چاہتے ہیں تو تم بھی اکٹھے ہو کر ان کا نام ونشان مٹادو۔ (تفسیر الفرقان)

اور دوسری بات یہ ہے کہ ان چار مہینوں میں ظلم یعنی ہر طرح کے گناہوں سے زیادہ بچنے کا اہتمام کرنے کی تاکید ہے۔ تفسیر جلالین میں ہے:

فَلَا تَظْلِمُوْا فِیْهِنَّ ای: الاشهر الحرم اَنْفُسَكُمْ بالمعاصی فانها فیها اعظم وزرا. (جلالین)

یعنی اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو ان چار مہینوں میں گناہ کر کے کیونکہ ان مہینوں میں گناہ کا وبال زیادہ سخت ہوتا ہے۔

بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ فِیْهِنَّ سے مراد تمام مہینے ہیں کہ کسی بھی مہینے میں گناہ نہ کرو۔

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً

تمام کافروں سے جنگ کرو جیسا کہ وہ تم سب سے جنگ کرتے ہیں۔ (انوار البیان)

فمعنی وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً لا يتخلف احد منكم عن قتالهم او لا تتركوا قتال واحد منهم. (روح المعانی)

یعنی وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً کا مطلب ہے کہ تم مسلمانوں میں سے کوئی ان کے ساتھ قتال سے پیچھے نہ رہے یا

مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی قتال نہ چھوڑو۔ (یعنی تم سب ان سب سے لڑو)

امام قرطبیؒ بھی یہی معنیٰ کرتے ہیں:

وَقَاتِلُوا امر بالقتال و كَآفَّةً معناه جميعا وهو مصدر في موضع الحال أى محيطين بهم ومجتمعين۔ (قرطبی)

اور آگے لکھتے ہیں:

وانما معنى هذه الآية الحض على قتالهم والتحزّب عليهم وجمع الكلمة

یعنی مقصد اس آیت کا مسلمانوں کو کافروں کے خلاف قتال پر ابھارنا اور متحد ہو کر کافروں کے خلاف جہاد کرنے کی ترغیب دینا ہے۔ (القرطبی)

اور كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَآفَّةً کا معنیٰ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

فبحسب قتالهم واجتماعهم لنا يكون فرض ا جتماعنا لهم

پس وہ کافر جس قدر ہم سے لڑیں گے اور جس قدر ہمارے خلاف جمع ہوں گے اسی قدر ہم پر بھی ان کے خلاف جمع ہو کر لڑنا فرض ہوگا۔ واللہ اعلم۔ (قرطبی)

آیتِ مبارکہ کا ایک اور ربط

تفسیر عثمانی میں ہے:

میرے نزدیک اوپر سے سلسلہ مضمون کا یوں ہے کہ گذشتہ رکوع میں مشرکین کے بعد اہل کتاب یہود و نصاریٰ سے جہاد کرنے کا حکم دیا۔ پھر رکوع حاضر کے شروع میں بتایا کہ ان کے عقائد اور طور طریق بھی مشرکین سے ملتے جلتے ہیں، ان کا عزیر و مسیح کو خدا کا بیٹا کہنا ایسا ہی ہے جیسے مشرکین ''ملائکۃ اللہ'' کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے، بلکہ نصاریٰ میں ''ابنیت مسیح'' کا عقیدہ مشرکین کی تقلید سے آیا ہے، وہ بتوں کو خدائی کا درجہ دیتے ہیں، انہوں نے مسیح و روح القدس کو خدا ٹھہرالیا، باوجود دعوائے کتاب کے احبار و رہبان کے احکام کو شریعت الٰہیہ کا بدل تجویز کرلیا، یعنی احبار و رہبان رشوتیں لے کر اور حرام مال کھا کر جس چیز کو حلال یا حرام کردیتے احکام سماوی کی جگہ ان ہی کو قبول کرلیا جاتا، ان کا یہ طریقہ ٹھیک مشرکین کے طریقہ کے مشابہ ہے، ان کے سرگروہ بھی جس چیز کو چاہتے حلال و حرام ٹھہرا کر خدا کی طرف نسبت کردیتے تھے، جس کا ذکر ''انعام'' میں مفصل گزر چکا اور یہاں بھی اس کی ایک مثال بیان کی جاتی ہے۔ عرب میں قدیم سے معمول چلا آتا تھا کہ سال کے بارہ مہینوں میں سے چار مہینے ''اشہر حرم'' (خاص ادب و احترام کے مہینے) ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم، رجب ان میں خونریزی اور جدال و قتال قطعاً بند کردیا جاتا تھا۔ حج، عمرہ اور تجارتی کاروبار کے لئے امن و امان کے ساتھ آزادی سے سفر کرتے تھے، کوئی شخص ان ایام میں اپنے باپ کے قاتل سے بھی تعرض نہ کرتا

تھا بلکہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اصل ملت ابراہیمی میں یہ چار ماہ ''اشہرحرم'' قرار دیئے گئے تھے، اسلام سے ایک مدت پہلے جب عرب کی وحشت اور جہالت حد سے بڑھ گئی اور باہمی جدال وقتال میں بعض بعض قبائل کی درندگی اور انتقام کا جذبہ کسی آسمانی یا زمینی قانون کا پابند نہ رہا تو ''نسی'' کی رسم نکالی۔ گویا عہد جاہلیت میں کافروں کے کفر وگمراہی کو بڑھانے والی ایک چیز یہ بھی تھی کہ خدا کے حلال یا حرام کیے ہوئے مہینہ کو بدل ڈالنے کا حق کنانہ کے ایک سردار کو سونپ دیا گیا تھا، ٹھیک اسی طرح یہود ونصاریٰ کا حال تھا کہ انہوں نے تحلیل وتحریم کی باگ طامع اور غرض پرست احبار ورہبان کے ہاتھ میں دے دی تھی، دونوں جماعتوں کی مشابہت ظاہر کرنے کے لئے ''نسی'' کی رسم کا یہاں ذکر کیا گیا اور اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اس کے ردّ کی تمہید ہے، یعنی آج سے نہیں جب سے آسمان وزمین پیدا کیے خدا کے نزدیک بہت سے احکام شرعیہ جاری کرنے کے لئے سال کے بارہ مہینے رکھے گئے ہیں جن میں سے چار اشہرحرم (ادب کے مہینے) ہیں جن میں گناہ وظلم سے بچنے کا اور زیادہ اہتمام کرنا چاہئے۔ یہی سیدھا دین (ابراہیم علیہ السلام کا) ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ

خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کے ساتھ ہے۔

''جب تمام دنیا تمہیں برباد کرنے کی ٹھان لے تو اس وقت کمالِ تقویٰ یہی ہے کہ تم بھی ان کی فنا سامانی پر کمربستہ ہو جاؤ''۔ (تفسیر الفرقان)

سُورَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۳۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا

یہ مہینوں کا ہٹا دینا کفر میں اور ترقی ہے اس سے کافر گمراہی میں پڑتے ہیں اس مہینے کو ایک برس تو حلال کر لیتے ہیں اور دوسرے برس

وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِّيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ

اسے حرام رکھتے ہیں تاکہ ان مہینوں کی گنتی پوری کرلیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے عزت دی ہے پھر حلال کر لیتے ہیں جو

اللّٰهُ ۚ زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِينَ ﴿٣٧﴾

اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے ان کے برے اعمال انہیں بھلے دکھائی دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں کرتا

خلاصہ

ان کفار کی طرف سے احکام الٰہی میں مجرمانہ مداخلت کی ایک مثال نسئی کی رسم ہے کہ جس میں وہ اپنے بعض سرداروں کی مرضی سے حرمت کے مہینے کو آگے پیچھے کرتے رہتے تھے ان کا یہ عمل کفر میں ان کی مزید ترقی ہے۔ اس کے ذریعہ ان کے بڑے اپنے عام لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں، یہ لوگ حرمت والے مہینوں کی بس گنتی تو پوری کرتے ہیں مگر اللہ کے حرام کیے ہوئے کو حلال کرتے رہتے ہیں، اور انہیں اپنے ان برے اعمال پر کوئی ندامت بھی نہیں بلکہ انہیں یہ برائیاں بھلی معلوم ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا کیونکہ وہ ہدایت پر آنا نہیں چاہتے۔

نسئی کا مطلب

”(جب عرب کے مشرک) قبائل کی درندگی اور انتقام کا جذبہ کسی آسمانی یا زمینی قانون کا پابند نہ رہا تو ”نسئی“ کی رسم نکالی یعنی جب کسی زورآور قبیلہ کا ارادہ ماہ محرم میں جنگ کرنے کا ہوا تو ایک سردار نے اعلان کر دیا کہ اس سال ہم نے محرم کو ”اشہر حرم“ سے نکال کر اس کی جگہ صفر کو حرام کر دیا پھر اگلے سال کہہ دیا کہ اس مرتبہ حسب دستور قدیم محرم حرام اور صفر حلال رہے گا۔ اس طرح سال میں چار مہینوں کی گنتی تو پوری کر لیتے تھے لیکن ان کی تعیین میں حسب خواہش ردّ و بدل کرتے رہتے تھے۔ ابن کثیر کی تحقیق کے موافق ”نسئی“ (مہینہ آگے پیچھے کرنے) کی رسم صرف محرم و صفر میں ہوتی تھی اور اس کی وہی صورت تھی جو اوپر مذکور ہوئی۔ امام مغازی محمد ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ پہلا شخص جس نے یہ رسم جاری کی ”قلمّس کنانی“ تھا پھر اس کی اولاد در اولاد یوں ہی ہوتا چلا آیا، آخر میں اسی کی نسل سے ”ابوثمامہ جنادہ بن عوف کنانی کا معمول تھا کہ ہر سال موسم حج میں اعلان کیا کرتا کہ امسال محرم ”اشہر حرم“ میں داخل رہے گا یا صفر۔ اسی طرح محرم و صفر میں سے ہر مہینہ کبھی حلال اور کبھی حرام کیا جاتا تھا اور عام طور پر لوگ اسی کو قبول کر لیتے تھے۔“

(تفسیر عثمانی)

فائدہ

آیت ۳۶ اور ۳۷ کا مضمون آپس میں بالکل مربوط ہے اس لئے دونوں کے معارف کو جوڑ کر پڑھ لیں تو مفہوم جہاد اچھی طرح سمجھ آجائے گا کہ کفار و مشرکین کے جرائم میں سے یہ بھی ہے کہ وہ قانون الٰہی اور قانون فطرت میں اپنی من چاہی اور خواہشات کے تحت ردّ و بدل کرتے ہیں اور یہود نصاریٰ اور مشرکین عقائد و اعمال کے اعتبار سے ایک جیسے ہیں۔ جس کی مثال نسیٔ کی رسم ہے پس ان سب سے قتال ہوگا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ایک اہم مسئلہ

تفسیر معارف القرآن میں ہے:

مذکورہ (دو) آیتوں سے ثابت ہوا کہ مہینوں کی جو ترتیب اور ان مہینوں کے جو نام اسلام میں معروف ہیں وہ انسانوں کی بنائی ہوئی اصطلاحیں نہیں، بلکہ رب العالمین نے جس دن آسمان و زمین پیدا کیے اسی دن یہ ترتیب اور یہ نام اور ان کے ساتھ خاص خاص مہینوں کے خاص خاص احکام متعین فرمادیے تھے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک احکام شرعیہ میں قمری مہینوں کا اعتبار ہے، اسی قمری حساب پر عام احکام شرعیہ، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ دائر ہیں۔ لیکن قرآن حکیم نے تاریخ و سال معلوم کرنے کے لئے جیسے قمر (چاند) کو علامت قرار دیا ہے اسی طرح آفتاب (سورج) کو بھی اس کی علامت فرمایا ہے۔

لِتَعۡلَمُوۡا عَدَدَ السِّنِيۡنَ وَالۡحِسَابَ اس لئے تاریخ و سال کا حساب چاند اور سورج دونوں سے جائز ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کے لئے چاند کے حساب کو پسند فرمایا اور احکام شرعیہ اسی پر دائر فرمائے، اس لئے قمری حساب کا محفوظ رکھنا فرض کفایہ ہے اگر ساری امت قمری حساب ترک کر کے اس کو بھلا دے تو سب گناہگار ہوں گے اور اگر وہ محفوظ رہے تو دوسرے حساب کا استعمال بھی جائز ہے لیکن سنت اللہ اور سنت سلف کے خلاف ضرور ہے اس لئے بلا ضرورت اس کو اختیار کرنا اچھا نہیں۔ (معارف القرآن)

تفسیر انوار البیان میں ہے:

دنیاوی معاملات کے لئے بطور یادداشت اگر قمری مہینوں کے علاوہ دوسرے مہینوں کو استعمال کیا جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے لیکن پسندیدہ نہیں، کیونکہ ہجری مہینوں کے سوا جو دوسرے مہینے رائج ہیں انہیں دشمنان دین نے اختیار کر رکھا ہے۔ وہ ہمارے ہجری مہینوں کو کوئی حیثیت نہیں دیتے تو ہمیں ان کی طرف مائل ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ (انوار البیان)

”محققین نے کہا ہے کہ احکاماتِ عبادات میں معتبر صرف سنہ قمری ہے، رومی، ایرانی، مصری کسی اور سنہ کو اسلام معتبر نہیں قرار دیتا۔“

هذه الآية تدل على ان الواجب تعليق الاحكام من العبادات وغيرها انّها يكون بالشهور والسنين تعرفها العرب دون الشهور التى تعتبرها العجم والروم والقبط وان لم تزد على اثنى عشر شهراً. (قرطبی، تفسیرماجدی)

فائدہ

سورۃ توبہ آیت ۲۹ سے اہل کتاب کے خلاف جہاد کا حکم اور ترغیب کا مضمون چل رہا تھا، عرب کے مسلمان یہودیوں اور عیسائیوں کو مذہبی لوگ سمجھتے تھے، چنانچہ ان کو سمجھایا گیا کہ یہ یہود و نصاریٰ کہلاتے تو ''اہل کتاب'' ہیں مگر ان کے عقائد و اعمال مشرکین جیسے ہیں، اہل کتاب اور مشرکین کے درمیان مشابہت کا مضمون ان آخری دو آیات (۳۶) اور (۳۷) میں بھی بیان ہوگیا۔ ان تمام آیات میں مسلمانوں کی اہل کتاب کے خلاف جہاد کے لئے ذہن سازی کی جارہی تھی گویا یہ آیات غزوۂ تبوک کی تمہید اور ترغیب تھیں، اب آگے غزوۂ تبوک کا بیان شروع ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)
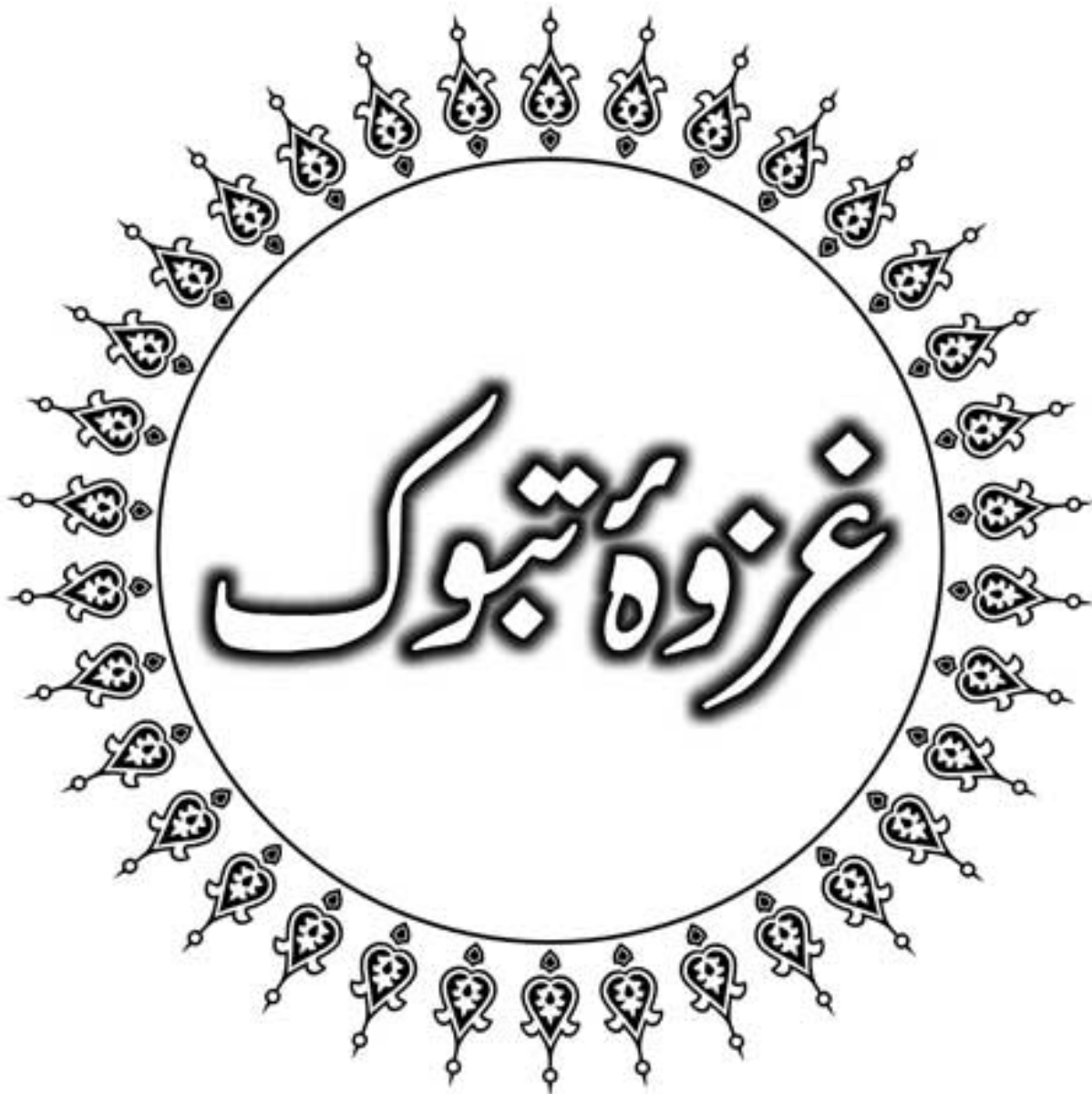
(یوم پنجشنبہ ماہ رجب ۹ ھ)

حضور اکرم ﷺ کا آخری غزوہ جس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قیادت اور کمان فرمائی۔

سورۃ توبہ آیت (۳۸) سے غزوۂ تبوک کا بیان شروع ہو رہا ہے اس کو پڑھنے سے پہلے غزوہ تبوک کا مختصر واقعہ ملاحظہ فرمالیں تاکہ آیات مبارکہ کی تفسیر سمجھنے میں آسانی رہے۔ غزوۂ تبوک کا واقعہ تو بہت مفصل ہے یہاں مختصر واقعہ پیش خدمت ہے۔

غزوۂ تبوک

(یوم پنجشنبہ ماہ رجب ۹ ھ)

معجم طبرانی میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نصارائے عرب نے ہرقل شاہ روم کے پاس یہ لکھ کر بھیجا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انتقال ہوگیا اور لوگ قحط اور فاقوں سے بھوکے مر رہے ہیں۔ عرب پر حملہ کے لئے یہ موقع نہایت مناسب ہے۔ ہرقل نے فوراً تیاری کا حکم دے دیا۔ چالیس ہزار رومیوں کا لشکر جرار آپ کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۹۱)

شام کے نبطی سوداگر زیتون کا تیل فروخت کرنے مدینہ آیا کرتے تھے۔ ان کے ذریعے یہ خبر معلوم ہوئی کہ ہرقل نے ایک عظیم الشان لشکر آپ کے مقابلہ کے لئے تیار کیا ہے۔ جس کا مقدمۃ الجیش بلقاء تک پہنچ گیا ہے اور ہرقل نے تمام فوج کو سال بھر کی تنخواہیں بھی تقسیم کردی ہیں۔

اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ فوراً سفر کی تیاری کی جائے تاکہ دشمنوں کی سرحد (تبوک) پر پہنچ کر ان کا مقابلہ کریں، لمبی مسافت، موسم گرما، زمانہ قحط، گرانی فقر وفاقہ اور بے سروسامانی، ایسے نازک وقت میں جہاد کا حکم دینا تھا کہ منافقین جو اپنے کو مسلمان کہتے تھے، گھبرا اٹھے کہ اب ان کا پردہ فاش ہوا جاتا ہے۔ خود بھی جان چرائی اور دوسروں کو بھی یہ کہہ کر بہکانے لگے: لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ ”ایسی گرمی میں مت نکلو“۔

ایک مسخرے نے کہا: لوگوں کو معلوم ہے کہ میں حسین وجمیل عورتوں کو دیکھ کر بے تاب ہو جاتا ہوں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ رومیوں کی پری جمال نازنینوں کو دیکھ کر کہیں فتنہ میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ (ابن سید الناس، عیون الاثر ج ۲ ص ۲۱۵، ابن ہشام، سیرۃ النبی ج ۴ ص ۱۷۰)

مومنین مخلصین سمعاً وطاعۃً کہہ کر جان ومال سے تیاری میں مصروف ہوگئے۔ سب سے پہلے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کل مال لاکر آپ کے سامنے پیش کردیا جس کی مقدار چار ہزار درہم تھی۔ (ریاض النضرۃ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کیا اہل وعیال کے لئے کچھ چھوڑا ہے؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: صرف اللہ اور اسکے رسول کو۔ فاروق اعظم نے نصف مال پیش کیا۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے دوسو اوقیہ چاندی لاکر حاضر کی، عاصم بن عدی نے ستر وسق کھجوریں پیش کیں۔ (زرقانی، شرح مواہب ج ۳ ص ۶۴)

عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تین سو اونٹ مع ساز و سامان کے اور ایک ہزار دینار لا کر بارگاہ نبوی میں پیش کیے۔ آپ نہایت مسرور ہوئے، بار باران کو پلٹتے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے کہ اس عمل صالح کے بعد عثمان کو کوئی عمل ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ اے اللہ! میں عثمان سے راضی ہوا، تو بھی اس سے راضی ہو۔ (زرقانی، ابن حجر، فتح الباری ج ۷ ص ۴۴)

اکثر صحابہ نے اپنی اپنی حیثیت کے موافق اس مہم میں امداد کی مگر پھر بھی سواری اور زادراہ کا پورا سامان نہ ہو سکا، چند صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم بالکل نادار ہیں، اگر سواری کا کچھ تھوڑا بہت ہم کو سہارا ہو جائے تو ہم اس سعادت سے محروم نہ رہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس کوئی سواری نہیں، اس پر وہ حضرات روتے ہوئے واپس ہوئے، انہی کی شان میں یہ آیتیں نازل ہوئیں:

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ (التوبة ۹۲)

”اور نہ ان لوگوں پر کوئی گناہ ہے کہ جب وہ آپ کے پاس آئے کہ آپ ان کو جہاد میں جانے کے لئے سواری عطا فرمائیں تو آپ نے یہ فرمایا کہ اس وقت کوئی چیز نہیں پاتا کہ جس پر تم کو سوار کر دوں، تو وہ لوگ اس حال میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہہ رہی تھیں۔ اس غم میں کہ ان کو کوئی چیز میسر نہیں کہ جسے خرچ کر سکیں۔“

عبداللہ بن مغفل اور ابو لیلیٰ عبدالرحمٰن بن کعب جب آپ کے پاس سے روتے ہوئے واپس ہوئے تو راستہ میں یامین بن عمر و نضری مل گئے۔ رونے کا سبب دریافت کیا انہوں نے کہا: نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سواری ہے اور نہ ہم میں استطاعت ہے کہ سفر کا سامان مہیا کر سکیں۔ اب افسوس اور حسرت اس چیز کی ہے کہ ہم اس غزوہ کی شرکت سے محروم رہے جاتے ہیں۔ یہ سن کر یامین کا دل بھر آیا۔ اسی وقت ایک اونٹ خریدا اور زادراہ کا انتظام کیا۔ (زرقانی، کتاب وجلد مذکور ص ۶۶)

جب صحابہ چلنے کے لئے تیار ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام اور مدینہ کا والی مقرر کیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اہل وعیال کی حفاظت اور خبر گیری کے لئے مدینہ میں چھوڑا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ آپ مجھ کو بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں؟ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تجھ کو مجھ سے وہی نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ کے ساتھ تھی، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (بخاری، الجامع الصحیح ص ۵۲۶، مناقب علی کتاب المناقب)

الغرض آپ تیس ہزار فوج کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے جس میں دس ہزار گھوڑے تھے۔

(ابن سید الناس، عیون الاثر ج ۲ ص ۲۱۶، زرقانی، شرح مواہب ج ۳ ص ۷۳)

مقامِ عذاب سے گزر

راستہ میں وہ عبرتناک مقام بھی پڑتا تھا جہاں قوم ثمود پر اللہ کا عذاب نازل ہوا تھا۔ جب آپ وہاں سے گزرے تو

اس درجہ متاثر ہوئے کہ چہرہ انور پر کپڑا لٹکالیا اور ناقہ کو تیز کردیا اور صحابہ کو تاکید فرمائی کہ کوئی شخص ان ظالموں کے مکانات میں داخل نہ ہو اور نہ یہاں کا پانی پیئے اور نہ اس سے وضو کرے، سر جھکا کر روتے ہوئے اس طرف سے گزر جائیں اور جن لوگوں نے غلطی اور لاعلمی سے پانی لے لیا تھا یا اس پانی سے آٹا گوندھ لیا تھا ان کو حکم ہوا کہ وہ پانی گرادیں اور وہ آٹا اونٹوں کو کھلا دیں۔ (بخاری، الجامع الصحیح ج ا ص ۴۷۸، اخاہم صالحا قولہ تعالیٰ کذب اصحاب الحجر المرسلین، کتاب الانبیاء ابن حجر، فتح الباری ج ۶ ص ۲۶۸ زرقانی حوالہ مذکور)

مسجد حرام مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی جو کہ ہر وقت اللہ جل جلالہ کی طاعت اور بندگی سے معمور ہیں وہاں جانا، وہاں ٹھہرنا، وہاں رہنا عین قربت اور عبادت اور سراسر موجب خیر و برکت اور باعث نزول رحمت ہے۔ اس کے برعکس ان مقامات میں قصداً داخل ہونا جو ایک عرصہ تک اللہ جل شانہ کی نافرمانی کا مرکز رہے ہوں اور وہاں اللہ کا قہر اور عذاب نازل ہوا ہو، نہایت خطرناک ہے۔ جس طرح حرم الٰہی میں داخل ہونے والے کے لئے یہ حکم ہے (وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا) اسی طرح مواقع عذاب میں داخل ہونے سے نزول عذاب کا اندیشہ ہے۔ بیت الحرام خواہ کوئی اس کا طواف کرے یا نہ کرے وہ فی حد ذاتہ خیرات و برکات اور انوار و تجلیات کا منبع اور سرچشمہ ہے۔ اس کے دیکھنے ہی سے دل کی ظلمتیں اور کدورتیں دور ہوتی ہیں۔ اس سرزمین کی آب و ہوا ہی امراض روحانی کے لئے پیام شفا ہے۔ پس عجب نہیں کہ اطباء روحانی کی نظر میں واقع عذاب کی آب و ہوا مسموم ہو اور وہاں کے زہریلے جراثیم روح اور قلب کے لئے مضر ہوں، اس لئے آپ نے وہاں کے پانی استعمال کرنے کی قطعاً ممانعت کردی اور جس کنوئیں سے صالح علیہ السلام کی ناقہ پانی پیا کرتی تھی اس کنوئیں سے پانی لینے کا حکم دیا اس لئے کہ وہ کنواں معصیت اور غضب خداوندی کے اثر سے پاک تھا۔ آب زمزم چونکہ مبارک پانی ہے اور امراض ظاہری اور خصوصاً امراض باطنی کے لئے اکسیر ہے اس لئے اس کے پینے کی تاکید فرمائی کہ جس قدر پی سکو پیو۔ جو بدنصیب اللہ اور اس کے رسول کی معصیت اور نافرمانی پر تل گئے یہاں تک کہ ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا وہ حقیقت میں جانور اور بہائم بلکہ ان سے بھی بدترین ہیں۔ کما قال تعالیٰ: اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (الاعراف ۱۷۹) اس لئے آپ نے اس آٹے کے متعلق جو قوم ثمود کے پانی سے گوندھا گیا تھا یہ حکم دیا کہ اونٹوں کو کھلا دیا جائے، ایسا پانی جانوروں کے مزاج کے مناسب ہے۔ انسانوں کے مناسب نہیں، الغرض جس وقت آپ اس سرزمین عذاب سے گزرے تو آپ کو اندیشہ ہوا کہ مبادا اس مقام کی زہریلی آب ہوا کا اثر صحابہ پر نہ ہوجائے۔ اس لئے اس سے حفاظت کے لئے ایک تریاق تجویز فرمایا وہ یہ کہ اس مقام سے سرنگوں اور روتے ہوئے گزر جائیں یعنی تخشع اور تضرع، گریہ وزاری اور اپنے گناہوں پر ندامت اور شرمساری، اس جیسے مقام کی زہریلی آب و ہوا سے بچنے کے لئے تریاق اور اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ انجکشن لینے کے بعد اگر طاعونی محلہ سے گزر جائے تو اندیشہ نہیں۔ اے دوستو! بارگاہ خداوندی میں گریہ وزاری، توبہ اور شرمساری گناہوں کا ایسا قوی اور زبردست

انجکشن ہے کہ سخت سے سخت زہریلا مادہ بھی اس کے بعد باقی نہیں رہ سکتا۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ ۔ قال تعالیٰ: وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۔ وَسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ظالموں کی طرف میلان اور ظالموں کے مکانات میں سکونت بھی موجب عتاب ہے۔

حجر پہنچ کر آپ نے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ کوئی شخص تنہا نہ نکلے۔ اتفاق سے دو شخص تنہا نکل پڑے، ایک کا دم گھٹ گیا جو آپ کے دم کرنے سے اچھا ہوا اور دوسرے شخص کو ہوا نے طے کے پہاڑوں میں لے جا کر پھینک دیا جو ایک مدت کے بعد مدینہ پہنچے۔ یہ بیہقی اور ابن اسحاق کی روایت ہے۔ صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ تبوک میں پیش آیا۔ ممکن ہے کہ دو واقعے ہوں یا ابن اسحاق اور بیہقی کی روایت میں راوی کا وہم ہو۔ واللہ اعلم۔

آگے چل کر جب ایک منزل پر ٹھہرے تو پانی نہ تھا، سخت پریشان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا سے مینہ برسا دیا جس سے سیراب ہو گئے۔ وہاں سے چلے تو اثناء راہ میں آپ کا ناقہ گم ہو گیا۔ ایک منافق نے کہا: آپ آسمان کی تو خبر بیان کرتے ہیں مگر اپنے ناقہ کی خبر نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا کی قسم مجھ کو کسی چیز کا علم نہیں مگر وہ جو اللہ نے مجھ کو بتلا دیا ہے اور اب بالہام الٰہی مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ وہ ناقہ فلاں وادی میں ہے اور اس کی مہار ایک درخت سے اٹک گئی ہے جس سے وہ رکی ہوئی ہے۔ چنانچہ صحابہ جا کر اس اونٹنی کو لے آئے۔ (رواہ البیہقی وابو نعیم، زرقانی، شرح مواہب، ج ۳ ص ۷۳)

تبوک پہنچنے سے ایک روز پیشتر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ کل چاشت کے وقت تم تبوک کے چشمہ پر پہنچو گے کوئی شخص اس چشمہ سے پانی نہ لے، جب اس چشمہ پر پہنچے تو پانی کا ایک ایک قطرہ اس میں سے رس رہا تھا۔ بدقت تمام کچھ پانی ایک برتن میں جمع کیا گیا۔ آپ نے اس پانی سے اپنا ہاتھ اور منہ دھو کر پھر اسی چشمہ میں ڈال دیا۔ اس پانی کا ڈالنا تھا کہ وہ چشمہ فوارہ بن گیا، جس سے تمام لشکر سیراب ہوا اور معاذ بن جبلؓ کو مخاطب کر کے فرمایا: اے معاذ! اگر تو زندہ رہا تو اس خطہ کو باغات سے سرسبز اور شاداب دیکھے گا۔ (رواہ مسلم) ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ آج تک وہ فوارہ جاری ہے۔ دور سے اس کی آواز سنائی دیتی ہے۔

تبوک پہنچ کر آپ نے بیس روز قیام فرمایا، مگر کوئی مقابلہ پر نہیں آیا، لیکن آپ کا آنا بیکار نہیں گیا۔ دشمن مرعوب ہو گئے اور آس پاس کے قبائل نے حاضر ہو کر سر تسلیم خم کیا۔ اہل جربہ، اذرح اور ایلہ (جرباء، اذرح اور ایلہ یہ تینوں شہر علاقہ شام میں ہیں) کے فرماں روا نے حاضر خدمت ہو کر صلح کی اور جزیہ دینا منظور کیا۔ آپ نے ان کو صلح نامہ لکھوا کر عطا فرمایا۔ (سیوطی، الخصائص الکبریٰ، ج ۱ ص ۲۷۳)

اسی مقام سے آپ نے خالد بن ولید کو چار سو بیس سواروں کے ساتھ اکیدر کی طرف روانہ فرمایا جو ہرقل کی طرف

سے دومۃ الجندل کا حاکم اور فرماں روا تھا۔ آپ نے روانگی کے وقت خالد بن ولیدؓ سے یہ فرمایا کہ وہ تم کو شکار کھیلتا ہوا ملے گا، اس کو قتل نہ کرنا، گرفتار کر کے میرے پاس لے آنا، ہاں وہ اگر انکار کر دے تو قتل کر دینا۔ خالدؓ چاندنی رات میں پہنچے، گرمی کا موسم تھا، اکیدر اور اس کی بیوی قلعہ کی فصیل پر بیٹھے ہوئے گانا سن رہے تھے۔ اچانک ایک نیل گائے نے قلعہ کے پھاٹک سے آ کر ٹکر ماری۔ اکیدر فوراً ہی مع اپنے بھائی اور چند عزیزوں کے شکار کے لئے اترا اور گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کے پیچھے دوڑے۔ تھوڑی ہی دور نکلے تھے کہ خالد بن ولیدؓ آ پہنچے، اکیدر کے بھائی حسان نے مقابلہ کیا وہ مارا گیا اور اکیدر جو شکار کرنے کے لئے نکلا تھا وہ خود خالد بن ولیدؓ کا شکار ہو گیا۔

خالدؓ نے کہا میں تم کو قتل سے پناہ دے سکتا ہوں بشرطیکہ تم میرے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا منظور کرو۔ اکیدر نے اس کو منظور کیا، خالد بن ولیدؓ اکیدر کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اکیدر نے دو ہزار اونٹ، آٹھ سو گھوڑے، چار سو زرہیں اور چار سو نیزے دے کر صلح کی۔ (ابن سید الناس، عیون الاثر، ج ۲ ص ۲۲، زرقانی، شرح مواہب ج ۳ ص ۷۷)

مسجد ضرار

بیس روز قیام کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے مدینہ منورہ واپس ہوئے۔ جب آپ مقام ذی آوان میں پہنچے جہاں سے مدینہ ایک گھنٹہ کے راستے پر رہ جاتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک بن دخشم اور معن بن عدی کو مسجد ضرار کے منہدم کرنے اور جلانے کے لئے آگے بھیجا۔ یہ مسجد منافقین نے اس لئے بنائی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اس میں بیٹھ کر مشورے کریں۔ جس وقت آپ تبوک جا رہے تھے اس وقت منافقین نے آ کر آپ سے درخواست کی کہ ہم نے بیماروں اور معذوروں کے لئے ایک مسجد بنائی ہے۔ آپ چل کر اس میں ایک مرتبہ نماز پڑھ دیں تا کہ وہ مقبول اور متبرک ہو جائے۔ آپ نے فرمایا اس وقت تو میں تبوک جا رہا ہوں واپسی کے بعد دیکھا جائے گا۔ واپسی کے بعد آپ نے ان دو حضرات کو حکم دیا کہ اس مسجد کو جلا دیں اور یہ آیتیں اسی کے بارے میں اتری ہیں:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝ (توبہ ۱۰۷-۱۰۸)

’’اور جن لوگوں نے ایک مسجد بنائی مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کے لئے اور کفر کرنے کے لئے اور اہل ایمان میں تفرقہ ڈالنے کے لئے اور قیام گاہ بنانے کے لئے اس شخص کے لئے کہ جو اللہ اور اس کے رسول سے پہلے ہی برسرپیکار ہے اور قسمیں کھائیں گے کہ ہماری نیت سوائے بھلائی کے اور کچھ نہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔

آپ اس مسجد میں جا کر کبھی کھڑے بھی نہ ہوں۔ البتہ جس مسجد کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی (یعنی مسجد قباء) وہ واقعی اس لائق ہے کہ آپ اس میں جا کر کھڑے ہوں اس میں ایسے مرد ہیں کہ جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ پسند کرتا ہے پاک رہنے والوں کو۔''

ابن ہشام کی روایت میں ہے کہ آپ نے سویلم یہودی کے مکان کے بھی جلانے کا حکم دیا جس میں منافقین جمع ہو کر آپ کے خلاف مشورے کیا کرتے تھے۔ حضرت طلحہؓ نے چند آدمیوں کی ہمراہی میں جا کر اس مکان کو نذر آتش کیا۔ جب آپ مدینہ کے قریب پہنچے تو مشتاقان جمال نبوی ماہتاب نبوت ورسالت کے استقبال کے لئے نکلے۔ یہاں تک کہ غلبہ شوق میں پردہ نشینان حرم بھی نکل پڑیں۔ لڑکیاں اور بچے یہ اشعار گاتے تھے:

طلع البدر علینا   من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا   ما دعا للہ داع

ایھا المبعوث فینا   جئت بالامر المطاع

جب مدینہ کے مکانات نظر آنے لگے تو یہ فرمایا: ھذہ طابة یہ مدینہ طیبہ ہے اور جبل احد پر نظر پڑی تو فرمایا:

ھذا جبل یحبنا و نحبه

''یہ پہاڑ ہم کو محبوب رکھتا ہے اور ہم اس کو محبوب رکھتے ہیں۔''

اخیر شعبان یا شروع رمضان میں مدینہ میں داخل ہوئے۔ اوّل مسجد نبوی میں جا کر ایک دوگانہ ادا فرمایا، نماز سے فارغ ہو کر لوگوں سے ملاقات کے لئے کچھ دیر بیٹھے، بعد ازاں آرام کے لئے گھر تشریف لے گئے۔ (زرقانی، شرح مواہب ج ۳ ص ۷۱)

یہ آخری غزوہ تھا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس شریک ہوئے۔

غزوۂ تبوک میں پیچھے رہنے والے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تبوک روانہ ہوئے تو مومنین مخلصین بھی آپ کے ہمرکاب روانہ ہوئے۔ منافقین کا ایک گروہ شرکت سے رہ گیا، لیکن چند مومنین مخلصین نفاق کی وجہ سے نہیں بلکہ بعض کسی عذر سے اور بعض بمقتضائے بشریت گرمی اور لو کی تکلیف سے گھبرا کر پیچھے رہ گئے۔

ابوذر غفاریؓ کا اونٹ لاغر اور دبلا تھا اس لئے یہ خیال ہوا کہ دو چار روز یہ اونٹ کھا پی کر چلنے کے قابل ہو جائے گا اس وقت میں آپ سے جا ملوں گا۔ جب اس اونٹ سے ناامید ہوئے تو اپنا سامان اپنی پشت پر لادا اور پاپیادہ روانہ ہوئے۔ اسی طرح تن تنہا تبوک پہنچے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا: رحم فرمائے اللہ ابوذر پر، اکیلا چلا آرہا ہے، اکیلا ہی مرے گا اور اکیلا ہی اٹھایا جائے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ربذہ میں تنہا وفات پائی، کوئی تجہیز و تکفین کرنے والا نہ

تھا۔ اتفاقاً عبداللہ بن مسعودؓ کوفہ سے واپس آ رہے تھے۔ انہوں نے تجہیز و تکفین کی۔ (زرقانی، حوالہ مذکور)

معجم طبرانی میں ابوخیثمہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک روانہ ہوئے اور میں مدینہ رہ گیا۔ شدت کی گرمی تھی، ایک دن دوپہر میں میرے اہل خانہ نے چھپر میں چھڑکاؤ کیا اور ٹھنڈا پانی اور کھانا لاکر رکھا۔ یہ منظر دیکھ کر یکایک دل پر ایک چوٹ لگی کہ واللہ یہ سراسر بے انصافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو لو اور گرمی میں ہیں اور میں سایہ میں بیٹھا ہوا اس طرح عیش و آرام کر رہا ہوں، فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور کچھ کھجوریں ساتھ لیں اور اونٹ پر سوار ہوا اور نہایت تیز رفتاری کے ساتھ روانہ ہوا۔ جب لشکر سامنے آگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دور سے دیکھ کر فرمایا: ابوخیثمہ آرہا ہے۔ میں نے حاضر خدمت ہو کر واقعہ بیان کیا۔ آپ نے میرے لئے دعائے خیر فرمائی۔ (ابن حجر، فتح الباری ج۸ ص۸۸، زرقانی شرح مواہب ج۳ ص۷۱)

انہیں مومنین صالحین میں سے کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ بھی تھے۔

صحیح بخاری میں کعب بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوگئے اور میں سفر کی تیاری میں تھا۔ یہ خیال تھا کہ ایک دو روز میں جب سامان ہو جائے گا تو آپ سے جاملوں گا۔ اسی میں دیر ہوگئی اور قافلہ دور نکل گیا اور مدینہ میں سوائے معذورین اور منافقین کے کوئی باقی نہ رہا، جب یہ منظر دیکھتا تو نہایت رنج ہوتا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے تو منافقین نے جھوٹے عذر بیان کیے۔ آپ نے ظاہری طور پر ان کے عذر قبول کیے اور دلوں کا حال اللہ کے سپرد کیا۔

مغازی ابن عائذ میں ہے کہ کعب بن مالک کہتے ہیں میں نے یہ عزم کرلیا کہ ایسا ہرگز نہ کروں گا کہ غزوہ سے پیچھے بھی رہوں اور پھر اللہ کے رسول سے جھوٹ بھی بولوں، چنانچہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کیا۔ آپ نے اعراض فرمایا، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی آپ مجھ سے کیوں اعراض فرماتے ہیں؟ خدا کی قسم میں نہ منافق ہوا، نہ مجھ کو شک لاحق ہوا ہے اور نہ میں دین اسلام سے پھرا ہوں۔ آپ نے فرمایا پیچھے کیوں رہے؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ میں اگر کسی دنیادار کے سامنے بیٹھا ہوتا تو باتیں بنا کر اس کے غصہ سے نکل جاتا، لیکن آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اگر آج جھوٹ بول کر آپ کو راضی بھی کرلیا تو ممکن ہے کہ کل خداوند ذوالجلال آپ کو مجھ سے ناراض کردے اور اگر آپ سے سچ سچ کہہ دیا جس سے آپ ناراض ہوجائیں تو مجھ کو اللہ کے فضل سے امید ہے کہ وہ معاف فرمائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ میرے پاس کوئی عذر نہیں۔ میں قصوروار ہوں۔ آپ نے فرمایا: اس شخص نے سچ سچ کہہ دیا ہے۔ اچھا اس وقت جاؤ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں کوئی حکم نازل فرمائے۔ اسی طرح مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر قصور کا اعتراف کیا۔ آپ نے یہ حکم دیا کہ پچاس دن تک کوئی شخص ان تینوں آدمیوں سے بات نہ کرے۔ چنانچہ سب نے ہم سے سلام و کلام قطع کردیا۔ خویش و اقارب، دوست احباب سب

بیگانے نظر آنے لگے۔ کعب کہتے ہیں کہ میرے دونوں ساتھی ضعیفی کی وجہ سے خانہ نشین ہوگئے۔ دن رات گریہ وزاری میں گزرتا۔ میں جوان تھا، میں جماعت میں حاضر ہوتا غرض یہ کہ پچاس دن اسی پریشانی میں گزرے۔ یہاں تک کہ اللہ کی زمین ہم پر تنگ ہوگئی، سب سے زیادہ فکر اس کی تھی کہ اگر اس عرصہ میں موت آ گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان میرے جنازہ کی نماز بھی نہ پڑھیں گے۔

پچاس دن کے بعد یکا یک جبل سلع سے مژدہ جانفزا سنائی دیا:

يا كعب بن مالك ابشر

''اے کعب بن مالک تم کو بشارت ہو۔''

یہ سنتے ہی میں سجدہ میں گر پڑا اور سمجھ گیا کہ مشکل دور ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا کہ ان لوگوں کی توبہ مقبول ہوئی۔ ہر طرف سے لوگ مجھ کو اور میرے دونوں ساتھیوں کو خوشخبری اور مبارک باد دینے کے لئے دوڑے، ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ یہ کہتے تھے لتھنك توبة الله عليك مبارک ہو تجھ کو اللہ کا تیری توبہ کا قبول کرنا۔ جو شخص میرے پاس خوشخبری لے کر آیا اس کو فوراً ہی میں نے اپنے دونوں کپڑے اتار کر پہنادیئے۔ بعد ازاں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ میں نے مسجد میں قدم رکھا ہی تھا کہ طلحہ بن عبید اللہؓ دوڑے ہوئے آئے اور مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی۔ کعب کہتے ہیں حاضرین میں سے اور کوئی شخص نہیں اٹھا خدا کی قسم طلحہ کا یہ احسان میں کبھی نہ بھولوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ آپ کو سلام کیا آپ نے فرمایا:

ابشر بخير يوم مر عليك منذ ولدتك امك

''مبارک ہو تجھ کو وہ دن جو تمام دنوں سے بہتر ہے جب سے تیری ماں نے تجھ کو جنا ہے۔''

کعب بن مالک جس دن اسلام میں داخل ہوئے بے شک وہ دن تمام دنوں سے بہتر تھا لیکن حقیقت میں یہ دن اس دن سے بھی بہتر تھا، اس لئے کہ اس دن میں بارگاہ خداوندی سے ان کی توبہ قبول ہوئی جس سے ان کے ایمان واخلاص پر ہمیشہ کے لئے مہر ہوگئی اور یہ آیتیں ان کے بارے میں نازل ہوئیں:

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ (التوبہ ۱۱۷ تا ۱۱۹)

''تحقیق اللہ تعالیٰ اپنی خاص رحمت اور عنایت سے متوجہ ہوئے پیغمبر پر اور مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے تنگی اور دشواری کے وقت میں نبی کا ساتھ دیا۔ (بوقت تنگدستی آشنا بیگانہ می گردد، صراحی چوں شود خالی جدا پیمانہ می گردد) بعد اس کے ایک گروہ کے دل قریب تزلزل کے تھے پھر اللہ نے ان پر توجہ فرمائی اور اللہ بڑا شفیق اور مہربان ہے اور توجہ فرمائی اللہ تعالیٰ نے ان تین شخصوں پر بھی جن کا معاملہ ملتوی اور موقوف تھا۔ یہاں تک کہ جب زمین باوجود کشادہ ہونے کے ان پر تنگ ہوگئی اور ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہوگئیں اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اللہ کی گرفت سے کہیں پناہ نہیں سوائے اس کے تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر توجہ فرمائی اور ان کا قصور معاف کیا تا کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کریں۔ بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔ اے ایمان والو خدا سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔''

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ اس توبہ کے شکریہ میں اپنا کل مال خیرات کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: کچھ رہنے دو اس لئے خیبر میں میرا جو حصہ تھا میں نے وہ رکھ لیا اور باقی سب خیرات کر دیا اور عرض کیا: یارسول اللہ اللہ نے مجھ کو محض سچ کی وجہ سے نجات دی ہے۔ میں اپنی توبہ کا تکملہ اور تتمہ یہ سمجھتا ہوں کہ مرتے دم تک کبھی سوائے سچ کے کوئی بات نہ کروں گا۔ (ماخوذ از سیرت المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم)

سُورَةُ التَّوْبَة مَدَنِيَّة — آیت ۳۸

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوا جب تمہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوچ کرو تو

اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ

زمین پر گرے جاتے ہو کیا تم آخرت کو چھوڑ کر دنیا کی زندگی پر خوش ہوگئے ہو

فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾

دنیا کی زندگی کا فائدہ تو آخرت کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے

خلاصہ

جہاد میں سستی پر شدید تنبیہ...... جہاد سے روکنے والی بیماری...... اوراس بیماری کا علاج......

تنبیہ

اے ایمان والو! تم لوگوں کو کیا ہوا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے راستے جہاد میں نکلو تو تم زمین کو لگے جاتے ہو (یعنی گھر بیٹھ جاتے ہو جہاد کے لئے اٹھتے اور چلتے نہیں ہو، یا تم دنیا اور اسکی لذتوں کی طرف مائل ہوجاتے ہو اور سفر جہاد کی مشقت، تکلیف اور تھکاوٹ سے گھبراتے ہو یا تم اپنے گھر اور زمینوں میں رہنے کو ترجیح دیتے ہو۔ خلاصہ یہ کہ دنیا کے تقاضے، زمین، وطن، زندگی اور گھر کی محبت تمہارے پاؤں پکڑ لیتی ہے اور تم سست اور بھاری ہوکر جہاد سے محروم ہوجاتے ہو)۔

جہاد سے روکنے والی بیماری

کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی اور یہاں کے فانی مزوں پر راضی ہو چکے ہو۔ (معلوم ہوا کہ جہاد سے روکنے والی بیماری حُبِّ دنیا ہے، آخرت کو بھلا کر دنیا کو سب کچھ سمجھنے والے جہاد سے بہت دور ہوجاتے ہیں)۔

بیماری کا علاج

اے اللہ کے بندو! دنیا کی زندگی کے مزے اور فائدے آخرت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہیں۔ یہ تو بہت کم ہیں تو پھر یہ کونسی عقلمندی ہے کہ آخرت کی ہمیشہ کی نعمتوں کو چھوڑ کر دنیا کے فانی مزوں کو اختیار کیا جائے یہ تو بہت نقصان اور گھاٹے والا سودا ہے۔ دنیا کے مزے آخرت کی لذتوں کے مقابلے میں وہی حیثیت رکھتے ہیں جو ایک قطرہ پانی

سمندر کے مقابلے میں رکھتا ہے۔

پس بیماری کا علاج یہ ہے کہ آخرت کو مقصود بناؤ اور آخرت کی فکر کو مقدم رکھو۔ الغرض اس آیت مبارکہ میں تین باتوں کا بیان ہے: ❶ جرم جہاد میں نکلنے سے سستی کرنا جرم ہے۔ ❷ جرم کی وجہ اس جرم کی وجہ حُبِّ دنیا کا مرض ہے۔ ❸ مرض کا علاج فکرِ آخرت اس مرض کا علاج ہے۔

آیتِ مبارکہ کا ربط

❶ گذشتہ آیات کا حاصل یہ تھا کہ تمہیں اہل کتاب سے جنگ کرنی پڑے گی اب اس غزوہ کا تذکرہ آتا ہے جس میں اہل کتاب سے جنگ (کے لئے روانگی) ہوئی۔ (تفسیر الفرقان)

❷ یہاں (یعنی اس آیت ۳۸) سے غزوۂ تبوک کے لئے مومنین کو ابھارا گیا ہے گذشتہ رکوع سے پہلے رکوع میں قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ .... الخ سے اہل کتاب کے مقابلہ میں جہاد کرنے کی ترغیب دی گئی تھی، درمیان میں جو ذیلی مضامین آئے ان کا ربط موقع بہ موقع ظاہر ہوتا رہا ہے گویا وہ سب رکوعِ حاضر کی تمہید تھی اور رکوع حاضر غزوۂ تبوک کے بیان کی تمہید ہے۔ (تفسیر عثمانی)

❸ المروی عن ابن عباسؓ ان هذه الآية نزلت فی غزوة تبوك (تفسیر کبیر)

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت غزوہ تبوک کے بارے میں نازل ہوئی۔

❹ پچھلی آیات میں کفار کے جرائم اور خرابیاں بیان فرمائی گئیں۔ اب اُن سے قتال کی ترغیب دی جا رہی ہے۔

اعلم انه تعالیٰ لما شرح معايب هؤلاء الكفار وفضائحهم عاد الى الترغيب فی مقاتلتهم. (تفسیر کبیر)

اس کے بعد امام رازیؒ یہ مفید نکتہ بیان فرماتے ہیں:

وتقرير الكلام انه تعالیٰ ذكر فی الآيات السابقة اسبابًا كثيرة موجبة لقتالهم الخ)

یعنی سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے ایسے اسباب ذکر فرمائے جو کفار سے قتال کو واجب کرتے ہیں اور وہ فوائد بھی ذکر فرمائے جو قتال کرنے سے حاصل ہوتے ہیں يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ اور پھر کافروں کے غلط اقوال اور ان کے غلط کردار کو بھی بیان فرمایا...... ان تمام چیزوں کی موجودگی میں مسلمان کے لئے قتال سے رکنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہ جاتی سوائے اس کے کہ وہ اپنے قتل ہونے سے ڈرے اور زندگی کو محبوب رکھے، تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سمجھا دیا کہ جہاد سے رکنے کی یہ وجہ تو بہت فضول ہے کیونکہ آخرت کی کامیابی کے مقابلے میں دنیا کی کامیابی اس طرح ہے، جس طرح سمندر کے مقابلے میں قطرہ۔ پس تھوڑی سی تکلیف سے بچنے کے لئے اتنی بڑی خیر سے محروم ہو جانا جہالت اور کم عقلی ہے۔ (تفسیر کبیر)

شدت سے جہاد پر ابھارا ہے

آیتِ حاضرہ (یعنی اس آیت) میں مسلمانوں کو بڑی شدت سے جہاد کی طرف ابھارا ہے اور بتلایا ہے کہ تھوڑے سے عیش و آرام میں پھنس کر جہاد کو چھوڑنا گویا بلندی سے پستی کی طرف گر جانے کے مرادف ہے، مومن صادق کی نظر میں دنیا کے عیش و آرام کی آخرت کے مقابلہ میں کوئی وقعت نہ ہونی چاہئے، حدیث میں ہے کہ اگر خدا کے نزدیک دنیا کی وقعت پرِ پشہ (مچھر کے پر) کے برابر ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی کا نہ دیتا۔ (تفسیر عثمانی)

مسلمانوں کی زندگی کا راز صرف جہاد میں پنہاں ہے

"اس وقت عیسائیوں کی ایک جماعت مسلمانوں کو تباہ کرنے کا فیصلہ کر چکی ہے پھر ایسے وقت میں مسلمانوں کو کیا ہو گیا ہے کہ جب انہیں اللہ کی راہ میں اور اس کے مرکز (اسلام) کے بقاء کی خاطر جہاد کرنے کی دعوت دی جاتی ہے تو کاہلی اور سستی کا اظہار کرتے ہیں، حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ مسلمانوں کی زندگی کا راز صرف جہاد ہی میں پنہاں ہے اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ جب اللہ اور اس کا رسول تم کو ایسی چیز کی دعوت دے جس میں تمہاری زندگی ہے تو اسے فوراً لبیک کہو، کیا تم دنیا کی چند روزہ زندگی پر فریفتہ ہو گئے ہو، حالانکہ آخرت کے مقابلہ میں اس کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔"

حدیث میں آتا ہے: ماالدنیا فی الآخرة الا کما یجعل احدکم اصبعه هذه فی الیم فلینظر بم ترجع واشار بالسبابة (مسلم) اپنی شہادت کی انگلی سمندر میں ڈال کر دیکھو اس کے ساتھ کس قدر پانی آتا ہے، یہی حال دنیا کا آخرت کے مقابلہ میں ہے۔ (تفسیر الفرقان)

جدید روشن خیالی کا ستم

"امت کے لئے اصلی اور قوی ترین محرک اور داعی عمل اجرِ آخرت ہے، جیسا کہ قرآن مجید کی بکثرت آیتوں سے ظاہر و روشن ہے۔ جدید "روشن خیالی" نے افسوس ہے کہ اسی قوی ترین محرک اور موثر ترین داعیہ کو سب سے زیادہ کمزور کر دیا ہے اب مسلمانوں کو لالچ اور ترغیب ہر قسم کی دی جائے گی، دنیوی ترقی کی، آزادی کی، فلاح کی، مالی خوشحالی کی وغیرہا۔ زبان پر نام نہ آئے گا تو ایک اسی اجرِ آخرت کا۔ (تفسیر ماجدی)

اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ : اس جملے کا جو مطلب "خلاصہ" میں اختیار کیا گیا ہے.... اس کی تائید کے لئے ملاحظہ فرمائیے المدارک کی یہ عبارت:

أی ملتم الی الدنیا وشهواتها وکرهتم مشاق السفر و متاعبه او ملتم الی الاقامة بارضکم ودیارکم. (المدارک)

غزوہ تبوک اور چھ قسم کے لوگ

صاحب بیان القرآن نے تحقیق فرمائی ہے کہ جب غزوہ تبوک میں نکلنے کا حکم دیا گیا تو لوگوں کی چھ قسمیں ہوگئیں:

❶ وہ جو فوراً بلا کسی تردّد کے تیار ہوگئے

❷ وہ جن کو شروع میں تھوڑا تردّد ہوا مگر پھر وہ ٹھیک ہوگئے اور ساتھ نکل کھڑے ہوئے

ان دونوں طبقوں کا تذکرہ سورۃ توبہ کی اس آیت میں ہوا ہے۔

الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ (التوبہ ۱۱۷)

❸ وہ لوگ جو کسی حقیقی عذر کی وجہ سے ساتھ نہ جاسکے ان کا تذکرہ ان آیات میں ہے:

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى الآیۃ (التوبہ ۹۱)

❹ وہ لوگ جو سستی کی وجہ سے ساتھ نہیں گئے مگر وہ منافق نہیں تھے اور واپسی پر انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف بھی کرلیا تھا ان کا تذکرہ ان آیات میں ہے:

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ الآیۃ (التوبہ ۱۰۲)

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ الآیۃ (التوبہ ۱۰۶)

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا الآیۃ (التوبہ ۱۱۸)

❺ وہ لوگ جو منافقین تھے اور وہ اس سخت امتحان میں اپنے نفاق کو نہ چھپا سکے اور جہاد سے الگ رہے ان لوگوں کے بارے میں بہت سی آیات نازل ہوئیں

❻ وہ منافقین جو جاسوسی اور شرارت کے لئے مسلمانوں کے ساتھ ہولیے تھے ان کے بارے میں کئی آیات نازل ہوئیں مثلاً:

وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ الآیۃ (التوبہ ۴۷) (ایک تفسیری قول کے مطابق)

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ الآیۃ (التوبہ ۶۵)

وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا الآیۃ (التوبہ ۷۴)

یہ اقسام ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس آیت (۳۸) کا تعلق چوتھی قسم کے لوگوں کے ساتھ ہے جو محض سستی اور کاہلی کی وجہ سے جہاد میں شریک نہیں ہوئے۔ (مفہوم بیان القرآن)

یعنی آیت اور اس کا مفہوم تو عام ہے البتہ اس کے اوّلین مخاطب وہ لوگ ہیں جو غزوہ تبوک میں سستی کر رہے تھے، ویسے قرآن پاک کا اسلوب یہی ہے کہ وہ پوری قوت سے دعوت دیتا ہے تا کہ عمل کرنے والے پکے ہوجائیں اور سستی

کرنے والوں کی اصلاح ہو جائے۔(واللہ اعلم بالصواب)

صاحب معارف القرآن مذکورہ بالا تحقیق کو آگے بڑھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

جو آیتیں اوپر لکھی گئی ہیں (التوبہ ۳۸ تا مابعد) بظاہر ان کا تعلق اس چوتھی جماعت سے ہے جو بغیر کسی صحیح عذر کے اپنی سستی اور کاہلی کی بناء پر شریک جہاد نہیں ہوئے۔ پہلی آیت میں ان کو اس کاہلی اور غفلت پر تنبیہ کی گئی اور اس کے ساتھ ان کے اس مرض غفلت و کاہلی کا سبب اور پھر اس کا علاج بھی ارشاد فرمایا گیا جس کے ضمن میں یہ بھی واضح ہو گیا کہ چونکہ مرض کا جو سبب اور علاج اس جگہ بیان فرمایا گیا ہے اگرچہ اس جگہ اس کا تعلق ایک خاص واقعہ سے تھا لیکن اگر غور کیا جائے تو ثابت ہوگا کہ دین کے معاملہ میں ہر کوتاہی، سستی اور غفلت اور تمام جرائم اور گناہوں کا اصلی سبب یہی دنیا کی محبت اور آخرت سے غفلت ہے اسی لئے حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

حبّ الدنیا رأس کل خطیئة یعنی دنیا کی محبت ہر خطاء و گناہ کی بنیاد ہے، اس لئے آیت مذکورہ میں فرمایا گیا کہ: ''اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا کہ جب تمہیں اللہ کے راستے میں نکلنے کے لئے کہا جاتا ہے تو تم زمین کو لگے جاتے ہو (حرکت کرنا نہیں چاہتے) کیا تم آخرت کے بدلے صرف دنیا کی زندگی پر مگن ہو گئے۔''

تشخیص مرض کے بعد اس کا علاج اگلے جملہ میں اس طرح ارشاد ہوا کہ:

''دنیوی زندگی سے نفع اٹھانا تو کچھ بھی نہیں بہت قلیل و حقیر ہے''

جس کا حاصل یہ ہے کہ بڑی فکر آخرت کی دائمی زندگی کی چاہئے اور یہ فکر آخرت ہی درحقیقت سارے امراض کا واحد اور مکمل علاج ہے اور انسداد جرائم کے لئے بے نظیر نسخۂ اکسیر ہے۔ عقائد اسلام کے بنیادی اصول تین ہیں: توحید، رسالت اور آخرت...... ان میں عقیدۂ آخرت درحقیقت اصلاحِ عمل کی روح اور جرائم اور گناہوں کے آگے ایک آہنی دیوار ہے۔(معارف القرآن)

ایک شرعی مسئلہ

''فقہاء نے آیت سے یہ (مسئلہ) بھی نکالا ہے کہ جب جہاد کی نفیر (پکار) ہو جائے تو ہر شخص پر جو بلا عذر ہو جہاد واجب (فرض) ہو جاتا ہے۔

اقتضیٰ ظاهر الآیة وجوب النفیر علیٰ من لم یستنفر''(جصّاص) (تفسیر ماجدی)

طلبہ علم کے لئے تحفہ

امام رازیؒ نے اس آیت مبارکہ پر بہت جذبے والی تقریر لکھی ہے شائقین طلبہ تفسیر کبیر میں ملاحظہ فرمالیں اسی طرح امام رازیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اعلم ان هذه الآیة تدل علی وجوب الجهاد فی کل حال (تفسیر کبیر)

یعنی خوب سمجھ لو کہ یہ آیت ہر حال میں جہاد کے فرض ہونے کی دلیل ہے۔

یعنی جہاد صرف دشمنوں کے غلبے اور حملے کے وقت فرض نہیں ہوتا بلکہ ہر حال میں فرض کفایہ رہتا ہے جبکہ دشمنوں کے غلبے اور حملے کے وقت تو وہ فرض عین ہو جاتا ہے۔امام قرطبیؒ نے بھی یہ ساری تفصیل بہت مدلّل تحریر فرمائی ہے۔یاد رہے کہ غزوۂ تبوک میں مسلمان خود لڑنے کے لئے نکلے تھے ان پر کوئی حملہ وغیرہ نہیں ہوا تھا بس اس بات کی خبر آئی تھی کہ رومی اور شامی عیسائی مسلمانوں پر حملے کی تیاری کر رہے ہیں اس میں مسلمانوں کے لئے بہت بڑا سبق ہے۔(واللہ اعلم بالصواب)

غزوۂ تبوک میں توریہ نہیں کیا گیا

امام نسفیؒ لکھتے ہیں:

وقيل : مـا خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم فى غزوة الا ورّى عنها بغيرها الا فى غزوة تبوك ليستعد الناس تمام العدّة (المدارک)

اسی بات کو تفسیر مظہری میں یوں بیان کیا گیا ہے:

بغویؒ نے لکھا ہے کہ طائف سے واپس آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیوں سے جہاد کرنے کی تیاری کا حکم دے دیا، محمد بن یوسف صالحی کا بیان ہے کہ تبوک کے سال جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیوں سے جہاد کرنے کا ارادہ کیا تو وہ زمانہ بڑی تنگدستی کا تھا، گرمی بھی بہت سخت تھی، ملک بھی خشک تھا اور پھلوں کی فصل بھی تیار تھی، لوگ اپنے پھلوں کی نگرانی کے لئے مدینہ میں رکنا اور سایہ میں رہنا پسند کرتے تھے، ایسے وقت اور اس حالت میں روانگی ان کو ناگوار تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب کسی جہاد پر جانے کا ارادہ ہوتا تو بطور کنایہ در پردہ بیان فرما دیتے اور توریہ کے طور پر کسی دوسری جگہ کا اظہار کر دیتے تھے۔صرف تبوک کا جہاد ایسا ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھل کر لوگوں سے ارادہ کا اظہار کر دیا، کیونکہ مسافت لمبی تھی، زمانہ بھی سخت تھا اور جن دشمنوں کا مقابلہ کرنا تھا ان کی تعداد بھی بہت تھی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (صراحۃً) نام لے کر اظہار فرما دیا تاکہ لوگ تیاری کر لیں ابن ابی شیبہ بخاری اور ابن سعد نے حضرت کعب بن مالکؓ کی روایت سے بھی اسی طرح بیان کیا ہے اس روایت میں اتنا زائد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے گرداگرد رہنے والے قبائل عرب کو بھی شرکت کی دعوت دی تھی اور مکہ (والوں) کو بھی پیغام بھیج دیا تھا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بکثرت لوگ ہو گئے۔(مظہری)

فائدہ

توریہ ایک خاص قسم کی ”جنگی وعسکری تدبیر“ ہے اس کا جھوٹ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور مفسرین نے اسے اس موقع پر اس لئے بیان فرمایا ہے تاکہ مسلمانوں میں جہاد کی اہمیت مزید اجاگر ہو کہ ان کے قائد اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنگی تدبیروں کا کس قدر اہتمام فرماتے تھے اور وہ کتنے بلند اور ماہر سپہ سالار بھی تھے پس ان کے امتیوں کو بھی اپنے اندر یہ صفات پیدا کرنی چاہئیں اور جہاد کے معاملات کو خاص اہمیت دینی چاہئے۔(واللہ اعلم بالصواب) ☆☆

إِلَّا تَنفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَ

اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا اور تمہاری جگہ اور لوگ

كُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣٩﴾

پیدا کرے گا اور تم اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکو گے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے

خلاصہ

سخت وعید اور شدید تنبیہ ان کے لئے جو جہاد میں نکلنے سے سستی کریں...... ایسے لوگوں کو دنیا آخرت میں دردناک عذاب کا سامنا ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان کی جگہ اپنے ایسے فرمانبردار بندوں کو لے آئے گا جو حکم جہاد پر عمل کریں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے دین اور اپنے نبی کی نصرت کرنے میں اور دین کے دشمنوں کو ہلاک کرنے میں کسی کا محتاج نہیں ہے وہ چاہے تو تمہارے جہاد کے بغیر بھی یہ سب کچھ کر سکتا ہے اس لئے جہاد چھوڑ کر تم اپنا ہی نقصان کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

سخت وعید

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

هذا تهديد شديد و وعيد مؤكّد فى ترك النّفير......

اور آگے لکھتے ہیں:

فوجب بمقتضاها النفير للجهاد والخروج الى الكفار لمقاتلتهم على ان تكون كلمة الله هى العليا (القرطبى)

یعنی اس آیت میں سخت تنبیہ اور مؤکد وعید ہے جہاد چھوڑنے پر...... اور اس آیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کفار کے خلاف جہاد کے لئے نکلنا تا کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہوجائے یہ واجب ہے۔ (القرطبی)

یعنی ان دو آیات (۳۸،۳۹) سے بھی جہاد کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

قال القاضي : هذه الآية دالّة على وجوب الجهاد سواء كان مع الرسول اولا معه، لانه تعالىٰ قال يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انفِرُوا ولم ينص على ان ذلك القائل هو

الرسول فان قالوا: یجب ان یکون المراد ھو الرسول لقولہ تعالیٰ وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ولقولہ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا اذ لا یمکن ان یکون المراد بذلك الا الرسول قلنا: خصوص آخر الآیۃ لا یمنع عموم اوّلھا۔ (تفسیرکبیر)

امام نسفیؒ لکھتے ہیں:

سخط عظیم علی المتثاقلین حیث اوعدھم بعذاب الیم مطلق یتناول عذاب الدارین، وانہ یھلکھم ویستبدل بھم قوماً آخرین خیرا منھم واطوع وانہ غنی عنھم فی نصرۃ دینہ لا یقدح تثاقلھم فیھا شیئًا۔

یعنی جہاد سے سستی کرنے والوں کے لئے سخت ترین ناراضگی کا اظہار ہے کہ انہیں ایسے دردناک عذاب کی وعید سنائی ہے جو مطلق ہے یعنی دنیا آخرت دونوں جگہ کو شامل ہے اور اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک فرما دے گا اور ان کی جگہ ان سے بہتر اور زیادہ فرمانبردار قوم لے آئے گا اور وہ اپنے دین کی نصرت کے بارے میں ان کا محتاج نہیں ہے ان کی سستی سے اس میں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ (المدارک نقلا عن الکشاف)

تفسیر الفرقان میں ہے:

اگر تم جہاد کے لئے نہ نکلے تو یہ خیال نہ کرنا کہ تمہارے رہ جانے سے مسلمانوں کی ترقی رک جائے گی، یہ تو نہیں ہوسکتا بلکہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہیں دنیا اور آخرت، دونوں جگہ سخت ترین عذاب ہوگا، دنیا کی تاریخ تمہارے سامنے ہے جس قوم نے بھی تلوار سے علیحدگی اختیار کی اس کا کیا انجام ہوا ہے۔ (تفسیر الفرقان)

تفسیر ابن کثیر میں ہے:

ثم توعّد تعالیٰ من ترك الجهاد فقال إِلَّا تَنفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا

یعنی اللہ تعالیٰ نے ترک جہاد پر وعید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: إِلَّا تَنفِرُوا ...... الخ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے ایک قبیلے کو جہاد پر نکلنے کا حکم دیا انہوں نے سستی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش روک لی۔ (قحط سالی میں مبتلا کر دیا) یہ ان کے لئے عذاب تھا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ای لنصرۃ نبیہ واقامۃ دینہ یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کیلئے اور اپنے دین کی اقامت کیلئے وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا ای ولا تضروا اللہ شیئا بتولیکم عن الجهاد ونکولکم وتثاقلکم عنہ یعنی تمہارا جہاد چھوڑنا اور اس میں نافرمانی اور سستی کرنا اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ای قادر علی الانتصار من الاعداء بدونکم یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے بغیر بھی دشمنوں سے بدلہ لینے پر قادر ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

دوسری قوم کونسی؟

آیت میں فرمایا گیا کہ اگر تم جہاد نہیں کرو گے تو اللہ پاک تمہاری جگہ کسی اور قوم کو اس کام کے لئے لے آئے گا، اس سے کونسی قوم مراد ہے؟ مفسرین کے کئی اقوال ہیں:

❶ کوئی خاص قوم مراد نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جہاد نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ہٹا کر کسی اور کو لے آئے گا جو اس کی فرمانبرداری اور جہاد کریں گے۔

یہ قول زیادہ مضبوط ہے۔

❷ مراد اہل یمن ہیں

❸ مراد اہل فارس ہیں

❹ مراد تابعین ہیں

امام ابو حیانؒ لکھتے ہیں:

والمستبدل الموعودبهم قال: جماعة اهل اليمن، وقال ابن جبير ابناء فارس وقال ابن عباس هم التابعون والظاهر مستغن عن التخصيص. (البحر المحيط)

عَذَابًا اَلِيْمًا جہاد میں سستی کرو گے تو دردناک عذاب پاؤ گے۔ اس میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں، علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

بالاهلاك بسبب فظيع لقحط وظهور عدو. (روح المعانی)

یعنی کسی خوفناک سبب (مثلاً) قحط اور دشمنوں کے غلبے کے ذریعے ہلاک کر دیا جائے گا۔

تمام اقوال کا خلاصہ یہی ہے کہ ترک جہاد میں ہلاکت ہی ہلاکت ہے اور دشمنوں کا غلبہ اور ذلت ہے اعاذنا اللہ منها...... (واللہ اعلم بالصواب)

سورۃ التوبۃ مدنیۃ آیت ۴۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا

اگر تم رسول کی مدد نہ کرو گے تو اس کی اللہ تعالیٰ نے مدد کی ہے جس وقت اسے کافروں نے نکالا تھا کہ

ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ

وہ دو میں سے دوسرا تھا جب وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا تو غم نہ کھا

إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۖ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ

بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے اس پر تسکین اتاری اور اس کی مدد کو وہ فوجیں

لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ

بھیجیں جنہیں تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کی بات کو پست کردیا اور بات تو

اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٤٠﴾

اللہ تعالیٰ ہی کی بلند ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست (اور) حکمت والا ہے

خلاصہ

اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ کرو گے تو اس سے اللہ تعالیٰ کو اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اللہ تعالیٰ کے دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنے رسول کی مدد فرمائی جب انہیں مکہ کے کافروں نے مکہ معظمہ سے نکال دیا اور وہ اپنے ساتھی کے ساتھ غار میں پہنچ گئے اوّل تو دشمنوں کے درمیان سے صحیح سالم نکال دینا، پھر غار ثور تک عافیت اور سلامتی کے ساتھ پہنچا دینا پھر جب دشمن غار کے منہ پر پہنچ گئے اس وقت بھی ان کی حفاظت فرمانا اور جو لوگ تلاش میں نکلے تھے ان کو واپس کر دینا اور پھر غار ثور سے نکال کر پیچھا کرنے والے دشمنوں سے محفوظ فرما کر عافیت کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا دینا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہوا۔

پھر جب دشمن تلاش کرتے ہوئے غار کے منہ تک پہنچ گئے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کے پاؤں نظر آنے لگے تو وہ اس بات سے گھبرا گئے کہ دشمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان نہ پہنچا دیں، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا غم نہ کرو، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر تیرا کیا خیال ہے ان دو کی نسبت جن کا تیسرا اللہ ہے؟ یعنی جب اللہ ہمارے ساتھ ہے تو پھر کس کا ڈر ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ایک خاص قسم کے سکون اور اطمینان والی کیفیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل مبارک پر اور آپ کی برکت

سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل پر نازل فرمائی اور فرشتوں کی فوج سے آپ دونوں کی حفاظت اور مدد فرمائی پس اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے کافروں کی بات نیچی کردی اور ان کی تدبیر خاک میں ملادی (ہجرت کی کامیابی کافروں کی پستی، ذلت اور شکست کا آغاز بن گئی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین روز غار میں قیام فرما کر عافیت کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ بے شک انجام کار اللہ تعالیٰ ہی کی بات اونچی رہتی ہے وہ ہر چیز پر غالب ہے اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ (تلخیص از عثمانی وانوار البیان)

اقوال وحوالے

نصرت کا نمونہ

اللہ تعالیٰ کی مدد کا ایک نمونہ دیکھ چکے ہو جبکہ غارِ ثور میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فقط ایک ہی آدمی (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) تھا اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے نرغہ سے رسول کو بچایا۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

غزوۂ تبوک کے موقع پر واقعہ ہجرت کی یاددہانی

غزوۂ تبوک ۹ھ میں پیش آیا اور اس موقع پر نو سال پرانا ایک واقعہ یاد دلا کر دلوں کو مضبوط کیا جارہا ہے اور جہاد کی ترغیب ایک نئے انداز میں دی جارہی ہے۔ غزوۂ تبوک میں سفر لمبا ہے تو اے مسلمانو! ہجرت کا سفر بھی تو بہت لمبا اور اس سفر سے زیادہ پُر خطر تھا، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبرؓ کیلئے تھے، اگر یہ سفر نہ ہوتا تو تم میں سے کتنے لوگ ایمان سے محروم رہتے، اب کیوں لمبے سفر سے گھبرا رہے ہو۔

غزوۂ تبوک میں دشمن بے حد طاقتور تھا سامنے روم کی پوری سلطنت تھی جو سپر پاور کہلاتا تھا تو ہجرت کو یاد کرو جہاں دو افراد تھے اور پورا مکہ اور اردگرد کے قبائل ان کے دشمن تھے۔ مگر اللہ پاک نے ان دونوں کو بچایا، نکالا، غالب فرمایا اور آج مکہ پر اِن کی حکومت ہے۔ ظاہری طاقتوں پر نظر رکھنے والو ہجرت کو یاد کرو...... پھر اہم بات یہ ہے کہ ہر لڑائی کے بعد دونوں فریق فتح مندی کے دعوے کرتے ہیں، ہر کوئی کہتا ہے کہ جیت میری ہوئی حتیٰ کہ شکست فاش کھانے والے بھی کسی نہ کسی طرح اپنے دل کو تسلی دے لیتے ہیں۔ مگر ہجرت کا واقعہ ایسا ہے کہ اس میں اللہ کے دین کی فتح بالکل واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ موجود ہے، غالب ہے اور وہ اپنے نبی اور ان کے ماننے والوں کی مدد کرتا ہے یہ سب کچھ ہجرت کے واقعہ سے سب نے دیکھ لیا وجہ یہ ہے کہ تمام دشمنوں کے نہ چاہنے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ پہنچ گئے، سب اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں موجود ہیں۔ اب بتاؤ ان کو کس نے پہنچایا؟ گھر پر دشمنوں کے خوفناک محاصرے کے باوجود غار ثور تک کون لایا؟ غار ثور کے منہ تک دشمن پہنچ گئے پھر ان کی آنکھوں کو کس نے اندھا کیا کہ وہ دو افراد کو نہ دیکھ سکے۔ حالانکہ اگر وہ اپنے پاؤں پر نظر ڈالتے تو انہیں سب کچھ نظر آجاتا۔ عرب کے قیاف جو راستے کے پتھروں تک کو پہچانتے تھے کیوں اپنے حواس کھو بیٹھے؟...... الغرض

ہجرت کا ہر واقعہ اور ہر پہلو ایک ہی صدا لگاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے، اللہ تعالیٰ غالب ہے، اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا مددگار ہے۔ پس غزوۂ تبوک کے موقع پر یہی یقین دلوں میں زندہ کرنے کے لئے ہجرت کے واقعہ کو چھیڑا گیا تاکہ مسلمانوں کے دلوں سے ہر خوف اور ہر پریشانی نکل جائے اور انہیں اپنے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ قربانی بھی یاد آئے جو آپ نے ہجرت کے موقع پر پیش فرمائی، اور انہیں یہ پیغام بھی ملے کہ دیکھو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی، سفر فرمایا تو دین کو کتنا فائدہ پہنچا اب تم بھی اور لوگوں تک دین پہنچانے کے لئے جہاد کا سفر کروتا کہ یہ دین پھیلتا جائے اور اللہ پاک کا بلند کلمہ ہر طرف اونچا ہوتا چلا جائے۔

غزوۂ تبوک کے مشکل موقع پر ہجرت کا واقعہ یاد دلانے میں عجیب فوائد تھے اور ایمان وجذبات کی عجیب تازگی تھی اسے سمجھنے کے لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ ہجرت کا پورا واقعہ تفصیل کے ساتھ سیرت کی مستند کتب میں پڑھ لے، پھر اس واقعہ کو اس موقع پر ذکر کرنے کی بہت سی حکمتیں سمجھ آ جائیں گی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

مسلمانو! جہاد کرو

اس آیت کے فوائد میں صاحب تفسیر الفرقان لکھتے ہیں:

اللہ کی بات تو ہر صورت میں اوپر ہی رہے گی مگر مسلمانوں کے حق میں یہی بہتر ہے کہ وہ اللہ کا دست عمل (یعنی دست عمل کا آلہ کار) بن کر اسی کے قانون کو بلند کریں ورنہ وہ تو فرشتوں سے بھی کام لے سکتا ہے، اگر تم نے اس کو اپنا مقصد حیات نہ بنایا تو تباہ کر دیئے جاؤ گے۔ (تفسیر الفرقان)

آیت میں جہاد کی ترغیب ہے

امام رازیؒ فرماتے ہیں:

اعلم ان ھذا ذکر طریق آخر فی ترغیبھم فی الجھاد

یعنی خوب سمجھ لو کہ اس آیت میں ایک اور طریقے سے جہاد کی ترغیب دی جارہی ہے۔ (تفسیر کبیر)

واقعی اس آیت کو جس پہلو سے بھی لیا جائے یہ آیت انسان کو جہاد پر کھڑا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت کا یقین، دین کی خاطر قربانی کا مقام اور مشکل وقت میں ساتھ دینے کا بلند اجر وغیرہ۔

آیتِ مبارکہ کے بعض نکات اور فوائد

اس آیت مبارکہ پر حضرات مفسرین نے بہت تفصیل سے لکھا ہے اگر چند مفسرین کی تقاریر نقل کردی جائیں تو ایک پوری کتاب تیار ہو جائے، واقعہ ہجرت، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مناقب، ثَانِيَ اثْنَيْنِ کے معارف، لَا تَحْزَنْ اور لا تخف کا فرق، روافض کا پرزور تعاقب، بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا کے متعلق اقوال اور اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کی ایمان افروز تشریح۔

تفسیر کی کتب تو اپنی جگہ سیرت کی کتابوں میں بھی اس آیت پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔ حضرت علامہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے سیرت المصطفیٰ جلد اوّل میں صرف اس آیت کے معارف پر تیرہ صفحات تحریر فرمائے ہیں۔ شائقین حضرات وہاں ملاحظہ فرمالیں۔ یہاں اختصار کو ملحوظ رکھتے ہیں چند ضروری فوائد اور نکات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صحابیت پر نصِ قطعی

امام نسفیؒ لکھتے ہیں:

من انکر صحبة ابی بکر فقد کفر لانکاره کلام الله ولیس ذلك لسائر الصحابة (المدارک)

یعنی جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار کرے وہ کافر ہے کلام اللہ کا انکار کرنے کی وجہ سے اور یہ حکم تمام صحابہ کرام کا نہیں ہے۔

صاحب تفسیر ماجدی بھی لکھتے ہیں:

علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت سے انکار کرتا ہے وہ قرآن سے انکار کرتا ہے اور اس سے اس کا کفر لازم آجاتا ہے اور یہ بات دوسرے صحابیوں کے لئے نہیں۔ (تفسیر ماجدی)

غزوۂ تبوک اور ہجرت دونوں میں صدیق اکبر آگے آگے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حسن بصریؒ اور سفیان بن عیینہؒ سے منقول ہے کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ کرنے پر تمام عالم کو عتاب فرمایا مگر صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس عتاب سے مستثنیٰ ہی نہیں فرمایا بلکہ ایسے آڑے اور نازک وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اور مصاحبت اور معیت کو بطور مدح ذکر فرمایا۔ (مفہوم سیرت المصطفیٰ)

آیت میں حضرت ابوبکرؓ کے خلیفہ بلافصل ہونے کی دلیل

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

قال بعض العلماء: فی قوله تعالیٰ ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ مایدل علی ان الخلیفة بعد النبی صلی الله علیه وسلم ابوبکر الصدیق رضی الله عنه لان الخلیفة لایکون ابداً الّا ثانیاً۔ (القرطبی)

یعنی بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس آیت کے الفاظ ثَانِيَ اثْنَيْنِ میں اس بات کی دلیل ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے کیونکہ خلیفہ ثانی ہوتا ہے امام اور بادشاہ کا۔

حضرت صدیق اکبرؓ کا حزن اور غم

”صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فکر مند ہونا بزدلی کی وجہ سے اور اپنی جان کی وجہ سے نہیں تھا انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کی حفاظت کا خیال ہو رہا تھا، انہوں نے کہا: ان اقتل فأنا رجل واحد وان قتلت هلكت الامة اگر میں مقتول ہوگیا تو میں ایک ہی آدمی ہوں اور اگر آپ کی ذات مبارک پر حملہ کردیا گیا تو پوری امت ہلاک ہوجائے گی۔ درمنثور ج ۲ ص ۲۴۱ میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار ثور میں پہنچنے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے خیال سے کبھی آگے چلتے تھے اور کبھی پیچھے اور کبھی دائیں طرف اور کبھی بائیں طرف اور مقصد یہ تھا کہ اگر کوئی تکلیف پہنچے تو مجھے پہنچ جائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ اور صحیح سالم رہیں، نیز یہ بھی لکھا ہے کہ اس خیال سے کہ دشمنوں کو نشان ہائے قدم کا پتہ نہ چل جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اوپر اٹھا کر انگلیوں کے بل چلے یہاں تک کہ ان کی انگلیاں چھل گئیں۔“ (انوار البیان)

نیز کئی مفسرین حضرات نے حزن اور خوف کے معنیٰ میں فرق بھی لکھا ہے......

غارِ ثور

تفسیر ماجدی میں ہے:

یہ غار ”غار ثور“ مضافات مکہ میں سے تھا، مکہ سے جنوب و مشرق میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اندر تین دن تک قیام پذیر رہے، (یہ غار) مدینہ کے راستہ میں نہ تھا، اس سے ہٹ کر تھا، مدینہ کو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو راستہ قصداً ذرا چکر کا اختیار فرمایا کہ تلاش کرنے والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسانی سے نہ پاسکیں، اس کا دہانہ اب تک اتنا تنگ ہے کہ اندر صرف لیٹ کر ہی جانا ممکن ہے، شیخ رشید رضا مصری نے تفسیر المنار میں ایک مصری امیر الحج رفعت پاشا (سن حج ۱۳۸۱ ہجری) کے حوالہ سے غار کی پیائش وغیرہ دی ہے اور اس کی تنگی کا ذکر صراحت کے ساتھ کیا ہے۔ (تفسیر ماجدی)

خلاصہ

جہاد کے لئے نکل پڑو جس وقت بھی نکلنے کا حکم دیا جائے خواہ تم ایسی حالت میں ہو کہ نکلنا آسان ہو یا ایسی حالت میں ہو کہ نکلنا مشکل اور بھاری ہو۔ الغرض ہر حال میں نکل پڑو اور اپنے مال اور جان سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرو یہ جہاد کرنا ہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔

اقوال وحوالے

اپنے ذاتی اور شخصی تقاضوں کو جہاد کے راستے کی رکاوٹ نہ بننے دو

''ایک مسلمان کا فرض یہی ہے کہ وہ کسی حالت میں ہو جس وقت الجہاد، الجہاد کا اعلان سنے فوراً میدان جنگ میں حاضر ہو جائے اور اپنی ہر چیز اللہ کی راہ میں قربان کردے، اسے نہ تو افلاس اور دولت مندی مانع ہو، نہ انفراد واجتماع کا خیال ہو، جوانی اور بڑھاپے کی جانب توجہ نہ ہو اور پیدل اور سواری کا خطرہ (یعنی خیال) تک نہ آنے پائے۔ غرض یہ کہ شخصی مصلحتوں پر غور کیے بغیر ہر وقت جہاد فی سبیل اللہ کے لئے تیار رہے۔'' (تفسیر الفرقان)

''لہٰذا اگر نصرت دین متین کی سعادت چاہتے ہو تو جس وقت حکم ملے فوراً نکل پڑو خواہ ساز وسامان کی بہتات ہو یا نہ ہو۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

خفافاً وثقالاً

آیت مبارکہ میں دو لفظ خفافاً و ثقالاً استعمال ہوئے ہیں جن کا اردو میں عام ترجمہ ہلکے یا بوجھل کے الفاظ سے کیا جاتا ہے۔ ان دو لفظوں کی مراد کیا ہے؟ اس میں مفسرین حضرات کے کئی اقوال ہیں۔

امام رازیؒ ایک جامع بات لکھتے ہیں:

انْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا : والمراد انفروا سواء کنتم علی الصفة التی یخف علیکم الجهاد او الصفة التی یثقل

یعنی مقصد یہ ہے کہ تم جہاد پر نکلو خواہ تم ایسی حالت میں ہو کہ نکلنا تمہارے لئے آسان ہو یا ایسی حالت میں ہو کہ نکلنا تمہارے لئے بھاری اور مشکل ہو۔ (تفسیر کبیر)

تفسیر ماجدی میں ہے:

خفافاً اور ثقالاً دو مقابل کے لفظ ہیں، ان کی مختلف اور متعدد تفسیریں آئی ہیں مثلاً تنگدست اور خوشحال، جوان تیز رو اور پیر سست رفتار، بیکار اور مشغول، بے سامان اور باسامان، خوش دلی سے اور بے دلی سے وغیرہا۔

ای شیباً وشباناً (ابن جریر عن الحسن) ای اغنیاء ومساکین (ابن جریر عن قتادة) ای مشاغیل وغیر مشاغیل (ابن جریر عن الحکم) ای نشاطاً وغیر نشاطٍ (ابن جریر عن ابن عباسؓ وقتادة)

مقصود بہرصورت عموم حکم ہے کہ جس حال میں بھی ہو جہاد کے لئے چل پڑو، نکل کھڑے ہو، ابن جریر نے متعدد تفسیریں نقل کر کے قول فیصل یہ لکھا ہے کہ خفاف کے تحت ہر وہ شخص داخل ہے جسے قوت، صحت، جوان عمری، خوشحالی، بے شغلی غرض کسی بناء پر بھی آسانیاں حاصل ہوں اور ثقال کے ماتحت وہ سب آجاتے ہیں جن میں اس کے برعکس مذکورہ بالا بناؤں میں دشواریاں لاحق ہوں اور اسی کے قریب قریب ابن کثیرؒ نے بھی لکھا ہے: حتم علی المومنین فی الخروج معه علیٰ کل حال فی المنشط والمکره والعسر والیسر۔ (ابن کثیر، تفسیر ماجدی)

تفسیر مظہری میں ہے:

''خفافاً اور ثقالاً کی تفسیر مختلف طور پر کی گئی ہے:

1. جوان ہو یا بوڑھے (حسن، ضحاک، مجاہد، قتادہ، عکرمہ)
2. چست ہو یا چست نہ ہو
3. نادار (یعنی فقیر) ہو یا مالدار
4. ہتھیار کم ہوں یا زیادہ (ابن عباسؓ)
5. سوار ہو یا پیدل (عطیہ عوفی)
6. جائداد اور جاگیر والے نہ ہو یا جائداد اور جاگیر والے ہو جس کا چھوڑنا تم کو پسند نہ ہو (ابن زید)
7. کاموں میں مشغول ہو یا خالی ہو (حکیم بن عتبہ)
8. بیمار ہو یا تندرست (ہمدانی)
9. مجرد (غیر شادی شدہ) ہو یا بیوی بچے والے
10. تمہارے متعلقین (یعنی) نوکر، چاکر نہ ہوں یا ہوں (یمانی)
11. مال سے ہلکے ہو یعنی محتاج ہو یا مال کا بوجھ رکھتے ہو یعنی غنی ہو (ابوصالح)

⓬ بعض کے نزدیک مراد یہ ہے کہ دعوت جہاد سنتے ہی فوراً بلا تأمل نکل کھڑے ہو یا تأمل وغور اور تیاری کے بعد نکلو زہریؒ کی روایت ہے کہ حضرت سعید بن مسیب کی ایک آنکھ جاتی رہی، اسی حالت میں آپ جہاد کو نکلے، کسی نے کہا آپ تو بیمار اور دکھی ہیں، فرمایا: اللہ نے خفیف اور ثقیل سب کو جہاد کی دعوت دی ہے، اگر مجھ سے لڑائی نہ ہو سکے گی تو میں مسلمانوں کی جماعت میں اضافہ کا ہی سبب بن جاؤں گا اور سامان کی حفاظت کرتا رہوں گا۔ (تفسیر مظہری)

امام قرطبیؒ نے بھی کئی اقوال ذکر فرمائے ہیں پہلے ان کی عربی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

وفيه عشرة اقوال: الاوّل. يذكر عن ابن عباس فانفروا ثبات أوسرايا متفرقين. الثاني. روى عن ابن عباس ايضا وقتادة: نشاطاً وغير نشاط. الثالث. الخفيف: الغني والثقيل الفقير، قاله مجاهد الرابع. الخفيف: الشاب، والثقيل: الشيخ قاله الحسن، الخامس مشاغيل وغير مشاغيل، قاله زيد بن عليّ والحكم بن عتيبة السادس الثقيل: الذي له عيال والخفيف الذي لا عيال له قاله زيد بن أسلم السابع الثقيل: الذي له ضيعة يكره ان يدعها والخفيف: الذي لا ضيعة له، قاله ابن زيد الثامن الخفاف: الرجال والثقال: الفرسان، قاله الاوزاعي التاسع الخفاف: الذين يسبقون الى الحرب كالطليعة وهو مقدم الجيش والثقال: الجيش بأسره العاشر الخفيف الشجاع والثقيل الجبان حكاه النقاش والصحيح في معنى الآية أن الناس أُمروا جملة اى انفروا خفّت عليكم الحركة اوثقلت.

اس عبارت میں تقریباً وہی اقوال ہیں جو اوپر تفسیر مظہری کے حوالے سے گزر چکے ہیں، البتہ یہ چند اقوال مختلف ہیں:

❶ خفافاً سے مراد چھوٹے دستے اور ثقالاً سے مراد پورا لشکر

❷ خفافاً سے مراد بہادر اور ثقالاً سے مراد بزدل

❸ خفافاً سے مراد لشکر کے اگلے دستے اور ثقالاً سے مراد عام لشکر یعنی اگلے اقدامی دستوں میں نکلو یا عام لشکر کا حصہ بن کر نکلو۔

امام قرطبیؒ یہ تمام اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”صحیح مطلب آیت کا یہ ہے کہ تمام لوگوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ جہاد میں نکلیں یہ نکلنا ان کے لئے آسان ہو یا مشکل“۔ (القرطبی)

فائدہ

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس آیت کا عموم منسوخ ہو چکا ہے دوسری آیات لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَ لَا

عَلَى الْمَرْضٰى وغیرہ کے ذریعہ...... مگر امام قرطبیؒ اور دیگر بڑے مفسرین نے نسخ کے قول کو درست قرار نہیں دیا وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت محکم ہے اور اس کا تعلق ان حالات سے ہے جب جہاد فرض عین ہو جائے۔

مثلاً جب دشمن مسلمانوں کے کسی علاقے پر حملہ یا قبضہ کر لیں یا مسلمانوں کا امیر مسلمانوں کو نکلنے کا اعلان عام دے دے۔ اسی طرح سال میں ایک مرتبہ مسلمانوں کے امیر پر لازم ہے کہ وہ ایک لشکر جہاد کے لئے روانہ کرے...... تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے تفسیر قرطبی۔

چند واقعات

اگر یہ آیت منسوخ ہوتی تو حضرات صحابہ کرام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس آیت کو اپنی دلیل نہ بناتے، حالانکہ صحابہ کرام تو اسی آیت کا حوالہ دے کر مشکل ترین حالات میں بھی جہاد کرتے رہے، امام قرطبیؒ نے اس موقع پر چند واقعات بیان فرمائے ہیں...... وہ لکھتے ہیں:

والصحیح انها لیست بمنسوخة روی ابن عباس عن ابی طلحةؓ فی قوله تعالیٰ: اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا قال شبانا وکهولا الخ.

یعنی صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے حضرت ابن عباسؓ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ جوان ہو یا بوڑھے ہر حال میں نکلو، اللہ پاک نے کسی کے عذر کو قبول نہیں فرمایا پھر حضرت ابوطلحہؓ شام کی طرف جہاد میں نکل گئے اور مرتے دم تک جہاد کرتے رہے اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوطلحہؓ نے سورۃ توبہ کی تلاوت فرمائی جب اس آیت پر پہنچے اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا تو فرمانے لگے اے میرے بیٹو! میرا سامانِ جہاد تیار کرو، میرا سامانِ جہاد تیار کرو۔ ان کے بیٹوں نے عرض کیا اللہ آپ پر رحم فرمائے آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر ان کے آخری دم تک جہاد کیا اور اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر ان کے آخری دم تک جہاد کیا اور اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر بھی جہاد کیا اب ہم آپ کی طرف سے جہاد کریں گے (آپ آرام فرمائیں) فرمایا نہیں بس میرا سامان تیار کرو پھر سمندر کے جہاد میں شریک ہوئے اور اسی جہاد میں انتقال فرمایا آپ کے رفقاء کو آپکی تدفین کے لئے کوئی جزیرہ نہیں مل رہا تھا بالآخر سات دن بعد ملا تو اس میں انکی تدفین ہوئی سات دن گذرنے کے باوجود جسم میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ رضی اللہ عنہ

طبریؒ نے سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ایک صاحب نے حضرت مقدادؓ کو حمص (کے علاقے) میں صراف کے صندوق پر بیٹھے دیکھا اور ان کا جسم موٹاپے کی وجہ سے اس صندوق پر پورا نہیں آ رہا تھا اور آپ جہاد میں جانے کی تیاری میں تھے اس وقت ان کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ اللہ پاک نے آپ کو معذور قرار دیا ہے تو فرمانے لگے منافقوں کے حالات کھول کھول کر بیان کرنے والی سورۃ نازل ہو چکی ہے اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا (القرطبی)

ایک سوال

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ اگر سب لوگ جہاد سے روگردانی کرنے لگیں تو اکیلا آدمی کیا کرے؟ یعنی اگر اکثر لوگ جہاد چھوڑ چکے ہوں (نعوذ باللہ) تو جو آدمی اس آیت پر عمل کرنا چاہے تو اس کے لئے کیا طریقہ ہے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ فدیہ دے کر کسی ایک مسلمان قیدی کو آزاد کرائے اور اگر خود جہاد کر سکتا ہو تو خود لڑے ورنہ جو لوگ جہاد کر رہے ہوں ان تک سامانِ جہاد لے جائے۔ (قرطبی)

الغرض کسی نہ کسی طرح جہاد میں شرکت اور شمولیت کی کوشش کرے۔

ایک مسئلہ

تفسیر ماجدی میں ہے:

فقہاء نے اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جب جہاد واجب ہو جائے تو امیر جہاد اور لشکریوں کے فاسق ہونے کے باوجود بھی واجب رہتا ہے فان قيل هل يجوز الجهاد مع الفساق قيل له ان كل احد من المجاهدين فانما يقوم بغرض نفسه فجائز له ان يجاهد الكفار وان كان امير الجيش وجنوده فساقاً (جصاص)

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

جہاد سے آخرت کی فلاح تو ظاہراً اور یقینی ہے، یعنی وہاں کا اجر و قرب، باقی دنیا کی فلاح بھی اکثر حاصل ہو ہی جاتی ہے مثلاً فتح و عزت اور مالِ غنیمت وغیرہ۔ (تفسیر ماجدی)

امام رازیؒ لکھتے ہیں اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (اگر تم جانتے ہو) اس لئے فرمایا گیا کہ جہاد کے فوائد اور اسکی خیریں بغیر غور و فکر کے سمجھ نہیں آتیں اسکو تو صرف وہی ایمان والا سمجھ سکتا ہے جو قیامت کو بالکل حق مانتا ہو اور آخرت کی جزا سزا کا یقین رکھتا ہو ولذلك قال تعالىٰ ان كنتم تعلمون لان مايحصل من الخيرات فى الآخره على الجهاد لايدرك الا بالتامل ولا يعرفه الا المؤمن الذى عرف بالدليل ان القول بالقيامة حق وان القول بالثواب والعقاب حق وصدق (تفسیر کبیر)

سورۃ التوبۃ مدنیۃ آیت ۴۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْ

اگر مال نزدیک ہوتا اور سفر ہلکا ہوتا تو وہ ضرور تیرے ساتھ ہوتے لیکن

بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۭ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا

انہیں مسافت لمبی نظر آئی اور اب اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم سے ہوسکتا تو ہم تمہارے ساتھ

مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۴۲

ضرور چلتے اپنی جانوں کو ہلاک کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں

خلاصہ

وہ منافقین جو غزوہ تبوک سے رہ گئے تھے اسکی وجہ ان کی ''حُبِّ دنیا'' تھی وہ دنیا ہی کو اپنا مقصود بنائے ہوئے تھے اور آخرت ان کے نزدیک کچھ نہیں تھی کہ اس کی خاطر کوئی مشقت برداشت کرتے یا قربانی دیتے، وہ دنیا ہی کی خاطر ظاہری طور پر مسلمان بنے ہوئے تھے پھر جب انہیں غزوہ تبوک کے لئے بلایا گیا تو انہیں اس میں دنیا کا کوئی فائدہ نظر نہ آیا بلکہ نقصان محسوس ہوا اس لئے کہ سفر بہت لمبا اور پر مشقت تھا اور مال غنیمت ملنے کی کوئی امید ان کو تھی نہیں کیونکہ وہ رومیوں کو بہت طاقتور اور ناقابل شکست سمجھتے تھے چنانچہ انہوں نے جانے سے انکار کر دیا اگر انہیں مال غنیمت ملنے کا یقین ہوتا اور سفر بھی قریب کا ہوتا تو وہ ضرور شریک ہوجاتے تا کہ نفاق بھی چھپا رہے اور دنیا بھی ہاتھ آئے۔ ان لوگوں کا یہ گمان تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء اس سفر سے واپس نہیں آئیں گے مگر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے غالب ومنصور واپس تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ نے بڑی بڑی سلطنتوں پر اسلام کی دھاک بٹھلادی تو منافق بہت رسوا ہوئے تو فرمایا جا رہا ہے کہ جب آپ واپس تشریف لائیں گے تو یہ منافق آپ کے پاس آکر قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہماری استطاعت ہوتی تو ہم آپ کے ساتھ ضرور جاتے یہ لوگ خود کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ یہ جھوٹی قسمیں کھا رہے ہیں ان کے پاس استطاعت تھی مگر یہ اپنے نفاق کی وجہ سے نہیں نکلے۔

آیت کا موضوع

1. حضرت لاہوریؒ لکھتے ہیں:

جو لوگ اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں اور اعلانِ جہاد کے بعد گھر سے نکلنے سے گھبراتے ہیں وہ اپنے نفسوں کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

یعنی آیت کا موضوع یہ ہے کہ ترکِ جہاد میں ہلاکت ہے

❷ امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

لمارجع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم من غزوۃ تبوک اظھراللّٰہ نفاق قوم

یعنی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے تو اللہ پاک نے ایک قوم کے نفاق کو ظاہر فرمادیا۔ (قرطبی)

یعنی آیت مبارکہ میں منافقین کے لئے سخت وعید ہے اور ان کے حالات ونظریات کو بیان کیا گیا ہے صاحب انوارالبیان لکھتے ہیں:

اس کے بعدان منافقین کا حال بیان فرمایا جنہوں نے مجاہدین کے ساتھ جانا منظور نہیں کیا تھاان کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ طالب دنیا ہیں اگران کو معلوم ہوتا کہ جلدی ہی سے کوئی دنیاوی سامان مل جائے گا یا سفرہی ایسا ہوتا کہ اسے مشقت کے بغیر برداشت کر لیتے تو آپ کے ساتھ ہو لیتے اس ساتھ لگنے میں ان کے اسلام کے ظاہری دعویٰ کا بھرم رہ جاتا اور جن دنیاوی منافع کے لئے انہوں نے ظاہراً اسلام قبول کیا ہے ان کے منافع کی امید بدستور قائم رہتی لیکن سفر کے بارے میں جوانہوں نے غور کیا تو انہیں محسوس ہوا کہ یہ تو سفر بہت لمبا ہے اور سخت تکلیف دہ ہے لہٰذا ان کا نفاق کھل کر سامنے آگیا اور انہوں نے ہمراہ نہ جانے ہی کو اپنے لئے پسند کیا اور ساتھ نہ گئے۔ منافقین تھوڑی بہت تکلیف تو جھیل جاتے تھے لیکن جب زیادہ تکلیف کا موقعہ آتا تھا توان کا نفاق کھل جاتا تھا۔ (انوارالبیان)

❸ تفسیر الفرقان میں ہے:

اب تک گذشتہ آیات میں ان مشکلات کو بیان کیا گیا تھا جو جہاد فی سبیل اللہ شروع ہونے سے قبل لوگوں کے لئے رکاوٹ کا باعث بن جاتی ہیں اب ان امور پر بحث ہوتی ہے جو جنگ شروع ہونے کے بعد رونما ہوتے ہیں۔ (تفسیر الفرقان)

منافقین رومی عیسائیوں کی طاقت سے مرعوب تھے

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

فکانوا کالآیسین من الفوزبالغنیمۃ،بسبب انھم کانوایستعظمون غزوالروم فلھذاالسبب تخلفوا.

یعنی منافقین مال غنیمت ملنے سے گویا کہ بالکل مایوس تھے کیونکہ وہ رومیوں کو بڑی طاقت سمجھتے تھے اسی وجہ سے وہ جہاد سے رہ گئے۔ (تفسیر کبیر)

منافقین کا یہ خاص مرض ہے کہ وہ ہمیشہ کافروں کی طاقت سے مرعوب رہتے ہیں اور اللہ پاک کی طاقت اور نصرت

پر ان کی نگاہ نہیں جاتی۔

غزوۂ تبوک کے نام

اہل سیر نے غزوۂ تبوک کے کئی نام لکھے ہیں ان میں سے ایک نام ”غزوۂ فاضحہ“ بھی ہے سیرت حلبیہ کے مصنف لکھتے ہیں:
اس غزوہ کو غزوۂ عسیرہ بھی کہا جاتا ہے (مسلمانوں کی تنگدستی اور اسباب کی کمی کی وجہ سے) نیز اس کو غزوہ فاضحہ بھی کہا جاتا ہے فاضحہ کے معنی ہیں پول کھولنے والا اور فضیحۃ (رسوا) کرنے والا کیونکہ اس غزوہ میں بہت سے منافقوں کے نفاق کا پول کھل گیا (جو اب تک اپنے نفاق کو چھپائے ہوئے تھے اور اندر اندر مسلمانوں کے خلاف کاروائیاں کرتے رہتے تھے) (سیرت حلبیہ مترجم)

اس آیت مبارکہ سے منافقین کی فضیحت کا بیان شروع ہوتا ہے اور یہی سورۃ براۃ کا سب سے بڑا موضوع ہے۔

ایک درد بھری عبارت

”تمام عیسائی دنیا مسلمانوں کو برباد کرنے پر تلی ہوئی ہے ہر طرف سے ان پر حملے ہورہے ہیں ان کے ملکوں پر غیروں کا قبضہ ہورہا ہے مگر آہ ثم آہ (نام کے) مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ اس سخت ترین مصیبت کے وقت مدافعت کے فرض سے الگ رہنے کی فکر میں ہیں، وہ اول تو یہ چاہتے ہیں کہ انہیں اس بات کا یقین دلایا جائے کہ اس جنگ میں کامیابی قطعی (یعنی یقینی) ہے وہ انجام کی فکر میں ہیں اور بغیر اس نتیجہ کے معلوم کیے آگے بڑھنا خلاف عقل سمجھتے ہیں دوسرے انکی دلی آرزو یہ ہے کہ سفر بھی دور دراز کا نہ ہو کسی قسم کی تکلیف بھی نہ اٹھانی پڑے اور مقصد بھی حاصل ہوجائے ظاہر ہے یہ دونوں باتیں بیکار ہیں اور یہ انہیں کو سوجھتی ہیں جن کے دل ملک اور قوم کی ہمدردی سے خالی ہوں اور صرف زبانی باتوں سے مسلمانوں کو خوش کرنا چاہتے ہوں، بلکہ قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ اگر ہم میں طاقت ہوتی تو ضرور اس موقع پر مدد کرتے مگر حق یہ ہے کہ انہیں اپنے آپ کو جنگ سے مستثنٰی کرنے کا کوئی حق نہ تھا ان کا فرض تیاری کرنا تھا چونکہ انہوں نے ایسا نہیں کیا اس لئے انہیں ضرور سزا ملے گی اور ان حرکتوں سے وہ اسلام کو تو نقصان پہنچانے سے رہے اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالیں گے۔“ (تفسیر الفرقان)

ہلاکت کے تین اسباب

ارشاد فرمایا کہ یہ منافقین خود کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ مفسرین نے اس ہلاکت کے تین اسباب لکھے ہیں ① نفاق ② فرض جہاد میں نہ جانا ③ جھوٹی قسمیں کھانا۔

اور ان بدنصیب لوگوں میں یہ تینوں اسباب جمع ہوچکے تھے حالانکہ ان میں سے ایک بھی ہلاکت کے لئے کافی ہے، علامہ ابوحیان لکھتے ہیں:

والمعنیٰ: انهم یوقعونها فی الهلاك، بحلفهم الكاذب ومايحلفون عليه من التخلف (البحر المحیط)

اور علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں: يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ای بالكذب والنفاق (قرطبی)

☆☆☆

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۴۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ

اللہ تعالیٰ نے تمہیں معاف کردیا تم نے انہیں کیوں رخصت دی یہاں تک کہ تیرے لئے

صَدَقُوْا وَ تَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾

سچے ظاہر ہوجاتے اور تو جھوٹوں کو جان لیتا

خلاصہ

منافقین نے طے کرلیا تھا کہ وہ غزوہ تبوک میں نہیں جائیں گے مگر پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جہاد سے چھٹی کی اجازت لینے آرہے تھے اور طرح طرح کے بہانے بنارہے تھے ان کا خیال یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھٹی دے دی تو نفاق چھپا رہے گا اور گھر رہنے کا موقع بھی مل جائے گا اور اگر چھٹی نہ دی تب بھی ہم گھر بیٹھے رہیں گے اور جہاد میں نہیں جائیں گے پھر وہ اپنے بہانے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گھر بیٹھنے کی اجازت دے دی جس پر فرمایا گیا کہ اللہ پاک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاف فرمادیا ہے آپ ان کو اجازت نہ دیتے تو زیادہ اچھا ہوتا اور ان کا نفاق آپ کے سامنے آجاتا اور سب کے سامنے بھی بالکل کھل جاتا۔

ایک جامع عبارت

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں حضرات مفسرین نے جو کچھ لکھا ہے اس کا بہترین نچوڑ درج ذیل عبارت میں آگیا ہے۔

''منافقین جھوٹے عذر کر کے جب مدینہ میں ٹھہرے رہنے کی اجازت طلب کرتے تو آپ ان کے مکر اور نفاق سے چشم پوشی کر کے اور یہ سمجھ کر کہ ان کے ساتھ چلنے میں فساد کے سوا کوئی بہتری نہیں، اجازت دے دیتے تھے اس پر فرمایا کہ اگر آپ اجازت نہ دیتے تو زیادہ بہتر ہوتا کیونکہ اس وقت ظاہر ہوجاتا کہ انہوں نے اپنے نہ جانے کو آپکی اجازت پر موقوف نہیں رکھا ہے۔ جہاد میں جانے کی توفیق تو انہیں کسی حال میں نہ ہوتی، البتہ اجازت نہ دینے کی صورت میں ان کا جھوٹ سچ آپ کے سامنے کھل جاتا، پس اجازت دینا کوئی گناہ نہ تھا، البتہ نہ دینا موجودہ حالات کے اعتبار سے زیادہ موزوں تھا، چنانچہ اس افضل صورت کے ترک کی وجہ سے خطاب کو ''عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ'' سے شروع فرمایا، عفو کا لفظ ضروری نہیں گناہ ہی کے مقابلہ میں ہو نیز بعض محققین نے ''عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ'' کے جملے کو کلام کے شروع میں محض دعا اور تعظیم کے طور پر لیا ہے جیسا کہ عرب کے محاورات میں عام تھا مگر سلف سے وہ ہی منقول ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا اور الفاظ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ اسکی تائید کرتا ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی تسہیل)

تفسیر ماجدی میں ہے:

لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ: اجازت سے مراد جنگ میں نہ شریک ہونا اور وطن میں رہ جانے کی اجازت ہے، یہ اجازت دے دینا کوئی معصیت (یعنی گناہ والی بات) نہ تھی البتہ حالاتِ وقت کے لحاظ سے اجازت نہ دینا بہتر تھا عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لفظ عفو سے گناہ کا سرزد ہو چکنا لازم نہیں آتا، جس طرح گناہ اور جرم عفو (یعنی معاف) کئے جاتے ہیں اسی طرح معافی خلافِ احتیاط اور خلافِ اولیٰ کارروائیوں پر بھی ملتی ہے۔ (تفسیر ماجدی)

اصل غصہ منافقین پر ہے

آیتِ مبارکہ پر غور کیا جائے تو صاف پتا چلتا ہے کہ اصل غصہ منافقین پر ہے بس اس غصے اور عتاب کے دوران اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی لطف ومحبت کے ساتھ فرمایا گیا کہ ایسے لوگوں کو اجازت دے کر اُن کو تھوڑی دیر کا اطمینان اور پردہ بھی نہیں دینا چاہیے تھا، صاحب تفسیر ماجدی لکھتے ہیں

آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت ملتے ہی ان لوگوں کو جو گونہ بے فکری ہوگئی یہ نہ ہوتی (یعنی ان کو جو ایک طرح کا اطمینان ہوگیا کہ ہم تو اجازت سے گھر بیٹھے ہیں یہ بھی نہ نصیب ہوتا) بلکہ اگر آپ کے بغیر اجازت یہ رہ جاتے تو انکی خباثت اور زیادہ کھل کر رہتی۔ (تفسیر ماجدی)

پہلے معافی پھر تنبیہ

مفسر ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

عن عون قال:هل سمعتم بمعاتبة احسن من هذا؟ نداء بالعفو قبل المعاتبة فقال عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ

حضرت عون فرماتے ہیں کیا تم نے تنبیہ کرنے کا اس سے زیادہ پیارا انداز دیکھا ہے کہ معافی کا اعلان پہلے اور تنبیہ بعد میں چنانچہ فرمایا: اللہ پاک نے آپ کو معاف فرما دیا ہے آپ نے ان کو اجازت کیوں دی۔ (تفسیر ابن کثیر)

منافقین کا طریقہ

قال مجاهد: نزلت هذه الآيه فى أناس قالوا:استأذنوا رسول الله صلى الله عليه وسلم فان أذن لكم فاقعدوا وان لم يأذن لكم فاقعدوا

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھر بیٹھنے کی اجازت مانگو اگر اجازت دے دیں تب بھی بیٹھ جاؤ اور اجازت نہ دیں تب بھی بیٹھے رہو۔

(تفسیر ابن کثیر)

لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ

جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں وہ تم سے رخصت نہیں مانگتے اس سے کہ

يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾

اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کریں اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے

خلاصہ

جہاد اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، جہاد آخرت میں کامیابی دلوانے والا عظیم عمل ہے اور جہاد تقویٰ کی علامت ہے اسی لئے جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور آخرت کو مانتے ہیں وہ جہاد کے موقع پر گھر بیٹھنے کی اجازت ہرگز نہیں مانگتے بلکہ خوب بڑھ چڑھ کر اپنی جان اور مال سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے متقی لوگوں کو خوب جانتا ہے وہ انہیں بڑے اجر سے نوازے گا۔

اقوال وحوالے

مؤمن اور منافق کا فرق

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مقصد ایمان والوں اور منافقوں کا فرق بتانا ہے کہ مؤمن تو جہاد کا اعلان ہونے کے بعد خوب بڑھ چڑھ کو اس میں حصہ لیتے ہیں اور تھوڑا سا بھی توقف نہیں کرتے جبکہ منافقین سوچ میں پڑ جاتے ہیں اور طرح طرح کے بہانے اور عذر تراش کر خود کو جہاد سے دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

والمقصود من هذاالكلام تمييزالمؤمنين عن المنافقين فان المؤمنين متى أمروا بالخروج الى الجهاد تبادروا اليه ولم يتوقفوا و المنافقون يتوقفون و يتبلدون و يأتون بالعلل والاعذار (تفسیر کبیر)

صحابہ کرامؓ کا طرز عمل

"ایمان والوں کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ وہ آپ سے جہاد کے موقع پر رخصت مانگیں مخلص مہاجرین وانصار تو فرمایا کرتے تھے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی رخصت نہیں مانگیں گے بلکہ ہم لازماً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر اپنی جان و مال سے جہاد کریں گے۔"

لیس من عادة المؤمنین ان یستاذنوک فی ان یجاهدوا وکان الخلص من المهاجرین و الانصار یقولون: لانستأذن النبی أبداولنجاهدن أبداً معه بأموالناوانفسنا (کشاف)

جہاد ایمان کا تقاضا ہے

اس آیت مبارکہ کو غور سے دیکھیں اللہ پاک نے ایمان والوں کی یہ نشانی بتائی ہے کہ وہ جہاد سے چھٹی نہیں مانگتے بلکہ بڑھ چڑھ کر جہاد میں شریک ہوتے ہیں پس معلوم ہوا کہ جس آدمی کے دل میں اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر ایمان ہوگا وہ جہاد میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لے گا۔

مفسر ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

لانهم یرون الجهاد قربة ولماندبهم الیه بادروا وامتثلوا

یعنی ایمان والے تو جہاد کو قربۃ (یعنی اللہ تعالیٰ سے قرب حاصل کرنے کا ذریعہ) سمجھتے ہیں چنانچہ جب ان کو بلایا جاتا ہے تو وہ تیزی سے اس کی طرف دوڑتے ہیں اور حکم جہاد کو پورا کرتے ہیں (تفسیر ابن کثیر)

اب اس آیت پر حضرات صحابہ کرام کا عمل دیکھیں تو ان کی یہ تین حالتیں سامنے آتی ہیں۔

1. وہ فوراً جہاد کے لئے دوڑ پڑتے تھے اور اس بات سے ڈرتے تھے کہ ان کو روک نہ لیا جائے۔
2. اگر ان میں سے کسی کو روک لیا جاتا تھا تو اس پر گھر بیٹھنا شاق گذرتا تھا جس طرح کہ غزوہ تبوک کے موقع پر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روکا گیا تو وہ فرمانے لگے یا رسول اللہ کیا مجھے عورتوں اور بچوں کے ساتھ گھر بٹھایا جا رہا ہے تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تسلی دی امام رازیؒ لکھتے ہیں: وکانوا بحیث لو امرهم الرسول بالقعود لشق علیهم ذالك الاتریٰ ان علی بن ابی طالب لما امره رسول الله صلی الله علیه وسلم بأن یبقیٰ فی المدینه شق علیه ذٰلك ولم یرض الی ان قال له الرسول انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ (تفسیر کبیر)
3. اور جو لوگ کسی واقعی عذر کی وجہ سے نہ جا پاتے تھے وہ سخت غمگین اور پریشان ہوتے تھے اور انکی آنکھیں غم کے آنسو بہاتی تھیں جیسا کہ آگے چل کر سورۃ توبہ ہی میں آرہا ہے تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا (التوبہ ۹۲)

چند دلکش عبارتیں

1. بلکہ یہ صاحب ایمان لوگ جہاد سے جی چرانا کیسا، الٹا تعمیل حکم الٰہی کے لئے اور دوڑیں گے، مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ مومن جب خبر کو سنتا ہے تو بلا تامل اس کی طرف دوڑتا ہے اور یہ حالت شوق سے پیدا ہوتی ہے تو اس میں شوق کا اثبات ہوا۔ (تفسیر ماجدی)
2. ایماندار تو جہاد سے جی نہیں چراتے (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

❸ (اس آیت میں) ایک قاعدہ کلیہ بتا دیا گیا کہ ارباب ایمان کبھی استثناء کی درخواست نہ کریں گے بلکہ ان کی تو ہمیشہ یہ آرزو رہتی ہے کہ وہ اپنی ہر چیز اللہ کے نام پر قربان کردیں اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میری ہر قسم کی عبادت، زندگی اور موت سب اللہ ہی کے لئے ہے۔ (تفسیر الفرقان)

❹ اور جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے کے بارہ میں اس میں شریک نہ ہونے کی کبھی آپ سے رخصت (یعنی اجازت) نہ مانگیں گے بلکہ وہ حکم کیساتھ دوڑ پڑیں گے اور اللہ تعالیٰ ان متقیوں کو خوب جانتا ہے ان کو اجر و ثواب دے گا۔ (بیان القرآن)

مجاہد کے متقی ہونے کی قرآنی شہادت

آیت کے آخر میں فرمایا: وَاللّٰہُ عَلِیْمٌۢ بِالْمُتَّقِیْنَ کہ اللہ پاک متقی لوگوں کو خوب جانتا ہے، مفسرین فرماتے ہیں کہ اس میں دو باتوں کا خاص طور پر بیان ہے ایک یہ کہ جو لوگ جہاد کرتے ہیں وہ متقی ہیں اور دوسرا یہ کہ اللہ پاک ان سے اجر کا وعدہ فرما رہا ہے۔

وَاللّٰہُ عَلِیْمٌۢ بِالْمُتَّقِیْنَ شهادة لهم بالانتظام فى زمرة المتقين وعدة لهم بأجزل الثواب

یعنی اس جملے میں ان کو متقیوں کے زمرے میں شامل کرنے کی شہادت ہے اور ان کے ساتھ بڑے اجر کا وعدہ ہے۔ (کشاف، البحر المحیط)

آخری جملے میں ان لوگوں کے متقی ہونے کی شہادت اور (در پردہ) ثواب کا وعدہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

نکتہ

امام ابوحیانؒ لکھتے ہیں: ”مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ جب جہاد کا اعلان ہوتا ہے تو ایمان والے لوگ آپ سے کوئی اجازت نہیں مانگتے نہ گھر بیٹھنے کی اور نہ جہاد میں نکلنے کی، بلکہ وہ فوراً نکل کھڑے ہوتے ہیں کیونکہ ایسے وقت میں اجازت مانگنا نفاق کی علامت سمجھا جاتا تھا۔

وقيل: التقدير لا يستاذنك المومنون فى الخروج ولا القعود، كراهة ان يجاهدوا بل اذا امرت بشيء ابتدروا اليه وكان الاستئذان فى ذلك الوقت علامة على النفاق. (البحر المحيط)

امام قرطبیؒ نے بھی اسی تفسیر کو اختیار فرمایا ہے، ملاحظہ فرمایئے تفسیر قرطبی۔

مومن تو جہاد کے انتظار میں رہتا ہے

علامہ آلوسیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں وہ حدیث شریف بیان کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مومن تو ہر وقت جہاد کے انتظار میں رہتا ہے کہ کب اعلان ہو اور وہ اڑ کر جا پہنچے اور وہ اللہ تعالیٰ کے راستے کی موت کا طلبگار ہوتا ہے۔ (روح المعانی)

★★★

خلاصہ

جہاد سے علیحدہ رہنے کی اجازت لینا ان لوگوں کا شیوہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے وعدوں پر یقین نہیں ہے اور نہ وہ آخرت کی زندگی کو مانتے ہیں اور اسلام کے بارے میں اور اسلام اور مسلمانوں کے غالب آنے کے (الٰہی) وعدوں کے بارے میں ہمیشہ شک وشبہ میں گرفتار رہتے ہیں۔ (عثمانی، تسہیل)

منکرین جہاد دراصل خفیہ دشمنان اسلام ہیں

’’یہاں سے نہایت ہی تفصیل کے ساتھ ان لوگوں کی خصوصیات بیان کی جاتی ہیں جو بظاہر تو اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں اور بباطن (یعنی اندر سے) اس کی بیخ کنی (یعنی جڑیں کاٹنے) کی فکر میں رہتے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ان حالات کو پڑھ کر اپنے گریبان میں منہ ڈالیں جنگ سے بھاگنے کی صرف وہی شخص کوشش کرے گا جس کا دل ایمان سے خالی ہو، جسے ہر وقت یہ کھٹکا لگا ہوا ہو کہ مسلمانوں کا پابندِ مذہب بن کر ترقی کرنا ممکن نہیں اور اسی شک کی وجہ سے وہ خود حیران وسرگردان پھرتا ہو کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔‘‘ (تفسیر الفرقان)

شک میں پھنسے لوگ

’’جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت کے طلبگار تو صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہیں سو وہ اپنے شکوک میں پڑے ہوئے حیران ہیں، کبھی جہاد میں ساتھ جانے کا ارادہ کر لیتے ہیں تا کہ اگر مسلمانوں کو کامیابی ہو جائے تو مسلمانوں کی طرف سے ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے اور کبھی شریک نہیں ہونا چاہتے۔‘‘ (تفسیر مظہری)

ایمان جہاد میں لے جاتا ہے اور بے ایمانی جہاد سے روکتی ہے

علامہ آلوسیؒ اور بعض دیگر مفسرین نے یہ عجیب نکتہ لکھا ہے کہ ان دونوں آیات میں ایمان کا تذکرہ ہے، پچھلی آیات

میں تھا کہ ایمان والے جہاد سے چھٹی اور رخصت نہیں مانگتے اور اس آیت میں ہے کہ بے ایمان لوگ جہاد میں نہیں جاتے بلکہ نہ جانے کی اجازت مانگتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ جہاد پر کھڑا کرنے والی چیز ایمان ہے اور جہاد سے روکنے والی چیز بے ایمانی (ایمان نہ ہونا) ہے۔ پس جو ایمان رکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے دین اور توحید کی خاطر جہاد کرتا ہے اور اس کے لئے جہاد میں قتل ہونا آسان ہوتا ہے کیونکہ وہ آخرت کی ہمیشہ والی نعمتوں کا امیدوار ہوتا ہے اور جو ایمان نہیں رکھتا وہ جہاد میں نہیں جاتا کیونکہ اسے آخرت کے ثواب کی کوئی امید نہیں ہوتی۔

تخصیص الایمان بھما فی الموضعین للایذان بان الباعث علی الجھاد والمانع عنه الایمان بھما وعدم الایمان بھما فمن آمن بھما قاتل فی سبیل دینه وتوحیده وھان علیه القتل فیه لما یرجوه فی الیوم الآخر من النعیم المقیم ومن لم یومن بمعزل عن ذلك علی ان الایمان بھما مستلزم للایمان بسائر مایجب الایمان به (روح المعانی)

شک سے کیا مراد ہے؟

”نہ ایمان کا قصد (یعنی پکا ارادہ) کرتے ہیں اور نہ امت اسلامیہ کے دائرہ سے اپنے کو نکالتے ہی ان سے بن پڑتا ہے (یعنی خود کو مسلمان کہلوانا چاہتے ہیں مگر پورا مسلمان نہیں بننا چاہتے)“

يَتَرَدَّدُوْنَ تردد کے معنیٰ ہیں حیران و سرگرداں ہونا، دل کا آگا پیچھا کرنا، دو دلے ہوتے رہنا واقعی منافقین کا یہی حال رہا کرتا (ہے) اور ان کا دل الٹا پلٹا ہوتا رہتا ہے۔ (تفسیر ماجدی)

منافق مزاج لوگ

ہاں منافق مزاج (لوگ) حیلے بہانے (کرکے جہاد) سے بچنا چاہتے ہیں۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

انتالیس افراد

ویسے تو یہ آیت مبارکہ عمومی طور پر ایک پورے نفاق زدہ طبقے کی حالت بیان فرماتی ہے مگر ابتدائی طور پر یہ جن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق یہ انتالیس افراد تھے جن کو کوئی عذر نہیں تھا مگر انہوں نے جہاد سے چھٹی مانگ لی۔

والآیة نزلت کما روی عن ابن عباس رضی اللہ عنھما فی المنافقین حین استاذنوا فی القعود عن الجھاد بغیر عذر وکانوا علی ما فی بعض الروایات تسعة وثلاثین رجلاً۔ (روح المعانی)

امام نسفیؒ لکھتے ہیں: وکانوا تسعة وثلاثین رجلاً (المدارک) یعنی یہ انتالیس مرد تھے۔

★★★

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ

اور اگر وہ نکلنا چاہتے تو اس کے لئے کوئی سامان ضرور تیار کرتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا اٹھنا پسند نہ کیا

انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾

سو انہیں روک دیا اور حکم ہوا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو

خلاصہ

منافقین دراصل جہاد میں نکلنا ہی نہیں چاہتے، ان کے دل میں نکلنے کا ارادہ ہی نہیں ہوتا، اس لئے ان کی یہ بات غلط ہے کہ ہم تو نکلنا چاہتے تھے مگر اچانک فلاں فلاں عذر پیش آ گئے۔ ان لوگوں نے اگر نکلنے کا ارادہ کیا ہوتا تو اس کی تیاری کرتے، جہاد کا سامان برابر کرتے اور دل میں جہاد کا شوق اور نیت زندہ کرتے مگر انہوں نے کچھ بھی نہیں کیا معلوم ہوا کہ یہ لوگ جہاد میں جانا ہی نہیں چاہتے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے نفاق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے جہاد میں نکلنے کو پسند ہی نہیں فرماتا...... اللہ تعالیٰ ان کو جہاد کی عزت نہیں دینا چاہتا اس لئے اس نے ان کو سست کر دیا اور معذوروں، عورتوں اور بچوں کے ساتھ گھر بٹھا دیا۔

یہ بے ایمان لوگ جہاد کے مبارک سفر کے قابل ہی نہیں

”کوئی ناگہانی چیز ان کو سفر جہاد سے مانع نہیں، بلکہ ان لوگوں نے جہاد کا خیال کر کے کبھی تیاری کا ارادہ ہی نہیں کیا اور ایسے بے ایمانوں کو خدا تعالیٰ بھی اس مبارک سفر پر لے جانا نہیں چاہتا۔“ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

آج کل کے دانشور

جہاد پر اعتراضات کرنے والے آج کل کے نام نہاد دانشوروں کی حالت بھی یہی ہے وہ کبھی بھی جہاد میں نہیں جانا چاہتے انہوں نے خود کو دنیا میں بری طرح سے پھنسا لیا ہے مگر یہ لوگ اپنی بزدلی چھپانے کے لئے جہاد پر اعتراضات کرتے ہیں کہ فلاں جگہ کا جہاد غیر شرعی ہے کیونکہ جہاد تو حکومت کا کام ہے اور حکومت اس جہاد میں ساتھ نہیں ہے اور فلاں جگہ کا جہاد غیر شرعی ہے کیونکہ وہ سرکاری جہاد ہے حکومت کی ایجنسیاں وہاں تعاون کر رہی ہیں۔ ایسے لوگوں سے یہی پوچھا جائے کہ اگر کہیں آپ کی شرائط کے مطابق شرعی جہاد شروع ہو جائے تو اس کے لئے آپ نے کیا تیاری کی ہوئی ہے؟ اور کیا آپ کے دل میں جہاد کرنے کی کوئی نیت ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ جہاد کو سراسر اپنی زندگیوں سے نکال چکے ہیں، اللہ پاک سب مسلمانوں پر رحم فرمائے۔

”عُدّۃ“ کے معنیٰ

آیت میں فرمایا گیا کہ اگر ان لوگوں کا جہاد میں نکلنے کا ارادہ ہوتا تو یہ ”عُدّۃ“ یعنی کچھ تیاری کرتے، اس تیاری سے کیا مراد ہے؟ امام ابو حیانؒ نے کئی اقوال ذکر فرمائے ہیں:

❶ قال ابن عباسؓ عدّة من الزاد والماء والراحله

یعنی سفر کا توشہ، پانی اور سواری تیار کرتے

❷ عن ابن عباسؓ العدّة النية الخالصة فی الجهاد

یعنی عدّۃ کا مطلب جہاد کی خالص نیت ہے کہ یہ لوگ اگر نکلنا چاہتے تو جہاد کی خالص نیت کرتے

❸ وحکی الطبری کل ما یعد للقتال من الزاد والسلاح

یعنی عدّۃ سے مراد ہے جنگ میں کام آنے والی تمام چیزیں توشہ اسلحہ وغیرہ۔ (البحر المحیط)

اُس زمانے میں تقریباً سب لوگ تلوار چلانا اور گھوڑا بھگانا جانتے تھے اور یہی چیزیں جنگ میں کام آتی تھیں مگر اِس زمانے میں جس اسلحے سے جہاد ہوتا ہے وہ لوگوں کے عام استعمال کی چیز نہیں ہے اس لئے اسلحہ چلانے کی تربیت بھی ”عدّۃ“ میں شامل ہوگی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

جہاد کی تیاری فرض ہے

”اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ان لوگوں کا ارادہ جنگ کے لئے نکلنے کا تھا اور معذور ہونے کے باعث رہ گئے تو یہ خیال بھی غلط ہے، اس لئے کہ تیاری کرنا ان کا فرض تھا، اس کے بعد اگر کوئی دقت پیش آجاتی تو یہ امام کا کام تھا کہ ان کو مستثنیٰ کر دیتا، یہ خود اپنے آپ کو مستثنیٰ کرنے والے کون تھے، یہ لوگ قانون کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں، اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان نااہلوں کو جہاد کی عزت سے محروم رکھنا چاہتا تھا، اس لئے سستی اور کاہلی کا شکار بن گئے اور شرکت سے محروم رہے۔“ (تفسیر الفرقان)

”ان کا ارادہ ہی گھر سے نکلنے کا نہیں، ورنہ اس کا کچھ تو سامان کرتے، حکم جہاد سنتے ہی جھوٹے عذر نہ لے دوڑتے، واقعہ یہ ہے کہ خدا نے ان کی شرکت کو پسند ہی نہیں کیا، یہ جاتے تو وہاں فتنے اٹھاتے، نہ جانے کی صورت میں انہیں پتہ لگ جائے گا کہ مومنین کو خدا کے فضل سے ایک تنکے کے برابر ان کی پروا نہیں، اسی لئے خدا نے صفوفِ مجاہدین میں شامل ہونے سے روک دیا، اس طرح کہ رکنے کا وبال انہی کے سر پر ہے گویا ان کو تکوینًا کہہ دیا گیا کہ جاؤ، عورتوں، بچوں اور اپاہج آدمیوں کے ساتھ گھر میں گھس کر بیٹھ رہو اور پیغمبر علیہ السلام نے ان کے اعذار کاذبہ کے جواب میں جو گھر بیٹھے رہنے کی اجازت دے دی، یہ بھی ایک طرح خدا ہی کا فرما دینا ہے اس لئے تکوینًا کی قید بھی ضروری نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بیٹھے رہو، بیٹھے رہو

آیت کے آخری حصے میں فرمایا گیا وَقِيلَ اقْعُدُوا مَعَ الْقٰعِدِينَ کہ ان سے کہا گیا کہ گھر بیٹھے ہوئے

معذوروں، عورتوں اور بچوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ یہ عجیب جملہ ہے جو ان کی ذلت اور محرومی کو بیان کرتا ہے، بعض مفسرین کہتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ بیٹھے رہو، بیٹھے رہو۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جھوٹے بہانے گھڑ کر اجازت مانگی تو آپ نے فرمایا بیٹھے رہو۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا تکوینی حکم تھا کہ بیٹھے رہو، یعنی جس وقت ایمان والے مسلمان جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور وہ جنت کی طرف دوڑ رہے تھے اور ہر ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر جان و مال پیش کر رہا تھا تو بدنصیب منافقوں کے اندر اور باہر ہر طرف سے ایک ہی آواز آ رہی تھی کہ بیٹھے رہو بیٹھے رہو، یعنی اس عظیم الشان نعمت سے محروم رہو۔ اللہ پاک ایسی ذلت ناک صورتحال سے ہم سب مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔ جہاد کے موقع پر بلا عذر گھر بیٹھے رہنا ایک بڑی ذلت ہے گویا کہ ان سے کہا جا رہا ہے کہ بیٹھے رہو یعنی ذلت میں پڑے رہو۔

امام نسفیؒ لکھتے ہیں:

هو ذم لهم و إلحاق بالنساء والصبيان والذمنى الذين شانهم القعود فى البيوت (المدارک)

آیتِ مبارکہ دعوتِ فکر دیتی ہے

❶ نہ جہاد کی نیت، نہ جہاد کی تربیت، نہ جہاد کی تیاری، نہ جہاد کا شوق اور باتیں اونچی اونچی، کیا یہ کسی مسلمان کا طریقہ ہو سکتا ہے؟ آیت مبارکہ میں غور فرمائیں......

❷ کچھ لوگوں نے خود کو جہاد اور مجاہدین سے بالاتر سمجھ رکھا ہے اور کسی حال میں بھی وہ جہاد میں نہیں نکلنا چاہتے، کیا یہ ایمان والوں کا طریقہ ہو سکتا ہے؟ آیت مبارکہ میں غور فرمائیں......

❸ روانگی غزوۂ تبوک کے لئے تھی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مرکز اسلام مدینہ منورہ کو چھوڑ کر جا رہے تھے، صحابہ کرام مسجد نبوی اور صفہ کی درسگاہ کو چھوڑ کر جا رہے تھے، تعلیم و تربیت اور اصلاح نفس سمیت دین کا ہر کام مدینہ منورہ میں یہ حضرات کرتے تھے مگر اب یہ سارے حضرات جنگ کے لئے جا رہے تھے، یہ حضرات کس جہاد میں جا رہے تھے؟ آیت مبارکہ میں واضح طور پر غزوۂ تبوک کا بیان ہے جو ایک جنگی سفر تھا، ان حالات میں جو لوگ مدینہ منورہ کی پاک زمین پر رُک رہے ہیں ان کی برائی بیان ہو رہی ہے کہ یہ اللہ پاک کے پسندیدہ لوگ نہیں ہیں۔ آج کل جن چھوٹی چھوٹی چیزوں کی وجہ سے مسلمانوں نے جہاد کو اپنی زندگیوں سے نکالا ہوا ہے کیا ان کے لئے ایسا کرنا جائز ہے؟ آیت مبارکہ میں غور فرمائیں۔

آیتِ مبارکہ کا پیغام

جہاد کی سچی نیت نہ ہو، جہاد کی ضروری تیاری نہ ہو اور پھر طرح طرح کے عذر، بہانے اور اعتراضات کر کے جہاد سے دور رہنا یہ اہل نفاق کا طریقہ ہے اللہ پاک ہم سب مسلمانوں کی نفاق سے حفاظت فرمائے۔

★★★

اگر وہ تم میں نکلتے تو سوائے فساد کے اور کچھ نہ بڑھاتے اور تم میں فساد ڈلوانے کی

غرض سے دوڑے دوڑے پھرتے اور تم میں ان کے جاسوس بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے

خلاصہ

ان منافقین کا مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں نہ نکلنا مسلمانوں کے لئے اچھا ہی رہا کیونکہ یہ بزدل، دنیا پرست اور فتنہ باز لوگ اگر مسلمانوں کے ساتھ نکلتے تو بہت شر پھیلاتے، مسلمانوں کو آپس میں لڑاتے، دشمنوں کی طاقت کے بارے میں افواہیں پھیلا کر مجاہدین کو خوفزدہ کرتے، الٹی سیدھی باتیں کر کے لشکر میں بزدلی اور تفرقہ پھیلاتے اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے خوب بھاگ دوڑ کرتے، ادھر مسلمانوں میں سے بعض افراد ایسے بھی ہیں جو پرانے تعلقات یا سادہ دلی کی وجہ سے اِن کی باتیں سن لیتے ہیں اور اُن کا اثر بھی لیتے ہیں اس لئے منافقین کے ساتھ نہ جانے میں مسلمانوں کے لئے بہت خیر ہوئی باقی یہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نہیں بچ سکتے اللہ پاک ان سب ظالموں کو خوب جانتا ہے وہ ان سے نمٹ لے گا۔

اقوال وحوالے

تکوینی طور پر اچھا ہوا

’’مطلب یہ ہوا کہ ان منافقین کا لشکرِ اسلام کے ساتھ نہ جانا مصالح تکوینی کے اعتبار سے بھی اچھا ہی ہوا یہ ساتھ جاتے تو اس کے سوا کیا کرتے کہ لگائی بجھائی کر کے آپس میں تفریق ڈلواتے، جھوٹی خبریں اڑا کر پریشان کرتے اور دشمن کا خوف ورعب دلوں میں بٹھاتے۔ (تفسیر ماجدی)

خَبَالًا کے کئی معنیٰ حضرات مفسرین نے بیان فرمائے ہیں اوپر کی عبارت میں ان سب کا لحاظ رکھا گیا ہے علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:

خَبَالًا ای شرًا وفساداً

یعنی خَبَالًا کے معنیٰ ہیں شر وفساد کہ اگر وہ تمہارے ساتھ نکلتے تو شر وفساد ہی پھیلاتے۔

وعن ابن عباس رضی اللہ عنهما عجزا وجبناً

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ خَبَالًا کے معنی کمزوری اور بزدلی کے ہیں کہ اگر یہ لوگ تمہارے ساتھ نکلتے تو تم میں کمزوری اور بزدلی پھیلاتے۔

وعن الضحاك غدرا ومكرا

اور حضرت ضحاکؒ کے نزدیک خَبَالًا کے معنی دھوکہ اور سازش کے ہیں کہ یہ تمہیں دھوکہ دیتے۔

یہ تمام اقوال لکھنے کے بعد صاحب روح المعانی فرماتے ہیں:

اصل الخبال كما قال الخازن: اضطراب ومرض يوثر فى العقل كالجنون

کہ خبال کا اصل مطلب اضطراب پھیلانا ہے اور دماغ خراب کرنا ہے...... (روح المعانی)

مطلب یہ ہوا کہ جہاد کے لئے جس قلبی اور ذہنی اطمینان اور باہمی اتفاق کی ضرورت ہوتی ہے یہ لوگ تمہیں اس سے محروم کردیتے اور تمہارے اندر اضطراب پھیلادیتے......

یہ تمہاری ہمتیں کمزور کردیتے

”یعنی اگر تمہارے ساتھ نکلتے تو اپنے جبن (یعنی بزدلی) اور نامردی کی وجہ سے دوسروں کی ہمتیں بھی ست کردیتے اور آپس میں لگا بجھا کر مسلمانوں میں تفریق ڈالنے کی کوشش کرتے اور جھوٹی افواہیں اڑا کر ان کو دشمنوں سے ہیبت زدہ کرنا چاہتے۔ غرض ان کے وجود سے بھلائی میں تو کوئی اضافہ نہ ہوتا، ہاں برائی بڑھ جاتی اور فتنہ انگیزی کا زور ہوتا ان ہی وجوہ سے خدا نے ان کو جانے کی توفیق نہ بخشی وَفِيكُمْ سَمّٰعُونَ لَهُمْ یعنی اب بھی ان کے جاسوس یا بعض ایسے سادہ لوح افراد تم میں موجود ہیں جو ان کی بات سنتے اور تھوڑا بہت متاثر ہوتے ہیں (ابن کثیر) گو (یہ جاسوس) ویسا فتنہ فساد برپا نہیں کرسکتے جو ان شریروں کے وجود سے ہوسکتا تھا بلکہ ایک حیثیت سے ایسے جواسیس کا ہمراہ جانا مفید ہے کہ وہ بچشم خود (یعنی اپنی آنکھوں سے) مسلمانوں کی اولوالعزمی، بے جگری وغیرہ دیکھ کر ان سے نقل کریں گے تو ان کے دلوں پر بھی مسلمانوں کی ہیبت قائم ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

سماعون کون تھے؟

ارشاد فرمایا کہ تم میں کچھ لوگ ان کے ”سماع“ ہیں، مفسرین نے اس کے دو مطلب بیان فرمائے ہیں ایک یہ کہ تم میں سے کچھ لوگ جو مخلص مسلمان ہیں مگر سادہ مزاج ہیں وہ ان کی باتوں میں آجاتے ہیں، چنانچہ اگر یہ منافق ساتھ ہوتے تو الٹی باتیں پھیلاتے اور یہ سادہ لوح مسلمان ان کی باتیں سن کر اثر لیتے اور یوں لشکر میں پھوٹ اور بزدلی پھیل جاتی۔ آیت کا یہ مطلب جمہور نے بیان فرمایا ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے تفسیر ابن کثیر وغیرہ۔

جبکہ بعض مفسرین کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ ان میں سے بعض لوگ جاسوسی کے لئے تمہارے لشکر میں شامل ہوگئے ہیں تاکہ تمہاری باتیں سن کر واپسی پر اپنے بڑوں کو بتائیں۔ تفسیر ماجدی میں ہے:

سَمّٰعُونَ کے معنی اس سیاق میں جاسوسی یا ٹوہ لینے والوں کے ہیں

ای جواسیس الکفار (ابن عباسؓ) المراد فیکم عیون لھم ینقلون الیھم ما یسمعون منکم (کبیر عن مجاھد وابن زید) و فیکم مخبرون لھم یودّون الیھم مایسمعون منکم وھم الجواسیس (معالم عن مجاھد)۔ (تفسیر ماجدی)

سٰمّٰعُوْنَ سے مراد اگر وہ مسلمان ہوں جو منافقین کی باتیں سن کر ان کا اثر لیتے تھے تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں نکلنے والے افراد ایسے کس طرح سے ہو سکتے ہیں؟

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

کیف یجوز ذلك علی المومنین مع قوۃ دینھم ونیتھم فی الجھاد؟

یعنی یہ کیسے ممکن ہے کہ اتنے مضبوط دین اور جہاد والے مسلمان اس طرح کے ہوں کہ منافقین کی باتیں سنیں اور ان کا اثر لیں۔ امام رازیؒ آگے خود ہی جواب دیتے ہیں:

قلنا لا یمتنع فیمن قرب عھدہ بالاسلام ان یوثر المنافقین فیھم الخ

یعنی جواب یہ ہے کہ ممکن ہے بعض نئے اسلام قبول کرنے والے مسلمان ایسے ہوں جن پر منافقین کی باتیں اثر کرتی ہوں...... یا بعض مسلمان طبعی طور پر کمزور دل کے ہوں اور اس طرح کے لوگوں کی باتوں کا جلد اثر لے لیتے ہوں.......... یا بعض مسلمان منافقین کے رشتہ دار ہوں اور سردار قسم کے منافقین کی عزت ان کے دلوں میں باقی ہو، اسی وجہ سے ان کی بات سن لیتے ہوں۔ (تفسیر کبیر)

کان بند رکھیں

خلاصہ یہ ہوا کہ اگر کوئی مخلص مسلمان جہاد پر قائم رہنا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ فتنہ باز لوگوں کی باتوں سے اپنے کان بند رکھے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

جہاد میں کامیابی کے لئے لازمی چیز

امام رازیؒ نے یہ نکتہ بیان فرمایا ہے کہ وہ سب سے اہم اور بڑی چیز جس سے جہاد میں بچنا ضروری ہے آپس کا اختلاف ہے کیونکہ آپس کے اختلاف سے جماعت میں کمزوری آتی ہے اور ایسا لشکر آسانی سے شکست کھا جاتا ہے، چنانچہ اس آیت میں بتایا گیا کہ اگر یہ منافقین تمہارے ساتھ ہوتے تو تمہارے درمیان اختلافات کا فساد ڈالتے اور پھر تمہارے بڑوں کے درمیان خوب بھاگ دوڑ کر ایسی چغلیاں کرتے کہ وہ بھی آپس کے اتفاق سے محروم ہو جاتے (الغرض ان کے نہ جانے میں بڑی خیر ہوگئی کیونکہ جہاد کے لئے باہمی اختلاف سخت نقصان دہ ہے اور اگر یہ ساتھ ہوتے تو باہمی اختلاف ضرور ڈال دیتے)۔

والخبال ھو الافساد الذی یوجب اختلاف الرأی وھو من اعظم الامور التی یجب الاحتراز عنھا فی الحروب لان عند حصول الاختلاف فی الرأی یحصل الانھزام و

الانكسار على اسهل الوجوه، ثم بين تعالىٰ انهم لا يقتصرون على ذلك بل يمشون بين الاكابر بالنميمة فيكون الافساد اكثر وهو المراد بقوله وَّلَاۡاَوۡضَعُوۡا خِلٰلَكُمۡ ۔ (تفسیر کبیر)

وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالظّٰلِمِيۡنَ : کہ اللہ تعالیٰ ان ظالموں سے خوب واقف ہے۔ مفسرین حضرات نے اس پر کئی اقوال لکھے ہیں کہ ظالمین سے مراد کون ہیں؟ ویسے اصل مصداق تو منافقین ہیں یعنی جھوٹے عذر گھڑ کے جہاد سے پیچھے رہ جانے، مسلمانوں کے لئے فتنے اٹھانے والے، لیکن بعض مفسرین نے یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ جو منافقین کے جاسوس تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے خوب واقف ہے اور چونکہ وہ منافقین کے بڑے لوگ نہیں ہیں اس لئے وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

تفسیر ماجدی میں ہے:

وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالظّٰلِمِيۡنَ : چنانچہ اللہ تعالیٰ اس سے خوب واقف ہے کہ ان کے جو لوگ تمہارے ساتھ لگے ہوئے ہیں وہ چونکہ اہل الرائے نہیں، اس لئے ان کا شامل رہنا چنداں مضر (نقصان دہ) نہیں۔ (تفسیر ماجدی)

اس بارے میں جامع قول امام ابوحیانؒ نے یہ ذکر فرمایا ہے:

وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالظّٰلِمِيۡنَ يعم كل ظالم ومعنىٰ ذلك انه يجازيه على ظلمه واندرج فيه من يقبل كلام المنافقين، ومن يودى اليهم اخبار المومنين ومن تخلف عن هذه الغزاة من المنافقين. (البحر المحیط)

یعنی اس میں سب ظالم آگئے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک ان سب کو ان کے ظلم کی سزا دے گا اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو منافقین کی باتیں قبول کرتے ہیں اور وہ بھی جو منافقین تک مسلمانوں کی خبریں پہنچاتے ہیں اور وہ بھی جو اپنے نفاق کی وجہ سے غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے۔

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَ قَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى

یہ پہلے بھی فساد کے طالب رہے ہیں اور بہت سی باتوں میں تمہارے لیے الٹ پھیر کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ

جَآءَ الْحَقُّ وَ ظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَ هُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾

حق آ پہنچا اور اللہ تعالیٰ کا حکم غالب ہوا اور وہ ناخوش ہی رہے

خلاصہ

یہ منافقین اس غزوۂ تبوک سے پہلے بھی کئی بار فتنہ بازی کر چکے ہیں، یہ لوگ غزوۂ احد کے موقع پر بھی راستہ سے واپس چلے گئے تھے تاکہ مسلمانوں کی ہمت ٹوٹ جائے اور اسلامی لشکر میں پھوٹ پڑ جائے اور یہ ماضی میں طرح طرح کی مکاریاں اور آپ کو ایذاء پہنچانے کی تدبیریں کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ اللہ پاک نے آپ پر فتوحات کے دروازے کھول دیئے اور حق غالب آ گیا اگرچہ یہ سب کچھ انہیں ناگوار تھا مگر ان کی ناگواری اور شرارتوں سے اسلام کو اور آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا بالآخر خود انہیں بھی ظاہری طور پر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرنا پڑا۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے کہ ان کی تدبیریں اور ان کی سازشوں کا الٹ پھیر آپ کے خلاف پہلے سے جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ماضی میں آپ کو ان سے محفوظ فرمایا۔ آئندہ کے لئے بھی آپ ان کی مفسدانہ کارروائیوں کا خیال دل میں نہ لائیں اور اب جو یہ لوگ تبوک کے لئے آپ کے ہمراہ روانہ نہ ہوئے اس سے بھی آپ رنجیدہ نہ ہوں، اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد نہ کرنا اور اسلام اور داعی اسلام کی دشمنی پر کمر بستہ رہنا یہ ان کی پرانی عادت ہے۔ (انوار البیان مظہری وغیرہ)

عبارات

منافقین کی جہاد میں شرکت مسلمانوں کے لئے مفید نہیں ہے

”یہ سمجھانے کا شفقت آمیز طریقہ ہے کہ مجرم کو اس کے قصور کا ذمہ دار بنا دیا اور ادھر مسلمانوں کو بھی اطمینان دلا دیا کہ اچھا ہوا یہ تمہارے ساتھ نہیں گئے، فائدہ کی بجائے نقصان ہی پہنچاتے، دوسروں پر برا اثر پڑتا، خرابیاں پھیلانے اور تم میں فتنہ وفساد برپا کرنے کے لئے تمہارے درمیان ریشہ دوانیاں کرتے، یہی ان کی عادت ہے اور کبھی اس سے باز نہ آئیں گے، اگرچہ یہ منافقین اس وقت تمہارے ساتھ میدان جنگ میں نہیں مگر ان کے جاسوس برابر لگے ہوئے ہیں، جن کا کام یہ ہے کہ تمہاری کمزوریوں کی یادداشت تیار کریں اور جب تم واپس آ جاؤ تو ان کی ایک فہرست مرتب کر کے

دنیا کے سامنے پیش کردیں، غزوۂ احد میں عبداللہ بن ابی بن سلول اسی عادت سے مجبور ہوکر اپنے ساتھیوں کو راستہ سے واپس لے آیا، غزوۂ احزاب میں یہودی عہد نامہ توڑ کر کفار مکہ سے مل گئے، غزوۂ تبوک میں انہوں نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی مگر اللہ کے فضل وکرم سے تمہیں کامیابی ہوئی اور یہ فتح تو ان کے لئے سخت ناگوار تھی...... پس جو لوگ جہاد فی سبیل اللہ سے بچنا چاہتے ہیں ان کی گذشتہ زندگی پر نظر ڈالنی چاہئے اور اگر وہ ابتداء ہی سے بدکار چلے آتے ہیں تو ان کے پیچھے رہنے سے گھبرانا نہیں چاہئے، کیونکہ ان کی شرکت کبھی مفید نتائج پیدا نہیں کرے گی۔" (تفسیر الفرقان)

ایک جامع عبارت

مفسر ابن کثیرؒ اور دیگر مفسرین نے اس آیت پر جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ درج ذیل عبارت میں ملاحظہ فرمائیے:

جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے یہود اور منافقین مدینہ آپ کے خلاف طرح طرح کی فتنہ انگیزیاں کرتے رہے اور اسلام کی روز افزوں ترقیات کا تختہ الٹنے کے لئے بہت کچھ الٹ پھیر کی۔

مگر بدر میں جب کفر وشرک کے بڑے بڑے ستون گر گئے اور حیرت انگیز طریقہ پر اسلام کا غلبہ ظاہر ہوا تو عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے کہا: ان ھذا امرٌ قد توجہ کہ یہ چیز تو اب رکنے والی معلوم نہیں ہوتی، چنانچہ بہت سے لوگ خوف کھا کر محض زبان سے کلمہ اسلام پڑھنے لگے، مگر چونکہ دل میں کفر چھپا ہوا تھا اس لئے جوں جوں اسلام و مسلمین کی کامیابی اور غلبہ دیکھتے دل دل میں جلتے اور غیظ کھاتے تھے، غرض ان کی فتنہ پردازی اور مکاری کوئی نئی چیز نہیں شروع سے ان کا یہی وتیرہ رہا ہے، جنگ احد میں یہ لوگ اپنی جماعت کو لیکر راستہ سے لوٹ آئے تھے مگر آخر دیکھ لیا کہ حق کس طرح غالب ہوکر رہتا ہے اور باطل کیسے ذلیل ورسوا کیا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ایک قول

امام رازیؒ اور بعض دیگر مفسرین نے ابن جریجؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ آیت مبارکہ میں اشارہ اس سازش کی طرف ہے جو منافقین نے "لیلۃ العقبۃ" میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے لئے تیار کی تھی۔

قال ابن جریج، ھو ان اثنی عشر رجلاً من المنافقین وقفوا علیٰ ثنیة الوداع لیلة العقبة لیفتکوا بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (تفسیر کبیر)

وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ یَّقُوۡلُ ائۡذَنۡ لِّیۡ وَ لَا تَفۡتِنِّیۡ ؕ اَلَا فِی الۡفِتۡنَۃِ

اور ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ مجھے تو اجازت ہی دیجئے اور فتنہ میں نہ ڈالئے خبردار وہ فتنہ

سَقَطُوۡا ؕ وَ اِنَّ جَہَنَّمَ لَمُحِیۡطَۃٌۢ بِالۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۴۹﴾

میں پڑچکے ہیں اور بے شک دوزخ کافروں پر احاطہ کرنے والی ہے

خلاصہ

بعض منافقین اپنے نفاق اور بزدلی پر دینداری کا پردہ ڈالتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمیں جہاد چھوڑ کر گھر رہنے کی اجازت دے دیجئے کیونکہ اگر ہم جہاد میں گئے تو اپنی کمزوری کی وجہ سے گناہوں اور فتنوں میں مبتلا ہو جائیں گے۔

یہ ان کا ایک جھوٹا بہانہ ہے جہاد چھوڑ کر وہ گناہ اور فتنے میں تو مبتلا ہو ہی چکے ہیں (جہاد کے وقت بلا عذر جہاد سے پیچھے رہ جانا ایک بڑی خرابی اور فتنہ ہے) دراصل ان کافروں کو جہنم نے اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے کہ دنیا میں یہ ان گناہوں کے گھیرے میں رہتے ہیں جو جہنم میں لے جانے والے ہیں اور آخرت میں یہ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔

اقوال وحوالے

دینی نقصان کا بہانہ

"اس شخص کا نام جد بن قیس تھا اس نے یہ بہانہ تراشا تھا کہ میں عورتوں پر مفتون ہو جاتا ہوں اور رومیوں کی عورتیں حسین زیادہ ہیں (جہاد پر) جانے میں میرا دینی ضرر (یعنی دینی نقصان) ہے اس لئے رخصت کا خواستگار (یعنی طلبگار) ہوں۔ کذا فی الدر المنثور" (بیان القرآن)

ایک بخیل اور بزدل سردار

مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت ابتدائی طور پر بنی سلمہ کے سردار "جد بن قیس" کے بارے میں نازل ہوئی۔
وھکذا روی عن ابن عباس ومجاھد وغیر واحد انھا نزلت فی الجد بن قیس وقد کان الجد بن قیس ھذا من اشراف بنی سلمه۔ (ابن کثیر)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو خود جہاد میں جانے کی دعوت دی مگر اس نے کہا کہ مجھے ساتھ نہ لیجائیے بلکہ گھر رہنے کی اجازت دے دیجئے کیونکہ میں عورتوں کا دیوانہ ہوں رومی عورتوں کو دیکھ کر فتنے اور گناہ میں مبتلا ہو جاؤں

گا۔ البتہ میں آپ کے ساتھ مالی تعاون کروں گا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور اسے گھر رہنے کی اجازت دے دی۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم للجد بن قيس اخى بن سلمة لما اراد الخروج الى تبوك "يا جُد" هل لك فى جلاد بنى الاصفر تتخذ منهم سرارى ووصفاء فقال الجُدّ قد عرف قومى انى مغرم بالنساء وانى اخشىٰ ان رأيت (بنات) بنى الاصفر الا اصبر عنهن فلا تفتنى واذن لى فى القعود واعينك بمالى فاعرض عنه رسول الله عليه وسلم وقال قد اذنت لك. (القرطبى)

اس شخص کے اس طرز عمل کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبیلہ بنی سلمہ کی سرداری سے بھی ہٹا دیا۔

ولما نزلت قال النبى صلى الله عليه وسلم لبنى سلمة وكان الجُد بن قيس منهم "من سيدكم يا بنى سلمة" قالوا: جُد بن قيس، غير انه بخيل جبان فقال النبى صلى الله عليه وسلم واى داء ادوىٰ من البخل بل سيدكم الفتىٰ الابيض بشر بن البراء بن معرور.

یعنی اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی سلمہ سے فرمایا تمہارا سردار کون ہے؟ انہوں نے کہا جد بن قیس مگر وہ بخیل اور بزدل ہے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخل سے بڑھ کر اور کونسی بیماری ہو سکتی ہے۔ تمہارا سردار یہ نہیں بلکہ جوانمرد خوبصورت جوان بشر بن براء بن معرور (رضی اللہ عنہ) تمہارا سردار ہے۔ (القرطبی)

جہاد چھوڑنا بڑی برائی اور فتنہ ہے

ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ تو کہہ رہے ہیں کہ جہاد میں جا کر ہمیں گناہ اور فتنے میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے حالانکہ برائی اور فتنے میں تو یہ لوگ مبتلا ہو چکے ہیں۔ مراد اس برائی اور فتنے سے جہاد میں نہ جانا ہے۔

اى ان كان انما يخشىٰ من نساء بنى الاصفر وليس ذلك به فما سقط فيه من الفتنة بتخلفه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم والرغبة بنفسه عن نفسه اعظم

یعنی جس فتنے سے بچنے کی وہ بات کر رہا تھا وہ تو ابھی ہوا ہی نہیں تھا یعنی رومی عورتوں سے گناہ کا فتنہ جبکہ جس فتنے میں وہ گر چکا تھا وہ تو بڑا فتنہ تھا اور وہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں پیچھے رہ جانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان مبارک سے اپنی جان کو زیادہ عزیز رکھنا۔ (ابن کثیر)

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

اى فى الاثم والمعصية وقعوا وهى النفاق والتخلف عن النبى صلى الله عليه وسلم

گناہ اور معصیت میں تو وہ مبتلا ہو چکے تھے اور وہ معصیت تھی نفاق اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر جہاد

سے پیچھے رہ جانا۔ (القرطبی)

تفسیر مظہری میں ہے:

یعنی مصیبت اور خرابی تو وہ ہے جس میں یہ خود پڑے ہوئے ہیں مراد یہ ہے کہ جہاد کو نہ جانا اور نفاق کا ظاہر ہو جانا ہی ان کی خرابی ہے۔ (تفسیر مظہری)

فائدہ

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم جہاد میں گئے تو ہم کمزور ہیں ہم بھاگ جائیں گے اس لئے ہم جہاد میں نہیں جاتے۔ ان لوگوں کو اس آیت مبارکہ میں غور کرنا چاہئے اور اس قسم کی باتوں سے بچنا چاہئے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

آیتِ مبارکہ کے دو اور مفہوم

آیت مبارکہ کا ایک مفہوم تو شان نزول کے ساتھ بیان ہو گیا، مفسرین حضرات نے اس آیت کے دو مزید مفہوم بھی بیان فرمائے ہیں:

❶ فتنہ سے مراد گناہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ بعض منافقین نے کہا کہ آپ ہمیں جہاد میں نہ جانے کی اجازت دے دیجئے کیونکہ اگر ہم بغیر اجازت اپنے گھروں میں رک گئے تو ہم گناہگار ہو جائیں گے تو آپ ہمیں گناہگار نہ کیجئے ان کو جواب دیا گیا کہ تم گناہ میں تو مبتلا ہو چکے ہو کیونکہ تم جہاد میں جانا ہی نہیں چاہتے ہو۔

❷ بعض منافقین نے کہا کہ ہماری زمینوں اور گھر بار کا مسئلہ ہے آپ ہمیں جہاد میں لے جا کر پریشانی اور آزمائش میں نہ ڈالیں کیونکہ اگر ہم جہاد میں گئے تو زمینیں خراب ہو جائیں گی اور ہمارے بعد ہمارے مال اور بیوی بچوں کا کوئی نگران نہ ہو گا تو یہ سب کچھ تباہ ہو جائے گا۔ ان کو جواب دیا گیا کہ جہاد چھوڑ کر اور نفاق میں پڑ کر تم تباہ تو ہو ہی چکے ہو اب اس سے بڑھ کر اور کیا تباہی ہو گی۔ امام نسفیؒ لکھتے ہیں:

ولا تفتنی ولا توقعنی فی الفتنة وهی الاثم بان لاتاذن لی فانی ان تخلفت بغير اذنك اثمت، اولا تلقنی فی الهلكة فانی ان خرجت معك هلك مالی وعيالی۔ (المدارك)

تفسیر مظہری میں ہے:

بعض علماء نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے (کہ) آپ مجھے خود ساتھ نہ جانے کی اجازت دے دیجئے ایسا نہ ہو کہ آپ کے حکم کی خلاف ورزی کر کے میں گناہ میں پڑ جاؤں اور آپ کی اجازت نہ ہونے کے باوجود بیٹھ رہوں۔

بعض لوگوں کے نزدیک فتنہ سے مراد ہے مال اور بیوی بچوں کی بربادی۔ یعنی میرے بعد ان کا کوئی نگران نہ رہے گا اور سب کی تباہی ہو جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

صاحب روح المعانی نے ایک چوتھا معنیٰ یہ بیان کیا ہے:

وقال ابو مسلم: ای لاتعذبنی بتکلیف الخروج فی شدۃ الحر

یعنی مجھے اتنی سخت گرمی میں جہاد کے لئے نکال کر تکلیف میں نہ ڈالئے۔

فائدہ

آیت مبارکہ کے یہ چار مفہوم دیکھ کر اس بات کو سمجھا جاسکتا ہے کہ منافق جہاد میں نہ جانے کے لئے کیا کیا بہانے بناتے ہیں، پس ہر مسلمان ان کی روشنی میں اپنے دل کا جائزہ لے اور اسے نفاق کے حیلوں سے دور رکھے۔

اللہ پاک ہم سب کی نفاق سے حفاظت فرمائے۔

جہنم نے ان کو گھیر لیا ہے

امام نسفیؒ لکھتے ہیں:

وان جھنم لمحیطة باالکافرین الآن لان اسباب الاحاطة معھم اوھی تحیط بھم یوم القیامة۔(المدارک)

یعنی جہنم نے ان کو ابھی سے گھیر لیا ہے کیونکہ جہنم میں جانے کے اسباب ان کے پاس جمع ہو چکے ہیں یا جہنم انہیں قیامت کے دن گھیرے گی۔

امام رازیؒ نے یہ عجیب نکتہ لکھا ہے کہ آیت مبارکہ کے اس حصے میں منافقین کی اس حالت کا بیان ہے جس میں وہ پھنس چکے ہیں۔ان کی حالت کا خلاصہ یہ ہے:

1. وہ ایمان اور اس کی حلاوت سے محروم ہیں
2. لوگوں میں ان کا نفاق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی دشمنی ظاہر ہو چکی ہے
3. انہوں نے دنیا کے مال وجاہ ہی کو کامیابی سمجھ رکھا ہے
4. وہ نہ چاہنے کے باوجود دن رات اسلام کی قوت اور ترقی دیکھ رہے ہیں
5. ان کو ہر وقت اپنی جان، مال اور اولاد پر خوف کے سائے منڈلاتے نظر آتے ہیں

الغرض وہ شدید جہالت اور سخت خوف کے مشترکہ عذاب میں مبتلا ہیں۔(ان کے لئے نہ دنیا ہے نہ آخرت)اسی کو فرمایا گیا کہ جہنم نے ان کو گھیر لیا ہے۔

(یعنی آخرت میں تو جہنم میں جانا ہی ہے دنیا میں بھی اس جہنم کے اثرات ان کو گھیرے ہوئے ہیں)(مفہوم تفسیر کبیر)

آیت کی تفسیر تو وہی ہے جو اوپر تفسیر المدارک کے حوالے سے بیان ہوئی جبکہ امام رازیؒ کا یہ کلام اس کیفیت کا بیان ہے جو اس طرح کے جہنمی لوگوں پر مسلط رہتی ہے۔العیاذ باللہ......

تفسیر ماجدی میں بھی اس کیفیت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

دین کو مصیبت اور طاعات کو بلا سمجھنے والے کم از کم عہدِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دورانِ نزولِ قرآن میں تو امن میں نہ رہ سکے، صحابہ کرام سربکف سرگرم جہاد رہے اور دنیا میں بھی ہر طرح کامیاب ومنصور...... منافقوں نے جتنی تمنائیں احکام دین سے بچنے کی کیں اور زیادہ ہدفِ مصائب بنتے گئے۔ (تفسیر ماجدی)

خود کو جہاد سے مستثنیٰ رکھنے والے

حضرت لاہوریؒ لکھتے ہیں:

مستثنین کی پہلی جماعت تو جانے کے لئے تیار نہیں تھی، دوسری جماعت کا ذکر اس آیت میں ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں ہم اگر گئے تو وہاں کام نہیں کریں گے کیونکہ ہمیں کسی رومی عورت کے حسن پر مفتون ہو جانے کا خطرہ ہے۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

سُورَةُ التَّوبَة مَدَنِيَّة آیت ۵۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ

اگر تمہیں آسائش حاصل ہوتی ہے تو انہیں بری لگتی ہے اور اگر کوئی مشکل پڑتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم

اَخَذْنَا اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ۝۵۰

نے تو اپنا کام پہلے سنبھال لیا تھا اور خوشیاں مناتے لوٹ جاتے ہیں

خلاصہ

یہ منافقین خود کو مسلمان کہلواتے ہیں حالانکہ ان کی اسلام دشمنی اور دل کی گمراہی کا یہ عالم ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد میں فتح، غنیمت اور کامیابی ملتی ہے تو ان کو تکلیف پہنچتی ہے یعنی ان کا دل جلنے لگتا ہے اور اگر آپ کو جہاد میں ظاہری طور پر کسی پریشانی یا شکست وغیرہ کا سامنا ہوتا ہے تو یہ لوگ بہت خوش ہو کر کہتے ہیں کہ اچھا ہوا کہ ہم نے احتیاط، حکمت اور دور اندیشی سے کام لیا اور ان کے ساتھ نہیں گئے اور ہم نے اپنے بچاؤ کی جو تدبیریں کیں کہ مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں نہیں نکلے اور کافروں سے اچھے تعلقات بنا کر رکھے وہ تدبیریں کام آگئیں......

اقوال وحوالے

اپنی دوراندیشی کا وہم

”حَسَنَةٌ“ سے فتح اور مال غنیمت مراد ہے، ”مُصِيْبَةٌ“ سے مراد شکست یا مشقت ودشواری جیسے احد کے دن ہوئی تھی“، یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جنگ میں کسی طرح کی شکست یا مشقت پڑتی ہے تو منافق اپنے شریک نہ ہونے اور ساتھ نہ جانے پر خوش ہوتے ہیں اور اپنی دور بینی کی تعریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے تو اس مصیبت کے آنے سے پہلے ہی وہ بات اختیار کر لی تھی جو ہمارے لئے زیادہ مناسب اور مفید تھی کہ ہم شریک ہی نہ ہوئے ”يَتَوَلَّوْا“ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یا اپنے مجمع کی طرف سے یا اپنے اس بیان کے بعد خوش خوش چلے جاتے ہیں اور مسلمانوں کی مصیبت سے شاد ہوتے ہیں۔ (مظہری)

منافقین کی عقلمندی اور احتیاطی تدابیر

منافقین ایسے بدنصیب ہیں کہ جہاد اور شہادت سے محرومی پر خوشیاں مناتے ہیں گویا کہ جہنم کا مستحق بننے کو اپنی عقلمندی سمجھتے ہیں۔ اس آیت میں فرمایا گیا کہ مسلمانوں کی ظاہری شکست کے وقت وہ کہتے ہیں قَدْ اَخَذْنَا اَمْرَنَا

مِنۡ قَبۡلُ یعنی ہم نے پہلے سے ہی احتیاطی تدابیر اختیار کر لی تھیں ...... یہ احتیاطی تدابیر کیا تھیں؟ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں:

یعنون به التخلف والقعود عن الحرب والمداراة مع الكفرة وغير ذلك من امور الكفر والنفاق قولا وفعلاً

یعنی منافقین اپنی جس عقلمندی اور پیش بندی کا تذکرہ کرتے تھے اس سے مراد یہ تھی کہ وہ جہاد میں نہیں گئے، گھر بیٹھے رہے، کافروں سے دوستی رکھی اور قول وفعل کے اعتبار سے کفر ونفاق میں مبتلا رہے۔ (روح المعانی)

یہی تھی ان کی عقلمندی، پیش بندی اور احتیاطی تدابیر۔ نعوذ باللہ من ذالک

کامیاب وہ ہے جو فرض ادا کرے

''منافقین کی یہ حالت ہوتی ہے کہ مسلمانوں کی کامیابی انہیں ناگوار گزرتی ہے اور اگر سوئے اتفاق انہیں تکلیف پہنچے تو خوشی سے پھولے نہیں سماتے اور کہتے ہیں کہ ہم نے پہلے ہی عقلمندی سے کام لے کر اس میں شرکت نہیں کی، ہمیں تو پہلے ہی خیال تھا کہ اس کا یہی انجام ہوگا...... کاش وہ اس بات کو سمجھتے کہ کامیابی تو صرف مسلمانوں ہی کے لئے مخصوص ہے کیونکہ انہوں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ (تفسیر الفرقان)

بے شک فرض ادا کرتے ہوئے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا کامیابی اور فرض چھوڑ کر پوری دنیا کی بادشاہت پالینا خسارہ اور ناکامی ہے۔

حسنة و مصيبة کا مصداق

امام ابوحیانؒ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حسنة سے مراد بدر کا دن اور مصيبة سے مراد احد کا دن ہے، ممکن ہے یہ قول تمثیل پر مبنی ہو۔

(یعنی بھلائی کی مثال بدر کا دن اور تکلیف کی مثال احد کا دن) ویسے حسنة اور مصيبة کا لفظ عام ہے اس سے ہر طرح کی بھلائی اور تکلیف مراد ہو سکتی ہے البتہ آیت کا سیاق بتاتا ہے کہ مراد جہاد کی بھلائی اور تکلیف ہے اسی لئے مفسرین کہتے ہیں کہ حسنة سے مراد فتح اور غنیمت اور مصيبة سے مراد شکست اور ہزیمت۔

قال ابن عباس: الحسنة يوم بدر والمصيبة يوم احد وينبغي ان يحمل قوله على التمثيل، واللفظ عام فی كل محبوب ومكروه وسياق الحمل يقتضي ان يكون ذلك فی الغزو ولذلك قالوا: الحسنة الظفر والغنيمة والمصيبة الخيبة والهزيمة (البحر المحیط)

عجیب نکتہ

تفسیر ماجدی میں یہ عجیب نکتہ بیان فرمایا ہے کہ مسلمان کے لئے تو جہاد میں خیر ہی خیر ہے، مصیبت تو کوئی ہے نہیں

تواس آیت میں جو لفظ مُصِيْبَةٌ آیا ہے یہ منافقین کے نقطہ نظر کے اعتبار سے ہے کہ وہ جس چیز کو مصیبت سمجھتے تھے یعنی دنیاوی نقصان......

حَسَنَةٌ مُصِيْبَةٌ دونوں لفظوں کا استعمال منافقین کے نقطۂ نظر سے ہے یعنی اس مادّی دنیا کا نفع وضرر۔ (تفسیر ماجدی)

ایک دلچسپ عبارت

”منافقین کی عادت تھی جب مسلمانوں کو غلبہ وکامیابی نصیب ہوتی تو جلتے اور کڑھتے تھے اور اگر کبھی کوئی سختی کی بات پیش آگئی مثلاً کچھ مسلمان شہید یا مجروح (زخمی) ہوگئے تو فخریہ کہتے کہ ہم نے از راہ دور اندیشی پہلے ہی سے اپنے بچاؤ کا انتظام کرلیا تھا، ہم سمجھتے تھے کہ یہی حشر ہونے والا ہے لہٰذا ان کے ساتھ گئے ہی نہیں۔ غرض ڈینگیں مارتے ہوئے اور خوشی سے بغلیں بجاتے ہوئے اپنی مجلسوں سے گھروں کو واپس جاتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

عصر حاضر کے مغرب زدہ دانشوروں کا طرز عمل بھی مجاہدین کی فتح وشکست کے وقت اسی طرح کا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ پر رحم فرمائے۔

کہہ دو ہمیں ہرگز نہ پہنچے گا مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے لکھ دیا وہی ہمارا کارساز ہے اور اللہ تعالیٰ

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾

ہی پر چاہئے کہ مومن بھروسہ کریں

خلاصہ

ایمان والے کبھی بھی مصیبت کے ڈر سے اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنے سے نہیں رُکتے۔ وہ جانتے ہیں کہ جو تقدیر میں لکھا ہوا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ پھر جہاد اور دیگر فرائض کو موت اور شکست کے ڈر سے کیوں چھوڑا جائے۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا مددگار اور ولی ہے وہ ان کے لئے جو کچھ مقدر فرماتا ہے اس میں ان کے لئے خیر ہی خیر ہوتی ہے، فتح مقدر فرمائے تب بھی خیر اور شہادت وزخم عطاء فرمائے تب بھی خیر۔ پس اسی قانون کو مدّ نظر رکھ کر ایمان والوں کو ظاہری اسباب پر نظر نہیں رکھنی چاہئے اور نہ ہی ظاہری تدبیروں کو سب کچھ سمجھنا چاہئے بلکہ ان کو چاہئے کہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہی توکّل رکھیں۔ (شریعت کے مطابق اسباب اختیار کریں مگر منافقوں کی طرح اسباب اور تدبیر کو سب کچھ نہ سمجھیں بلکہ اللہ تعالیٰ پر توکّل کریں)

اقوال وحوالے

ایمان والوں کے لئے ہر حالت میں خیر ہے

"قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا یعنی آپ ان سے فرما دیجئے کہ ہمیں وہی حالت پیش آئے گی جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مقدر فرما دی ہے، خوشحالی، خوبی اور بہتری ہو یا کسی قسم کا کوئی حادثہ ہو جائے یا دکھ تکلیف سے دوچار ہو جائیں یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے مقرر اور مقدر ہے هُوَ مَوْلٰىنَا اللہ ہمارا مددگار ہے ہمارا ولی ہے ہم اس کی قضاء وقدر پر راضی ہیں، سب کچھ اسی کی طرف سے ہے، اور ہماری ہر حالت میں اس نے خیر رکھی ہے، فتح ظفر ہو جائے، مال غنیمت مل جائے تو یہ بھی خیر ہے اگر تکلیف پہنچ جائے تو اجر وثواب کے اعتبار سے وہ بھی خیر ہے اور ہم میں سے جو لوگ جام شہادت نوش کرتے ہیں یہ بھی خیر ہے وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ اور مومنین ہمیشہ اللہ ہی پر بھروسہ کریں اپنے سارے امور اللہ ہی کے سپرد کریں اور اسی سے خیر وخوبی اور خوشحالی کی امید رکھیں، مومنین کا بھروسہ صرف اللہ پر ہے وہ اسباب بھی اختیار کر لیتے ہیں لیکن بھروسہ اسباب پر اور ہتھیاروں پر اور اپنی قوت اور طاقت پر نہیں کرتے، اسباب کو اختیار کرنا تقدیر اور توکل کے خلاف نہیں، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے توکل بھی سکھایا

اور اسباب بھی اختیار فرمائے اور اسباب اختیار کرنے کا حکم بھی دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا اور جو کر کے دکھایا اہل ایمان اسی کو اختیار کرتے ہیں نہ ترک اسباب کریں اور نہ اسباب پر بھروسہ رکھیں۔“ (انوار البیان)

مومن کو کوئی سختی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے نہیں روک سکتی

”یعنی سختی یا نرمی جو جس وقت کے لئے مقدر ہے وہ تو ٹل نہیں سکتی نہ دنیا میں اس سے (بچنے کے لئے) کوئی چارہ ہے، مگر ہم چونکہ ظاہر و باطن سے اللہ تعالیٰ کو اپنا حقیقی مولا اور پروردگار سمجھتے ہیں، لہٰذا ہماری گردنیں اس کے فیصلے اور حکم کے سامنے جھکی ہوئی ہیں، کوئی سختی اس کی فرمانبرداری سے باز نہیں رکھتی اور اسی پر ہم کو بھروسہ ہے کہ وہ عارضی سختی (یعنی تکلیف) کو آخرت میں یقیناً اور بسا اوقات دنیا میں بھی راحت و خوشی سے تبدیل کر دے گا۔“ (تفسیر عثمانی، تسہیل)

مومن کا اعتماد صرف اللہ تعالیٰ پر

”انہیں کہہ دیجئے ہمارا اعتماد اللہ تعالیٰ پر ہے اور ہمیں جو چیز پہنچے گی وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پہنچے گی اور اس میں ہمارے لئے کوئی نہ کوئی بہتری ہوگی۔“ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

جو تقدیر پر ایمان رکھے گا وہی غالب رہے گا

”ایک مسلمان جب تقدیر کے آگے اپنی گردن خم کر لیتا ہے تو دنیا کے تمام باطل پرستوں کے آگے سربلند ہو جاتا ہے، وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ خدا کی مرضی کے بغیر مجھے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔“ (تفسیر الفرقان)

یعنی تقدیر پر پختہ ایمان مومن کو بہت مضبوط کر دیتا ہے، پھر وہ موت کے ڈر سے جہاد ترک نہیں کرتا اور نہ ہی دشمنوں کی طاقت اور قوت سے مرعوب ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ سب کچھ اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے اور اللہ پاک ایمان والوں کے ساتھ ہے...... یہی وہ کیفیت ہے جو منافقین کو نصیب نہیں ہو سکتی...... جیسا کہ پچھلی آیت میں گزر چکا ہے۔

فائدہ

امام رازیؒ نے قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا کے تین معانی بیان فرمائے ہیں اور امام ابوحیانؒ نے هُوَ مَوْلٰنَا کے تین معانی بیان فرمائے ہیں۔ یہ دونوں مفید بحثیں تفسیر کبیر اور تفسیر البحر المحیط میں ملاحظہ فرمالیں۔

عجیب نکتہ

تفسیر مظہری میں ہے کہ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا ہے کہ مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں خیر ہی خیر ہے کیونکہ فرمایا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا اور لَنَا کا معنی ہوا ہمارے فائدے کے لئے۔

پس مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں ہمارے فائدے کے لئے جو کچھ لکھ دیا ہے وہ ہمیں پہنچ کر رہے گا (فتح ہو یا شہادت)۔ یہاں لَنَا کی جگہ علينا نہیں فرمایا، پس معلوم ہوا کہ ہمارے لئے نقصان کی کوئی بات نہیں۔

(خلاصہ تفسیر مظہری)

یعنی تقدیر کا مالک اللہ ہے اور وہ ہمارا مولیٰ ہے پھر ہم کسی دشمن سے یا برے حالات سے ڈر کر جہاد کیوں چھوڑیں؟

عظیم الشان تحفہ

یہ آیت مسلمانوں کے لئے ایک عظیم الشان تحفہ، بہت بڑی تسلی اور بہت بلند بشارت ہے، اگر ہم اس کو اپنے دل کا یقین بنالیں تو پھر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی طاقت کا رعب دل سے نکل جائے گا اور مسلمان کو اپنے ہر طرف کامیابی ہی کامیابی نظر آنے لگے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تقدیر پر کامل ایمان عطاء فرمائے اور ہمیں اس بات کا یقین نصیب فرمائے کہ وہ صرف ایمان والوں ہی کا مولیٰ (ناصر و مددگار) ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ذات پر پورا توکّل نصیب فرمائے۔ (آمین)

تفسیر ماجدی میں ہے:

سکون خاطر، یکسوئی قلب، اطمینان و فراغت کا یہ آسان سستا اور مؤثر نسخہ کتنی بار کا آزمایا ہوا ہے، بدنصیب ہیں وہ لوگ جو اس کی طرف سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ (تفسیر ماجدی)

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

قيل في اللوح المحفوظ وقيل: ما اخبرنا به في كتابه من انّا امّا ان نظفر فيكون الظفر حسنٰى لنا وامّا ان نقتل فتكون الشهادة اعظم حسنٰى لنا. (القرطبی)

یعنی اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں لکھ دیا ہے یا قرآن پاک میں ہمیں بتادیا ہے کہ اگر ہم نے فتح پائی تو یہ فتح ہمارے لئے بھلائی ہے اور اگر ہم قتل کر دیئے گئے تو شہادت ہمارے لئے (فتح سے بھی) بڑی بھلائی ہے۔

سُوْرَةُ التَّوْبَة مَدَنِيَّة — آیت ٥٢

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ

کہہ دو تم ہمارے حق میں دو بھلائیوں میں سے ایک کے منتظر ہو اور ہم تمہارے حق میں اس بات کے منتظر ہیں

بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ڮ فَتَرَبَّصُوْٓا

کہ اللہ تعالیٰ اپنے ہاں سے تم پر کوئی عذاب نازل کرے یا ہمارے ہاتھوں سے تم بھی انتظار کرو

اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ۝٥٢

ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتے ہیں

خلاصہ

جہاد میں نکلنے والے مومنوں کے لئے دونوں حالتوں میں خیر ہی خیر ہے انہیں فتح ملے تب بھی ان کے لئے اچھائی ہے اور ان کو شہادت ملے تب بھی ان کے لئے اچھائی ہے۔ اس لئے وہ منافق جو خود کو دور اندیش سمجھ کر جان بچانے کے لئے گھر بیٹھے ہوئے ہیں وہ اس بات کی توقع نہ کریں کہ مجاہد مسلمانوں کو کوئی برائی پہنچے گی۔ وہ واپس آگئے تب بھی خیر پانے والے ہوں گے اور واپس نہ آئے اور شہید ہو گئے تب بھی خیر پانے والے ہوں گے۔ مگر ناکامی تو منافقوں کے لئے ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے نفاق اور شرارتوں پر خود بلاواسطہ سزا دی تب بھی وہ ناکام اور اگر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان سے لڑنے کی اجازت دے دی تب بھی وہ ناکام۔

پس مسلمان اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے پورا ہونے کا انتظار کریں اور منافق شیطان کے وعدوں کے پورا ہونے کا انتظار کریں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہی کے وعدے پورے ہوں گے۔ تب معلوم ہو جائے گا کہ مومنوں اور منافقوں میں سے زیادہ انجام بین اور دور اندیش کون تھا۔

اقوال وحوالے

مسلمان کے لئے ناکامی نہیں

”مسلمان تو ایک لمحے کے لئے بھی ناکام نہیں رہ سکتا، وہ اگر جہاد فی سبیل اللہ میں مر جاتا ہے تو بہرہ اندوز شہادت ہوتا ہے، اور اگر زندہ رہا تو غازی ہونے میں کلام نہیں، فرض ادا کرنا تھا اور وہ ہو گیا۔ رہے مخالفین اسلام، ان کی حالت یہ ہے کہ چونکہ وہ اسلام کے دشمن ہیں اس لئے بالکل ممکن ہے کہ آفات ارضی وسماوی سے تباہ ہو جائیں یا مسلمانوں کے ہاتھ سے ذلیل ہوں اگر انتظار کرنا ہے تو کر دیکھو۔“ (تفسیر الفرقان)

خطاب کافروں یا منافقوں کو ہے

''آپ کہہ دیجئے کہ تم تو ہمارے حق میں دو بہتریوں میں سے ایک بہتری کے ہی منتظر رہتے ہو'' یہ خطاب کافروں یا منافقوں کو ہے احدی الحسنیین دو اچھے نتیجوں میں سے ایک نتیجہ شہادت (ہے) جو دخول جنت اور دوامی زندگی کے حصول کا ذریعہ ہے دوسرا فتح اور مالِ غنیمت...... یعنی تم ہمارے قتل ہو جانے کی تمنا کر رہے ہو اور قتل ہو جانا تمہاری نظر میں برا ہے مگر ہمارے لئے وہ بھی سراسر بھلائی ہے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ کی راہ میں (جہاد کرنے کے لئے) نکلا ہو اور اس کے نکلنے کا سبب سوائے اللہ پر ایمان رکھنے اور اللہ کے پیغمبروں کو سچا جاننے کے سوا کچھ نہ ہو تو اللہ نے اس کے لئے وعدہ فرمالیا ہے کہ یا تو حاصل کردہ ثواب اور مال غنیمت کے ساتھ اس کو (صحیح سالم) واپس کردوں گا یا (بصورت شہادت) جنت میں داخل کردوں گا (متفق علیہ) یعنی دو چیزوں میں سے ایک اس کو ضرور عطاء کروں گا (فتح یا جنت) لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا کہ فتح کے ساتھ جنت نہیں مل سکتی۔

وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا

اور ہم تمہارے حق میں اس کے منتظر ہیں کہ اللہ تعالیٰ تم پر کوئی عذاب واقع کرے گا (خواہ) اپنی طرف سے (دنیا اور آخرت میں) یا ہمارے ہاتھوں سے......

خطاب اگر کافروں کو ہو تو مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے ہم پر فتح پائی تو اللہ تعالیٰ آخرت میں تم کو عذاب دے گا اور اگر تم نے شکست کھائی تو ہمارے ہاتھوں سے کفر کی حالت میں مارے جاؤ گے اور دوامی عذاب کے مستحق بنو گے اور اگر خطاب منافقوں سے ہو تو مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارا کفر ظاہر نہ ہوا تو اللہ تعالیٰ تمہیں گذشتہ اقوام کی طرح تباہ کر کے جہنم میں ڈالے گا اور اگر تم نے کفر کا اعلان کردیا تو کفر کی وجہ سے مسلمانوں کے ہاتھوں سے مارے جاؤ گے۔ (مظہری تسہیل) (اکثر مفسرین کے نزدیک خطاب منافقوں سے ہے)

ہمیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی ہر حالت محبوب ہے

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی راحت ورنج دونوں ہمیں محبوب ہیں اور ہم تو اس بات کے منتظر ہیں کہ تم پر کب عذاب نازل ہوتا ہے یا ہمیں کب حکم دیا جاتا ہے کہ تمہیں سزا دیں۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

انتظار کرو

ارشاد فرمایا: فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ یعنی تم بھی انتظار کرو ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتے ہیں:

1. تم ہمارے انجام کا انتظار کرو اور ہم تمہارے انجام کا انتظار کرتے ہیں۔ یقیناً جب تم اور ہم اپنا انجام پالیں گے تو تم وہ چیز دیکھو گے جو ہمیں خوش کرنے والی ہوگی اور ہم وہ چیز دیکھیں گے جو تمہیں غم میں ڈالنے والی ہوگی۔

فاذا لقی کل منا ومنکم ما یتربصه لا نشاهد الا مایسؤکم ولا تشاهدون الا ما یسرنا۔ (روح المعانی)

❷ تم شیطان کے وعدوں کا انتظار کرو اور ہم اللہ تعالیٰ کے ان وعدوں کا انتظار کرتے ہیں جن میں اسلام کے غلبے اور دشمنوں کے خاتمے کی بشارت ہے۔

فتربصوا مواعید الشیطان انا متربصون مواعد اللّٰہ تعالیٰ من اظهار دینه واستئصال من خالفه۔ (قرطبی، روح المعانی)

❸ بہر حال تم اور ہم دونوں کو ایک دوسرے کا انجام دیکھنے کے لئے منتظر رہنا چاہئے، آخر معلوم ہو جائے گا کہ دونوں میں زیادہ انجام بین اور دور اندیش کون تھا۔ (تفسیر عثمانی)

سُوْرَةُ التَّوْبَة مَدَنِيَّة آیت ۵۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝۵۳

کہہ دو تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تم سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا بے شک تم نافرمان لوگ ہو

خلاصہ

کچھ منافقین نے کہا تھا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں تو نہیں جاسکتے البتہ جہاد کے لئے مالی تعاون کریں گے۔ان سے فرمایا گیا کہ تمہارا مال اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہے کیونکہ تم سرکش اور متکبر لوگ ہو۔

شانِ نزول

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ یہ آیت جدّ بن قیس کے بارے میں نازل ہوئی اس نے کہا مجھے جہاد سے تو چھٹی دے دیجئے البتہ میں مالی تعاون کر دیتا ہوں۔

قال ابن عباس: نزلت فی الجدّ بن قیس اذ قال ائذن لی فی القعود وھذا مالی اعینك به (القرطبی)

آیتِ مبارکہ عام ہے

آیت اگرچہ ایک خاص واقعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے مگر اس کا حکم عام ہے۔امام رازیؒ لکھتے ہیں:

واعلم ان السبب وان کان خاصا الا ان الحکم عام۔(تفسیر کبیر)

’’آیت کا سببِ نزول خواہ جدّ بن قیس ہی کا واقعہ ہو لیکن آیت کے الفاظ عام ہیں جو تمام منافقین کو شامل ہیں۔ (انوار البیان)

ان مالداروں کے لئے عبرت ہے جو مال خرچ کرنے کو ہی کافی سمجھتے ہیں

’’آیت کے اندر ہماری قوم (یعنی مسلمانوں) کے امراء و رؤساء کے لئے بڑی عبرت پوشیدہ ہے جو پختگی ایمان اور حسنِ عمل کی طرف سے غافل محض اپنے بھاری چندوں پر نازاں اور انہیں پر تکیہ کیے رہتے ہیں، مالی اعانت بھی بلاشبہ بہت بڑی خدمت ہے دین کی......لیکن نفسِ ایمان اور ایمانِ صحیح کا وجود ان پر بھی مقدم ہے۔(تفسیر ماجدی)

قبولیت کے دو معنیٰ

قبول نہ کیے جانے کے دو معنیٰ ہیں ایک یہ کہ ان سے لیا ہی نہیں جائے گا اور دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان

کو اجر وثواب نہیں ملے گا۔

ونفی التقبل یحتمل ان یکون بمعنی عدم الاخذ منهم، ویحتمل ان یکون بمعنی عدم الاثابة علیه. (روح المعانی)

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ دونوں معنیٰ لینے کی گنجائش ہے۔

ایسے مال کی کوئی قدر نہیں ہے

’’گزشتہ آیات میں منافقین کے جو حالات بیان کیے گئے تھے، ان کی وجہ سے مسلمانوں نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی تو اس دباؤ میں آکر انہوں نے مذہبی چندوں میں حصہ لینا شروع کر دیا، ان سے کہا جاتا ہے کہ اگر تم اس تعلیم (اسلام اور حکم جہاد) کو صحیح سمجھتے ہیں ہو تو اس کی خاطر جان دینے کو تیار ہو جاؤ، اس وقت اسلام کو اسی جانی قربانی کی ضرورت ہے، اگر اس کے لئے تیار ہو تو پھر مال بھی قبول کیا جا سکتا ہے اور اگر یہ نہیں تو روپیہ دینا بے سود ہے اور شریعت کی نظر میں اس روپیہ کی کوئی عزت نہیں، تم سے بڑھ کر اور کون بے حیاء ہوگا کہ اپنا خون تو بہاتے نہیں جس کی اس وقت ضرورت ہے اور روپیہ دے کر اس کو ٹالنا چاہتے ہو۔‘‘ (تفسیر الفرقان)

’’چونکہ تم میں قانون شکنی کے جذبات موجود ہیں اس لئے بمدِ جہاد تمہارا چندہ قبول نہیں کیا جائے گا۔‘‘ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

بے اعتقاد کا مال قبول نہیں

جدّ بن قیس نے رومی عورتوں کے فتنہ کا بہانہ کر کے یہ بھی کہا تھا کہ حضرت! میں بذات خود نہیں جا سکتا، لیکن مالی اعانت کر سکتا ہوں، اس کا جواب دیا کہ بے اعتقاد کا مال قبول نہیں خواہ خوشی سے خرچ کرے یا ناخوشی سے، یعنی خوشی سے خدا کے راستہ میں خرچ کرنے کی ان کو توفیق کہاں وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ تاہم اگر بالفرض خوشی سے بھی خرچ کریں تو خدا قبول نہیں کرے گا اس کا سبب اگلی آیت میں آتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

کئی مفسرین حضرات نے طوعاً و کرہاً کے معنیٰ یہ کیے ہیں کہ خرچ کی دو قسمیں تھیں ایک وہ جو ان پر لازم کیا جاتا تھا اور دوسرا وہ جو لازم نہیں کیا جاتا تھا لازم کو كَرْهًا اور غیر لازم کو طَوْعًا کہا گیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُورَةُ التَّوبَة مَدَنِيَّةٌ　آیت ۵۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا

اور ان کے خرچ کے قبول ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں ہوئی سوائے اس کے کہ انہوں نے

بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے کفر کیا اور نماز میں سست ہو کر آتے ہیں

وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾

اور ناخوش ہو کر خرچ کرتے ہیں

خلاصہ

ان کا مال قبول نہ کیے جانے کی اصل وجہ یہ ہے کہ اسلام کا دعویٰ کرنے کے باوجود یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کے منکر ہیں اور ان کے منکر ہونے کی ظاہری علامت یہ ہے کہ یہ نماز میں بہت سستی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کرنا ان پر بہت بھاری گزرتا ہے کیونکہ یہ اسے جرمانہ سمجھتے ہیں۔

اقوال وحوالے

یہ جہاد میں نہیں گئے اس لئے چندہ قبول نہیں

حضرت لاہوریؒ تحریر فرماتے ہیں:

''سفر جہاد کے لئے جو حکم ملا ہے اس میں انہوں نے نافرمانی کی ہے، اس لئے چندہ بھی منظور نہیں ہوگا۔'' (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

ایک جامع عبارت

عربی تفاسیر میں اس آیت پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا خلاصہ درج ذیل عبارت میں آ گیا ہے:

ان کے صدقات کو قبول ہونے سے منع کرنے والی کوئی چیز اس کے علاوہ نہیں ہے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اور رسول کے ساتھ کفر کیا اور کفر کے ساتھ کوئی عمل مقبول نہیں اور گو وہ اسلام کے مدّعی ہیں اور کفر کو چھپائے ہوئے ہیں، لیکن ان کا کفران کے ڈھنگ (یعنی اعمال اور انداز) سے ظاہر ہوتا رہتا ہے۔

نماز جو ایمان کے بعد سب سے بڑا فریضہ ہے اور جو ایمان کی سب سے بڑی اور سب سے پہلی علامت ہے اس کے لئے آتے ہیں تو سستی کے ساتھ ہارے جی آتے ہیں گویا ان پر بہت بڑی مصیبت آ گئی......اور جب اللہ کی راہ

میں خرچ کرنے کا موقع آتا ہے تو مسلمانوں کو دکھانے کے لئے بددلی کے ساتھ خرچ کرتے ہیں، جب ایمان نہیں تو آخرت کا یقین بھی نہیں، لہٰذا مال خرچ کرنے پر ثواب کی امید بھی نہیں، جب ثواب کی امید نہیں تو خوشدلی سے خرچ کرنے کی کوئی وجہ نہیں، لامحالہ بددلی سے خرچ کرتے ہیں۔(انوار البیان)

لوگوں کے سامنے نمازی

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا (نماز میں سستی کا مطلب یہ ہے کہ) جب لوگوں کے سامنے ہو تو ادا کرے اور جب اکیلا ہو تو چھوڑ دے اور ایسا وہی شخص کرتا ہے جو نماز ادا کرنے پر اجر اور چھوڑنے پر سزا کا یقین نہ رکھتا ہو۔حاصل یہ کہ نفاق لامحالہ عبادات میں سستی کا ذریعہ بنتا ہے۔

قال ابن عباس: ان كان فی جماعة صلّٰی وان انفرد لم یصل، وهو الذی لایرجو علی الصلوٰة ثواباً ولا فی ترکها عقاباً فالنفاق یورث الکسل فی العبادة لا محالة. (القرطبی)

آگے لکھتے ہیں:

یہ لوگ بددلی سے خرچ کرتے ہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کو تاوان اور نہ خرچ کرنے کو غنیمت سمجھتے ہیں۔لانهم یعدونها مغرما ومنعها مغنما۔(القرطبی)

مسلمانوں کو ایک اہم نصیحت

”اس میں مسلمانوں کو بھی تنبیہ ہے کہ نماز میں سستی، کاہلی اور زکوٰۃ وصدقات سے دلی ناگواری پیدا ہونا علامت نفاق ہے، مسلمانوں کو کوشش کرکے ان علامات سے بچنا چاہئے۔“(معارف القرآن)

جب نماز میں سستی نفاق کی علامت ہے تو نماز چھوڑنا کتنا بڑا جرم ہوگا

”علماء نے لکھا ہے کہ جب محض کسلِ نماز (یعنی نماز میں سستی کرنا) نفاق کی علامت قرار پائی تو ترکِ نماز (یعنی نماز چھوڑنا) ظاہر ہے کس درجہ کی چیز ہوگی“(تفسیر ماجدی)

ہم مسلمانوں کے لئے خوف کا مقام

”آیت میں ہم سب ”نام کے مسلمانوں“ کے لئے ڈرنے کی بات ہے، ظاہری اعمال (تو) منافقین کے بھی مسلمانوں ہی سے مشابہت رکھتے تھے، نام مسلمانوں کے سے، وضع ومعاشرت مسلمانوں کی سی، نمازیں بھی کسی نہ کسی طرح پڑھ لیتے تھے، خیر وخیرات بھی کچھ نہ کچھ دے نکلتے تھے، اس پر (یعنی اس کے باوجود) بھی حکم ان پر کفر اور فقدانِ ایمان ہی کا لگا!......خدا نہ کرے کہ ہم کلمہ گوؤں میں سے کسی کا بھی یہ حشر ہو“(تفسیر ماجدی)

پس مسلمانوں کو چاہئے کہ جہاد کے عمل کو زندہ کریں تاکہ نفاق سے حفاظت رہے۔

★★★

سورۃ التوبۃ مدنیۃ آیت ۵۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾

سو تو ان کے مال اور اولاد سے تعجب نہ کر اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے دنیا کی زندگی میں انہیں عذاب دے اور کفر کی حالت میں ان کی جانیں نکلیں

خلاصہ

مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ منافقوں کے زیادہ مال اور اولاد کو دیکھ کر متاثر نہ ہوں اور نہ اس کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں اور نہ یہ سمجھیں کہ منافق تو بڑی اچھی حالت میں ہیں کیونکہ منافقوں کا مال اور اولاد ان کے لئے رحمت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔ وہ اس مال اور اولاد کی وجہ سے دنیا میں طرح طرح کی تکلیفیں، مشقتیں اور پریشانیاں اٹھاتے ہیں۔ اور اسی مال اور اولاد کے چھوٹ جانے کے ڈر سے جہاد میں بھی نہیں جاتے اور توبہ بھی نہیں کرتے چنانچہ ان کی موت بھی کفر کی حالت میں آتی ہے، یہ موت بھی بہت سخت ہوتی ہے اور اس کے بعد کا عذاب تو اور زیادہ سخت ہے۔

خطابِ عام ہے

ظاہری طور پر تو آیت میں خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر حقیقت میں یہ خطاب سب مسلمانوں کے لئے عام ہے۔

هذا الخطاب، وان كان في الظاهر مختصا بالرسول عليه السلام الا ان المراد منه كل المومنين، اي لا ينبغي ان تعجبوا باموال هؤلآء المنافقين والكافرين ولا باولادهم ولا بسائر نعم الله عليهم. (تفسیر کبیر)

منافقوں کی مالداری سے متاثر نہ ہوں

فَلَا تُعْجِبْكَ : تفسیر مظہری میں ہے:

اعجاب کا معنیٰ ہے کسی پسندیدہ چیز پر خوش ہونا، مطلب یہ ہے کہ ہم نے (ان کو) جو دولت اور اولاد عطاء کی ہے وہ پسندیدگی کے قابل نہیں یہ تو محض ایک ڈھیل ہے جو حقیقت میں وبال ہے۔ (مظہری)

تفسیر ''البحر المحیط'' میں ہے:

اے سننے والو تم ان منافقوں کے مال کو پسند کی نظر سے نہ دیکھو اور نہ اس کی وجہ سے کسی فتنے میں پڑو۔

ولا یعجبك ایها السّامع بمعنی لا یستحسن ولا یفتتن بما اوتوا من زینة الدنیا۔ (البحر المحیط)

جو مجاہدین دنیاداروں کے مال سے متاثر ہوتے ہیں اور اسے پسند کی نظر سے دیکھتے ہیں وہ اکثر حبِّ دنیا کے فتنے میں مبتلا ہو کر جہاد سے محروم ہو جاتے ہیں۔ تفسیر ماجدی میں ہے: فقہاء نے اس آیت سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ کافروں، فاسقوں کی ظاہری نعمتوں کو دیکھ کر ان کے حال کو اچھا سمجھنا اور ویسی ہی کیفیت کی تمنا کرنا حرام ہے۔ (تفسیر ماجدی)

اور لکھتے ہیں:

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں اہل ایمان کو تنبیہ ہے کہ اہل دنیا کے مال وزینت کو مستحسن (یعنی اچھا) نہ سمجھیں اور کہیں اس کے باعث آخرت کے عمل اور اس پر نظر کرنے سے محجوب نہ ہو جائیں۔ (تفسیر ماجدی)

تفسیر روح المعانی میں ہے:

ای لا یروقك شیء من ذلك فانه استدراج لهم ووبال علیهم

یعنی ان منافقوں کا مال آپ کو بھلا نہ لگے کیونکہ وہ تو ان کے لئے ایک ڈھیل اور ان پر ایک وبال ہے۔ (روح المعانی)

ان پر یہ عذاب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے ہے

''انہوں نے خدا تعالیٰ کو راضی نہیں کیا اللہ تعالیٰ بھی ان کو دنیا میں چین نہیں دے گا۔ ان کا مال اور اولاد ایک طرح پر اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے یہ چیزیں ان کے لئے موجب راحت نہیں ہوں گی بلکہ باعث مصیبت ہوں گی''۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

جامع تفسیر

''شبہ گزر سکتا تھا کہ جب یہ (منافق) ایسے مردود ہیں تو ان کو مال واولاد وغیرہ نعمتوں سے کیوں نوازا گیا ہے۔ اس کا جواب دیا کہ یہ نعمتیں ان کے حق میں بڑا عذاب ہے، جس طرح ایک لذیذ اور خوشگوار غذا تندرست آدمی کی صحت وقوت کو بڑھاتی ہے اور فاسد الاخلاط مریض کو ہلاکت سے قریب تر کر دیتی ہے۔ یہی حال ان دنیوی نعمتوں مال واولاد وغیرہ کا سمجھو۔ ایک کافر کے حق میں یہ چیزیں سوئے مزاج (یعنی اس کے غلط مزاج) کی وجہ سے زہر ہلاہل (یعنی ہلاک کر دینے والا زہر) ہیں چونکہ کفار دنیا کی محبت میں غریق ہوتے ہیں اس لئے اوّل اس کے جمع کرنے میں بے حد کوفت اٹھاتے ہیں، پھر ذرا نقصان یا صدمہ پہنچ گیا تو جس قدر محبت ان چیزوں سے ہے اسی قدر غم سوار ہوتا ہے اور کوئی وقت اس کے فکر واندیشہ اور ادھیڑبن سے خالی نہیں جاتا، پھر جب موت ان محبوب چیزوں سے جدا کرتی ہے اس وقت کے صدمے اور حسرت کا تو اندازہ کرنا مشکل ہے۔ غرض دنیا کے عاشق اور حریص کو کسی وقت حقیقی چین اور اطمینان میسر نہیں، چنانچہ یورپ وامریکہ وغیرہ کے بڑے بڑے سرمایہ داروں کے اقوال اس پر شاہد (یعنی گواہ)

ہیں باقی مومنین جو دولت اور اولاد کو (اپنا) معبود اور زندگی کا اصل نصب العین (یعنی مقصد) نہیں سمجھتے چونکہ ان کے دل میں حب دنیا کا مرض نہیں ہوتا اس لئے یہی چیزیں ان کے حق میں نعمت اور دین کی اعانت کا ذریعہ بنتی ہیں۔اس کے علاوہ اکثر کفار کثرت مال واولاد پر مغرور ہو کر کفر وطغیان میں اور زیادہ شدید (یعنی مضبوط اور سخت) ہو جاتے ہیں جو اس کا سبب بنتا ہے کہ اخیر دم تک کافر ہی رہیں، نیز منافقینِ مدینہ جن کے حق میں یہ آیات نازل ہوئیں ان کا حال یہ تھا کہ بادل نخواستہ جہاد وغیرہ کے مواقع پر ریاء، نفاق سے مال خرچ کرتے تھے اور ان کی اولاد میں بعض لوگ مخلص مسلمان ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد میں شریک ہوتے تھے، یہ دونوں چیزیں منافقین کے منشائے قلبی (یعنی دل کی خواہش) کے بالکلیہ خلاف تھیں۔اس طرح اموال واولاد ان کے لئے دنیا میں عذاب بن گئے تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

''یعنی یہ تعجب نہ کر کہ بے دین کو اللہ نے نعمت کیوں دی، بے دین کے حق میں اولاد اور مال وبال ہے کہ ان کے پیچھے دل پریشان رہے اور ان کی فکر سے چھوٹنے نہ پائے مرتے دم تک، تا توبہ کرے یا نیکی اختیار کرے (یعنی مال اور اولاد کے چھوٹ جانے کے ڈر سے نہ تو جہاد کی نیکی کرتا ہے اور نہ نفاق سے توبہ کرتا ہے کیونکہ مال اور اولاد اس کی مجبوری بن جاتے ہیں)۔ (تفسیر عثمانی)

ایک تفسیری قول

ایک قول یہ ہے کہ آیت میں تقدیم وتاخیر ہے اور مطلب یہ ہے:

فلا تعجبك اموالهم ولا اولادهم فى الحياة الدنيا انما يريد الله ليعذبهم بها فى الآخرة

یعنی دنیا کی زندگی میں ان کا مال واولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالے۔اللہ پاک چاہتا ہے کہ اس مال واولاد کے ذریعہ آخرت میں ان کو عذاب دے۔ (ابن کثیر)

سخت موت

وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ : زہوق کا اصل لغوی معنیٰ ہے دشواری کے ساتھ نکلنا یعنی ان کی جانیں ٹوٹ ٹوٹ کر افسوس اور حسرت کے ساتھ نکلیں۔ (تفسیر مظہری)

حُبِ دنیا سے حفاظت

چونکہ غزوۂ تبوک کا بیان چل رہا ہے اور مال واولاد کی محبت نے منافقوں کو ایمان اور جہاد سے محروم رکھا اس لئے اس آیت میں ایمان والوں کو حُبِ دنیا سے بچنے کا سبق دیا گیا کہ تم منافقوں کی طرح نہ بنو ان کا مال واولاد تو ان کے لئے دنیا آخرت کا عذاب ہے۔امام رازیؒ فرماتے ہیں:

''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کا مال زیادہ ہوگا اس کا حساب سخت ہوگا اور جو زیادہ خرید و فروخت میں پڑے گا اس کے شیاطین زیادہ ہوں گے اور جو بادشاہ سے زیادہ قرب رکھے گا تو اللہ تعالیٰ سے زیادہ دور

ہوجائے گا......اور احادیث اس بارے میں بہت ہیں اور مقصود یہ ہے کہ دنیا کی طرف نہ جھکو اور اس میں خود کو تباہ نہ کرو اور دنیا کی کثرت پر فخر نہ کرو۔"

وذکر عبید بن عمیر ورفعه الی الرسول علیه السلام من کثر ماله اشتدّ حسابه ومن کثر بیعه کثرت شیاطینه ومن ازداد من السلطان قرباً ازداد من الله بعدا والاخبار المناسبة لهذا الباب کثیرة والمقصود منها الزجر عن الارتکان الی الدنیا والمنع من التهالك فی حبّها والافتخار بها۔ (تفسیر کبیر)

دو علمی تحفے

امام رازیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں حبِّ دنیا کی مذمت میں عجیب اور مفصل تقریر فرمائی ہے اور امام ابن کثیرؒ نے اس آیت کی تفسیر میں وہ آیات ذکر فرمائی ہیں جن میں کافروں کے مال اور ظاہری ترقی کی طرف مسلمانوں کو نہ دیکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

شائقین طلباء کرام تفسیرِ کبیر اور ابنِ کثیر میں یہ دونوں اہم بحثیں ملاحظہ فرمالیں

خلاصہ

ان منافقین کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ اپنے مسلمان ہونے کی قسمیں کھاتے ہیں حالانکہ یہ لوگ مسلمان نہیں ہیں بلکہ خالص ڈرپوک لوگ ہیں جن کا مقصد بس اپنی جان بچانا اور اپنے لئے امن پانا ہے۔

سچے مسلمان کو قسموں کی کیا ضرورت؟

"سچے مومن کو اپنے ایمان پر قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہوتی، اہل ایمان اس کے حالات اور معاملات اور احوال واعمال اور برتاؤ کو دیکھ کر ہی اسے مومن سمجھتے ہیں...... اور منافقین کا رنگ ڈھنگ بتاتا ہے کہ یہ اندر سے مومن نہیں ہیں اس لئے اہل ایمان ان سے بچتے ہیں اور انہیں اپنا نہیں سمجھتے لہٰذا (وہ) بار بار قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم تمہیں میں سے ہیں۔" (انوار البیان)

اپنے ایمان پر قسمیں کھانا منافقین کا طریقہ

بیّن ان من اخلاق المنافقین الحلف بأنهم مؤمنون

یعنی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ منافقین کی عادتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنے مسلمان ہونے کی قسمیں کھاتے ہیں۔ (القرطبی)

اللہ کے نبی نے جہاد پر بلایا تو نہیں گئے، نماز میں سستی، زکوٰۃ اور صدقات میں بددلی اور کافروں سے یارانے اور تعلقات اور پھر زوردار قسمیں کہ ہم مسلمان ہیں، ہم مسلمان ہیں۔

یہ طبقہ ہر زمانے میں مسلمانوں کے لئے پریشانی کا باعث بنا رہتا ہے۔

مسلمانوں کے گھر پیدا ہو گئے

"منافقین کی عام عادت یہی ہے کہ قسمیں کھا کر اپنی باطل پرستی کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں، مسلمانوں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وہ ان کے ساتھ ہیں، حالانکہ وہ خوف ودہشت سے سہمے جاتے ہیں اور سچی بات زبان سے نہیں

نکال سکتے، اس لئے کہ اگر ان میں ہمت ہوتی تو اللہ کے نام پر جان دینے سے جی نہ چراتے، گویا ان کی اصلی حالت یہ ہے کہ صرف دکھانے کی خاطر اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں کیونکہ وہ ایک مسلمان کے گھر پیدا ہوئے، ان کے تمام رشتہ دار بھی اتفاق سے مسلمان واقع ہوئے ہیں، اگر انہیں موقع مل جاتا تو فوراً اسلام کو خیر باد کہہ دیتے، اب صرف گرد وپیش کی مجبوریوں نے ان کو مسلمان بنا دیا ہے۔ (تفسیر الفرقان)

صاحبِ عبارت نے اپنے زمانے کے بعض لوگوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ صاحب تفسیر ماجدی بھی اسی طرح کا ایک اشارہ درج ذیل عبارت میں فرماتے ہیں:

’’آج بھی ہمارے اندر کتنے لوگ ایسے ہیں جو محض سوسائٹی کے ڈر سے اور اس مجبوری کی بناء پر کہ کوئی دوسری سوسائٹی انہیں عزت کے ساتھ اپنے اندر جذب کرنے اور قبول کرنے پر تیار نہیں، محض سوشل حیثیت سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کئے ہوئے، اپنے کو اسلامی سوسائٹی کا رکن بنائے ہوئے اور اپنا نام مردم شماری کے رجسٹروں میں مسلمان کے خانہ میں لکھائے ہوئے ہیں۔ (تفسیر ماجدی)

اور ایسے لوگ بھی ہیں جو مسلمانوں کا حکمران بنے رہنے کے لئے زور دے کر خود کو مسلمان کہتے ہیں حالانکہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے ذرہ برابر خیر خواہ نہیں ہوتے۔

مشکل وقت میں کام نہیں آتے

’’آڑے وقت (یعنی مشکل وقت) تو اسلام کے کام نہیں آتے (کہ جہاد وغیرہ میں شرکت نہیں کرتے) اور ویسے جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم پکے مسلمان ہیں‘‘۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ

اگر وہ کوئی پناہ کی جگہ یا غار یا گھسنے کی جگہ پائیں تو دوڑتے ہوئے

وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿۵۷﴾

ادھر جائیں

خلاصہ

جب اسلام اور مسلمانوں کو قوت ملتی ہے تو یہ منافقین خوف اور نفرت میں جلنے لگتے ہیں چونکہ ان کے پاس بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں ہوتی اس لئے ڈر کی وجہ سے خود کو مسلمان کہتے ہیں مگر وہ اس تاک میں رہتے ہیں کہ کوئی قوم ان کو پناہ دے دے یا کسی بھی جگہ وہ مسلمانوں سے دور اپنی بددینی کی زندگی گزار سکیں...... انہیں اگر ایسی کوئی پناہ گاہ مل جائے تو وہ دوڑ کر وہاں چلے جائیں۔

وہ اسلام اور مسلمانوں سے نفرت رکھتے ہیں

''پھر منافقین کی قلبی بے تعلقی کا تذکرہ فرمایا کہ انہیں کوئی دوسرا ٹھکانہ میسر نہیں اس لئے تم سے اپنا تعلق ظاہر کرتے ہیں اور تمہاری جماعت کی طرف منسوب ہوتے ہیں اگر انہیں کوئی ٹھکانہ مل جائے جس میں پناہ لے سکیں یا کوئی غار مل جائے جس میں چھپ سکیں یا داخل ہونے کے لئے کوئی دوسری جگہ مل جائے تو تیزی کے ساتھ اس میں چلے جائیں گے اور تمہاری طرف سے نظریں پھیر لیں گے اور پوری طرح طوطا چشمی اختیار کرلیں گے تم سے انہیں بالکل بھی قلبی تعلق نہیں۔ (انوار البیان)

ملجأ کا معنی

تفسیر مظہری میں ہے:

مَلْجَاً یعنی کوئی حفاظت کا مقام جس میں پناہ لی جا سکتی یا کوئی قوم جس کے پاس جا کر امن مل جاتا۔ (مظہری)

مسلمانوں کے لئے تسلی

غزوۂ تبوک کا بیان چل رہا ہے منافقین نے جانے سے انکار کر دیا تھا، مسلمانوں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ ان کا نہ جانا اچھا ہے۔ یہ تمہارے دوست نہیں ہیں کہ تمہیں ساتھ جا کر فائدہ پہنچاتے بلکہ یہ تو تمہارے دشمن ہیں ان کو موقع ملے تو تمہیں فوراً چھوڑ کر چلے جائیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

یہ منافق مسلمانوں کی ترقی اور فتح نہیں دیکھ سکتے

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

ولهذا لا يزالون في هم وحزن وغم لان الاسلام واهله لايزال في عز ونصر ورفعة فلهذا كلما سر المسلمون ساء هم ذلك فهم يودّون ان لا يخالطوا المومنين.

یعنی منافقین مسلمانوں کی فتح اور عزت و سربلندی دیکھ کر ہمیشہ غم، پریشانی اور تکلیف میں رہتے ہیں اور مسلمانوں کی ہر خوشی ان کے لئے غم کا سبب بنتی ہے اسی لئے وہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ نہ رہیں۔ (ابن کثیر)

آج بھی اگر کسی علاقے میں اسلام غالب آجائے، مسلمانوں کی اسلامی حکومت قائم ہوجائے اور وہ اسلام کو نافذ کردیں تو اس آیت کا منظر ساری دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گی کہ کس طرح خود کو مسلمان کہلوانے والے بعض لوگ رسیاں تڑوا کر کافروں کی پناہ میں بھاگتے ہیں۔ ویسے بھی اپنی بددینی کو تحفظ دینے کے لئے غیر ملکوں میں پناہ لینے والوں کی آج بھی کوئی کمی نہیں ہے حالانکہ نام سے وہ خود کو مسلمان کہلواتے ہیں۔

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۵۸-۵۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا

اور بعضے ان میں سے وہ ہیں جو خیرات بانٹنے میں تجھے طعن دیتے ہیں سو اگر انہیں اس میں سے مل جائے تو راضی

وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ

ہوتے ہیں اور اگر نہ ملے تو فوراً ناراض ہوجاتے ہیں۔ اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ اسی پر

رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ

راضی ہوجاتے جو انہیں اللہ تعالی اور اس کے رسول نے دیا ہے اور کہتے ہمیں اللہ تعالی کافی ہے

سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾

وہ ہمیں اپنے فضل سے دے گا اور اس کا رسول۔ہم اللہ تعالی ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں

خلاصہ

اب ایسے لوگوں کا تذکرہ آتا ہے جو جہاد سے صرف اس لئے بھاگتے ہیں کہ انہیں روپیہ (یعنی مال) نہیں ملتا، اگر آج روپیہ مل جائے تو ہر طرح کی خدمت کو تیار ہیں، گویا وہ روپیہ (یعنی مال) کے بندے (یعنی غلام) ہیں (تفسیر الفرقان)

یہ خود کو جہاد سے مستثنیٰ کرنے والوں کی تیسری قسم ہے کہ جن کو جہاد سے رضائے الٰہی اور اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مطلوب نہیں بلکہ مال کمانا مقصود ہے اگر مال تھوڑا ملے تو وہ بگڑ جاتے ہیں، اگر انہیں مال مطلوب نہ ہوتا تو جتنا ملتا اس پر اکتفاء کرتے اور کہتے ہمیں اللہ تعالی کافی ہے جب ضرورت ہوگی پھر دے دے گا۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

آیتِ مبارکہ کا ربط

غزوۂ تبوک کا بیان چل رہا ہے منافقین نے طرح طرح کے بہانے بنا کر جانے سے انکار کردیا تو ان منافقین کی برائیاں اور احوال بیان ہورہے ہیں۔ ان کی ایک برائی یہ ہے کہ وہ مال کے بے حد حریص ہیں اور اگر مال کم ملے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی زبان چلانے سے باز نہیں آتے......اسی طرح ان کی ایک برائی یہ ہے کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اعتماد نہیں ہے ان کو یہ خطرہ لگا رہتا ہے کہ نعوذ باللہ مال غنیمت کی تقسیم میں انصاف نہیں ہوتا......اور ان کی ایک برائی یہ ہے کہ وہ جہاد نہیں کرتے اور اگر کریں بھی تو اللہ تعالی کے لئے نہیں مال کے لئے کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کا مسلمانوں کے ساتھ نہ جانا مسلمانوں کے حق میں اچھا ہی رہا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

شانِ نزول کے واقعات

حضرات مفسرین نے اس آیت مبارکہ کے شان نزول میں کئی واقعات لکھے ہیں جن میں زیادہ مشہور واقعہ "ذوالخویصرة التمیمی" کا ہے جس کا اصل نام "حرقوص بن زہیر" تھا...... بخاری و مسلم کی روایت ہے:

بینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقسم مالا اذ جاءہ حرقوص بن زهیر۔ اصل الخوارج ویقال له ذو الخویصرة التمیمي، فقال: اعدل یارسول اللہ فقال: ویلك ومن یعدل اذا لم اعدل فنزلت الآیة۔ (القرطبی)

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مال تقسیم فرما رہے تھے، اس دوران حرقوص بن زہیر (خوارج کا مورث اعلیٰ) آیا اس نے کہا یارسول اللہ انصاف سے کام لیجئے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہلاکت ہو تیرے لئے، اگر میں انصاف نہیں کرتا تو پھر کون انصاف کرے گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ قبیلہ ہوازن سے حاصل شدہ مال غنیمت کی تقسیم کی وقت پیش آیا۔ (یعنی غزوہ حنین کی فتح کے بعد) بعض روایات میں اعتراض اور نکتہ چینی کرنے والے کا نام "معتب بن قشیر" لکھا ہے جو منافق تھا۔ (مظہری)

درمنثور ص ۲۵۰ ج ۳ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین کے موقع پر غنیمت کے اموال تقسیم فرمائے تو میں نے ایک شخص کو یہ کہتے سنا کہ یہ تو ایسی تقسیم ہے جس کے ذریعہ اللہ کی رضا کا ارادہ نہیں کیا گیا (العیاذ باللہ) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس بات کا تذکرہ کیا، اپ نے فرمایا: اللہ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے انہیں اس سے زیادہ تکلیف دی گئی پھر انہوں نے صبر کیا اس پر یہ آیت وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ نازل ہوئی۔ (انوار البیان)

صاحب تفسیر مظہری شان نزول کے کئی واقعات ذکر کرنے کے بعد ان پر رد کرتے ہیں اور لکھتے ہیں:

میرے نزدیک اس آیت کا نزول اس موقع پر ہوا جب لوگ تبوک کے لشکر کی تیاری کے لئے مال، صدقات لا رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان صدقات کی تقسیم کر رہے تھے (اس وقت منافقین نے کچھ اعتراضات اٹھائے)۔ (تفسیر مظہری)

منافقین طالبِ دنیا

"جن لوگوں کے دلوں میں دنیا کی محبت رچی ہوئی ہوتی ہے، وہ مال ہی سے خوش ہوتے ہیں، دین و ایمان اور اعمالِ صالحہ اور جہاد فی سبیل اللہ سے خوش نہیں ہوتے، انہیں اس بات سے خوشی نہیں ہوتی کہ ہمیں نعمتِ اسلام مل گئی اور اعمالِ صالحہ کی دولت نصیب ہوگئی بلکہ حُبِّ دنیا کی وجہ سے وہ دنیا ملنے ہی کے منتظر رہتے ہیں دنیا مل گئی تو خوش اور نہ ملی تو ناخوش، منافقوں کے دلوں میں چونکہ ایمان نہیں تھا اور دنیا کے منافع ہی کے لئے جھوٹے منہ سے اپنے مسلمان

ہونے کا دعویٰ کر دیا تھا اس لئے مال نہ ملنے پر ان کا موڈ خراب ہو جاتا تھا۔ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا (سوا گر ان کو صدقات میں سے مال دے دیا جائے تو راضی ہو جاتے ہیں) وَإِنْ لَمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ (اور اگر اُن کو اِن (صدقات) میں سے نہ دیا جائے تو اسی وقت (فوراً) ناراض ہو جاتے ہیں، طالب دنیا کو بس مال چاہئے جو فانی ہے اور ایمان اور اعمال صالحہ کے مقابلہ میں حقیر چیز ہے۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہلاک ہو دنیا کا غلام اور درہم کا غلام اور چادر کا غلام اگر کچھ دے دیا جائے تو خوش ہو جائے اور نہ دیا جائے تو ناراض ہو جائے، یہ شخص ہلاک ہو اور اوندھے منہ گرے اور جب اسے کانٹا لگ جائے تو خدا کرے اس کا کانٹا نہ نکلے (بخاری) غور کرو رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے طالب دنیا کو کیسی بددعاء دی۔"

مزید فرمایا:

وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ

بات یہ ہے کہ مومن آدمی اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اور اسی سے امیدیں باندھ رکھتا ہے، تھوڑا مال جو اللہ کی طرف سے مل جائے اس پر بھی راضی رہتا ہے اور منافق تھوڑے پر راضی نہیں ہوتا برکتوں سے واقف نہیں ہوتا، اللہ سے لو نہیں لگاتا، ہر وقت مال ہی کی طلب اور حرص میں لگا رہتا ہے۔ (انوار البیان)

سُورَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۶۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا

زکوٰۃ مفلسوں اور محتاجوں اور اس کا کام کرنے والوں کا حق ہے

وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ

اور جن کی دلجوئی کرنی ہے اور غلاموں کی گردن چھڑانے میں اور قرض داروں کے قرض میں اور اللہ تعالیٰ کی راہ

اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۰﴾

میں اور مسافر کو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے

خلاصہ

چونکہ صدقات کی تقسیم کے معاملہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن اور اعتراض کیا گیا تھا اس لئے اس آیت میں متنبہ فرماتے ہیں کہ صدقات کی تقسیم کا طریقہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا ہوا ہے اس نے صدقات وغیرہ کے مصارف متعین فرما کر فہرست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دے دی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی کے مطابق تقسیم کرتے ہیں اور آئندہ بھی کریں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں کسی کی خواہش کے تابع نہیں ہو سکتے حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے صدقات (زکوٰۃ) کی تقسیم کو نبی یا غیر نبی کسی کی مرضی پر نہیں چھوڑا بلکہ بذات خود اس کے مصارف متعین کر دیے ہیں جو آٹھ ہیں: ❶ فقراء (جن کے پاس کچھ نہ ہو) ❷ مساکین (جن کو بقدر حاجت میسر نہ ہو) ❸ عاملین (جو اسلامی حکومت کی طرف سے صدقات وصول کرنے پر مامور ہوں) ❹ مؤلفۃ قلوب (جن کے اسلام لانے کی امید ہو یا اسلام میں کمزور ہوں (وغیر ذلک من الانواع) اکثر علماء کے نزدیک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد (انتظاما) یہ مد نہیں رہی) ❺ رقاب (یعنی غلاموں کا بدل کتابت ادا کر کے آزادی دلائی جائے یا خرید کر آزاد کیے جائیں یا قیدیوں کو فدیہ دے کر رہا کرایا جائے) ❻ غارمین (جن پر کوئی حادثہ پڑا اور مقروض ہو گئے یا کسی ضمانت وغیرہ کے بار میں دب گئے) ❼ سبیل اللہ (جہاد وغیرہ میں جانے والوں کی اعانت کی جائے) ❽ ابن السبیل (مسافر جو حالت سفر میں مالک نصاب نہ ہو اگرچہ اپنے گھر میں مالدار ہو)۔ (تفسیر عثمانی، تسہیل)

اقوال وحوالے

جہاد کے موقع پر مصارف زکوٰۃ کا بیان اس طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ مال کی تقسیم کا معاملہ بسا اوقات جماعت

میں اختلاف کا باعث بنتا ہے اور مال کے حریص لوگ ’’تقسیم کرنے والوں پر‘‘ الزامات لگاتے ہیں اور یوں آپس میں پھوٹ پڑ جاتی ہے، غزوۂ تبوک کے موقع پر بھی منافقین دیگر بہانوں کے ساتھ اس طرح کی باتیں بھی کر رہے تھے، اس لئے بتادیا گیا کہ مال زکوٰۃ کی تقسیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس مال کو اپنے اختیار سے تقسیم فرماتے ہیں اس کی تقسیم کا اختیار بھی اللہ تعالیٰ نے ہی آپ کو دیا ہے، حضرت لاہوریؒ لکھتے ہیں:

منافقین نے تقسیم صدقات پر اعتراض کیا تھا، اب مصارف مالِ زکوٰۃ کا اعلان کیا جاتا ہے تاکہ ان منافقین کو پتہ لگ جائے کہ صدقات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فداہ امی وابی کو کوئی ذاتی غرض نہیں ہے آپ تو اس سے ایک کوڑی لینے کے بھی روادار نہیں۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

فائدہ

اس آیت مبارکہ میں چونکہ اسلام کے ایک اہم رکن ’’زکوٰۃ‘‘ کے حتمی مصارف کا بیان ہے اس لئے حضرات مفسرین نے اس پر خوب دل کھول کر لکھا ہے۔

اسی طرح فقیر اور مسکین کے معنیٰ میں بھی کئی اقوال ہیں اور زکوٰۃ کے بعض مسائل میں ائمہ کرام کا اختلاف بھی ہے اسے بھی حضرات مفسرین نے دلائل کے ساتھ لکھا ہے شائقین حضرات تفاسیر معتبرہ کی طرف رجوع فرمالیں۔

فی سبیل اللہ سے مراد جہاد

زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں سے ایک ’’فی سبیل اللہ‘‘ ہے جس سے اکثر مفسرین نے ’’جہاد‘‘ مراد لیا ہے۔ چنانچہ تفسیر ماجدی میں ہے:

’’لفظی معنیٰ کے اعتبار سے اس مد میں تو ہر وہ خرچ آجاتا ہے جو اللہ کی رضا جوئی کے لئے کیا جائے لیکن مفسرین نے احادیث نبوی اور آثار صحابہؓ کی روشنی میں خرچ کی اس مد کو عموماً مجاہدین تک محدود رکھا ہے۔

اراد بها الغزاة فلهم سهم من الصدقة (معالم) فمنهم الغزاة الذين لاحق لهم فى الديوان (ابن كثير) هم الغزاة وهذا قول اكثر العلماء وهو تحصيل مذهب مالكؒ (القرطبى)۔ (تفسیر ماجدی)

اس قول کی تائید میں چند دیگر عبارتیں ملاحظہ فرمائیے:

❶ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اى القائمين بالجهاد، ممن لا فى ء لهم ، ولو اغنياء (جلالين)

❷ اور اللہ کی راہ یعنی جہاد کا خرچ (موضح القرآن)

❸ اور جہاد کرنے والوں کے سامان میں (بیان القرآن)

❹ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وهم الغزاة وموضع الرباط يعطون ماينفقون فى غزوهم كانوا اغنياء او فقراء (القرطبی)

یعنی اس سے مراد مجاہدین ہیں اور جہادی مقامات، ان مجاہدین کو زکوٰۃ میں سے دیا جائے گا جو وہ اپنے جہادی

کاموں میں خرچ کریں گے برابر ہے کہ وہ مالدار ہوں یا فقیر۔ (حنفیہ کے ہاں فقر شرط ہے)

⑤ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فقراء الغزاۃ او الحجیج المنقطع بھم (المدارک)

⑥ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ قال المفسرون: یعنی الغزاۃ (تفسیر کبیر)

⑦ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ھو المجاھد یعطی منھا اذا کان فقیرا والجمھور علیٰ انہ یعطی منھا وان کان غنیاً ماینفق فی غزوتہ۔

یعنی مراد اس سے مجاہد ہے جب ضرورت مند ہو مگر جمہور کا قول یہ ہے کہ مجاہد کو جہادی کاموں کے لئے زکوٰۃ دی جائے گی اگرچہ غنی ہو۔ (البحرالمحیط)

ان تمام اقوال سے معلوم ہوا کہ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کا اوّلین مصداق مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔

اور بعض مفسرین نے لفظ فِیْ سے یہ نکتہ بھی بیان فرمایا ہے کہ یہ مصرف دیگر مصارف سے زیادہ اہم اور تاکیدی ہے۔

کئی مفسرین حضرات نے فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کے مصرف میں مجاہدین کے علاوہ بعض دیگر افراد کو بھی شامل فرمایا ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے قرطبی، روح المعانی ودیگر تفاسیر معتبرہ۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فہرست

سورۃ الانفال

سورۃ التوبۃ